انسائیکلوپیڈیا 3

جہانِ قائدؒ

تالیف

علامہ عبدالستار عاصم

حیاتِ قائداعظم محمد علی جناحؒ پر مکمل، مستند انسائیکلو پیڈیا
جہانِ قائدؒ
جلد سوم
تحقیق و تالیف
علامہ عبدالستار عاصم
مجلس مشاورت
ڈاکٹر مجید نظامی، ڈاکٹر عبدالقدیر خان، بانو قدسیہ
ڈاکٹر محمد اجمل خان نیازی، رانا عامر رحمٰن
قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل لاہور
بینک سٹاپ والٹن روڈ لاہور کینٹ پاکستان

انتساب

ملے گا منزل مقصود کا اسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ
(علامہ اقبالؒ)
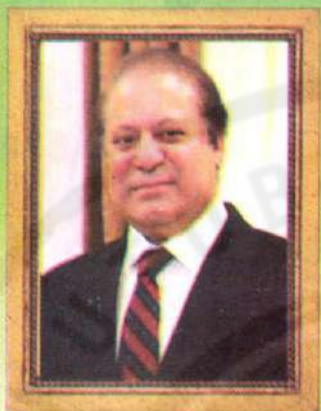
پاکستان کو ناقابل تسخیر، ترقی یافتہ اور مستحکم بنانے کے لئے
ہمہ وقت اپنی آنکھوں کا چراغ روشن رکھنے والے

جناب میاں محمد نواز شریف وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان
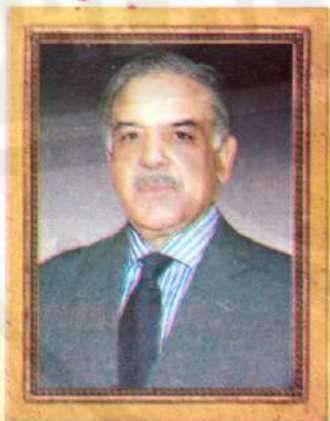
میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
نہیں ہے بندۂ حر کے لئے جہاں میں فراغ
(علامہ اقبالؒ)

صبح و شام قوم کی خدمت میں مصروف عمل

جناب میاں محمد شہباز شریف

وزیر اعلیٰ پنجاب

کے نام

انتساب

افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
(علامہ اقبالؒ)

ہر حاکم وقت کے روبرو کلمہ حق کہنے والے آزاد مردِ مومن

آبروئے صحافت **جناب ڈاکٹر مجید نظامی**

ایڈیٹر نوائے وقت
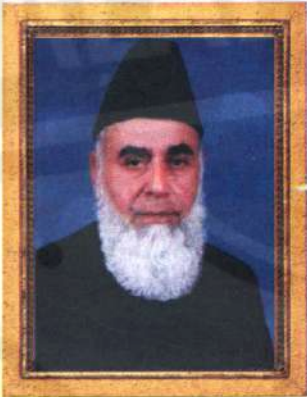
ازل سے فطرتِ احرار میں ہے دوش بدوش
قلندری و قباپوشی و کلہ داری
(علامہ اقبالؒ)

پاکستانی سیاست کے مردِ قلندر، نظریاتِ قائد کے بے باک مبلغ

جناب محمد رفیق تارڑ

چیئرمین نظریہ پاکستان ٹرسٹ

کے نام

انتساب

عشق و مستی نے کیا ضبط نفس مجھ پہ حرام
کہ گرہ غنچے کی کھلتی نہیں بے موجِ نسیم (علامہ اقبالؒ)

عالی دماغ معشیت دان

جناب محمد اسحاق ڈار

وفاقی وزیر خزانہ حکومت پاکستان

نفس مشک افشاں بہاروں سے بڑھ کر
جبین درخشاں ستاروں سے بڑھ کر (علامہ عاصم)

عظیم ترباپ کے عظیم سپوت، عوام کے محبوب

جناب مجتبیٰ شجاع الرحمٰن صوبائی وزیر خزانہ پنجاب
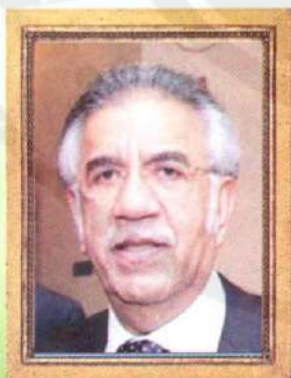
عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہ تیری
بلا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا (علامہ اقبالؒ)

محنت، دیانت، ذہانت، صداقت سے
ایک برنس ایمپائر قائم کردینے والے

جناب صدرالدین ہاشوانی

کے نام

انتساب

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں
(علامہ اقبالؒ)
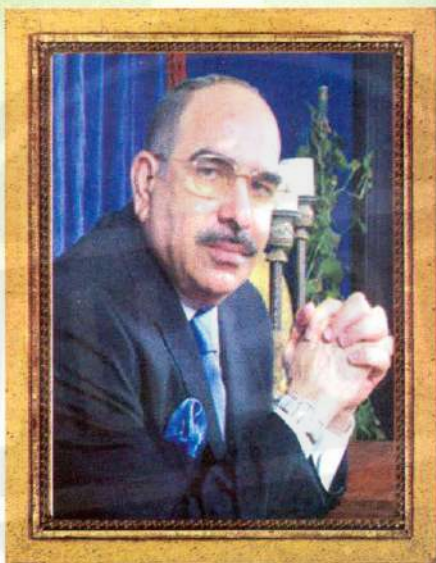
انسانیت سے محبت میں سرشار کئی جستیں لگا
کر کئی مرتبہ بے کراں ملکی مسائل کو حل کر دینے والے

جناب ملک ریاض حسین

چیئرمین بحریہ ٹاؤن

کے نام
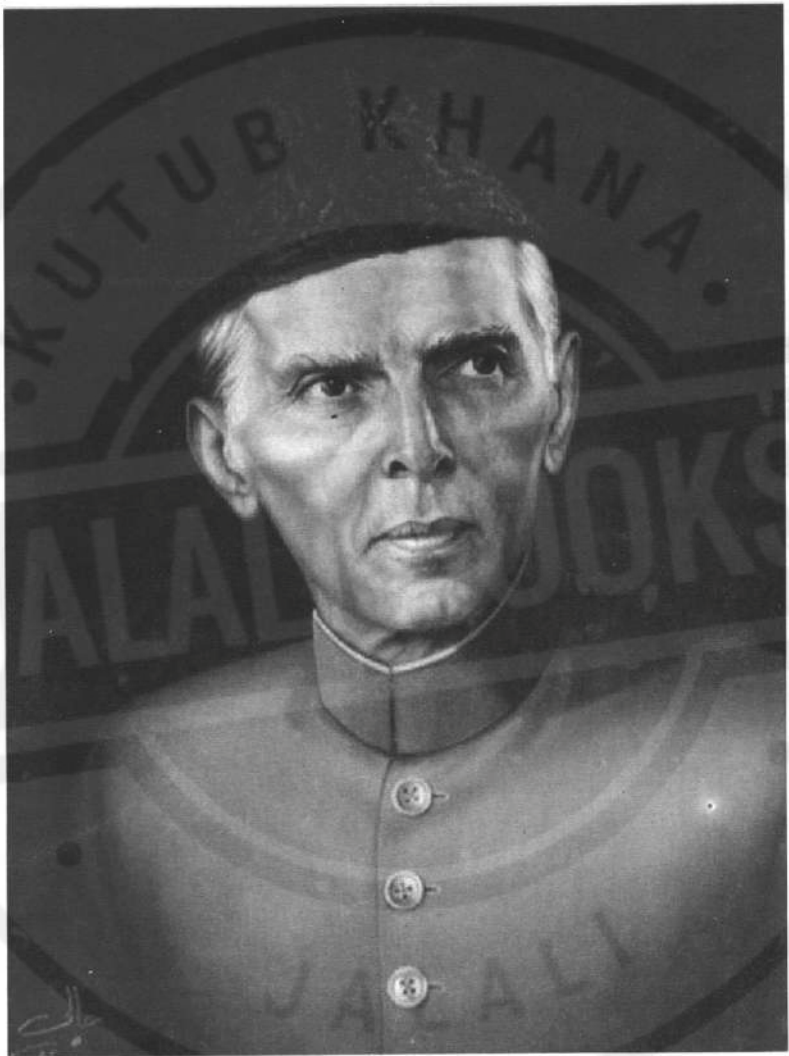
قائداعظم محمد علی جناحؒ آرٹسٹ ''جالی'' کی نظر میں

خ

خادم اسلام

17 اپریل 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی ایک تقریر میں جو انہوں نے پشاور میں قبائلی جرگہ کے سامنے کی تھی اس میں کہا تھا:

''میں نے جو کچھ بھی کیا ہے خادم اسلام ہونے کی حیثیت سے کیا ہے ہم سب مسلمان ہیں۔ ایک خدا، ایک قرآن مجید اور ایک رسول مقبول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہمیں ایک ملت کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہیے۔ اب اس ملک میں غیروں کی حکومت نہیں مسلمانوں کی حکومت ہے۔''

خارجہ پالیسی

بنیادی طور پر پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ اس کے نظریہ کی بنیاد اسلام ہے۔ اس نظریے کا تقاضا ہے کہ پوری دنیا میں خاص طور پر اسلامی ممالک کے ساتھ پاکستان کے تعلقات مثالی ہوں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس نظریے (اسلامی نظریے) کے تحفظ اور فروغ کے لیے اقوام عالم کو ایک پیغام بھی دیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ دوستی اور خیر سگالی کا پیغام جس کا ذکر انہوں نے اپنی متعدد تقاریر میں بھی کیا ہے۔ ان تقریروں میں سے چند اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔

❶ ''پاکستان کی خارجہ پالیسی کی کلید یہ ہوگی کہ دنیا کی تمام اقوام کے ساتھ انتہائی دوستانہ تعلقات۔ ہم پوری دنیا میں امن کے تمنائی ہیں۔ عالمی امن قائم کرنے کے لیے اپنی استطاعت اور توفیق کے مطابق اپنے حصے کا کردار خوش اسلوبی سے انجام دیں گے۔''

(پریس کانفرنس جولائی 1947)

گلوب رائٹرز کے نمائندے کو اکتوبر 1947ء میں انٹرویو دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

❷ ''پاکستان قائم رہنے کے لیے بنا ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا، لیکن دو آزاد مساوی اور خود مختار مملکتوں کی حیثیت میں بھی ہم بھارت سے دوستی یا معاہدہ کرنے پر ہمیشہ تیار ہیں۔ جس طرح کہ ہم دنیا کے اور ملکوں سے معاہدے کر سکتے ہیں۔''

12 جنوری 1948ء کو پاکستان میں فرانس کے پہلے سفیر کا تقرر ہوا تو اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

❸ ''تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ آزادی، اخوت اور مساوات کی جو آراء آپ کے عظیم انقلاب کے دوران بلند ہوئی تھی، اور جسے آپ کے عظیم جمہوریہ نے سرکاری طور پر قبول و اختیار کیا تھا اس کے اثرات و نتائج پوری دنیا میں پھیل گئے۔ یہ تصورات اور یہ اصول آج بھی کتنی ہی کمزور اقوام کی امنگوں کا محور اور تمناؤں کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ دنیا کے آزاد مسلم ملک میں سب سے کم عمر اس ملک پاکستان کی روایات اور ثقافت ایک طویل ماضی کی میراث ہیں۔ ایسا ماضی جو اسلامی دنیا سے فرانس کے صدیوں گوناگوں تعلقات کے پیش نظر فرانس کی

حکومت اور عوام کے لیے اچھی طرح جانا پہچانا ہے۔ اسلامی دنیا اور فرانس کے طویل عرصے کے روابط کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ فرانس اور پاکستان کے عوام ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں ہیں۔''

24 فروری 1948ء کو امریکی عوام سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

۴ ''ہماری خارجہ پالیسی کا اصل اصول تمام اقوام عالم کے لیے دوستی اور خیر سگالی کا عملی جذبہ ہے۔ ہم دنیا میں امن اور خوشحالی کے اضافے اور ترقی کے لیے اپنی جانب سے زیادہ سے زیادہ کردار انجام دینے کے لیے تیار ہیں۔

پاکستان دنیا کی مظلوم اور کچلی ہوئی اقوام کو اخلاقی اور مادی امداد دینے سے کبھی نہیں ہچکچائے گا، اور اقوام متحدہ کے منشور میں درج شدہ اصولوں کا حامی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اکتوبر 1947ء میں رائٹر کے نمائندے کو ایک انٹرویو میں کہا:

۵ ''میں واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کبھی ایک مشترکہ مرکز کے تحت دو آزاد مملکتوں کے درمیان کسی قسم یا شکل یا طرز کی آئینی وحدت کو نہ تسلیم کرے گا نہ اتفاق کرے گا۔''

اپریل 1948ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے ایرانی وفد سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

۶ ''میں اقوام ایشیاء اور بالخصوص مسلم اقوام میں ہم آہنگی، مقصد کی وحدت اور مکمل افہام و تفہیم کی ضرورت پر زور دیتا ہوں کیونکہ ایشیائی اتحاد عالمی امن اور خوشحالی کے حصول میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی خواہش تھی کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی مضبوط بنیادوں پر استوار ہو۔ انہوں نے پاکستان کے لیے غیر جانبدار خارجہ پالیسی وضع کی اور بڑی طاقتوں کے علاوہ مسلم ممالک کے ساتھ گہرے برادرانہ روابط قائم کیے۔ 14 جولائی 1947ء کو ایک پریس کانفرنس میں قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کی خارجہ پالسی کے بارے میں فرمایا:

۷ ''پاکستان کی خارجہ پالیسی کی کلید یہ ہوگی کہ دنیا کے تمام اقوام کے ساتھ انتہائی دوستانہ تعلقات قائم کیے جائیں گے۔ ہم پوری دنیا میں امن کے خواہش مند ہیں، اور عالمی امن قائم رکھنے کے لیے اپنی استطاعت اور توفیق کے مطابق اپنے حصے کا کردار خوش اسلوبی سے انجام دیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے خارجہ پالیسی کی بنیاد مندرجہ ذیل اصولوں پر رکھی تھی۔

۱ عالمی امن، خوشحالی اور ترقی کو فروغ دینے کے لیے پاکستان اہم کردار ادا کرے۔

۲ بڑی طاقتوں کی باہمی کشمکش میں شریک ہونے سے گریز کیا جائے۔

۳ تمام محکوم قوموں کی جدوجہد آزادی میں ہر ممکن مدد دی جائے۔

۴ عالمی مسائل دیانت اور انصاف کے اصولوں کے مطابق حل کیے جائیں۔

۵ اقوام متحدہ کے اصولوں کی بھرپور حمایت کی جائے۔

۶ خارجہ پالیسی کے تعین میں جغرافیائی سیاسی تقاضوں کو مدنظر رکھا جائے اور ہمسایہ ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات کے قیام کو ترجیح دی جائے۔

۷ غیر ملکی امور میں مداخلت سے گریز کیا جائے۔

۸ تیسری دنیا کے ممالک کے مابین یکجہتی اور اتحاد کے لیے جدوجہد کی جائے۔

قائداعظم محمد علی جناح قیامِ پاکستان کے بعد چونکہ ایک سال تک ہی زندہ رہے، اس لیے ان کے عہد میں خارجہ پالیسی کوئی

واضح صورت اختیار نہ کرسکی۔ البتہ وزیراعظم لیاقت علی خان کے دور میں پاکستانی خارجہ پالیسی کے خدوخال نمایاں ہوئے۔

خاکسار تحریک

اس تحریک کا قیام 1930ء میں علامہ عنایت اللہ المشرقی کی کوششوں سے عمل میں آیا۔ اس کے قیام کا مقصد مسلمانوں کو انگریزوں کے ظلم وستم اور بربریت سے نجات دلانا تھا۔ جلیانوالہ باغ، قصہ خوانی بازار پشاور اور مسجد شہید گنج لاہور کے روح فرسا مناظر نے علامہ عنایت اللہ مشرقی کے دل میں انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا، جس کے نتیجے میں 19 مارچ 1940ء کو خاکسار نوجوانوں نے نہ صرف پروانہ وار موت کو لبیک کہا بلکہ ان مجاہدوں نے آگے بڑھ کر جس طرح نشہ اقتدار میں چور اور بدمست انگریز افسروں کو جہنم واصل کرکے برطانوی سامراج کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں، اس کی مثال برصغیر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ظالم فرنگیوں کے ہاتھوں 50 خاکسار شہید ہوئے۔

اس روح فرسا واقعہ سے سارے ہندوستان میں فرنگی سامراج کے خلاف غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ قائداعظم محمد علی جناح لاہور پہنچے اور ریلوے اسٹیشن سے سیدھے میوہسپتال گئے جہاں جوشیلے خاکسار شدید زخمی پڑے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے وہیں خاکساروں کو خراج عقیدت پیش کیا اور شہداء کے لیے دعائے مغفرت کی لیکن ان شہداء کا خون ضائع نہ ہوا اور صرف تین روز بعد قرارداد پاکستان منظور ہوگئی۔

1931ء سے 1946ء تک اس تحریک خاکسار پر بہت سے صبر آزما مواقع آئے لیکن یہ تحریک آگے بڑھتی رہی بالآخر 30 جون 1947ء میں دہلی میں خاکساروں کا آخری کیمپ منعقد ہوا جس میں علامہ عنایت اللہ مشرقی نے شرط لگائی تھی:

''اگر کیمپ میں تین لاکھ خاکسار جمع نہ ہوئے تو تحریک کو منتشر کردیا جائے گا۔''

اور اس طرح تحریک منتشر ہوگئی۔

15 سال بعد 1962ء میں تحریک میں پھر سے نئی روح پھونکی گئی۔ 1963ء میں علامہ مشرقی کی جگہ میاں بشیر احمد صدیقی اس کے سربراہ بنے۔ ان کے انتقال کے بعد جماعت دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک کے سربراہ اشرف خان تھے جب کہ دوسری کے علامہ مشرقی کے صاحبزادے۔ 1977ء میں یہ جماعت قومی اتحاد میں شامل ہوئی۔

خالد اختر افغانی

آپ نے قائداعظم محمد علی جناح پر ایک کتاب بعنوان ''حالات قائداعظم'' مرتب کی۔ اس کتاب کو آتش فشاں پبلی کیشنز نے 1988ء میں شائع کیا۔ مولف نے اسے اسماعیل خواجہ حسین سے منسوب کیا ہے۔

کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی ابتدائی زندگی کو مختصراً بیان کرنے کے بعد جب مولف 1936ء۔ 1937ء پر آتا ہے تو اس کا قلم بھرپور ہوجاتا ہے کیونکہ یہی وہ زمانہ تھا جب قائداعظم محمد علی جناح نے برصغیر کے نوکروڑ مسلمانوں کے منتشر غریب، ناخواندہ بے بس اور بے نظم عوام کو ایک قوم بنانے کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ کی تنظیم نو کی۔

خالق دینا ہال

یہ کراچی کا مشہور ہال ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے یہاں قیام پاکستان کے بعد 11 اکتوبر 1947ء کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''پاکستان کے لیے ہم دس سال سے کوشش کررہے تھے، اب خدا کے فضل سے ایک حقیقت بن گیا ہے۔ مقصود بالذات آزاد مملکت کا حصول وقیام نہیں تھا بلکہ

وہ ایک عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ وہ مقصد یہ تھا کہ ہم آزاد انسانوں کی مانند رہ سکیں۔ سانس لے سکیں جس میں ہم اپنی روشنی اور ثقافت کے مطابق پروان چڑھ سکیں، اور اسلام کے اصول عدل عمرانی کو بروئے کار سکیں۔''

اس ہال کی تعمیر 1906ء میں کراچی میں ہوئی۔ 7 جولائی 1964ء کو کراچی میں میونسپل کارپوریشن کے خصوصی اجلاس نے ایک قرارداد منظور کی جس کے تحت پرانے مشہور تاریخی خالق دینا ہال کو مسمار کر کے 15 لاکھ روپے کی لاگت سے ایک نیا ہال تعمیر کرنے کا اعلان کیا گیا۔

قرارداد کے حق میں گیارہ اور مخالف میں تین ووٹ آئے۔ جنگ آزادی کے ہیرو اور عظیم مسلمان رہنما مولانا محمد علی جوہر کے خلاف ترک موالات کی تحریک کے دوران انگریزی حکومت نے بغاوت کا جو مقدمہ چلایا تھا اس کی سماعت اسی ہال میں ہوئی تھی۔

خان، احمد نواز صاحبزادہ

آپ ڈیرہ اسماعیل خان کے مشہور سدوزئی نواب اللہ داد خان کے جانشین تھے۔

صاحبزادہ احمد نواز خان 2 فروری 1887 کو پیدا ہوئے۔ والدین نے اعلیٰ تعلیم دلائی۔ 1911ء میں والد کی وفات کے بعد ان کی جگہ لی۔ 1933ء سے 1945ء تک مسلسل چودہ سال تک ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے رکن رہے۔ انہوں نے سرحد کو اصلاحات دلانے کے لیے مرکزی اسمبلی میں بڑی جدوجہد کی اور ہندوؤں کی خطرناک سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے زبردست آئینی کردار ادا کیا۔ تحریک پاکستان میں ہر آئینی مسئلے پر قائداعظم محمد علی جناح کا ساتھ دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے خاص مداحوں میں سے تھے۔ کانگریس کے ہر اقدام پر ڈٹ کر آئینی مقابلہ کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح پر قاتلانہ حملے کے موقع پر انہوں نے اپنے اس خط میں جن خیالات کا اظہار کیا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں قائداعظم محمد علی جناح سے کس قدر محبت تھی۔ وہ قائداعظم محمد علی جناح کو مسلمان قوم کا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔

27 دسمبر 1957ء کو انتقال ہوا۔

خان احمد نواز بنام قائداعظم

میجر نواب سر احمد نواز خان
نواب آف ڈیرہ
27 جولائی 1943ء

مائی ڈیئر قائداعظم!

آج صبح مجھے آپ پر حملے کی خبر سن کر بہت زیادہ افسوس ہوا لیکن مجھے خوشی حاصل ہوئی کہ خدا کے فضل و کرم سے آپ کو کوئی خاص چوٹ نہیں آئی۔ میں تہہ دل سے آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور آپ کی خوشحالی اور کامیاب زندگی کے لیے دعا کرتا ہوں۔ میں یہاں دہلی میں قانون ساز اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیے رہا ہوں، مجھے امید ہے کہ میں اگلے ماہ انشاءاللہ آپ سے دہلی میں ملاقات کروں گا۔

آپ کی صحت کے لیے دعاگو
آپ کا مخلص
میجر نواب سر احمد نواز خان
ایم ایل اے نواب آف ڈیرہ

(بحوالہ: قائداعظم اور سرحد از عزیز جاوید)

خاں صاحب، ڈاکٹر

قیامِ پاکستان کے وقت صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعلیٰ تھے۔ انہوں نے اعلان کیا تھا:

''اگر ریفرنڈم پاکستان کے حق میں ہوا تو میں مستعفی ہو جاؤں گا۔''

لیکن ریفرنڈم کے بعد انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کی تعمیر کے کام میں سارے شہریوں سے بلالحاظ ماضی میں سیاسی اختلافات وفادارانہ تعاون چاہتے تھے۔ اس حکمت عملی کے تحت انہوں نے ڈاکٹر خاں صاحب اور ان کے وزراء کو عہدوں پر برقرار رہنے کی اجازت دے دی، لیکن ڈاکٹر خاں صاحب نے پاکستانی پرچم کو سلامی دینے سے انکار کر دیا، اور پاکستان کی مخالفت کے اپنے سابقہ رویے میں کوئی تبدیلی نہ کی، لہٰذا 22 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے حکم پر گورنر صوبہ سرحد نے ڈاکٹر خاں صاحب کی وزارت برطرف کر دی۔

ڈاکٹر خان صاحب 1882ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم پشاور میں حاصل کی۔ بعد ازاں ڈاکٹری کی تعلیم کے لیے لندن کے میڈیکل سکول سے سند فراغت حاصل کی۔ تکمیل کے بعد انڈین آرمی میں شمولیت اختیار کی۔ 1930ء میں سیاست کے میدان میں قدم رکھا۔ صوبہ سرحد میں پہلی کانگریسی وزارت قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ قیام پاکستان کے وقت صوبہ سرحد میں کانگریس کے وزیراعلیٰ تھے۔ انہوں نے آزادی کی تقریب میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس بنا پر قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں برطرف کر دیا۔ چھ سال تک نظر بند رہنے کے بعد مرکزی وزیر مواصلات مقرر ہوئے۔ ون یونٹ کے قیام پر اس کے وزیراعلیٰ رہے۔ مئی 1958ء میں قتل ہوئے۔

خان عباس خان

27 نومبر 1945ء کو خان عباس خان، کانگریسی وزیر صنعت وحرفت صوبہ سرحد نے کانگریس سے ترکِ تعلق کر کے مسلم لیگ میں شرکت کر لی۔

آپ نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک خط لکھا:

''میں سرحد کی کانگریسی وزارت میں صرف اس وقت تک کے لیے تھا، جب وزارت قائم رہے گی، چونکہ سرحد اسمبلی ٹوٹ رہی ہے، اس لیے میں نے وزارت سے علیحدگی اختیار کر لی، میرا مسلم لیگ کے اصول اور نصب العین پر اعتماد ہے۔ اس لیے میں مسلم لیگ میں شامل ہو گیا ہوں۔''

خان عبدالقیوم خان

(دیکھئے: عبدالقیوم خان)

خانہ جنگی

بمبئی پریذیڈنسی مسلم لیگ کانفرنس کا عظیم الشان اجتماع راجہ صاحب محمود آباد کی زیرِ صدارت ہبلی میں منعقد ہوا، اس اجلاس میں شرکت کی دعوت قائداعظم محمد علی جناح کو بھی دی گئی تھی، مگر بعض ناگزیر مصروفیات کے باعث وہ شریک نہ ہو سکے، البتہ اپنی طرف سے ایک روح پرور پیام بھیج دیا جو اپنی افادیت اور معنویت کے اعتبار سے غیر معمولی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں وقت کے بعض اہم مسائل پر انہوں نے حسب عادت دوٹوک رائے ظاہر کی ہے اور بعض ایسی باتیں ارشاد فرمائی ہیں جو یادگار حیثیت رکھتی ہیں۔

پاکستان کی تجویز مسلم لیگ منظور کر چکی تھی، سارے ہندوستان میں تہلکہ شور و شر اور ہنگامہ مچا ہوا ہے، ہندو جماعتوں، کانفرنسوں اور پریس نے ایک قیامت عظیم برپا کر رکھی تھی، ہندو جماعتوں نے خاص کر کانگریس نے ہاؤ ہو کا عالم پیدا کر رکھا تھا، مگر اس شور و شر کے باوجود قائداعظم محمد علی جناح اپنے مسلک میں چٹان کی طرح جمے ہوئے تھے، ان کے پائے

ثبات میں کہیں لغزش نظر نہیں آتی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 26 مئی 1940ء کو اپنے پیغام میں کہا:

''جنوبی ڈویژن کے مسلمانوں کی خدمت میں، میں چند الفاظ عرض کرنا چاہتا ہوں مسلمانانِ ہندوستان کی مُسلم لیگ نے صحیح رہنمائی کی ہے مسلمانوں کو ایک پرچم ایک پلیٹ فارم ایک سوچا سمجھا ہوا لائحہ عمل اور ایک پالیسی دی ہے اور بالآخر گزشتہ مارچ میں لاہور کا ریزولیوشن پاس کر کے اس نے مسلمانوں کے سامنے ایک معین نصب العین اور ایک مطمع نظر صحیح طور پر پیش کر دیا ہے۔

اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو جدوجہد کرنی چاہیے۔ اس کے لیے انہیں قربانیاں دینی چاہیے کیونکہ ان کی نجات اسی مقصد کے حصول سے وابستہ ہے''مجھ سے سوال کیا جاتا ہے کہ انگریز لاہور ریزولیوشن کے بنیادی اصول سے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ہندوستان کے شمال و مغرب کے علاقوں میں آزاد مسلم حکومتیں قائم کر دی جائیں؟'' وہ اتفاق کریں یا نہ کریں، ہم اس کے لیے آخری قطرۂ خون تک لڑیں گے۔ آخری خندق سے لڑیں گے۔ مجھے علم ہے کہ انگلستان کے سیاستدان، انگلستان کے اخبارات اور پبلک سب اسی خیال کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں کہ ہندوستان ایک ہے، اور وہاں کی قوموں میں اتحاد ہو جائے گا، مگر مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ کانگریس ہائی کمان یہ چاہتا ہے کہ اس ملک میں ہندو راج قائم ہو، اور اس راج کے قائم کرنے میں انگریزوں کی فوجی قوت مدد دے، مگر یہ کبھی خیال میں نہیں آ سکتا، کہ انگریز اپنی فوجی قوت کی مدد مسلمانوں کو زیر کرنے کے لیے کانگریس کے ہائی کمان کو دیں گے، کانگریس ایک جوا کھیلنا چاہتی ہے کہ شاید پانسہ ٹھیک پڑ گیا تو کامیابی حاصل ہو جائے گی مگر اُسے یقیناً ناکامیابی ہوگی۔ حیرت ہے کہ مسٹر گاندھی اور راجگوپال اچاریہ جیسی ہستیاں لاہور کے ریزولیوشن کے متعلق ان الفاظ میں ذکر کریں۔

''ہندوستان کو جیتے جی ٹکڑے ٹکڑے کیا جا رہا ہے۔''

''بچے کے دو ٹکڑے کیے جا رہے ہیں۔''

''قدرت نے پہلے ہی سے ہندوستان تقسیم کر رکھا ہے، اور اس کے حصے علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں۔ ہندوستان کے نقشے پر مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان پہلے ہی سے موجود ہیں۔ نہ معلوم اس کے متعلق اتنا واویلا کیوں کیا جا رہا ہے، وہ ملک ہے کہاں جس کے ٹکڑے کیے جائیں گے؟ اور وہ قوم ہے کہاں جس کی قومیت فنا کی جانے کو ہے؟

وہ طاقت جس کے قبضۂ قدرت میں آج ہندوستان ہے، وہ انگریزوں کی طاقت ہے اور یہ جو ایک خیال دماغوں میں بیٹھ گیا ہے کہ ہندوستان ایک متحدہ ملک ہے، اور اس کی ایک حکومت ہے، وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ انگریز اس سارے ملک پر حکمران ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہمارا مطالبہ فرقہ پرستی کے لیے دو آتشہ ہے، فرقہ پرستی کا نچوڑ ہے، کیوں؟ اس لیے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہندو اور مسلمانوں کے علیٰحدہ علیٰحدہ حصہ ہائے ملک قائم کیے جائیں، اور وہ دو معزز قوموں کی طرح اور اچھے ہمسایوں کی طرح ان میں زندگی بسر کریں۔ نہ اس طرح کہ ہندو تو غالب اور اعلیٰ ہوں اور مسلمان مغلوب اور پست، اور ان دونوں کو غیر

قدرتی طور پر ایک دوسرے سے باندھ دیا جائے اور ہندوؤں کی مذہبی مجاورٹی، مسلم ہندوستان پر ہے اور وہ مسلمانوں پر حکومت کریں اور مسلط رہیں۔
یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ قابلِ عمل بھی نہیں، کیوں نہیں؟ اس وقت بھی موجودہ کانسٹیٹیوشن کے ماتحت خودمختار صوبے موجود ہیں، ان صوبوں میں کہیں مسلمانوں کا غلبہ ہے کہیں ہندوؤں کا۔ ایسے جغرافیائی قطعات کو معرضِ وجود میں لانا جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، جن میں ایک قسم کی آبادی ہو، اور دوسرے نوع کی وحدت ہو، اور یہ قطعات خودمختار بھی ہوں بالکل ممکن اور نامناسب اور قابل عمل ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس اسکیم پر ایمانداری سے غور وخوض کیا جائے لیکن اگر کانگریس کا یہی ارادہ ہے کہ مسلمانوں کو بہ جبر ہندوستان کے ماتحت رکھا جائے اور ایک ایسی مرکزی حکومت قائم کی جائے، جہاں ہندوؤں کی مجارٹی ہمیشہ رہے تو بے شک یہ اسکیم ناقابلِ عمل ہے۔
سب سے آخر میں ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ اسکیم خود مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے، یقیناً یہ امر مسلمانوں ہی کے لیے چھوڑ دینا چاہیے وہ خود اس کا فیصلہ کریں کہ یہ اسکیم مفید ہے یا مضر یہ وہی پرانی فرسودہ دلیل ہے جو ہمارے حاکم یعنی انگریز پیش کیا کرتے تھے، جب ہندوستانی اپنے مطالبات پیش کرتے تھے اور انگریزوں کو کوئی جواب دیتے نہ بن پڑتا تھا تو یہی دلیل لا کر کھڑی کر دی جاتی کہ ان مطالبات کو پورا کرنا خود ہندوستان کے حق میں مضر ہو گا۔
جب لاہور کے ریزولیشن کا ذکر کیا جاتا ہے؟ یہ نہایت شرارت کی بات ہے، کوئی تصادم نہ ہوگا، اور نہ ہونا چاہیے یہ اور بات ہے کہ کانگریس خود تصادم اور جھگڑے کی خواہاں ہو۔ نہ بدنظمی ہو گی، نہ گڑبڑ ہو گی ہاں یہ سب کچھ ہوگا اگر مسٹر گاندھی اپنے عدم تشدد کے ہتھیار مسلمانوں کو حصول مدام کے باز رکھنے کے لیے استعمال کریں گے۔
مسٹر گاندھی کا جو تازہ ترین آرٹیکل 19 مئی کو شائع ہوا ہے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوا اور ہندوستان کی تقسیم کا خیال عام ہو گیا تو دو راستے ہوں گے، ایک یہ کہ بمقابلہ غیرملکی حکومت کے ہم تقسیم قبول کر لیں، دوسرا یہ کہ ہم آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں یا ان دونوں شکلوں کے علاوہ یہ شکل ہوگی کہ ہم میں خانہ جنگی ہوگی۔
میں خدا سے دُعا کرتا ہوں کہ مسٹر گاندھی کی پیشین گوئی غلط ثابت ہو، اور ہندو اور مسلمانوں کی عقل سلیم لاہور والے ریزولیشن کے راستے کو پسند کرے۔''

خدا بخش ملک

قائداعظم محمد علی جناح کی زیرِصدارت 23 اکتوبر 1936ء کو علاقہ یکہ توت پشاور میں صاحبزادہ عبدالقیوم وزیر سرحد کے مکان پر سرحد کے سرکردہ سیاسی لیڈروں اور سرحد کی قانون ساز کونسل کے ممبروں کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں خان بہادر قلی خان، خان بہادر عبدالرحیم خان، پیر بخش خان، نواب سر صاحب زادہ عبدالقیوم وزیر سرحد، عبدالرحمٰن خان، آغا لال بادشاہ اور حکیم عبدالجلیل ندوی بھی موجود تھے۔ اس اہم اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح کی تجویز پر سرحد میں مسلم لیگ کے عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے ملک خدا بخش کو سرحد مسلم لیگ کا صدر اور پیر بخش خان وکیل کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔

خدا تعالیٰ پر بھروسہ

درج ذیل ایمان افروز واقعہ بیان کرتے ہوئے ''اسلام اور قائداعظم'' کے مؤلف رقمطراز ہیں:

''حق تعالیٰ نے قائداعظم کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا، امارت، وجاہت، ہمت، سیاست، عزت، عظمت، محبوبیت، معقولیت، اختیار، اقتدار حاصل ہونے کے باوجود وہ اسباب پر نہیں، ہمیشہ مسبب الاسباب پر نظر رکھتے تھے، انہوں نے ساری جنگِ پاکستان بے سرو سامانی کے عالم میں محض خدا کے بھروسہ پر لڑی اور جیتی۔ جب بھی دشمن نے اپنی قوت قاہرہ سے ان کی قوم کو مرعوب کرنے کی کوشش کی، انہوں نے قوم کو للکارا اور فرمایا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ جب بھی کسی محاذ پر لوگ کمزوری محسوس کرنے لگے۔ انہوں نے انہیں خدا پر بھروسہ کرنے اور اس کی اعانت پر یقین کرنے کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ جس کی وجہ سے بادِ مخالفت بھی موافق بن گئی۔ اپنے وسائل و ذرائع اور اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرنے والے ناکام اور خدا پر بھروسہ کرنے والے بے وسیلہ ہر میدان میں کامیاب رہے۔

پاکستان کے اولین یومِ استقلال کے موقع پر سکھوں نے قائداعظم کو بم سے اڑا دینے کی سازش کر رکھی تھی۔ جس سے ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن بخوبی آگاہ تھے۔ انگریزوں کو ہندوستان سے بوریا بستر سمیٹنے کے لیے چونکہ قائداعظم نے حسنِ تدبیر سے مجبور کیا تھا۔ اس لیے انگریز درپردہ انہیں اچھا نہ سمجھتے تھے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پہلے تو قائداعظم کو اس امر سے آگاہ نہ کیا، لیکن جب قائداعظم نے انہیں یومِ استقلال کے موقع پر کراچی آنے کی دعوت دی، تب انہوں نے اپنی جان کی حفاظت کی خاطر کراچی نہ آنے کی معذرت کرتے ہوئے لکھا:

''اس موقع پر سکھوں نے آپ کو بم سے اڑا دینے کا منصوبہ مکمل کر رکھا ہے۔ ایسے حالات میں نہ آپ کے لیے جلوس نکالنا مناسب ہے، اور نہ میرے لیے اس میں شرکت۔'' (مشن ود ماؤنٹ بیٹن)

مگر اس صاحبِ ایمان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، انہوں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو تسلی دی کہ وہ خوف زدہ نہ ہوں۔ خدا تعالیٰ بہتری کرے گا۔ تب کہیں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کراچی آئے اور قائداعظمؒ انہیں کھلی کار میں اپنے ساتھ بٹھا کر لاکھوں انسانوں کے ہجوم سے گزرے، اور بخیر و عافیت گورنمنٹ ہاؤس میں پہنچ کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے کہا کہ وہ خیریت سے منزل مقصود تک پہنچ گئے ہیں۔ جس پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے دھڑکتے ہوئے دل سے ان کا شکریہ ادا کیا، اور قائداعظم کی خوداعتمادی کی تعریف کی۔''

اس طرح سفر آخرت کی تیاری کے دوران میں جب ڈاکٹر ریاض علی شاہ اور ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے قائداعظم محمد علی جناح سے کہا:

''خدا آپ کو تادیر پاکستان کی رہنمائی کے لیے زندہ رکھے۔ آپ کے بعد کون ہے جو کشتی ملت کو بھنور سے نکال کر ساحل فتح و نصرت تک لے جا سکتا ہے۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے رہنماؤں پر نہیں، بلکہ اپنے خدا پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی۔ آپ نے فرمایا:

''گھبراؤ نہیں! خدا پر اعتماد رکھو! اپنی صفوں میں کجی نہ آنے دو، اور انتشار پیدا نہ ہونے دو۔ ملت کے مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح نہ دو۔ انشاء اللہ قدرت تمہیں مجھ

سے زیادہ عقیل اور ذہین رہنما عطا کرے گا، جو کشتی ملت کو مشکلات کے بھنور سے نکال کر ساحل مراد تک کامیابی سے پہنچا دے گا۔"

انہوں نے اپنی قوم کو خدا کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا:
"اے خدا! تو نے ہی مسلمانوں کو آزادی عطا کی ہے۔ اب تو ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ میری قوم ابھی ابتدائی مراحل طے کر رہی ہے، کمزور ہے۔ ابھی اس کی صفوں کا کج بھی دور نہیں ہوا، تو ہی مدد کرنے والا ہے، اور تو ہی ان کا حامی و ناصر ہے۔"

خداوندی تحفہ

(دیکھئے: مملکت خداداد پاکستان)

خدائی خدمت گار

1948ء میں خان عبدالغفار خان نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان کے دورہ پشاور کے دوران خدائی خدمت گاروں کی طرف سے دی جانے والی ایک تقریب میں شمولیت کی دعوت دی تو قائداعظم محمد علی جناح نے ہچکچاہٹ کا اظہار کیا۔

بقول عبدالغفار خان یہ جماعت 1930ء میں خان عبدالغفار خان نے سماجی تحریک کے طور پر قائم کی گئی تھی۔ اس کے قیام کا مقصد پختون معاشرے کی اصلاح تھا، اور ان لوگوں میں شعور بیدار کرنا تھا۔ جو نہ تعلیم یافتہ تھے اور نہ زراعت و تجارت سے واقفیت رکھتے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے لڑتے اور ایک دوسرے کو مارتے تھے۔ چنانچہ ہم نے پختون معاشرے کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا، لیکن انگریزوں نے ہمارے خلاف طاقت استعمال کر کے اس اصلاحی اور فلاحی تحریک کو سیاسی تحریک میں بدل دیا۔ اس کے قیام کا پس منظر یہ ہے۔

"1930ء میں سرحد میں انگریزوں کے خلاف آزادی کا آہنگ انتہائی تیز ہوگیا۔ قصہ خوانی بازار میں فائرنگ ہوئی۔ غفار خان کو اتمان زئی سے پشاور آتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا اور اگلے سات برسوں میں صرف چند ماہ جیل اور نظر بندیوں سے آزاد رہ سکے اور یہی وجہ خدائی خدمت گار تحریک کے قیام کا سبب بنی۔"

1948ء میں یہ تحریک ختم ہوگئی۔

اس دوران 1931ء میں خان غفار خان رہا ہوئے تو اسی برس مانٹیگو اصلاحات کے خلاف تحریک چلانے کے جرم میں پندرہ ہزار رضا کاروں سمیت دوبارہ گرفتار ہوئے، اور اسی برس ان کی جماعت کانگریس میں ضم ہوئی۔ جولائی 1939ء میں پوری خدائی خدمت گار تحریک سمیت جنگ میں انگریزوں کی مدد کے سوال پر کانگریس سے الگ ہوئے۔

انہوں نے یہ نام قاضی عطا اللہ کی تجویز پر خدائی خدمت گار رکھا۔

خدائی خدمت گاروں کا حسب ذیل حلف نامہ پشتو میں شائع ہوا۔

"میں خدا کو حاضر ناظر اور شاہد گردانتا ہوں اور اس کی ذات پاک پر یقین کرتے ہوئے حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ مندرجہ ذیل اصولوں پر کاربند رہوں گا۔"

1. میں اپنا نام خدا کی خدمت گاری کے لیے صداقت اور ایمانداری سے پیش کرتا ہوں۔
2. میں خدا کی خدمت گاری میں ایسے برے کام نہیں کروں گا، جو تحریک کے لیے نقصان یا کمزوری کا باعث ہوں۔
3. میں کسی دوسری جماعت کا ممبر نہیں بنوں گا اور جنگ آزادی میں معافی نہیں مانگوں گا۔
4. میں اپنے افسر کا ہر جائز حکم بروقت ماننے کو تیار رہوں گا۔
5. میں عدم تشدد کے اصول پر ہمیشہ کاربند رہوں گا۔

◆ میں تمام مخلوق خدا کا ایک ہی طرح خدمت گار رہوں گا میرا نصب العین وطن کو آزاد کرانا ہوگا۔
◆ میں ہمیشہ نیک اور اچھے عمل پر کاربند رہوں گا۔
◆ میں اپنی خدمت کے بدلے کسی چیز کی طمع یا لالچ نہیں کروں گا۔
◆ میری تمام کوششیں خدا کے لیے ہوں گی۔ نمائش کے لیے نہیں۔

(بحوالہ خان عبدالغفار خان، غدار یا محب وطن از جاوید احمد صدیقی جنوری 1988)

خدائی خدمت گار تنظیم

5 فروری 1935ء میں صوبہ سرحد میں خدائی خدمت گار تنظیم پر سے پابندی اٹھانے کے ضمن میں مولانا شوکت علی نے اس خواہش کا اظہار کیا:

''اس کی وکالت محمد علی جناح کریں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس سلسلے میں فرمایا:

''صوبہ سرحد میں امن و امان قائم کیجیے، لوگوں کو آئینی طور پر واپس آنے دیجیے۔ اس مسئلے پر اس اسمبلی کے ممبران کے جذبات کو بھی اہمیت دیجیے، لیکن اس مسئلے کو التواء میں ہرگز نہیں ڈالنا چاہیے۔ لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کیجیے، اور امن و امان بحال کیجیے۔''

خدمت اور خلوص

ایک مرتبہ قائداعظم محمد علی جناح ایک بڑے سیٹھ کے ہاں مہمان تھے۔ صبح رخصت کے وقت قائداعظم محمد علی جناح نے حسب دستور اس کے ملازم کو ایک معقول رقم دینا چاہی مگر بوڑھے ملازم نے واپس کر دی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس خیال سے کہ بڑے آدمی کا ملازم ہے شاید اس رقم کو اپنی پوزیشن سے کم سمجھتا ہے۔ رقم کو دوگنا کر دیا مگر ملازم نے پھر رقم واپس کر دی۔ تین چار مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح ہر مرتبہ اضافہ کرتے رہے اور وہ واپس کر دیتا۔

قائداعظم محمد علی جناح حیران تھے کہ کہاں تک بڑھاؤں۔ آخر قائداعظم محمد علی جناح نے اس رد و انکار کی وجہ پوچھی تو بوڑھے ملازم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے بوڑھے ملازم سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے نہایت موثر اور رقت انگیز لہجے میں کہا:

''قائداعظم! آپ مجھے خوش کرنا چاہتے ہیں، میرا بال بال آپ کی محنتوں اور جان کائیوں پر خوش ہے، جو آپ اس قوم کے لیے کر رہے ہیں۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ میری باقی عمر آپ کو بخش دے تا کہ جو کام آپ نے اپنے ذمہ لیا ہے اسے پورا کر سکیں۔ یہ رقم جو آپ مجھے دے رہے ہیں اس کام میں صرف فرمائیے۔''

خراجِ عقیدت

قائداعظم محمد علی جناح کے اوصاف قیادت سے لبریز ہیں، آج مسلمانوں میں جو شعور سیاسی، احساسِ بیداری، فکر اسلامی، جذبۂ آزادی کا طوفان امنڈ رہا ہے، وہ اس بطلِ جلیل کا طفیل ہے۔

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست!

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ دیگر اربابِ فکر و سیاست، اختلافِ سیاسی و عمومی سے قطع نظر ایشیاء کے اس بطلِ جلیل اور قائداعظم محمد علی جناح کی ضرورت اور سیاست کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ حریفانہ پنجہ فگن اور یارانِ پرفتن کیا فرماتے ہیں؟ رفیقانِ راہ اور حاملانِ اعزاز و جاہ کا ارشاد کیا ہے؟ ان کے اقوال سے اندازہ ہو سکے گا کہ عظیم و جلیل شخصیات، مخالفوں اور دشمنوں سے بھی اپنا لوہا منوا لیتی ہیں۔

الفضل ما شهدت به الاعداء

قائداعظم محمد علی جناحؒ دورانِ تعلیم لندن 1908ء

علامہ اقبال

''ہندوستان میں بحیثیت مسلمان آپ ہی کی واحد ہستی ہے۔ جس سے ملت کو یہ توقع وابستہ کرنے کا حق ہے کہ شمال مغربی یا شاید پورے ہندوستان پر جو سیلاب آ رہا ہے۔ اس میں آپ ملت کو صحیح رہنمائی فرمائیں گے۔''

سر ہومی مودی

سر ہومی مودی سابق کانگریسی گورنر یوپی تھے، وہ فرماتے ہیں:

''مسٹر جناح مدتوں سے ہماری زندگی کے ایک مہتم بالشان نمائندہ ہیں۔ ان کی روش بظاہر مجموعہ اضداد رہ چکی ہے، مگر ہمیشہ ایک تغیر کے ساتھ ایک مستقل اور بنیادی اصول پر جمے رہے، وہ نڈر ہیں، بے خوف ہیں۔ صاف گو ہیں، شہرت کے طلب گار نہیں۔ سیاسی سازشوں سے بالکل الگ تھلگ، وہ ایک بے ہمہ آدمی ہیں۔ جنہوں نے انہیں پہچانا کم ہیں، اور وہ تو بہت کم ہیں، جنہوں نے ان کے تنہائی کے مقصد میں رہائی پائی ہو۔ ایک شخصیت جو دلوں کو موہ لیتی ہے، تم اسے چاہے ناپسند کرو، برا کہو، مگر اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔''

سر کاؤس جی جہانگیر

''جس راستہ کو مسٹر جناح صداقت، حقانیت اور انصاف کا راستہ سمجھ لیتے ہیں۔ اس سے کوئی چیزیں انہیں ادھر سے اُدھر نہیں کر سکتی۔ وہ ہمت و استقلال کے دھنی ہیں۔ میں جرأت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان پر کسی وقت بھی موقع پرستی اور ابن الوقتی کا الزام کوئی بھی نہیں لگا سکتا۔ انہوں نے کبھی اپنی غرض اور اپنے مفاد کو ملکی مفاد پر ترجیح نہیں دی۔ اس قسم کے آدمی پبلک زندگی میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔''

مسز سروجنی نائیڈو

''کون ہے جو رازہائے فردا کو منکشف کر سکے؟ کون ہے جو ان خفیہ قوتوں کو حیطۂ نگاہ میں لا سکے؟ جو سرگرم عمل ہو کر بعض اوقات ہمارے خواب و خیال کو حقیقت میں تبدیل کر دیتی ہیں، پھر بھی شاید کتاب مستقبل میں مرقوم ہو چکا ہے، کہ وہ جو اولوالعزمی سے مسلمانوں کا گوکھلے بننا چاہتا تھا۔ ہماری قومی جدوجہد کی شان دار اور نازک حالت میں ہندوستان کی آزادی کا نجات دہندہ بن کر غیر فانی ہو جائے۔''

مسز سروجنی نائیڈو

''یہ قسمت کا دھنی انسان جو اچانک غیر متوقع حالات کا شکار ہو گیا تھا محض اپنی جرأت اور اولوالعزمی کے بل بوتے پر دنیا کو مسخر کرنے نکل کھڑا ہوا ہے۔ مسٹر جناح کے متعلق خواہ کوئی بھی رائے قائم کی جائے لیکن میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ مسٹر جناح کو کسی قیمت پر خریدا نہیں جا سکتا۔''

سر، سی پی روما سوامی آئر

سابق دیوان کراونکور کہتے ہیں:

''میں مسٹر جناح کو کافی مدت سے جانتا ہوں، اور ان کے واضح نظریات اور پبلک معاملات میں بے غرضی اور بے لوثی کا معترف رہا ہوں، انہوں نے عوام میں اپنی مقبولیت کو ذاتی فوائد کے لیے استعمال کرنے سے احتراز کیا ہے۔

اس وقت جبکہ مشہور اشخاص وقتی طور پر اپنی پرانی حکمت

عملی سے منحرف ہورہے ہیں، ایسے بہادر کا وجود روح پرور ہے۔''

ایف، ای جیمز

سابق لیڈر یورپین گروپ سنٹرل لیجسلیٹو اسمبلی۔

''سیاسی مجاہد کی حیثیت سے ہندوستان میں ان (مسٹر جناح) کا کوئی مقابل نہیں۔

وہ عامۃ الناس کے بے خوف اور ناقابلِ تسخیر رہنما ہیں، جنہوں نے انہیں متحد کر کے ان میں زندگی پیدا کی، اور انہیں اپنی اہمیت وقوت سے آشنا کر دیا، محبِ وطن کی حیثیت سے وہ اپنے ملک اور اپنی قوم دونوں کی آزادی کے خواہاں ہیں۔ (اس سالگرہ کے موقع پر) ان کے لیے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے دعا گو ہوں کہ انہیں یہ مسرت انگیز اور مبارک دن بار بار نصیب ہو۔''

مسٹر جوشم ایلوأ ایڈیٹر (فورم)

''جناح کی جرأت اور بے ساختگی نے ہمیشہ عدالتوں میں ان کی شخصیت کو اجاگر کیا ہے۔ ان کی مقناطیسی شخصیت کا شہرہ ہے، وہ اپنی غیرمعمولی جرأت، ججوں سے بے خوف مقابلہ اور عدالتوں میں بے لاگ قانونی موشگافیوں کے باعث دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ قانون دان کی حیثیت سے جناح عدالتوں میں ایک غیرمعمولی ماہر قانون نظر آتے ہیں، اور جج، اراکین جیوری، وکلاء اور مؤکلین بیک وقت تمام کے تمام جناح کی قانونی سحر طرازیوں سے مسحور ہیں۔ مشیر قانون کی حیثیت سے جناح ہمیشہ سربلند رہیں گے۔ مقدمات کے الجھاؤ اور حالات کی بدترین پریشانیوں میں بھی ان کی بالغ نظری کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچی۔ وہ ہماری قانون داں برادری کا سب سے زیادہ بااہمیت انسان ہے۔ کوئی منصف یا جج آج تک انہیں چکمہ دینے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکا۔

وہ کبھی اپنی توہین گوارہ نہیں کر سکتے۔ جناب جناح کی حاضر جوابی اور معاملہ فہمی قانون کی بڑی سے بڑی الجھنوں کو اس شان سے سلجھا دیتی ہے کہ ہر شخص انہیں خراجِ تحسین پیش کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

جناب جناح کی غیرمعمولی جسارت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک ایسے انگریز جج نے جو ہر قانون داں کو خفیف کرنے میں مہارت تامہ رکھتا تھا، بھری عدالت میں مسٹر جناح سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کسی تیسرے درجے کے مجسٹریٹ سے خطاب نہیں کررہے۔''

مسٹر جناح نے برجستہ جواب دیا:

''جناب کے سامنے بھی تیسرے درجہ کا قانون داں نہیں ہے۔''

دیوان چمن لال

''جناح ان لوگوں میں سے ہیں، جو ذاتی مقاصد و ذاتی اغراض کو پیش نظر رکھ کر آگے نہیں بڑھتے، ان کی دیانت پر کسی قسم کی حرف گیری نہیں کی جاسکتی، وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ وہ کبھی کسی جماعت سے متعلق نہیں رہے، تاوقتیکہ وہ خود ایک جماعت نہ ہوں۔ یہ اس لیے نہیں کہ وہ دوسروں کے ساتھ شانہ بہ شانہ کام کرنے کے منکر ہیں۔ وہ اپنے احساسِ دیانت پر کسی کو شک کا موقع دینا نہیں چاہتے۔''

سر شان موکھم چٹی، سابق صدر

''انڈین لیجسلیٹو اسمبلی 1916ء کے کانگریس سیشن میں پہلی بار میری اور مسٹر جناح کی ملاقات ہوئی۔ کانگریس کا یہ اجلاس، لیگ کانگریس مفاہمت کی بناء پر تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ جناح صاحب اس اجلاس میں موجود تھے، اور ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کی حیثیت سے نہ صرف اہم اور نمایاں نظر آتے تھے، بلکہ ہر کس و ناکس ان کی تعریف و تحسین میں رطب اللسان تھا۔ آج انہی لوگوں میں سے کچھ انہیں دشنام دے رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ کیا اس لیے کہ مسٹر جناح بدل گئے ہیں یا وہ معیار جس پر سیاستدانوں کے اخلاق کا مواد تھا بدل گیا ہے، مختلف لوگ اس کا مختلف جواب دیں گے۔

مسٹر جناح عملی طور پر وطن پرست ہیں، اگر ایک طرف ان کا وہ جوش اور ولولہ کہ ملک سیاسی طور پر آزاد ہو جائے، انہیں کسی کے سامنے سرنگوں نہیں ہونے دیتا تو دوسری طرف وہ صحیح سیاسی حالات سے بھی بے خبر نہیں ہیں۔ وہ ہر فرقے کے ساتھ انصاف چاہتے ہیں، اور اس بنیاد پر ملک کی سیاسی تعمیر کے متمنی ہیں۔

سیاسی جماعتیں اور افراد جو وطن پرستی کو محض اپنا حق تصور کرتے ہیں۔ مسٹر جناح کا تمسخر اڑائیں، مگر ایک وطن پرست کی حیثیت سے ان کا مقام ہمیشہ بلند رہے گا۔''

ڈاکٹر امبیدکر، اچھوت لیڈر

''یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مسٹر جناح کسی قیمت پر بھی حکومت برطانیہ کے آلہ کار نہیں بن سکتے، اور جناح کے بڑے بڑے دشمن کو بھی اس بات کا اعتراف ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مسٹر جناح اپنے ارادوں اور اپنی رائے میں سخت ہیں، لیکن ان کے رویہ میں کبھی بھی کوئی لوچ نہیں پایا جاتا۔

ایک زمانہ تھا جب مسٹر جناح عوام کی بہبودی کی خاطر اپنی قیام گاہ سے نیچے اترنا گوارہ نہ کر سکتے تھے، اور اسلام سے ان کا تعلق محض اس قدر رہا ہے کہ مجلسِ قانون ساز کا رکن بننے کے بعد حلف وفاداری لیتے وقت قرآن کو بوسہ دیا تھا، لیکن اب ان کی کیفیت یہ ہے کہ مسجدوں میں نظر آتے ہیں، اور اسلامیات سے پرخلوص دلچسپی کا اظہار فرماتے ہیں، اب جناح عوام کے قائد ہیں، اور جناح عوام کے سرفروش پیرو۔''

سی راجگوپال اچاریہ

''حکومت اور عوام اور ان کی بڑی سیاسی جماعتوں میں کوئی مفاہمت نہ ہو سکی۔ مہاتما گاندھی اور قائداعظم بلند پایہ شخصیتیں ہیں۔ یہ کوئی معمولی افراد نہیں۔ ان میں سے ہر ایک اتنا ہی مشہور ہے، جتنا دوسرا اور ملک میں دونوں زبردست مقبولیت کے مالک ہیں، اور ہر ایک کی اندھی پیروی کی جا رہی ہے۔ یہی سہی، مگر یہی پیروی سچی پیروی ہے۔''

پی اٹکس لارنس

پی اٹکس لارنس غیر ملکی صحافی تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:

''ایک قوم پرست کی حیثیت سے مسٹر جناح کی شخصیت لائق پرستش ہے۔ جناح کو کسی قیمت پر خریدا نہیں جا سکتا، اور اس بات کو ہندوستان کا ہر چھوٹا بڑا جانتا ہے۔ انتہا تو یہ ہے کہ خود ہندو بھی اس کے معترف ہیں۔ آج تک انہوں نے ذاتی اغراض کے

پیشِ نظر کسی شخص یا کسی مقصد کو نقصان نہیں پہنچایا۔
اپنی بے لوث خدمات کے عوض آج وہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے قائداعظم ہیں۔ ان کا ہر ارادہ مسلمانوں کے لیے حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا حکم مسلمانوں کے لیے آخری فیصلہ ہے۔ جس کی انتہائی خلوص کے ساتھ لفظ بہ لفظ تعمیل کی جاتی ہے۔''

مسٹر گاندھی

''مسلم لیگ ایک بڑی منظم جماعت ہے، اس کے صدر مسٹر جناح ایک زمانے میں بڑے سرگرم کانگریسی تھے۔ لارڈ ولنگڈن سے ان کی لڑائیاں بھول نہیں سکتے۔ بمبئے کانگریس کا جناح ہال کانگریسیوں کی جانب سے ان کی کارروائیوں کی زندہ یاد ہے۔''

(ہریجن 17 اکتوبر 1939ء)

گاندھی نے اپنے اخبار ہریجن میں متعدد مواقع پر قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے:

''میں جانتا ہوں، آپ کو مسلم عوام پر بے نظیر قابو حاصل ہے۔''

خط بنام قائداعظم محمد علی جناح مورخہ 15 ستمبر 1944ء۔

''میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھے مسٹر جناح کے خلوص پر اعتماد ہے۔ جناح صاحب کے اعلان کردہ یومِ نجات کے موقع پر مجھے گلبرگہ کے مسلمانوں کی طرف سے مندرجہ ذیل تار موصول ہوا ہے:

''یومِ نجات مبارک، قائداعظم زندہ باد ہے۔''

''جب مجھے یہ تار ملا تو میں دل میں ان کا ہم نوا بن گیا۔ قائداعظم ''زندہ باد''

''قائداعظم میرے پرانے رفیق ہیں، اگر آج ہم چند معاملات میں ایک دوسرے سے آنکھیں چار نہیں کر سکتے تو اس سے ہمارے خلوص میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔''

(ہریجن، 20 جنوری 1940ء)

''میں نے قائداعظم کی تقاریر سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ انہیں ہندوؤں سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ وہ ان کے ساتھ پرامن زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔''

(ہریجن، 8 مارچ 1940ء)

روزنامہ پائنیر کا اداریہ

26 دسمبر 1945ء میں لکھنؤ کے مشہور انگریزی اخبار ''پائنیر'' نے ایک مقالہ ''ہزاروں میں ایک'' کے عنوان سے تحریر کیا، اس مقالہ میں اخبار مذکور نے مسٹر جناح کے اوصاف و کمالات قیادت پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ مقالہ کا ایک حصہ درج ذیل ہے:

''قدرت نے مسٹر جناح کو قیادت کے لیے پیدا کیا ہے، دوسروں کے ساتھ جنگ آزادی میں راستہ بنانے کے لیے مسلمانوں کو مسٹر جناح جیسے قائد کی سخت ضرورت ہے۔ انہیں چاہیے کہ پورے ملک کی قیادت کریں تا کہ ہندوستان کے ایک جدید معمار کی حیثیت سے ہمیشہ یاد کیے جائیں۔

افسوس ہے کہ پہلے آپ قوم پرست تھے۔ بعد میں اس سے علیحدہ ہو گئے، تاہم آپ دنیا کی ان عظیم الشان شخصیتوں میں شامل ہیں۔ جنہیں قدرت بڑے کاموں کے لیے پیدا کرتی ہے۔ خواہ وہ کام تعمیری ہوں یا تخریبی، مسٹر جناح کو صرف خیالی آدمی سمجھ کر نظر انداز کر دینا بہت بڑی غلطی ہوگی، لوگ کسی طرح ان کے عملی کاموں سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے، ان میں وہ صفات ہیں جو سیزر جیسے آدمیوں میں پائی جاتی ہیں۔ سخت کوشی اور تیزی جیسی باتیں جو قیادت کے لیے لازمی ہیں، قدرت نے دل کھول کر انہیں عطا کی ہیں۔

مسٹر جناح اپنے پرخلوص اور صحیح جذبۂ خدمت کی وجہ سے آج آسمانِ شہرت پر اس ستارے کی طرح چمک رہے ہیں۔ جس سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ چند خودغرض اہلِ فکر ہی مسٹر جناح کی شخصیت اور مسلمانانِ ہند پر ان کے مقناطیسی اثر کو گھٹا کر بیان کرنے کی غلطی کر سکتے ہیں۔''

لیاقت علی خان

''وہ ان برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے جو کبھی کبھی پیدا ہوتی ہیں مجھے اس میں ذرا شک نہیں کہ تاریخ ان کا شمار عظیم ترین ہستیوں میں کرے گی۔ دنیا میں بہت کم انسانوں کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ جس کام کو ہاتھوں میں لیں اسے عزم و ہمت سے اپنی زندگی میں ہی پروان چڑھا ہوا دیکھیں۔''

مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح

''قائداعظمؒ عام زندگی میں ایک خوش باش اور نرم دل انسان تھے۔ بچپن ہی سے بڑے صاف گو اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ خدمت خلق اور دکھی انسانیت کی ہمدردی ان کی زندگی کے اصول تھے۔ انہیں لفظ ''ناکامی'' سے سخت چڑ تھی۔ ان کا خیال تھا کہ دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں ہے۔''

مولانا ظفر علی خان

''تاریخ ایسی مثالیں بہت کم پیش کرے گی کہ کسی لیڈر نے مجبور و محکوم ہوتے ہوئے انتہائی بے سر و سامانی اور مخالفت کی تند و تیز آندھیوں کے درمیان دس سال کی قلیل مدت میں ایک مملکت بنا دی۔''

سردار عبدالرب نشتر

''میں نے قائداعظم سے زیادہ سیاسی بصیرت والا آدمی کوئی اور نہیں دیکھا۔ انہوں نے عظیم شخصیت ہونے کے باوجود نہایت سادہ زندگی گزاری۔ وہ عظیم کردار کے مالک تھے۔ ان کی زندگی اچھے کردار اور عمل کا ایک مثالی نمونہ تھی۔''

مولانا محمد علی جوہر

''کاش خداوند کریم جناح کے دل میں یہ بات ڈال دے کہ مسلمانوں کی رہنمائی اب ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں کر سکے گا۔''

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد ہندوستان نے اتنا بڑا رہنما نہیں پیدا کیا جس کے غیر متزلزل ایمان اور اٹل ارادے نے دس کروڑ شکست خوردہ مسلمانوں کی مایوسی کو کامرانیوں میں بدل دیا ہو۔''

مولوی فضل الحق

''اعلیٰ کردار اور اعلیٰ استقامت قائداعظم کے سب سے بڑے ہتھیار تھے۔ ان کا دل اسلام اور مسلمانوں کی محبت سے معمور تھا۔''

سر عبدالقادر

''قائداعظم نہ صرف اعلیٰ قانون دان اور بے نظیر قابلیت کے مالک تھے بلکہ ان کے سینے میں ایک مومن کا دل تھا جس میں اسلام اور مسلمانوں کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ قائداعظم مرے نہیں بلکہ جو مشعل انہوں نے فروزاں کی تھی وہ بدستور فروزاں ہے اور وہ پاکستان کی شکل میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔''

مسٹر مانٹیگو

(وائسرائے ہند)

''مسٹر جناح ایک صاف ستھرے انتہائی باسلیقہ نوجوان ہیں جس کی چال ڈھال گہرا اثر چھوڑتی ہے۔ گفتگو میں منطقی داؤ پیچ کا زبردست ماہر اور اپنی بات منوانے کے فن کو جانتا ہے۔ وہ اپنی رائے میں کسی ترمیم کا روادار نہیں ہے۔ میں اس سے باتیں کر کے ہار گیا۔''

لارڈ ماؤنٹ بیٹن

(وائسرائے ہند)

''جناح کی شخصیت بڑی نمایاں اور ممتاز تھی۔ چٹان کی طرح اپنے مقام پر محکم، سخت اور اس کے ساتھ انتہائی ٹھنڈے دل و دماغ کا انسان اگر وہ کسی سے سمجھوتہ کرتا تھا تو جھک کر بزدلانہ انداز میں نہیں، مردانہ وار سمجھوتا کرتا تھا۔''

لارڈ اروِن

(وائسرائے ہند)

''مسٹر جناح اپنے ارادوں اور اپنی رائے میں بڑے سخت ہیں۔ ان کے دریئے میں کوئی لچک نہیں وہ مسلم قوم کے مخلص رہنما ہی نہیں سچے وکیل بھی ہیں۔''

سر ونسٹن چرچل

(وزیراعظم برطانیہ)

''جناح ایک بہترین سیاست دان ہیں۔ وہ ذہین و فطین ہیں۔ مسلمانوں کے اس لیڈر کو میں ساری زندگی کبھی دل سے فراموش نہیں کر سکتا۔''

گوپال کرشن گوکھلے

''جناح میں سچ کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ فرقہ واریت سے آزاد ہے۔ ہندوستان کو جب بھی آزادی نصیب ہوگی وہ جناح کی بدولت ہوگی۔ ایک وقت آئے گا کہ جناح ہندو مسلم اتحاد کے قاصد بنیں گے۔ اس لیے کہ وہ بے شمار صلاحیتوں کے حامل ہیں۔''

جواہر لعل نہرو

''انسان کا قیمتی سے قیمتی سرمایہ یہی ہے کہ وہ اعلیٰ کردار کا مالک ہو اور عمدہ سیرت رکھتا ہو۔ مسٹر جناح کی شخصیت اعلیٰ کردار کا نمونہ تھی جس کے ذریعے انہوں نے زندگی کے ہر معرکے کو سر کیا۔''

ماسٹر تارا سنگھ

''قائداعظمؒ نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی غلامی سے بچایا۔ اگر یہ شخص سکھوں میں پیدا ہوتا تو اس کی پوجا کی جاتی۔''

مولانا شوکت علی

''مسٹر جناح ایک مقبول عام ہستی ہیں جو اپنے مفاد پر ملت کے مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ بے غرض اور بے لوث ہیں جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ وہ صف اول کے زعیم ہیں۔ جناح سے بڑھ کر میری نظروں میں کوئی لیڈر نہیں۔''

سر آغا خان

''مجھے اپنی زندگی میں بے شمار سیاستدانوں سے واسطہ پڑا۔ لائیڈ جارج، چرچل، کرزن، مسولینی، گاندھی لیکن جناح ان سب سے منفرد تھے۔ میرے خیال میں کوئی شخص بھی زیادہ مضبوط سیرت و کردار کا مالک

نہ تھا وہ ہوش وتدبر، عزیمت واستقامت وسیاست کا سنگ بنیاد ہیں۔''

خواجہ ناظم الدین

''قائداعظم ایک سخت چٹان کی طرح تھے جو اپنے خیال پر جمے رہے اور اپنے پیش کیے ہوئے مطالبات میں کسی قسم کی ترمیم پر تیار نہ ہوئے۔ قائداعظم نے مسلمانوں کو ایک آزاد قوت اور حیات نوبخشی۔''

مسٹر ٹرومین
(صدرِ امریکہ)

''دوست پاکستان کا معمار، دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا باپ، مجھے یقین ہے کہ مسٹر جناح کی رہنمائی پاکستان کے باشندوں کے لیے چراغ راہ ثابت ہوگی۔''

مسز وجے لکشمی پنڈت

''اگر مسلم لیگ میں ایک سو گاندھی جی ہوتے اور ان کے مقابلے میں کانگریس میں صرف جناح ہوتے تو ملک تقسیم نہ ہوتا۔''

مولانا ابوالکلام محی الدین آزاد

''قائداعظمؒ بے جا جذباتیت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ ہر مسئلے کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لیتے تھے اور یہی ان کی کامیابی کا سب سے بڑا راز تھا۔''

مسولینی

''قائداعظم کے لیے یہ بات کہنا غلط نہ ہوگی کہ وہ ایک تاریخ ساز شخصیت ہیں جو کہیں صدیوں میں جا کر پیدا ہوتی ہیں۔''

نواب وقار الملک

''قائداعظمؒ کسی بھی بے اصولی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ بے اصولی ان کی چڑتھی اور اصول ان کی خوشنودی۔ وہ ہمیشہ ایسے لوگوں کو پسند کرتے تھے جو اصول کے پابند ہوں خواہ ان کا تعلق کسی بھی طبقے سے کیوں نہ ہو۔''

مولانا سید سلمان ندوی

''قائداعظمؒ کے استدلال میں استقامت تھی۔ ان کے نزدیک مسلمان ہونا کسی روایتی دستور العمل کا نام نہیں تھا۔ ان کی نظروں میں اسلام ایک بلند نصب العین تھا اور مسلمان اس نصب العین کی زندہ علامت تھے۔''

خط کا ڈرافٹ

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 455 کا متن۔

لیفٹیننٹ کرنل اوسکائن کروم بنام سرای میویل

16 مئی 1947ء
پرنسپل سیکرٹری

آج صبح سٹاف میٹنگ میں وائسرائے نے مندرجہ ذیل ڈرافت تیار کروایا، جو ان کی رائے میں مسٹر جناح کے خط کی بنیاد ہونا چاہیے۔ یہ ابھی قابلِ نظر ثانی ہے، اور من وعن اس طرح ہے جیسے انہوں نے لکھوایا۔

''اگرچہ آپ مجھ سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ میں پنجاب اور بنگال کی تقسیم پر راضی ہو جاؤں گا، اور اس کی وجوہات میں اعلانیہ طور پر بیان کر چکا ہوں، اگر حکومت برطانیہ یہ فیصلہ دے کہ ہر صوبہ اپنی خواہش

کے مطابق فیصلہ کرے تو میں ذاتی طور پر یقین دلاتا ہوں کہ میں اسے منظور کرلوں گا، اور اپنی پوری کوشش کروں گا کہ مسلم لیگ بھی پرامن طور پر اسے قبول کر لے۔ آپ نے مجھے یقین دہانی کے لیے بھی کہا ہے، میں کسی مسلمان کو، جس پر میرا کنٹرول ہو، ایسا پروپیگنڈہ یا کارروائی کرنے نہیں دوں گا، جو ہندوستان کے کسی حصے میں فرقہ وارانہ تصادم کو ہوا دے۔ میرا جواب یہ ہے کہ میں بخوشی ایسی یقین دہانی کرانے کو تیار ہوں، اگرچہ جواب میں ایسی ہی یقین دہانی کانگریس بھی کرائے۔"

خطاب بہ نثرادنو!

قائداعظم محمد علی جناح کو مسلم یونیورسٹی کے نونہالوں سے بڑی امیدیں تھیں۔ وہ جب موقع ملتا، وقت نکال کر وہاں جاتے اور سیاسیاتِ حاضرہ پر اپنے افکار و خیالات کا اظہار فرماتے۔

چنانچہ ذیل کی تقریر بھی اُنہوں نے یونین کے جلسہ میں کی تھی، اور وقت کے اہم ترین مسائل کا تجزیہ کر کے ان کی رہنمائی کی تھی۔

جو مسائل اس وقت خاص طور پر زیر بحث تھے۔ ان میں ایک تو مجلسِ دستور ساز کا مطالبہ تھا جس کی علمبردار کانگریس تھی، دوسرا ہندو مسلم مفاہمت کا معاملہ تھا۔ جس پر ہر طرف سے چیخ و پکار ہو رہی تھی، اور تیسرا اہم ترین سوال جس نے سارے ہندوستان کو بلکہ ساری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا تھا کہ مسلمان اقلیت ہیں یا ایک مستقل قوم؟

قائداعظم محمد علی جناح نے طلبائے مسلم یونیورسٹی کے اجتماع منعقدہ 6 مارچ 1940ء میں کہا:

"منٹو مارلے اصلاحات کے بعد سے اکثر اشخاص نے یہ خیال کرلیا تھا کہ مسلمان ایک اقلیت ہیں، اور ان کے حقوق کی حفاظت کے لیے تحفظات کی ضرورت ہے لیکن جب ہم نے یہ اصطلاح استعمال کی تھی تو اس سے ہمارا کچھ اور ہی مفہوم تھا۔ مسلمان ایک وحدت ہیں، ان کا ایک سیاسی وجود ہے جسے ہر قیمت پر محفوظ رکھنا ہے۔ جداگانہ انتخاب مسلمانوں کے اسی اندرونی جذبہ کی طرف اشارہ ہے، میثاق لکھنؤ کی تعمیل بھی اسی احساس پر مبنی تھی۔ اس میثاق کا بنیادی اصول یہ تھا کہ دو جداگانہ اور ممتاز وجود ایک باہمی سمجھوتہ کر رہے ہیں، لیکن بدقسمتی سے اس میثاق کے معنی ہندوؤں نے کچھ اور لیے اور ہمارا مقصد کچھ اور تھا۔

انہوں نے سمجھا کہ مسلمان محض ایک اقلیت ہیں جن پر ہندو اکثریت کو حکومت کرنا چاہیے، اور ادھر مسلمان ایک جھوٹے احساسِ سلامتی میں مسلسل مبتلائے فریب رہے اور اقلیت کی اصطلاح کو تاریخی دستوری اور قانونی سمجھا جانے لگا لیکن مسلمان کسی حیثیت سے بھی ممالک یورپ کی اقلیتوں کی طرح نہیں ہیں۔

جب موجودہ دستور کی تدوین ہو رہی تھی تو مسلمانوں نے سندھ کی علیحدگی اور شمال مغربی سرحدی صوبوں میں مساوی اصلاحات کے نفاذ پر زور دیا، لیکن ہندوؤں نے بشمول کانگریس اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ ہمارا مطمع نظر یہ تھا کہ کم ازکم ان خاص علاقوں میں جہاں ہم اکثریت میں ہیں، ہمیں حقیقی اقتدار ملنا چاہیے۔

ایک موقع پر یہی سوال معرض بحث میں تھا۔ مولانا محمد علی بھی تھے وہ ہندوؤں کی غیر معقولیت سے بیزار ہو چکے تھے، اُن کی بے جا مخالفت پر بھڑک اٹھے اور پکار

کر کہا:

''میں اس پر اصرار کروں گا، کیونکہ کراچی سے کلکتہ تک میری ایک غلام گردش ہے۔

ایک چیز قطعی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم کسی طرح اقلیت نہیں ہیں بلکہ ہمارے اپنے ایک نصب العین کے ساتھ ہم بجائے خود ایک علیحدہ اور ممتاز قوم ہیں۔ (نعرہ تحسین)

میں نے مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کیا ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں، لیکن جب میں نے یہی بات اپنے ایک حالیہ خط میں مسٹر گاندھی کو لکھی تو اُنہوں نے کہا کہ اس سے ان کی ہندو مسلم اتحاد کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ سوال یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کی کیا اُمیدیں تھیں، اور ہندو مسلم اتحاد سے ان کا کیا مطلب ہے؟ مسٹر گاندھی کی امیدیں یہ ہیں کہ وہ مسلمانوں کو ہندو راج کا حلقہ بگوش اور باجگزار بنا دیں۔ میں نے اپنی ساری قوت سے جو میں مجتمع کر سکتا تھا اس کی مدافعت کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ملک کے بدترین مسلمان کی حیثیت سے مجھے ملامت کی جاتی ہے۔

اگر مسٹر گاندھی کو آزاد چھوڑ دیا جاتا اور وہ اپنی من مانی کر پاتے تو آج بہت زیادہ تباہ کاریاں ہوتیں۔ آج ہم کم از کم کسی واضح اور قطعی مقصد کے لیے لڑ تو رہے ہیں۔ بہت سے لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہندو مسلم سمجھوتہ کیوں نہیں ہوا۔ میں کہوں گا کہ مسٹر گاندھی کی شرائط پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا، مساوی شرائط اور بالکلیہ مساوات کی بنیادوں ہی پر سمجھوتہ ممکن ہے۔ (نعرۂ تحسین)

اس ملک کی حکومت میں حصہ لینے کا مجھے اسی قدر حق حاصل ہے جس قدر ایک ہندو کو، ہم نے ہندو مسلم سمجھوتہ کے سلسلہ میں کبھی کوئی ایسی روش اختیار نہیں کی جسے معاندانہ یا مخالفانہ سمجھا جائے۔

کانگریس کو چند صوبوں میں اقتدار ملتے ہی اُسے کچھ نشہ سا ہو گیا، اور سارے ملک پر کامل ہندو اقتدار کے خواب دیکھنے لگی۔ بزمکی کانگرس کی یہی روش ہے جس نے ہندو مسلم سمجھوتہ کو روک رکھا ہے، اور ملک کی ترقی میں رکاوٹ بن رہی ہے۔ کانگریس کی ہائی کمان اپنی روش سے خود ہندوؤں کو سخت ترین نقصان پہنچا رہی ہے۔

دو سال پہلے میں نے شملے میں کہہ دیا تھا کہ جمہوری پارلیمانی طرز کی حکومت ہندوستان کے لیے ناموزوں ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں نے تعلیماتِ اسلامی کو ضرر پہنچانے کا جرم کیا ہے کیونکہ اسلام جمہوریت پسند ہے۔

جہاں تک میں نے اسلام سمجھا ہے، وہ کسی ایسی جمہوریت کی تلقین نہیں کرتا جس کی بناء پر مسلمانوں کی قسمت کے فیصلوں کا اختیار غیر مسلم اکثریت کے ہاتھ میں چلا جائے۔ ہم کسی ایسی طرزِ حکومت کو قبول نہیں کر سکتے کہ جس میں غیر مسلم محض عددی اکثریت کی وجہ سے ہم پر قبضہ و اقتدار حاصل کر کے حکومت حاصل کر سکتے ہیں۔ مجھ سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ اگر میں جمہوریت نہیں چاہتا ہوں، فسطیت، نازیت، یا آمریت؟ میں کہتا ہوں ان بھگتوں اور جمہوریت کے پرستاروں نے کیا کیا ہے؟ اُنہوں نے چھ کروڑ انسانوں کو اچھوت بنا رکھا ہے، اور ایسے اصول کھڑے کیے ہیں، جو فاسطی مجلس اعلیٰ کے سوائے اور کچھ نہیں ہیں۔ ان کا آمر کانگریس کا چار آنہ کا رکن

بھی نہیں ہے۔ اُنہوں نے ایسی کٹھ پتلی وزارتیں بنائی ہیں جو مجلسِ قانون ساز یا رائے دہندگان کو نہیں بلکہ مسٹر گاندھی کی ایک منتخب بزنک کو جواب دہ ہیں۔
مغرب کے مختلف ممالک میں بھی عام طور پر مختلف نوع کی جمہوریت ہوتی ہے۔ چنانچہ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان میں جہاں کے حالات یورپ سے مختلف ہیں برطانوی جماعتی طرز حکومت اور نام نہاد جمہوریت قطعی ناموزوں ہے۔
اب صورتِ حال کیا ہے؟ آپ کو یاد ہو گا کہ جب جنگ چھڑی تھی تو مسٹر گاندھی وائسرائے سے ملنے گئے تھے۔ وہ وہاں بہت دل شکستہ ہوئے پارلیمنٹ اور ویسٹ منسٹر ایبے کی عمارتوں کی ممکنہ تباہی کا تصور کر کے ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر انگلستان اور فرانس کو شکست ہو گئی تو ہندوستان کی آزادی کا کیا فائدہ؟ انہوں نے یہ سمجھ کر کہا تھا کہ اگر حکومت برطانیہ ہندوستان سے چلی گئی تو انہیں آزادی نہیں مل سکتی، لیکن سیوگاؤں پہنچتے پہنچتے ان کا خیال بدل گیا۔
اس کے بعد ہی ہندوستان کی آزادی اور ایک ایسی مجلس دستور ساز تشکیل دینے کے اعلان کا مطالبہ کیا گیا جس کی بنیاد عام حق رائے دہی بالغان پر رکھی گئی ہو، اور جو مستند اور مسلمہ اقلیتوں کے لیے چند تحفظات کے ساتھ ہندوستان کا دستور مرتب کرے۔
ہندو مسلم سمجھوتے کی آنکھ مچولی کھیل کر مسٹر گاندھی ایک ہی جست میں اس مجلس دستور ساز کے نئے کھیل پر پہنچے ہیں، اور اس کے متعلق ان کا ادعا ہے کہ یہ ہر مرض کی دوا ہے۔ فرض کیجیے کہ اقلیتیں غیر مطمئن ہوں تو کیا ہو گا؟ وہ کہتے ہیں کہ اس کو اعلیٰ ترین عدالت میں پیش کیا جائے گا میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس مسئلہ کو عدالتوں میں حل کرایا جا سکتا ہے؟ یہ کروڑوں اشخاص کے لیے ایک دستور مدون کر کے ایک سماجی ربط قائم کرنے کا مسئلہ ہے۔ اسے قانونی عدالت میں فیصل نہیں کیا جا سکتا، اور اگر ایسا ہو بھی تو اس عدالت کے فیصلوں کا نفاذ اور اس کی تعمیل کون کرائے گا؟ یہ سوائے ایک نقاب کے اور کچھ نہیں ہے جس کی اوٹ میں وہ اپنے اصلی ارادے چھپانا چاہتے ہیں۔
اس کے علاوہ اور بھی اعتراضات ہیں۔ تاریخی اور سیاسی اعتبار سے یہ ایک لغو تجویز ہے کسی غیر ملکی حکومت سے یہ کہنا کہ وہ ایسی مجلس دستور ساز تشکیل دے، اور پھر اس مجلس کے مدونہ دستور کو نافذ کر کے ملک سے چلی جائے، لغویت کی انتہا ہے۔
ایک مجلسِ دستور ساز اس وقت وجود میں آتی ہے، جب کہ عوام کے ہاتھوں میں شاہی اختیارات منتقل ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد مسٹر گاندھی نے رُخ بدل کر کہا کہ وہ کسی ایسے ہی مساوی حل پر بھی مطمئن ہوں گے، لیکن اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ اس کا بدل کیا ہو! مسٹر راجگوپال اچاری کہتے ہیں کہ صوبائی مجالس قانون ساز کے تازہ انتخابات کیے جائیں، اور اس طرح جو اراکین منتخب ہوں ان کی مجلس دستور ساز بنائی جائے لیکن مونجے اور ساورکر اس کو پسند نہیں کرتے کیونکہ موجودہ مجالس میں ان کی کوئی آواز نہیں ہے۔
کیا یہ حضرات کسی معاملہ میں بھی سنجیدگی سے گفتگو کرتے ہیں؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ برطانوی حکومت کو دق کرنا اور دھمکی دے کر اس سے کُچھ لے مرنا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ برطانوی حکومت

قائداعظم محمد علی جناحؒ بمبئی 1930ء

یہاں سے چلی جائے۔ وہ تو صرف اُسے دم دلا سے دے کر، اس پر دباؤ ڈال کر ایسی چیز حاصل کر لینا چاہتے ہیں، جس کے وسیلے سے برطانیہ کے سایہ ہی میں مسلمانوں کو محکوم بنا سکیں۔ اس وقت مسلم لیگ کو کیا صورتِ حال درپیش ہے؟ ہم کنوئیں اور خندق کے درمیان ہیں ہندوؤں یا مسلمانوں کو حکومت سونپنے کی برطانیہ کو کوئی جلدی نہیں ہے۔ برطانوی حکومت سے اعلانات کا مطالبہ کرنے اور کہتے رہنے سے کہ ہمیں آزادی دو، کوئی فائدہ نہ ہوگا وہ کبھی نہیں دیں گے۔ برطانوی حکومت کے اعلانات میں کہیں نہ کہیں ایک روزن ہمیشہ رہے گا۔

دوسری طرف ہم ایک قطعی مطالبہ کر رہے ہیں کہ قانون 1935ء منسوخ کر دیا جائے، اور اس بدنصیب ''صوبجاتی خودمختاری'' کے تجربات اور اس کے بعد کے تغیرات کی روشنی میں دستور ہند کے سارے مسئلہ کو از سرِ نو جانچا جائے۔ اس کے متعلق ہمیں چند تشریحات بھی وصول ہوئی ہیں، وائسرائے کہتے ہیں کہ اِس حکمتِ عملی اور خاکوں کی دوبارہ جانچ پڑتال جس پر دستور کی بنیاد رکھی گئی ہے، ان کے اعلان سے خارج نہیں ہے۔

لیکن اس عرصہ میں برطانوی حکومت مسٹر گاندھی کو سمجھا بجھا کر عالم تصورات کی بلندیوں سے اتار کر حقیقت کی دنیا میں لانا چاہتی ہے، جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم واقعیت پسندی سے اس مسئلہ پر نظر ڈالنے کے لیے تیار ہیں، لیکن ہمیں ایک حقیقی تشویش لاحق ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے برطانوی حکومت مسٹر گاندھی کے لیے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو تابع فرمان کرنے اور ان کو مٹا دینے کی تجویزوں کو رو بہ عمل لانے کا موقع نہ فراہم کر دے۔ میں اپنی امکانی طاقت اور زور سے برطانوی حکومت سے کہتا ہوں کہ اگر وہ کانگریس سے کوئی ایسا تصفیہ کر رہی ہے یا آئندہ کرنے والی ہے جو مسلمانوں کے لیے ضرر رساں ہو تو ہم اسے قائم نہ رہنے دیں گے۔ ہم برطانوی حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ کسی دستور کا نفاذ یا کوئی ہنگامی تصفیہ مسلمانوں کی مرضی اور اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ اگر ہمارے اندیشے صحیح ثابت ہوئے تو متعلقہ اشخاص کو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان ممکنہ ذرائع سے اس کی مدافعت کریں گے، اور تصفیہ کو ناقابلِ عمل بنا کر رکھ دیں گے۔

کسی پر تکیہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہم کو اپنے آپ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ میں ہر شخص کا دوست بننے پر رضامند ہوں، لیکن بھروسہ اپنی ہی طاقت پر کروں گا۔ لیگ نے تا حال بہت معقول کام کیے ہیں لیکن ابھی اس کا آغاز ہی ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوستان میں بھی درحقیقت جنگ ہو رہی ہے۔ میں تم سے اپیل کرتا ہوں کہ شانہ سے شانہ ملا کر لیگ کی صفوں میں کھڑے ہو جاؤ۔'' (فلک شگاف نعرے)

خطابِ حیدر آباد

(دیکھئے: حیدر آباد دکن)

خطاب (اجلاس لکھنؤ)

قائداعظم محمد علی جناح نے ہندو مسلم مفاہمت کے لیے جس سمجھوتہ کا مسودہ مرتب کیا، اس میں کوئی سقم نہیں رہنے دیا۔ 31 دسمبر 1916ء کو مسلم لیگ کے روسٹرم سے بحیثیت صدر انہوں نے اعلان کیا:

''جو چیز عظیم ہے اور لوگوں کے مشترکہ معاملہ کی طرف تحریک دیتی ہے، جس کے لیے سب سے اچھے اور سب سے بہادر انسانوں نے زندگی گزاری اور کام کیا، تمام ادوار اور ہر قسم کے موسمی حالات میں تکالیف اٹھائیں، وہ انڈیا کو اس کی پستیوں سے باہر لا رہی ہے۔ پورا ملک اپنی منزل کی طرف دعوت کے لیے بیدار ہے، اور مشتاقانہ امید کے ساتھ نئے آفاق کی طرف غور سے دیکھ رہا ہے۔ ملک میں خلوص، اعتماد اور پختہ عزم کا نیا جذبہ عام ہے۔ تمام اطراف میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ مسلمانانِ ہند اپنے آپ کو اور اپنی گذشتہ روایات کو جھٹلائیں گے، اگر انہوں نے نئی توقع پوری کرنے میں بھرپور حصہ نہ لیا، جو آج محبِ وطن ہندوستان کے فرزندوں کو حرکت دے رہی ہے۔ اگر وہ اپنے ملک کی پکار کا جواب دینے میں ناکام رہے، اگر ان کی نظر اپنے ہندو ہم وطنوں کی طرح مستقبل پر جمی ہوئی نہیں ہے تو وہ مستقبل سے پیچھے رہ جائیں گے، لیکن آل انڈیا مسلم لیگ کے حضرات کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس وقت تمہاری قوم اور پورے ملک کی نگاہیں تم پر لگی ہوئی ہیں جو فیصلے آپ اس تاریخی ہال اور تاریخی سیشن میں کریں گے، اپنی پوری قوت اور وزن کے ساتھ رنگ لائیں گے۔ سات کروڑ مسلمانوں کے منتخب لیڈر اور نمائندے بجا طور پر اس کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ ان فیصلوں کی نوعیت پر اس بڑی حد تک ہندوستان کے مستقبل، اتحاد اور دستوری آزادی کے لیے ہمارے مشترکہ افکار اور امنگوں کا انحصار ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کسی پبلک پلیٹ فارم سے ایسے پرجوش انداز میں دوبارہ ہرگز تقریر نہیں کی۔ انہوں نے بیورو کریسی کے اشارے پر چلنے والے برطانیہ کو کم ظرف، دوغلا اور سیاسی اصولوں سے مایوس کرنے والا قرار دیا، جو محبِ وطن ہندوستان کے منہ پر اکثر ملامت کرتے ہوئے اس قسم کی باتیں کرتا:

''کوئی چیز اتنی بیکار اور فرسودہ نہیں، جتنا ہندوستانی اپنے آپ پر حکومت کرنے کے نااہل ہیں۔''

اور یہ کہ جمہوری ادارے مشرق کی فضا میں ترقی نہیں کر سکتے۔ وہ سارے ہندوستانیوں کو رذیل اور احمق کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے حب الوطنی اور قومی خود آگاہی کے زندہ و توانا جذبے کو سراہتے ہوئے کہا:

''یہ جذبہ بے لوث سوچ اور توانائی کو پروان چڑھاتا ہے۔ یہ جذبہ ہندوستانیوں کی روح میں موجزن ہے۔''

انہوں نے کہا:

''اس جذبے کا سب سے اہم اور امید افزاء پہلو یہ ہے کہ اسے قومی اتحاد کی سمت نومولود تحریک سے نمو ملی ہے۔ جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو اکٹھا کر کے مشترکہ مقصد کے لیے برادرانہ طور پر خدمت میں لگا دیا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے خطاب کا یہ اہم جزو مسلم لیگ کے مقاصد کے لیے اتنا پریشان کن سمجھا گیا کہ بعد میں سرکاری طور پر جو کتابچہ شائع ہوا، اسے اس میں سے خارج کر دیا گیا، اور تحریک پاکستان کے وکلاء میں سے کسی نے اسے نقل نہیں کیا۔ بہرحال اس قسم کی سنسرشپ یقیناً گمراہ کیے جانے اور بھٹکائے جانے کا نتیجہ تھی، کیونکہ 1916ء میں ہندو مسلم اتحاد کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناح کے زبردست جذبے کی وابستگی کو نظر انداز کر کے بعد ازاں انہوں نے خود کو حصولِ پاکستان کے مطالبہ سے جس مضبوطی و استحکام کے ساتھ وابستہ کر دیا،

پوری طرح اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

قائداعظم محمد علی جناح اچھی طرح جان گئے تھے کہ ہندوستان برطانوی حکومت سے آزاد، مضبوط اور ایک قومی وطن کے طور پر صرف اس صورت میں منصۂ شہود پر آ سکتا ہے، جب پہلے فرقہ وارانہ شکوک و شبہات اور دیگر خدشات کو دور کر لیا جائے۔ انہوں نے کانگریس میں رہتے ہوئے وہاں اپنے نمایاں قومی اہمیت کے حامل رفقائے کار کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ منتخب مجالس دستور ساز کی سیٹوں کا خاصہ کوٹہ مسلمانوں کو دے دیا جائے، تاکہ مسلم لیگ کو قائل کیا جا سکے کہ مطالبات کی ایک قومی فہرست مرتب کرنے میں کانگریسی حلقوں کا ساتھ دینا خود اس کے اپنے بہترین فرقہ وارانہ مفاد میں ہے۔ یوں مہارت کے ساتھ بات چیت کے ذریعے جو معاہدہ طے پایا، اس سے ان کی قابلِ تعریف قانونی صلاحیتوں کی اس طرح تصدیق ہو گئی جیسے کہ قوم پرستی کے ساتھ ان کے پُرجوش لگاؤ سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

پرامید اور متحرک قائداعظم محمد علی جناح نے یہ پیش گوئی کر دی:

''ہم نے کم از کم آدھی آئینی جنگ پہلے ہی جیت لی ہے۔''

نیز آپ نے فرمایا:

''متحدہ ہندوستان کا مطالبہ جو ملک کی حقیقی ضروریات پر مبنی ہو، اور وقت نیز حالات کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے دفع کیا گیا ہو، اسے یقیناً قابلِ مذمت ثابت ہونا چاہیے۔ بحالی امن کے ساتھ ساتھ ہندوستانی مسئلہ جرأت مندانہ اور فراخدلانہ خطوط پر طے کرنا ہوگا، اور ہندوستان کو برٹش ایمپائر کے اندر ایک آزاد، ذمہ دار اور مساوی المرتبہ ممبر کی حیثیت سے اس کا پیدائشی حق دینا ہوگا۔''

اس وقت یہ سب کچھ بالکل واضح، آسان اور عقل کے عین مطابق لگتا تھا، کانگریس، لیگ منصوبہ نے جسے ''لکھنؤ پیکٹ'' کہا جاتا ہے۔ آزاد ہندوستان کے دستور کے لیے موٹے موٹے اصولوں پر مبنی لائحہ عمل ثابت ہوا۔ بہرحال انہوں نے اس اسکیم کو دستوری حقیقت میں منتقل کرنے کے لیے ہر قدم کا حل سوچ لیا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''اصلاحات کی اسکیم بنانے کے لیے آپ دیکھیں گے کہ مسلم لیگ اور کانگریس آئینی ماہرین سے ایک بل کا مسودہ مرتب کرنے کے لیے ٹھوس اقدامات کریں گی، جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کا ترمیمی بل کہلائے گا۔ اس کے متن میں ہمارے ملک کا موجودہ دستور شامل ہوگا۔ ویسا بل تیار ہونے پر کانگریس اور لیگ کو اختیار کرنا ہوگا۔ دونوں جماعتوں کو اپنے اپنے سرکردہ نمائندہ افراد کا ایک وفد مقرر کرنا چاہیے جو اس بات کا خیال رکھیں گے کہ اس بل کو برطانوی پارلیمنٹ میں پیش اور منظور کر لیا جائے۔ اس مقصد کے لیے ہمیں اس قدر زیادہ سرمایہ جمع کرنا چاہیے جتنا کہ ممکن ہو، تاکہ جدوجہد کے لیے ضروری وسائل بروئے کار لائے جا سکیں، جب تک کہ ہمارا مقصد پورا نہ ہو۔''

لکھنؤ پیکٹ ردی کی ٹوکری میں

قائداعظم محمد علی جناح کا دماغ اپنے اکثر انگریز اور ہندوستانی ہم عصروں سے کئی سال پہلے سوچتا تھا۔ بدقسمتی سے ''لکھنؤ پیکٹ'' پر کبھی عملدرآمد نہیں کیا گیا، تاہم اس کی منظوری ہندوستان کے قومی اتحاد کا اہم نکتہ ثابت ہوئی، اور اس نے جنوبی ایشیاء کے اس برصغیر پر حکومت کے لیے ایک ایسا معقول

آئینی ڈھانچہ فراہم کر دیا، جیسا کہ بعد کا کوئی منصوبہ جو سالہا سال کی محنت، بے پناہ اخراجات اور بہت قیمتی خون خرچ کر کے تیار کیا گیا۔ بہرحال انگریز حکمران اپنی ہندوستانی سلطنت پر ولسن کے اصول خودارادیت کا اطلاق کرنے کو ہرگز تیار نہ تھے۔

کانگریس کا اجلاس مسلم لیگ کے قیصر باغ (لکھنؤ) میں منعقدہ تاریخی سیشن سے چند روز پہلے منعقد ہوا۔ 1907ء میں سورت کے مقام پر گروپ بندی کے بعد سے یہ اس کا پہلا متحدہ اجلاس تھا، جس میں 2300 سے زائد مندوبین شریک ہوئے۔ کانگریس کے صدر ایم سی موجمدار نے تلک اور اس کی جماعت کانگریس سے ادغام پر خیر مقدم کرتے ہوئے کہا:

''صلح کرانے والے بہت مقدس ہیں۔''

ہندو مسلم اتحاد کی طرف آتے ہوئے موجمدار نے اعلان کیا:

''یہ معاملہ طے پا گیا ہے، اور ہندو مسلم دونوں اپنی حکومت کے لیے مشترکہ مطالبہ پیش کرنے پر متفق ہو گئے ہیں۔ کانگریس کی کمیٹی اور مسلم لیگ کے نمائندوں نے کلکتہ میں دو روزہ مذاکرات کے بعد ایک آواز ہو کر ملک میں نمائندہ حکومت کے لیے ایک مشترکہ مطالبہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

خطابِ ''قائداعظم''

قائداعظم محمد علی جناح نے اکتوبر 1937ء کے اجلاس میں پاجامہ اور سموری ٹوپی پہنی۔ جس نے دیکھا پسند کیا بعد میں یہ ٹوپی جناح کیپ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ قیام پاکستان کے بعد یہ قومی لباس بن گئی۔ مسلمان قوم نے اپنے لیڈر کی بے باکی، دیانتداری اور ذہانت پر ان کو قائداعظم محمد علی جناح کا خطاب دیا۔ پہلی بار قائداعظم محمد علی جناح کا لفظ 1938ء میں مولانا مظہر الدین نے اپنے اخبار میں استعمال کیا۔ اس کے بعد جلسے جلوسوں میں یہ نام نعروں میں شامل کیا جانے لگا۔

10 دسمبر 1938ء کو ایڈیٹر روزنامہ ''الامان'' مولانا مظہر الدین احمد نے اپنے اخبار میں تجویز پیش کی:

''مسلمان آئندہ اپنے محبوب رہنما کو ''قائداعظم'' کے لقب سے پکارا کریں۔''

اس ماہ پٹنہ میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا تو اس میں لوگوں نے ''قائداعظم زندہ باد'' کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ سید عبدالعزیز، بہار کی یونائیٹڈ پارٹی کے ہردلعزیز رہنما اور مجلس استقبالیہ کے صدر تھے، انہوں نے مسلم لیگ کے سہ روزہ سیشن کو ہر لحاظ سے کامیاب و یادگار بنانے کے لیے بے دریغ سرمایہ خرچ کیا، اور کسی پہلو سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پٹنہ وسطی ہندوستان کا وہ مقام ہے، جہاں چھٹی صدی قبل مسیح میں مہاتما گوتم بدھ نے انسانیت کو محبت اور سچائی کا درس دیا تھا۔

خطاباتِ قائداعظم

قائداعظم محمد علی جناح برصغیر کے مسلمانوں کے ہردلعزیز رہنما تھے۔ قوم نے انہیں مسلمانانِ ہند کی خدمات کے صلے میں متعدد خطابات سے نوازا۔ جس میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

1. خضر راہ سیاست
2. اسلامیانِ ہند کا سردار
3. میر کارواں
4. خادم اسلام
5. فخر اسلام
6. ملت کا پاسبان (میاں بشیر احمد)
7. قائداعظم (سرکاری طور پر 12 اگست 1947ء)
8. چراغ محفل ملت

❾ ہندو مسلم اتحاد کے سفیر (1916ء) گوکھلے
❿ بابائے قوم
⓫ شاہ پاکستان (مصر کے شاہ فاروق)
⓬ پاکستان کا اتاترک اور اسٹالن (لیاقت علی خان)
⓭ ہندوستان کے لارڈ سائمن
⓮ پاکستان کے جارج واشنگٹن (مسز جینیفر جہاں زیبا اہلیہ قاضی موسیٰ)
⓯ دانائے اعظم
⓰ ہندوستان کا بے تاج بادشاہ (سر عبداللہ ہارون)
⓱ بابائے پاکستان (حکومت پاکستان کا سرکاری اعلان)
⓲ بابائے قوم
⓳ پاکستان کے معمار (لیاقت علی خان)
⓴ آتش نوا (حمید نظامی)
㉑ پاکستان کا اتاترک (ترک باشندے)
㉒ لیبیا کا سیاح (قائداعظم محمد علی جناح نے 1946ء میں خود کو یہ خطاب دیا۔)

قائداعظم محمد علی جناح کو 2 اگست 1947ء کو "قائداعظم" کا خطاب سرکاری طور پر پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں نواب زادہ لیاقت علی خان نے تجویز کیا۔

(ایسٹرن ٹائمز، 14 اگست 1947ء)

خطبات قائداعظم

اس کتاب کو رئیس احمد جعفری نے تالیف کیا۔ اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی تقاریر، بیانات اور پریس کانفرنسوں کی تفاصیل شامل کی گئی ہیں۔ جس کے مطالعہ سے ایک طالب علم اس بات سے بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ حصول پاکستان کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح کو ایک طویل سیاسی جنگ لڑنا پڑی اور مسلمانانِ برصغیر کو پاکستان لے کر دیا۔ تاریخ عالم میں یہ واقعہ کسی معجزہ سے کم نہیں۔

یہ کتاب جہاں عام قاری کے لیے مفید ہے وہاں تاریخ و سیاست سے دلچسپی رکھنے والے حضرات بھی اس سے کماحقہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اس کتاب کو مقبول اکیڈمی لاہور نے شائع کیا۔

خطبات قائداعظم

قائداعظم محمد علی جناح نے میدان سیاست میں قدم رکھنے کے بعد مختلف مقامات پر جو خطبے دیے ان کی مختصر روداد درج ذیل ہے:

30-31 دسمبر 1913ء آل انڈیا مسلم لیگ سالانہ اجلاس آگرہ۔
30-31 دسمبر 1915ء آل انڈیا مسلم لیگ سالانہ اجلاس بمبئی۔
31 دسمبر 1916ء آل انڈیا مسلم لیگ کا نواں اجلاس لکھنؤ۔
31 دسمبر 1925ء آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس علی گڑھ۔
31 دسمبر 1926ء آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دہلی۔
31 دسمبر 1927ء آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس کلکتہ۔
12 اپریل 1936ء مسلم لیگ کی تجدید...... بمبئی۔
7 فروری 1937 مسئلہ دستور ہند پر خطاب۔
15 اکتوبر 1937 لکھنؤ کے تاریخی اجلاس کا خطبہ۔
5 فروری 1938ء مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں خطاب۔
17 اپریل 1938ء کلکتہ کے ہنگامہ خیز اجلاس کا خطبہ صدارت۔
23 اگست 1938 مسودہ قانون فوجداری پر اسمبلی میں تقریر۔
9 اکتوبر 1938 سندھ مسلم لیگ کانفرنس کا خطبہ صدارت کراچی۔
26 دسمبر 1938 اجلاس مسلم لیگ پٹنہ۔
1939 جلسہ مولانا شوکت علی کی یاد میں۔
22 مارچ 1939 مسودہ قانون مال گزاری۔
13 نومبر 1939ء پیام عید الفطر۔
19 جنوری 1940ء ہندوستان کے دستوری مسائل۔

25 فروری 1940ء لیگ کے مطالبات انگریزوں سے
6 مارچ 1940 علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلباء سے خطاب۔
23 مارچ 1940ء آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس لاہور
26 مئی 1940ء بمبئی پریذیڈنسی مسلم لیگ کانفرنس۔
2 نومبر 1940 دہلی مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن۔
28 دسمبر 1940 مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن، احمد آباد۔
3 جنوری 1941 نوجوانان بمبئی کے اجتماع سے خطاب۔
2 مارچ 1941ء پنجاب اسٹوڈنٹس فیڈریشن۔
10 مارچ 1941ء مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین میں طلبا سے خطاب۔
اپریل 1941ء مسلم لیگ کے اجلاس مدراس کا خطبہ صدارت۔
جون 1941ء اوٹاکمنڈ (مدراس) کے مسلمانوں سے خطاب۔
2 نومبر 1941 علی گڑھ مسلم یونیورسٹی یونین طلبا سے خطاب۔
29 دسمبر 1941ء آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا خطبہ صدارت۔
15 فروری 1942 بنگال صوبائی مسلم لیگ کانفرنس کا خطبہ صدارت۔
23 مارچ 1942ء یوم پاکستان پر خطاب۔
4 اپریل 1942ء مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد کا خطبہ صدارت
13 ستمبر 1942ء امریکی، چینی اور برطانوی نمائندگان صحافت سے خطاب۔
15 نومبر 1942 آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجتماع جالندھر سے خطاب۔
14 جنوری 1943ء بمبئی میں قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر۔
3 جولائی 1943ء بلوچستان مسلم لیگ کے اجتماع سے خطاب۔
14 جولائی 1945ء میں تجاویز ویول۔
6 اگست 1945ء حکومت ہند سے انتخابات کا مطالبہ۔
12 اگست 1945ء مسلمانان بمبئی سے خطاب۔
اکتوبر 1945ء صوبہ سرحد کے شاہین زادوں سے خطاب۔
21 نومبر 1945ء کو صوبہ سرحد کے شاہین زادوں سے خطاب۔
21 دسمبر 1945 نیشنلسٹ مسلمانوں سے اپیل۔
7 اپریل 1946ء میں مسلم کنونشن کا خطبہ صدارت۔
5 جون 1946ء مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ نئی دہلی سے خطاب۔
11 جولائی 1946ء حیدر آباد دکن میں خطاب۔
29 اگست 1946ء پیام عید۔
30 اگست 1946ء قیصر باغ بمبئی میں جشن عید پر تبصرہ۔
19 نومبر 1946 جامعہ ملیہ میں ایک تقریر۔
13 دسمبر 1946ء اہل امریکہ سے خطاب۔
14 دسمبر 1946ء لندن میں ایک پریس کانفرنس۔
27 مارچ 1947ء میمن چیمبرز آف کامرس بمبئی سے خطاب۔
13 اگست 1947 لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اعزاز میں تقریب سے خطاب۔
14 اگست 1947ء مجلس دستور ساز سے خطاب۔
17 اگست 1947ء پاکستانی قوم سے خطاب۔
3 ستمبر 1947ء ریڈیو پاکستان پر عوام سے خطاب۔
27 اکتوبر 1947ء ممالک اسلامیہ اور پاکستان کے باشندوں سے خطاب۔
مارچ 1948ء مشرقی پاکستان میں خطاب۔
30 اپریل 1948ء پشاور کے جلسہ عام میں خطاب۔
یکم جولائی 1948 اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے موقع پر افتتاحی تقریر۔

خطبہ اجلاس لکھنؤ

یوں تو قائداعظم محمد علی جناح کے تمام خطابات ہی اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں لیکن خطبہ اجلاس لکھنؤ (اکتوبر 1937ء) اور خطبہ اجلاس لاہور (مارچ 1940ء) کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ ان کے ذریعے برصغیر میں مسلمانوں کی تاریخ کا نیا باب کھلا۔

15 اکتوبر 1937ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے پچیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں قائداعظم محمد علی جناح نے جو خطبہ پڑھا اس کا مکمل متن درج ذیل ہے:

خواتین و حضرات!

''آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس اپنی اہمیت کے لحاظ سے مسلم لیگ کے تیس سال سے زائد زندگی کے اہم ترین اجلاسوں میں شمار کیا جانا چاہیے۔ آپ جو پالیسی اور پروگرام اختیار کریں گے، اس پر مسلمانانِ ہندوستان بلکہ تمام ملک کی قسمت اور مستقبل کا انحصار ہے۔ 12 اپریل 1936ء کو مسلم لیگ نے اپنی تاریخ میں پہلی مرتبہ جمہور سے تعلق و اتصال پیدا کرنے کا پروگرام اختیار کیا۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے تحت جو صوبوں کا سیاسی دستور معرض وجود میں آیا اور اس سے جو صورتحال پیدا ہوئی لیگ نے اس پر غور و فکر کر کے یہ تہیہ کیا اور اس کے سوا دوسرا فیصلہ کر بھی نہیں سکتی تھی کہ میدان عمل میں داخل ہو اور صوبوں کی قانون ساز جماعتوں کے انتخابات میں اپنے امیدوار پیش کرے۔ صوبوں کے متعلق سیاسی دستور اگرچہ ہرگز قابل قبول اور پسندیدہ نہ تھا، لیکن یہ خیال کیا گیا کہ وہ جیسا کچھ بھی ہے اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ میں یہاں وہ ریزولیوشن نقل کرتا ہوں جو 12 اپریل 36ء کو منظور کیا گیا۔''

''چونکہ نئے دستور سیاسی کے تحت جو پارلیمنٹری طرز حکومت اس ملک میں جاری کیا جا رہا ہے اس کے پیش نظر یہ مسلّم امر ہے کہ ملک میں ایسی پارٹیاں قائم ہوں گی، جن کی ایک معین پالیسی اور پروگرام ہوگا۔ جن کی وجہ سے انتخاب کنندگان کو سیاسی معاملات سے باخبر کرنا ایک حد تک آسان ہوگا اور ایسی پارٹیاں جن کے مقاصد اور نصب العین یکساں ہوں۔ اس میں اشتراک عمل کریں گی اور یہ بات اس کی ضمانت ہے کہ نیا دستور بہترین طور پر قابل عمل ہو سکے گا، اور چونکہ صوبوں کی حکومتوں میں مناسب و موثر حصہ حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کی یک جہتی کو تقویت دینے کی غرض سے یہ ضروری ہے کہ وہ ایک متحدہ پارٹی کی شکل میں اپنے تئیں منظم کریں، جس کا ایک ترقی پرور پروگرام ہو۔ یہ قرار دیا جاتا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ آئندہ انتخابات میں اپنے امیدوار پیش کرے اور مسٹر جناح کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ ایک مرکزی الیکشن بورڈ قائم کریں۔ جس کے صدر وہ خود ہوں اور اس کے بورڈ کے ممبر 53 سے کم نہ ہوں، اور اس بورڈ کو اختیار ہو کہ صوبوں کے حالات کو مدنظر رکھ کر ان کے علیحدہ انتخابی بورڈ قائم کرے، اور مرکزی بورڈ سے انہیں ملحق کرے، اور تمام وہ ذرائع عمل میں لائے جو مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے ضروری ہوں۔''

پارلیمنٹری بورڈ

''چنانچہ اس فیصلے پر عمل پیرا ہونے کے لیے جون 1936ء میں مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ قائم کیا گیا، اور مختلف صوبوں میں صوبجاتی بورڈ قائم ہوئے تاکہ لیگ کی قراردادیں اور ہدایتیں جاری کی جائیں۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا، کیونکہ اس کے لیے نہ کوئی تیاری تھی اور نہ پہلے سے کوئی نظام ہی موجود تھا۔ تمام صوبوں میں انتخابات کی جنگ میں داخل ہونا ایک زبردست مرحلہ تھا۔ خاص کر اس لیے کہ مسلمان تمام

ہندوستان میں اقلیت میں ہیں، کمزور ہیں۔ ان کی تعلیمی حالت گری ہوئی ہے اور اقتصادی میدان میں تو ان کا کہیں پتہ ہی نہیں۔ ان کی معاشرتی اور اقتصادی ترقی و بہبود کے متعلق کبھی کوئی باقاعدہ کوشش کی ہی نہیں گئی تھی، اور اس کے مقابلے میں ہمارے ملک کی دیگر اقوام اپنی تنظیم اور باقاعدہ پروگرام کی وجہ سے جسے جمہور کی تائید حاصل تھی۔ترقی کی دوڑ میں کہیں کی کہیں پہنچ گئی تھی۔ ہندو بالخصوص اس مقابلہ میں سب سے آگے تھے اس وجہ سے کہ انہیں نہ صرف اکثریت حاصل ہے بلکہ ان کی تربیت و تنظیم بھی بہتر ہے اور تعلیم مال و دولت ہر لحاظ سے وہ بہتر سامان اور بہتر ذرائع کے مالک ہیں۔''

امید افزا نتائج

''مگر یہاں مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجیے کہ چھ مہینے کے مختصر زمانے کی کوشش سے انتخابات کے ختم ہونے سے پہلے ہی امید افزا نتائج رونما ہوگئے، اور اس لیے یاس و ناامیدی کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ جن جن صوبوں میں لیگ پارلیمنٹری بورڈ قائم ہوا اور جہاں ہم نے اپنے امیدوار پیش کیے، ہر جگہ تقریباً ساٹھ یا ستر فیصدی ہمارے ہی امیدوار کامیاب ہوئے اور انتخابات کے بعد تو میں دیکھ رہا ہوں کہ تقریباً ہر صوبے میں مدراس کے بعید ترین گوشے سے لے کر سرحدی صوبے تک سینکڑوں ڈسٹرکٹ لیگیں قائم ہوچکی ہیں۔''

مسلمان قومی جھنڈے کے نیچے

''گزشتہ اپریل سے مسلمان بیش از بیش تعداد میں لیگ کے گرد جمع ہورہے ہیں اور مجھے کامل یقین ہے کہ جس وقت لیگ کی پالیسی اور پروگرام کو وہ اچھی طرح سمجھ لیں گے اس وقت ہندوستان کی تمام اسلامی آبادی لیگ کے جھنڈے کے نیچے کھڑی نظر آئے گی۔''

قول کچھ اور عمل کچھ

''لیگ کا نصب العین یہ ہے کہ ہندوستان کو کامل قومی جمہوری حکومت خود اختیاری حاصل ہو۔اس ضمن میں جاہل اور ان پڑھ عوام کو بہلانے کی غرض سے خاص خاص فقروں اور لفظوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ پورنا سوراج، حکومت خود اختیاری، مکمل آزادی، ذمہ دار حکومت، مغز آزادی، نو آبادیوں کا درجہ، یہ الفاظ اکثر استعمال کیے جاتے ہیں۔ بعض حضرات مکمل آزادی کی بحث کرتے ہیں، لیکن اس سے کیا حاصل کہ زبان پر تو مکمل آزادی لیکن ہاتھ میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء۔ جو لوگ سب سے زیادہ مکمل آزادی کا راگ الاپتے ہیں۔ وہ مکمل آزادی کے مفہوم کو سب سے کم سمجھتے ہیں۔ کیا گاندھی اور ارون کا سمجھوتہ مکمل آزادی کے مطابق تھا۔ وزارتیں قبول کرنے اور صوبوں کے دستور پر عمل کرنے سے پہلے جو کہا گیا تھا گورنر اطمینان دلائیں کہ وہ مداخلت نہ کریں گے۔ کیا اس کا مطلب پورنا سوراج تھا اور جس دستور کو برطانوی پارلیمنٹ نے پاس کیا اور ایک جابرانہ شہنشاہی طاقت نے اہل ہند کو ان کی مرضی اور خواہش کے خلاف دیا، اس پر عمل کرنے اور وزارتیں قبول کرنے کا ریزولیشن پاس کرنا باوجودیکہ گورنروں نے مداخلت نہ کرنے کا کوئی وعدہ نہیں کیا، کیا یہ سب کچھ کانگریس پارٹی کی پارلیسی اور پروگرام اور

اعلانات کے عین مطابق تھا۔ کیا تخریب کے معنی تعمیر کے ہیں۔ یہ کاغذی اعلانات، عوام پسند فقرے اور نشانات ہمیں منزلِ مقصود تک پہنچا سکتے ہیں۔"

سب سے بڑی ضرورت

"ہندوستان کو جس چیز کی اس وقت ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ایک متحدہ سیاسی محاذ قائم کیا جائے اور ہم اپنے مقصد میں دیانتدار ہوں پھر جب اہل ملک کی حکومت اہل ملک کے ہاتھوں میں اور اہل ملک کے لیے ہو تو آپ اپنی حکومت کا جو نام چاہیں رکھیں۔"

کانگریس کی ہندوانہ پالیسی

"کانگریس کی عنان قیادت جن حضرات کے ہاتھ میں ہے اور خاص کر پچھلے دس برس میں جن ہاتھوں میں رہی ہے، انہوں نے مسلمانوں کو علیحدہ رہنے کے لیے مجبور کر دیا ہے۔ کانگریس کے لیڈروں کی پالیسی بالکل ہندوانہ پالیسی رہی ہے، اور جن چھ صوبوں میں اکثریت کی بنا پر انہوں نے حکومت اپنے ہاتھ میں لی ہے، وہاں اپنے قول، عمل اور پروگرام سے نہایت وضاحت کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان ان سے عدل وانصاف کی امید نہیں رکھ سکتے۔

جہاں کانگریس کی اکثریت ہے، اور جہاں اس کو موقع ملا اس نے مسلم لیگ کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنے سے انکار کر دیا، اور یہ مطالبہ کیا کہ مسلمان غیر مشروط طور پر ان کے سامنے جھک جائیں اور اس کے سیاسی عہد نامے پر دستخط کر دیں۔

بار بار یہ مطالبہ کیا گیا کہ اپنی پارٹی چھوڑ دو۔ اپنی پالیسی اور پروگرام کو ترک کر دو، اور مسلم لیگ کو توڑ دو لیکن جن صوبوں میں کانگریس کی اکثریت نہ تھی (مثلاً صوبہ سرحد میں) وہاں یہ مقدس اصول کہ سب ایک ہی پارٹی کے ماتحت کام کریں غائب ہو گیا، اور کانگریس پارٹی کو دوسری جماعتوں سے ملنے اور اشتراکِ عمل کی اجازت دے دی گئی۔ کوئی اکا دکا مسلمان جس نے کانگریس کے عہد نامے پر دستخط کر کے اس کا غلام ہونا منظور کر لیا اسے فوراً وزیر بنا کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہماری وزارت میں مسلمان بھی شامل ہیں، اور اس پر مطلق توجہ نہ کی کہ اسے کونسل کے مسلمان ممبروں کی ایک بڑی اکثریت کا اعتماد حاصل نہیں اور مسلمان اس کی کوئی عزت نہیں کرتے۔"

کانگریس پالیسی کے نقائص

"ان وفادارانہ خدمات کے صلے میں جو ان حضرات نے غیر مشروط طور پر کانگریس کے عہد نامے پر دستخط کر کے انجام دیں انہیں دنیا کے سامنے مسلم وزیروں کی حیثیت سے پیش کیا گیا، اور اپنی پارٹی اور قوم کے ساتھ انہوں نے جتنی غداری کی اتنا ہی کانگریس کی طرف سے انعام ملا۔ ہندی تمام ہندوستان کی قومی زبان ہوگی۔ بندے ماترم قومی ترانہ ہوگا، اور جبراً سب سے منوایا جائے گا۔ ہر شخص کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ کانگریسی جھنڈے کی عزت کرے۔"

ہندوستان صرف ہندوؤں کے لیے

"اکثریت نے ذرا سی قوت اور اقتدار حاصل کرتے ہی صاف طور پر جتا دیا کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کے لیے ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کانگریس قومیت کا نقاب اوڑھے ہوئے ہے مگر ہندو مہاسبھا کھلے لفظوں میں اس بات کا اعلان کرتی ہے۔"

فرقہ وارانہ کشمکش

''میرے خیال میں کانگریس کی موجودہ پالیسی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان کی قوموں کے آپس میں تعلقات ناخوشگوار ہوتے چلے جائیں گے اور تلخی بڑھتی چلی جائے گی۔ ایک قوم دوسری سے آمادہ جنگ اور برسرپیکار رہے گی، اور برطانوی شہنشاہیت کا تسلط ہم پر زیادہ مضبوط ہوجائے گا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس معاملہ میں برٹش گورنمنٹ کی امداد کرے گی کیونکہ ان خانہ جنگیوں کی اسے ذرا بھی پرواہ نہیں بلکہ جب تک حکومت کی شہنشاہی یا دیگر مفاد پر کوئی اثر نہ پڑے، اور ہندوستان اس کے قبضہ اقتدار میں رہے، وہ ان تمام مناقشات کو اپنے لیے مفید ہی سمجھے گی مگر میرا خیال ہے کہ جب کانگریس ملک بھر میں نااتفاقی اور پھوٹ پیدا کر چکے گی، اور ایک متحدہ محاذ کا وجود میں آنا مشکل ہوجائے گا۔ اس وقت ایک خطرناک ردعمل ظہور پذیر ہوگا۔''

اقلیتوں کا تحفظ

''یہاں اس بات کا اظہار مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جن تباہ کن نتائج کا امکان ہے۔ اس کی ذمہ داری برٹش گورنمنٹ پر کچھ کم نہ ہوگی۔ دستور میں گورنر جنرل اور صوبے کے گورنروں کو خاص اختیارات دیے گئے ہیں، جن کی رو سے ان پر اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی خاص ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اور جب کانگریس پارٹی یہ مطالبہ کر رہی تھی کہ اس کی وزارت میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے۔ اس وقت لارڈ زٹیلنڈ وزیر ہند نے ان ذمہ داریوں پر بہت زور دیا تھا۔''

گورنر اور دستور کی خلاف ورزی

''لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ گورنر جنرل اور صوبوں کے گورنر ان ذمہ داریوں سے عہدہ براہ نہیں ہوسکے، اور دستور کے بنیادی اصولوں اور مسلمان وزیروں کے تقرر سے متعلقہ ہدایت ناموں کی صریح خلاف ورزی میں گورنر اور کانگریسی حکومتیں برابر کی شریک ہیں۔ ایسے مسلمانوں کو وزیر مقرر کرکے گورنروں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ وہ کانگریسی حکومت کے ہم نوا ہیں حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان مسلمان وزراء پر نہ کونسلوں کے مسلمان ممبروں کو اعتماد ہے نہ کونسل سے باہر عامتہ الناس کو۔ اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا فرض برٹش گورنمنٹ نے ایک مقدس فرض سمجھ کر اپنے ذمہ لیا تھا جسے ادا کرنے سے صوبوں کے گورنر قطعاً قاصر عاجز اور بے پروا رہے ہیں۔ جب وہ اتنے اہم فرض کو ادا نہ کرسکے تو ان سینکڑوں باتوں پر کیا توجہ کریں گے جو حکومتی سطح تک نہیں آتیں اور جن کا ذکر کونسلوں یا حکومت کی روزانہ کارروائیوں میں نہیں ہوتا۔ یہ حالات نہایت فکر واندیشہ سے مطالعہ کرنے کے قابل ہیں اور ان سے معلوم ہوگا کہ واقعات کا رخ کدھر ہے۔''

ہندو مصالحت کے لیے تیار نہیں

''اکثریت کے ساتھ کسی سمجھوتے یا مفاہمت کا امکان نہیں کیونکہ ہندوؤں کا کوئی بااثر و بااختیار لیڈر اس کے لیے خلوص دل سے تیار نہیں۔ باعزت سمجھوتہ ہمیشہ برابر کے فریقین میں ہوسکتا ہے، اور جب تک دونوں فریق ایک دوسرے کی عزت اور طاقت محسوس نہیں کرنے لگتے سمجھوتے کی کوئی صورت پیدا ہی نہیں

بمبئی میں گاندھی جناح ملاقات 1944ء

ہوتی۔ کمزور جماعت کی طرف سے صلح جوئی کی پیش کش اپنی کمزوری کا اعتراف کرنے اور اپنے حقوق میں مداخلت کی دعوت دینے کے برابر ہے۔ حب الوطنی اور حق و انصاف کے نام پر اپیل بالکل بیکار ثابت ہوا کرتی ہے، اور اس کو سمجھنے کے لیے کسی دوراندیشی کی ضرورت نہیں کہ تمام تحفظات اور معاہدے ایک ردی کاغذ کے ٹکرے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ جب تک ان کی پشت پر کوئی نہ ہو حق و انصاف اور نیک نیتی پر بھروسہ کرنے کا نام نہیں۔ بلکہ طاقت کے معنی سیاست ہیں۔ دنیا کی اقوام کو دیکھئے اور سوچئے کہ کیا ہو رہا ہے؟ حبش کا کیا حشر ہوا، چین اور اسپین کا کیا کیا حال ہو رہا ہے؟ اور فلسطین کے المناک حالات کا تو ذکر ہی کیا اس کے متعلق آگے چل کر عرض کروں گا۔"

کانگریس اور فرقہ وارانہ مسائل

"کانگریس کے ذمہ دار لیڈر بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں۔ بعضوں کے نزدیک اس ملک میں ہندو مسلمان سوال اور اقلیتوں کا مسئلہ موجود ہی نہیں۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ بے چارگی اور بے اتفاقی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں روٹی کے چند ٹکڑے پھینک کر بہلایا جاسکتا ہے۔ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس طرح دھوکہ دیا جاسکتا ہے تو افسوسناک غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ اب زندہ رہے گی، اور ہندوستان کی سیاسیات میں صحیح طور پر حصہ لے گی، اور جتنی جلدی اس کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا جائے گا اور اسے سمجھ لیا جائے اسی قدر یہ تمام مقاصد کے پیش نظر بہتر ہوگا۔

تیسری رائے یہ ہے کہ مایوسی کے گھپ اندھیرے میں امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی لیکن جیسے جیسے کانگریس طاقت حاصل کرتی جاتی ہے وہ سادہ چکوں کے پرانے وعدے بھولتی جاتی ہے۔"

کانگریسی مسلمانوں کا غلط مشورہ

"میں چاہتا ہوں کہ مسلمان اس صورتحال پر غور و فکر کریں اور تمام ہندوستان میں ایک متحدہ پالیسی اختیار کر کے اور اس پر نہایت وفاداری سے قائم رہ کر اپنی قسمت کا فیصلہ آپ کریں۔ کانگریسی مسلمانوں کو یہ سخت غلطی ہے کہ وہ غیر مشروط طور پر خود کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں، اور مسلمان قوم کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بڑی غداری نہیں ہوسکتی اور اگر اس پالیسی کو اختیار کر لیا گیا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودیں گے۔"

مسلمانوں کے لیے واحد راہ عمل

"میں چاہتا ہوں کہ ہاتھ سے موقع نکل جانے سے پہلے مسلمان یہ مفید سبق سیکھ لیں کہ ان کے سامنے ایک صاف راہ عمل کھلی ہے۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ دیگر معاملات سے قطع نظر کر کے وہ سارا وقت اور ساری ہمت اپنی تنظیم اور اپنی قوت کو بڑھانے پر صرف کردیں۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ بعض مسلمانوں میں تفریق ہے۔ ان میں ایک گروہ برٹش گورنمنٹ کی طرف رخ کیے ہوئے ہے۔ اگر مسلمان اس کے تلخ نتائج سے ابھی تک بے خبر ہیں تو وہ تا ابد بے خبر رہیں گے۔ خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

ایک دوسرا گروہ ہے جس کا رخ کانگریس کی طرف

ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے اوپر بھروسہ نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان اپنے اوپر بھروسہ کریں، اور اپنی قسمت کا خود فیصلہ کریں۔ ہمیں وہ آدمی چاہئیں جو مضبوط ادارے مضبوط ہمت مضبوط ایمان کے مالک ہوں، اور جن باتوں کو وہ امر حق سمجھتے ہوں انہیں منوانے کے لیے تن تنہا جنگ کرنے کو تیار ہوں۔ خواہ اس وقت بظاہر ساری فضا ان کے خلاف ہو۔ ہمیں اپنے دلوں میں قوت اور عزم بالجزم پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مسلمانوں کی پوری تنظیم ہو جائے، اوران میں سے وہ زور اور طاقت پیدا ہوجائے جو کسی قوم کے اتفاق واتحاد کی علامت ہوتی ہے۔"

کانگریس کا نفرت انگیز پروپیگنڈہ

"ان آوازوں اور طعنوں سے ہرگز متاثر نہ ہونا چاہیے جو مسلمانوں کے خلاف استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً فرقہ پرست "ٹوڈی" یا رجعت پسند اگر آج کا بدترین مسلمان ٹوڈی اور شریر ترین مسلمان فرقہ پرست کانگریس کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنے بھائیوں کو لعنت ملامت کرنے لگ جائے تو کل ہی سے وہ قوم پرستوں کا سردار بنا دیا جاتا ہے۔ یہ آوازے، طعنے اور گالیاں صرف اس لیے استعمال کی جاتی ہیں کہ مسلمانوں کو اپنی کمزوری کا احساس ہوجائے۔ وہ اپنے آپ کو حقیر اور ذلیل سمجھنے لگیں۔ آوازوں، طعنوں اور نعروں کے باوجود کامیاب نہیں ہوسکتیں۔ ایمانداری اور نیک نیتی کا صرف یہی ایک راستہ ہے کہ اقلیتوں کے جائز مطالبات پورے کر دیے جائیں بھوک اور افلاس کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں پر اشتراکی اور بالشویکی خیالات پیدا ہوں جن کے لیے ابھی ملک بالکل تیار نہیں۔"

ایک نمائندہ اسمبلی کا مطالبہ

"کسی ریزولیوشن کے ذریعہ سے گورنر جنرل سے کہنا کہ وہ وزیر ہند سے استدعا کریں کہ بالغ رائے دینے کا حق عطا کر کے ایک نمائندہ اسمبلی بنائی جائے، جہالت کی انتہا ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ ان میں واقعات کو اصلی رنگ میں دیکھنے کی صلاحیت نہیں۔ یہ اسمبلی صرف اس وقت وجود میں آسکتی ہے جب کہ وہ حکومت کی طرف سے طلب کی جائے اور ان لوگوں پر مشتمل ہو جو عوام کے نمائندے ہوں، اور جن کو اختیار دیا گیا ہو کہ وہ اپنی رائے کے مطابق ملک کا آئین حکومت مرتب کریں اور جب ملک کا دستور اساسی مرتب ہوجائے تو وہ دست بردار ہو جائیں، اور ان کا بنایا ہوا آئین جاری ہوجائے۔

ہر بالغ کو حق رائے دہندگی دے کر رائے دہندگان کی فہرست کون مرتب کرے گا؟ اور ان رائے دہندگان کے کتنے نمائندے منتخب کیے جائیں گے، اور ان حلقوں میں اقلیتوں کا کیا حشر ہوگا، اور رائے دہندگان اپنی رائے کا کس رخ فیصلہ کریں گے اور جنہیں اس وسیع براعظم کا آئین مرتب کرنے کا مکمل اختیار دیا گیا ہے وہ کس بنا پر اپنے نمائندوں کو منتخب کریں گے کون اس جماعت کا انتخاب کرائے گا جسے اپنی پسند کے مطابق آئین مرتب کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، اور پھر اس دستور کو کون چلائے گا اور اس منتخب جماعتوں میں اقلیتوں کا کیا ہوگا۔"

فیڈریشن کا قیام

''کیا کانگریس کو اس بات کا واقعی یقین ہے کہ وزیر ہند یہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہیں؟ کچھ دن ہوئے حکومت برطانیہ کے ممتاز نمائندے یعنی ہزایکسی لینسی وائسرائے نے کہا کہ مجھے پوری امید ہے کہ میں جلد ہندوستان میں فیڈریشن قائم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ ہندوستان آتے ہی میں نے اس توقع کا اظہار کیا تھا کہ صوبوں میں حکومت خوداختیاری قائم ہوجانے کے تھوڑے ہی عرصے بعد فیڈریشن قائم ہوجائے گی اٹھارہ مہینے کے تجربے کے بعد فیڈریشن کے قیام کے متعلق یہ توقع یقین میں تبدیل ہوگئی ہے۔''

واقعات سے چشم پوشی

''ملک کی حالت کا مجموعی حیثیت سے اندازہ کرتے ہوئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ کانگریس مرکزی اقتدار سے ابھی بہت دور ہے اور گورنمنٹ برطانیہ کے متعلق توقع کرنا کہ وہ قانون اساسی کے لیے نمائندہ اسمبلی بنائے گی۔ واقعات سے چشم پوشی کرنا ہے اور یہ خیال کہ کانگریس قابلیت سے اس مقصد کو حاصل کر سکے گی۔ خلاف واقعہ وہم آرائی ہے۔ کانگریس کو سب سے پہلے تو ملک کی بڑی بڑی قوموں اور بڑے بڑے طبقوں کے مفاد کو اپنے زیر قیادت لانا ہے۔ ایک بیرونی حکومت سے جو اس ملک میں اختیار اور طاقت کی مالک ہے یہ کہنا کہ وہ خود ایسی آئینی اسمبلی بنائے گی اس سے پیشتر کہ فرقہ وارانہ مسائل کا کوئی حل نکل آئے، اور ہندوستان کی بڑی بڑی قومیں کانگریس کی لیڈری قبول کرلیں۔ گاڑی کے پیچھے گھوڑا جوتنے کے مترادف ہے۔ ہمیں اس حقیقت کو کسی حالت میں نظرانداز نہیں کرنا چاہیے کہ ہندوستان کی آبادی کا ایک بٹا تین حصہ بالکل ایک جداگانہ حیثیت اور نوعیت رکھتا ہے اور اس میں وہ آبادی شامل ہے جو ہندوستانی ریاستوں میں آباد اور دیسی فرمانرواؤں کے زیر اثر ہے۔ ریت میں ہل چلانے کے بجائے کانگریس کو کم از کم ایک چیز کی طرف اپنی تمام تر توجہ مبذول اور مرکوز کرنی چاہیے یعنی اسے کوشش کرنی چاہیے کہ آل انڈیا فیڈریشن اسکیم جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء میں شامل اور موجودہ مرکزی آئین سے کہیں زیادہ خراب اور ناقص ہے کسی طرح عملی جامہ نہ اختیار کرسکے کیونکہ حکومت برطانیہ کی طرف سے ذمہ دارانہ اختیارات رکھنے لوگ پورے زور اور وثوق کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ فیڈریشن کی سکیم عنقریب عملی طور پر شروع ہونے والی ہے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ نگریس کا اس سلسلے میں کیا ارادہ ہے، کیا یہ سمجھتی ہے کہ وہ ایک تنہا جماعت کی حیثیت سے اسے روک سکتی ہے۔ یا وہ کوئی اور فارمولا سوچ رہی ہے یا اس نے طے کرلیا ہے کہ خاموشی کے ساتھ جو کچھ پیش آئے اسے تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کرلے جیسا کہ وہ ابھی صوبوں کی حکومت خوداختیاری کے سلسلے میں کرچکی ہے باوجودیکہ چوٹی کے کانگریسی لیڈر اس کے خلاف چیختے چلاتے رہے۔

اس سے بڑھ کر شکست خوردہ ذہنیت کا اور کیا مظاہرہ ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ مسلمانوں کے ساتھ یہ انتہائی درجے کی غداری ہے، اور اگر اس پالیسی پر عمل کیا گیا تو میں آپ کو متنبہ کیے دیتا ہوں کہ مسلمانوں کا خون ان کی

اپنی گردن پر ہوگا، اور ملک اور حکومت کی قومی زندگی میں جماعتی حیثیت سے بالکل فنا ہو جائیں گے۔

صرف ایک صورت مسلمانوں کو بچا سکتی ہے، اور ان کی گئی ہوئی طاقت ان کو واپس دلا سکتی ہے، وہ اپنی گمشدہ روح کو پھر بیدار کریں اور اس بلند مقام اور ان اعلیٰ اصولوں پر قائم و کاربند رہیں جو ان کے عظیم الشان باہمی اتحاد اور ان کو ایک سیاسی رشتے میں منسلک کرنے کی بنیاد ہیں۔"

برطانیہ کی بے وفائی

"حضرت! میں اب فلسطین کے مسئلہ کا ذکر کرتا ہوں کہ یہ وہ مسئلہ ہے جس نے ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو بے چین اور مضطرب کر رکھا ہے حکومت برطانیہ کی پالیسی ابتدا سے یہی رہی ہے کہ عربوں کے ساتھ بے وفائی اور بدعہدی کرے۔ اہل عرب لوگوں کے عہد و پیمان پر جلد اعتبار کر لیتے ہیں، اور اس بات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ حکومت برطانیہ نے عربوں کے خلاف یہ پالیسی استعمال کر کے اپنے اس اعلان کی تذلیل اور توہین کی ہے جو عربوں کو ان کی وطنی سرزمین پر کامل آزادی دینے کا ضامن تھا اور جس میں جنگ عظمیٰ کے دوران میں عربوں کی ایک متحدہ ریاست کے قیام کا وعدہ کیا گیا تھا۔ جھوٹے وعدے کر کے عربوں سے فائدہ اٹھانے کے بعد حکومت برطانیہ رسوائے عالم اعلان بالفور کے ذریعہ سے حاکم اور مندوب طاقت کی حیثیت میں ان پر مسلط ہو گئے۔ یہ اعلان حقیقت میں کسی طرح تسکین بخش اور قابل عمل نہ تھا۔ پہلے تو یہ کہا گیا کہ یہودیوں کے لیے ایک قومی وطن مہیا کیا جائے اس کے بعد اب برطانیہ عظمیٰ فلسطین کے حصے بخرے کرنا چاہتی ہے۔ شاہی کمیشن کی سفارشات نے اس افسوسناک صورتحال کی تکمیل کر دی ہے اگر کبھی ان پر عمل کیا گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے وطن کے متعلق عربوں کی جائز اور قدرتی توقعات کو ہمیشہ کے لیے خاک میں ملا دیا جائے گا، اور اب یہ کہا جاتا ہے کہ ہم حقائق پر نظر ڈالیں لیکن سوال یہ ہے کہ موجودہ صورتحال کس نے پیدا کی۔ یہ سب برطانوی مدبرین کی کارستانیوں کا نتیجہ ہے۔ جو آج اس بھیانک صورت میں منظر عام پر آیا ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ فلسطین میں بہت زیادہ انتشاری کیفیت پیدا ہو گئی ہے، اور جب اس کے پاس کوئی چارہ کار نہ رہا تو حکومت برطانیہ گھبرا کر نہایت ظالمانہ جبر و تشدد سے اعراب فلسطین کی رائے عامہ کا گلا گھونٹ رہی ہے۔ مسلمانان ہند ایک دل و یک جان ہو کر ہر ممکن طریقے سے اپنے عرب بھائیوں کی اس دلیرانہ اور سرفروشانہ جدوجہد میں مدد دیں گے۔ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے اخوان عرب کو ہمت، دلیری اور جرأت کا پیغام بھیجنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ اپنے جائز حقوق کے لیے مستعدی سے لڑ رہے ہیں اور مجھے امید ہے کہ وہ ضرور کامیاب ہوں گے۔

لیگ آف نیشنز نے بظاہر (خدا کرے ایسا ہی ہو) شاہی کمیشن کی سفارشات کو قبول نہیں کیا، اور ممکن ہے کہ اس مسئلہ پر پھر غور کیا جائے مگر کیا یہ عربوں کو ان کے جائز حقوق دینے کی ایمان دارانہ سعی ہے؟ کیا میں برطانیہ عظمیٰ کے کانوں تک یہ آواز پہنچا سکتا ہوں کہ اگر فلسطین کا مسئلہ امانت، دیانت جرأت اور ہمت کے ساتھ نہ طے کیا گیا تو سلطنت برطانیہ کی تاریخ

میں یہ زوال کے ایک نئے باب کا اضافہ کر کے رہے گا۔ میں اس وقت مسلمانان ہند ہی کے جذبات کی ترجمانی نہیں کر رہا بلکہ روئے زمین کے مسلمانوں اور تمام انصاف پسند اور حق پرست انسانوں کی طرف سے حکومت برطانیہ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر اس نے اپنے ابتدائی اعلان کا احترام کرتے ہوئے جنگ سے پہلے اور اس کے بعد کے وعدہ کو پورا نہ کیا جو اس نے اہل عرب سے کیے تھے اور ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کا مستقبل ان کے ہاتھ میں ہے اور ایک متحدہ منظم، دوش بدوش ایستادہ فوج بن کر وہ ہر خطرے کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور وہ ہر قسم کی مخالفت سے جو ان کے متحدہ محاذ سے کی جائے عہدہ برا ہو سکتے ہیں۔ ایک طلسمی طاقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ حالات کو پیش نظر رکھ کر اپنے مستقبل کے متعلق ایسا فیصلہ کیجئے جس کے نتیجے اہم دیرپا اور دور رس ہوں۔ فیصلہ کرنے سے قبل اچھی طرح اسے سوچ لیجیے لیکن جب ایک بار کسی بات کا فیصلہ کر لیجیے تو اس پر متحد اور متفق ہو کر کھڑے ہو جائیں اگر آپ اپنی جماعت کے ساتھ صادق و وفادار ہیں تو انشا اللہ تعالیٰ کامیابی آپ کے قدموں میں ہوگی۔

لیگ میں شامل ہونے کی اپیل

''ہندوستان کے مسلمانوں سے صوبوں کے مسلمانوں سے ضلعوں کے مسلمانوں سے تحصیلوں اور گاؤں تک کے مسلمانوں سے میں اپیل و التجا کرتا ہوں کہ وہ اپنا ایک تعمیری اور اصلاحی پروگرام بنائیں۔ جس سے وہ عوام کی خدمت کر سکیں۔ ان اصولوں اور طریقوں سے جن میں مسلمانوں کی اخلاقی اقتصادی اور سیاسی اصلاح کا سوال ہوگا۔ ہم ہر جماعت اور ہر فرقہ کے ساتھ اس عملی اور تعمیری پروگرام میں تعاون کریں گے جس سے ملک یا صوبوں کی فلاح اور بہبود ہوگی۔ میں اپیل اور استدعا کرتا ہوں کہ ہر مسلمان مرد عورت اور بچے کو ایک پلیٹ فارم پر لیگ کے مقاصد کی تکمیل کرنا چاہیے۔ ڈسٹرکٹ پراونشل اور آل انڈیا مسلم لیگ کے متحدہ پروگرام اور جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔

آپ کو سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں جلد سے جلد آل انڈیا مسلم لیگ، صوبوں کی مسلم لیگ اور ضلعوں کی مسلم لیگ میں داخل ہو جانا چاہیے۔ اپنے آپ کو منظم اور مکمل طور پر متحد کیجیے۔ اپنے آپ میں تجربہ کار سپاہیوں کی سی تربیت اور تنظیم پیدا کیجیے۔ اپنی جماعتی ذمہ داریوں کا احساس کیجیے، اور باہمی اخوت اور محبت کے رشتے کو مضبوط کیجیے۔ اپنے بھائیوں اور اپنے ملک کے لیے ایمانداری اور وفاداری سے کام لیجئے۔ یاد رکھیے کہ کوئی فرد یا کوئی جماعت محنت، مشقت، تکالیف اور قربانیوں کے بغیر کچھ حاصل نہیں کر سکتی، اور اس وقت ایسی قوتیں موجود ہیں جو ممکن ہے کہ آپ کو ڈرائیں مرعوب کریں اور دھمکائیں۔ نشانہ مظالم بنائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو اس کے ہاتھوں تکالیف پہنچیں لیکن ان تکالیف اور مصائب سے جن سے آپ کو دوچار ہونا پڑے، اور ان مظالم سے جن کا آپ شکار ہوں آپ کے قدموں میں تزلزل اور آپ کے عزم میں ضعف نہ پیدا ہونا چاہیے، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ مصائب تکالیف سختیوں اور اذیتوں ہی کا مقابلہ کر کے آپ امتحان کی اس آگ سے سونا بن کر نکلیں گے۔ اگر آپ کے عزم میں استحکام اور ارادوں میں خلوص ہے تو یاد رکھیے کہ

دنیا میں آپ کامیاب اور سربلند ہوں گے اپنے اسلاف کے شاندار ماضی کی زریں روایات میں آپ کے دم سے آب وتاب پیدا ہوگی اور آپ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے مستقبل کی تاریخ کو کہیں زیادہ پرعظمت اور کہیں زیادہ شاندار بنا دیں گے۔ ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کو کسی طاقت سے مرعوب نہیں کیا جاسکتا ہے۔''

خطبہ الہ آباد

دسمبر 1930ء میں علامہ اقبال نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں جو خطبہ دیا اسے بنیاد بنا کر قائداعظم محمد علی جناح نے حصول پاکستان کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔خطبہ الہ آباد کے الفاظ یہ ہیں:

''مسلمان مستقبل اور مثبت طریق پر ایک علیحدہ قوم ہیں اور اپنے اندر ایک قومی وجود اور اپنی مخصوص ثقافتی روایات کو برقرار رکھنے کا شدید جذبہ رکھتے ہیں وہ اپنے آپ کو کسی وسیع تر قومی اتحاد میں ضم یا گم کرنے پر راضی نہیں ہوسکتے۔ یہ جذبہ کسی دوسرے مذہب کے خلاف تعصب کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ایک فطری شے ہے۔ مسلمانوں کی لازماً یہ خواہش ہے کہ اس ملک میں انہیں ایک قوم کی حیثیت سے اپنے تصورات کے مطابق ترقی کرنے اور اپنے ثقافتی اقدار کو فروغ دینے کے پورے مواقع حاصل ہوں۔ ہندوستان میں فرقہ وارانہ تنازعات کی اصل وجہ اس جذبے کو دبانے اور ہندوستانی قومیت کے نعرے کی آڑ میں مسلمانوں پر ہندو اکثریت کی مطلق اور غیر مشروط حکومت قائم کرنا ہے۔ اتحاد کی صورت صرف یہ ہوسکتی ہے کہ مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کو تسلیم کرلیا جائے، اور ایک فیڈرل نظام کے تحت بعض یونٹوں میں مسلمانوں کو وہی مواقع مہیا کیے جائیں، جو دوسرے یونٹوں میں ہندو اکثریت کو حاصل ہوں، تاکہ دونوں قومیں اپنے اپنے قومی اور ثقافتی تصورات کو بروئے کار لانے میں آزادی محسوس کریں۔ اس سے ہندوستان کے اتحاد یا ملک کے دفاع میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا، بلکہ اگر مسلمان محسوس کریں کہ ہندوستان کی آزادی میں ان کی اپنی قومی آزادی بھی شامل ہے، تو وہ ہندوستان کے دفاع اور آزادی کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کو تیار ہوں گے۔''

آپ نے مزید فرمایا:

''میں مسلم صوبوں کو یہ شکل دینا پسند کروں گا کہ انبالہ ڈویژن اور دوسرے اضلاع جہاں غیر مسلم اکثریت ہے۔ موجودہ پنجاب سے کاٹ دیے جائیں۔ باقی ماندہ پنجاب صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر مسلم اکثریت کا صوبہ بنا دیا جائے، اس صورت میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کا حق مانگنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی، لیکن اگر صوبوں کی حدود میں یہ ردوبدل منظور نہ کیا جائے تو پھر موجودہ صوبائی حدود کی بنیاد پر مسلمانوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اس بات پر اصرار کریں جو مسلم لیگ اور آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قراردادوں میں درج ہیں۔ جداگانہ انتخاب کی بنا پر پنجاب اور بنگال میں اکثریت وغیرہ ہند [illegible] آزادی خواہ دولت مشترکہ کی رکنیت کی صورت اختیار کرے یا اس سے علیحدگی کی، بہرصورت اب اس میں شمال مغربی مسلم ریاست کا قیام مسلمانوں یا کم از کم شمال مغربی علاقوں کے مسلمانوں کو نوشتہ تقدیر معلوم ہوتی ہے۔''

علامہ اقبال کا یہ خطبہ اس لحاظ سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ آپ نے مسلم مطالبات اور مسلم جذبہ قومیت کا جو جواز اور تجزیہ پیش کیا ہے۔ اسی نے آگے چل کر پاکستان کی نظریاتی اساس کی صورت اختیار کی۔

خطبہ صدارت لکھنؤ اجلاس

قائداعظم محمد علی جناح نے لکھنؤ اجلاس منعقدہ 31 دسمبر 1916ء میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''خواتین و حضرات! اس عظیم الشان سالانہ اجلاس کے موقع پر اسلامی ہند کے نمائندگان کے سامنے ان حالات کا وسیع جائزہ لینا نامناسب نہ ہوگا جن کے سانچے میں ہماری قسمت ڈھل رہی ہے۔ اس موقع پر ہمیں گذشتہ سال کی کارروائیوں پر نظر ڈالنی ہے پچھلے سال کے تجربات کی روشنی میں ہمیں اپنی حیثیت کا امتحان کرنا ہے، اور مستقبل کے متقضیات کے لیے ہمیں دانش مندانہ تیاری کرنی ہے، اور سب سے بڑھ کر یوں کہیے کہ ہمیں اپنی مرادوں کو بارآور دیکھنا ہے، انسانیت کے مقاصد مشترکہ کی خاطر شریف اور بہادر انسان نے ہر زمانے میں مصائب برداشت کیے ہیں، اور وہی روح آج ہندوستان کے قلب کو گرما رہی ہے، سارا ملک آج اپنی قسمت کی آواز پر بیدار ہو رہا ہے، اور پُر امید ہو کر آفاقِ نو کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ یقین و استدلال کی روح ہر طرف چھائی ہوئی ہے، چار سو حیات نو کے آثار ہویدا ہیں۔ اگر ہندی مسلمانوں نے وقت کی نبض کو نہ پہچانا اور اس نئی زندگی سے پُورا پُورا فائدہ نہ اُٹھایا، اور اگر ملک کی آواز پر کان نہ دھرے تو وہ اپنی گذشتہ روایات سے غداری کے مجرم ہوں گے۔

ہندوستان کے مستقبل، ہندوستان کے اتحاد، کانسٹی ٹیوشن، آزادی کی جدوجہد کا دار و مدار بڑی حد تک انہی فیصلوں پر ہوگا۔ فیصلہ کا وقت آن پہنچا ہے۔ راہیں صاف طور پر کھلی ہیں اور انتخاب ہمارے ہاتھ میں ہے۔

اب ہمیں ہندوستان کی تعمیر نو کا بیڑا اُٹھانا ہے، ہندوستانی مسئلہ کے عملی حل کے لیے دو امور نمایاں طور پر آشکارا ہیں۔ اول یہ کہ ہندوستان میں مغربی طرز کی انگریزی حکومت نے مغربی تعلیم رائج کر کے ہمیں افکارِ مغرب سے روشناس کرایا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کے ذہنی اور اخلاقی احیاء کے لیے ایک زندہ اور عظیم الشان تحریک نے جنم لیا ہے، مختصر یہ کہ ایک طرف طاقتور اور قابل انگریز افسروں کی جماعت ہے، جن کا طرزِ حکومت بظاہر مشفقانہ رنگ لیے ہوئے ہے، اور جو کہ صرف برطانوی پارلیمنٹ کے روبرو اپنے اعمال کی جواب دہ ہے، دوسری طرف عوام ہیں جنہیں اپنے نصب العین کا پورا پورا علم ہو چکا ہے، اور وہ سیاسی آزادی کے لیے پرامن طریق پر جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہ ہے ہندوستانی مسئلہ چند الفاظ میں۔ انگریزی تدبر کے لیے یہ کام آن پڑا ہے کہ وہ اس مسئلہ کا فوری پرامن اور پائیدار حل تلاش کرے۔

اگر سیاسی اور معاشرتی گتھیوں کو سلجھانے کا کام جذبات کو الگ کر کے محض عقل کی روشنی سے لیا جانا ممکن ہوتا تو ہندوستان کے سیاسی ارتقاء کے لیے ایک یقینی اور پرسلامت راہ عمل کا دریافت کر لینا مشکل نہ تھا، لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ انسانی معاملات میں خالص منطق ہی اثر انداز نہیں ہوتی، ہم اپنی مشترکہ دنیاوی زندگی فرشتوں کے ساتھ بسر نہیں کرتے

ہیں، بلکہ انسانوں کے ساتھ جو کہ جذباتی تعصبات، ذاتی خصوصیات اور لاتعداد خیالات بہم درجا ترغیب و تحریض اور محبت و نفرت کے حامل ہوتے ہیں۔

ہندوستانی مسئلہ ان تمام عقد ہائے گونا گوں سے مملو ہے، انگریزی عمالِ حکومت قدرتی طور پر قدامت پسند ہیں، اور انتظامی تغیرات و سیاسی تجربات کو بہت خطرناک سمجھتے ہیں، اور ہندوستانیوں کو انتظامِ سلطنت میں حصہ دینے سے گھبراتے ہیں نیز اپنے اختیارات میں کمی پسند نہیں کرتے، حکومت کی مشینری کو حسبِ معمول آرام سے چلانا چاہتے ہیں، اور اپنے روزانہ فرائض کی ادائیگی سے مطمئن نظر آتے ہیں، ہندوستان کی پر یقین و بے چین آوازیں انہیں پریشان و آزردہ خاطر کر دیتی ہیں۔ یہ سب کچھ انسانی فطرت کا تقاضا ہے، لیکن یہ امور حل مشکلات کی راہ میں بہت بُری طرح حائل ہیں، اور عملاً طبقاتی جنگ کو ترقی دینے میں ممد ہیں، انہی اسباب کی بناء پر بعض غلط محض سیاسی مقولے رواج پا گئے، جو ہندوستانی محبِ وطن کو سنائے جاتے ہیں۔ مثلاً

◆ ۱ جمہوری مجالس مشرق میں بار آور نہیں ہو سکتیں، کیوں؟ کیا ہندو مسلمان قبل ازیں جمہوریت سے ناآشنا تھے۔ دیہی پنچایت کیا تھی؟

''اسلامی تعلیمات کی درخشندہ روایات و ادبیات اس امر پر شاہد ہیں دنیا کی کوئی قوم جمہوریت میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو کہ اپنے مذہب میں بھی جمہوری نکتہ نگاہ رکھتے ہیں۔''

◆ ۲ بیوروکریسی ہی ہندوستان کے لیے مناسب طرز حکومت ہے، تاریخ عالم میں ہر قوم اس دور سے گزری ہے، چند سال ہوئے کیا ایک حد تک روس نے اس سے گلو خلاصی حاصل کر لی، فرانس اور انگلستان کو بھی بیوروکریسی کو شکست دینے کے لیے جدوجہد کرنی پڑی، اور اب چین و جاپان نے بھی جمہوری طرزِ حکومت کی بنیاد ڈالی ہے تو کیا ہندوستان ہمیشہ اسیر بلا رہے گا؟

◆ ۳ الف: ہندی تعلیم یافتہ طبقوں کے مفاد ہندی عوام کے مفاد سے متضاد ہیں۔

ب: اگر انگریزی افسر علیحدہ کر دیے جائیں تو تعلیم یافتہ طبقہ عوام پر ظلم کرے گا، لہٰذا ہمارے عوام کے مفاد انگریزی عمال کے ہاتھوں میں محفوظ ہیں۔ ان انگریزی عمال کے ہاتھوں، جن کا کوئی مفاد بھی ہمارے عوام کے ساتھ مشترک نہیں، اور یہ کہ ہمارے مفاد کے مخالف ہیں، لیکن کس لحاظ سے یہ کبھی نہیں بتایا گیا۔ یہ ناروا اور مکروہ خیال اس لیے پھیلایا جا رہا ہے کہ انگریزوں کی اجارہ داری قائم رہے لیکن خیال حقائق کی روشنی میں باطل ٹھہرتا ہے۔

ہندوستان کے داخلی حالات کی نظیر بھی شاید تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس وسیع برّاعظم میں 35 کروڑ سے زیادہ مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں۔ جن کا تمدّن بھی ایک دوسرے سے الگ ہے، اور جو مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ عظیم الشان سیاسی مجمع ایک ہی سیاسی ماحول میں رہ کر ذہنی اور اخلاقی ترقی کی منازل متفرقہ پر گامزن ہے۔ اس کا نتیجہ اختلافِ خیال ہے۔ ہر ہندی قوم پرست جو ہندی قومیت کے مسئلہ پر غور کرتا ہے، اس کام کی مشکلات کا پورا پورا احساس رکھتا ہے، وہ صاف صاف ان مشکلات کو تسلیم کرتا ہے، لیکن وہ ان مواقع سے گھبراتا نہیں، ان جملہ اُمور کے باوجود کوئی دلیل اور رنگ و نسل کے متعلق کوئی

جعلی نظریہ اس حقیقت کو ہندی مسائل کے طالب علم کی نگاہوں سے اوجھل نہیں کر سکتا کہ ہندوستان ہی ہم سب کی پہلی اور آخری منزل ہے۔ جلد یا بدیر ہندوستانی ضرور حکومت خود اختیاری حاصل کر کے رہیں گے، دنیا کی کوئی طاقت اس راہ میں حائل نہیں ہو سکتی، اور یہ ایک اٹل بات ہے، انگریزی تدبّر ابھی تک دیوالیہ نہیں ہوا ہے کہ وہ سیاسی بصیرت کھو بیٹھا ہو، اس لیے وہ مجبور ہو گا کہ ہندوستانی نظامِ حکومت میں خاطر خواہ تبدیلی کرے یہ بالکل لازمی چیز ہے اور ہو کر رہے گی، پھر آنکھیں کیوں بند کر لی جائیں اور اس کے خلاف کیوں صف آرائی نہ کی جائے؟ کیوں نہ دیانتداری سے صاف صاف شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جائے جو فلسفہ سیاست کے علم کی شیخی بگھارتا ہے، اور مشرقی معاملات پر رائے دینے کا جنون رکھتا ہے تو کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ ہندوستانی ذہنیت کے لیے ہمیشہ ذہنی غلامی میں مبتلا رہنا مقدر ہو چکا ہے۔ جب خدا نے ہندوستانیوں کو قدرتی اچھوت نہیں بنایا اور جب کہ قوانینِ فطرت ان پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں، جبکہ وہ حال کی قومی ضروریات کا احساس اور مستقبل کے لیے بڑی بڑی امید رکھتے ہیں تو حکومت خود اختیاری سے کچھ کم ان کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ عدم صلاحیت کی ہرزہ سرائی اب ختم ہو جانی چاہیے، قوانین فطرت اور اصولِ انسانیت مشرق میں مغرب سے مختلف نہیں ہیں۔

ہندوستانی ترقی کے راہ نماؤں کا فرض ہے کہ وہ ہندی حکمرانوں سے مطالبہ کریں کہ وہ ہندوستان کا نصب العین متعین کریں اور پھر معیار مقررہ میں اُسے تیز رفتاری سے حاصل کریں۔

آج سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستان آزادی کے قابل ہے، اور اگر ہے تو کس حد تک؟ اس وقت اس معاملہ کو کھٹائی میں نہیں ڈالا جا سکتا، آج ایک طرفہ فیصلہ ہو جانا چاہیے، اگر وہ آج اس قابل نہیں ہے تو اسے حکومت خود اختیاری کے قابل بنانا پڑے گا۔

کیا ہندوستان آزادی کے قابل ہے، ہم خوب جانتے ہیں کہ ہندوستانی نکتہ نگاہ سے اس کا صرف ایک ہی جواب ہے، ہمارے نقاد غالبًا اسے قبول نہ کریں گے، ہمارا بس یہی جواب ہو گا کہ بس پیش قدمی کیجیے اور معاملہ کو ثبوت کی کسوٹی پر پرکھیے، بالآخر صلاحیت کا امتحان کیا ہے۔

اگر ہم تاریخ پر نگاہ کریں تو معلوم ہو گا کہ وہی قومیں آزادی کے قابل تصور کی گئیں، جنھوں نے کامیابی کے ساتھ آزادی کے لیے جنگ کی۔

لیکن آج دوسرے قسم کے زمانے سے گزر رہے ہیں، آج امن فتح مند ہوتا ہے۔ یہ پُر امن جہاد، جوش و خروش کے اوصاف میں ممتاز ہے، اور ہو گا۔

ہم اس بات کا عہد کر چکے ہیں کہ ہم برطانوی حکومت پر ثابت کر دیں گے کہ ہم برطانوی سلطنت میں ایک مساوی شریک کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ہندوستان اس سے کسی کم سودے پر راضی نہیں ہو گا۔

تجدید ملّی کا سب سے زیادہ پُر امید پہلو یہ ہے ہندو مسلمان مشترک مقصد کے لیے متحد ہو رہے ہیں، بمبئی کی خوش نصیبی ملاحظہ ہو کہ گذشتہ دسمبر میں پہلی بار لیگ و کانگریس کا اجلاس اسی شہر میں ہوا، بڑی کٹھن منازل طے کرنے کے بعد اِس اتحاد کا مظاہرہ نظر آیا۔ میں

گزشتہ نزاعات کی تاریخ دہرانا نہیں چاہتا، لیکن میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ بمبئی میں لیگ کا اجلاس ہمارے اخلاف کے لیے خاص دلچسپ نتائج کا حاصل ہوگا، آج پھر لکھنؤ کا تاریخی شہر جوکہ اسلامی اَدب وتہذیب کا گہوارہ ہے۔ کانگریس اور لیگ کے متحدہ اجلاس کا منظر پیش کر رہا ہے۔ لیگ مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کے لیے وجود میں آئی ہے۔ مسلمانوں نے تب تک کسی سیاسی تحریک میں بھی عملی حصہ نہیں لیا تھا۔

اب قدرتی طور پر اصلاحات کے پرزور مطالبات نے مسلمانوں کو بھی جگا دیا۔ اپنی تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی، کیونکہ اندیشہ تھا کہ کہیں اصلاحات مسلم قوم کے وجود کو ہی نہ محو کر دیں، لیگ کا سب سے بڑا اصول یہ تھا کہ ہندی مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کو برقرار رکھا جائے۔ اس اصول نے سیاسی ارتقاء کے ساتھ ساتھ ہماری قوم میں بڑی مقبولیت حاصل کی، ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں لیگ کا یہ عمومی نکتہ نگاہ اور مطمع نظر ہے کہ لیگ ملک کی عام ترقی کے لیے کانگریسی تحاریک کی تائید کرے گی، جن کی اساس حب وطن پر ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی اتحاد پر آمادگی میرے خیال میں اس ضرورت کا احساس دلاتی ہے کہ مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی انجمن کا وجود کس قدر قیمتی ہے۔ یہ خیال رہے کہ مسلمانوں کو سیاسی میدان میں آئے ہوئے صرف بیس ہی برس ہوئے ہیں۔ میں اپنی قومی زندگی میں پکا کانگریسی رہا ہوں، اور فرقہ واری سے کبھی مجھے کوئی شغف نہیں رہا، لیکن میرا خیال ہے کہ مسلمانوں پر فرقہ واری کا الزام غلط ہے۔

جبکہ مسلمانوں کی یہ جماعت تیزی سے جادۂ ترقی طے کر رہی ہے، اور متحدہ ہندوستان کی تخلیق میں ایک اہم جزو ہے۔ میرے اور مسلمان قوم پرستوں کے لیے یہ بے حد خوشی کا مقام ہے کہ ہندو قوم کے رہنماؤں نے خوشی خوشی مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم کر لیا ہے۔ لیگ اور کانگریس کی مجالس منتخبہ کے متفقہ فیصلہ نے اس امر پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ لکھنو میں ہمارا متحدہ اجتماع ہوا کہ ہم اپنے اختلافات کا دائمی حل تلاش کریں اور مجھے بڑی مسرت ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کے بارے میں آخرکار فیصلہ ہو گیا۔ جس سے ہمارے ملک کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ ''مسلمانوں کی قومی حیثیت محفوظ ہونے کے بعد اگر کوئی میرا ہم قوم اپنے ہندو بھائی کی طرف دست اتحاد نہ بڑھائے تو مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں۔ اسی طرح میں اس ہندو محبِ وطن کے رویہ کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا جوکہ اپنے نیم رطل گوشت کے لیے جھگڑے، خواہ اس سے ملک کا تمام مستقبل ہی کیوں نہ مکدّر ہو جائے۔''

سب سے زیادہ پرخطر مسئلے کے حل کے بعد جو ہندوستان کی ترقی میں حائل تھا، اب ہم سیاسی اتحاد و معاونت کی طرف قدم اُٹھا رہے ہیں، کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے صرف آئینی جنگ جیت لی ہے، ہم ہندو مسلمانوں کو اب یہ سبق فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ نیا ہندوستان اب قومی رضاکاروں کی ایک بالکل نئی جماعت کا مطالبہ کر رہا ہے، جوکہ وسیع القلب اور فراخ مشرب ہو، فرقہ پرستی اور تنگ نظری سے بالا ہو، جوکہ کمزوروں کی دستگیری کرے اور زبردست کے مقابلہ

قائداعظمؒ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے سر عبدالرشید چیف جسٹس آف پاکستان سے حلف اُٹھا رہے ہیں۔

کی اہمیت رکھتی ہو، جو روزانہ فرائض معمولی سے قطع نظر خدمت کے بلند نظریے پر قائم رہے، ایسی جماعت قوم کو یقین، امید، آزادی اور طاقت کی دولت سے مالا مال کر سکتی ہے، آپ کو علم ہے کہ لیگ نے گزشتہ برس ایک مجلس کا انتخاب کیا تھا، اور اسے اختیار دیا گیا تھا کہ کانگریس کی مقررہ مجلس کے مشورہ سے اصلاحات کی ایک اسکیم تیار کرے وہ دستور تیار ہو گیا ہے، اور آپ کے فیصلہ کے لیے پیش کیا جائے گا۔

اس دستور کو قبول کرنے کے بعد آپ کا فرض ہو گا کہ آپ مطالبہ کریں ''کہ لیگ اور کانگریس متحدہ طور پر قابل وکلاء کی امداد سے ہندوستان کے موجودہ آئین میں ترمیمات کرائیں۔ جب ہم نیا آئین خود مُرتب کر لیں، اور لیگ اور کانگریس اسے منظور کر لیں تو دونوں مجالس کے چیدہ چیدہ رہنماؤں کا ایک نمائندہ وفد مقرر کیا جائے، جو اس امر کی کوشش کرے کہ یہ دستور برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کر کے اسے پاس کرائے۔

سب سے پہلے یہ امر صاف الفاظ میں طے کرنا چاہیے کہ ہندوستان کی حیثیت سلطنت برطانوی میں کیا ہو گی، حکومت اس امر کو واضح اور مستند طور پر تسلیم کر لے کہ حکومت خود اختیاری ایسا مطمع نظر نہیں ہے، جو کہ کسی نامعلوم مستقبل میں ہندوستان کو حاصل ہو گا، بلکہ یہ حکومت ایک متعینہ مقصد ہے جو مناسب وقت میں ہندوستانیوں کو دیا جائے گا۔ جنگ کے اختتام کے بعد حکومت اور لوگوں کی طرف سے اس بارے میں فوری اور مؤثر کارروائی ہونی چاہیے۔

اگر حکومت ہند اور وزیر ہند کے مابین ہی ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ چپکے چپکے ہو جائے تو یہ ملک کی بڑی بدنصیبی ہو گی۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنی تجاویز شائع کرے تا کہ قوم اس پر رائے زنی کر سکے، اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ پبلک کا اعتماد حاصل کرے، میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر لوگوں کو اس وقت مایوسی سے دوچار ہونا پڑا تو ملک کی آئندہ ترقی کے لیے یہ حادثہ عظیم ہو گا۔

اب ہمیں قومی مفاد کی قربان گاہ پر اپنے ذاتی اختلافات کی بھینٹ چڑھا دینی چاہیے۔ ہمیں اقوال و اعمال سے ثابت کر دینا چاہیے کہ ہم مخلصانہ طور پر سچے اتحاد قومی کے لیے مضطرب ہیں، چند روز قبل میں نے بمبئی کرانیکل میں دیکھا:

''اعلیٰ حضرت حضور نظام نے اپنی ریاست میں ہندو مسلم تنازع کا یوں فیصلہ کر دیا۔ ورنگل کے ہندو مسلمانوں میں مسجد کی ایک عبادت کے متعلق جو ہندو علاقہ میں تھی، جھگڑا ہو گیا تھا، ہندو آبادی کے احتجاج کے باوصف فریق ثانی نے تعمیر کا کام جاری رکھا۔ ہندوؤں نے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں درخواست گزاری تو حضور نظام نے دو مسلمانوں اور ایک ہندو پر مشتمل ایک مجلس مقرر کی جو اس معاملہ کی تحقیق کرے، مجلس کی رپورٹ ہندوؤں کے حق میں تھی، اور حضور نظام نے اس کے مطابق فرمان جاری کیے۔ حضور نظام کا رویہ آصف جاہی خاندان کی درخشندہ روایات کے مطابق تھا۔ ہم ہندو مسلم برطانوی ہند میں کیوں نہ ان راہوں پر چلیں، اور کیوں نہ اس طریق سے اپنے اختلافات کا فیصلہ طلب کریں، جو کہ ریاست نظام میں اس قدر کامیاب ہوئے ہیں؟''

خطبہ لاہور

قراردادِ پاکستان کے منظور ہونے کے موقع پر قائداعظم محمد

علی جناح نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

''خواتین وحضرات! ہمارا یہ اجلاس آج پندرہ ماہ بعد منعقد ہورہا ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا گزشتہ اجلاس دسمبر 1938ء میں پٹنہ میں منعقد ہوا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک بہت سے واقعات رونما ہو چکے ہیں۔ پہلے میں آپ کو مختصراً یہ بتاؤں گا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کو 1938ء کے پٹنہ اجلاس کے بعد کن حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ہمیں جو کام سونپے گئے تھے ان میں سے ایک کام مسلم لیگ کو ہندوستان بھر میں منظم کرنا تھا۔ یہ کام اگرچہ ابھی مکمل نہیں ہوا ہے، تاہم پچھلے پندرہ مہینوں کے دوران ہم نے اس سمت میں بڑی پیش رفت کی ہے۔ آپ کو یہ بتاتے ہوئے مجھے بے حد خوشی محسوس ہورہی ہے کہ ہم نے ہندوستان کے ہر صوبے میں صوبائی مسلم لیگ قائم کر دی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قانون ساز اسمبلیوں کے باہر ضمنی انتخابات میں ہمیں طاقت ور مخالف امیدواروں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ میں مسلمانوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے آزمائش کے ان ایام کے دوران ہمت و استقلال اور جوش وخروش کا شاندار مظاہرہ کیا۔ جس کے نتیجہ میں ہمارے مخالفین ایک ضمنی انتخاب میں بھی مسلم لیگ کے امیدواروں کے مقابلے میں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

یو پی کونسل کے صوبائی ایوانِ بالا کے پچھلے انتخاب میں بھی مسلم لیگ کو سو فیصد کامیابی حاصل ہوئی۔ مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلے میں ہم نے جو پیش رفت کی ہے۔ میں اس کی تفصیل سنا کر آپ کو بیزار کرنا نہیں چاہتا، تاہم میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ ہمیں اس سلسلے میں دن دونی رات چوگنی کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں، پھر آپ کو غالباً یہ بات یاد ہوگی کہ پٹنہ اجلاس میں ہم نے خواتین کی ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ ہمارے لیے اس کمیٹی کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اپنی خواتین کو اپنی زندگی اور موت کی جدوجہد میں حصہ لینے کے تمام مواقع فراہم کریں۔ عورتیں اپنے گھروں حتیٰ کہ پردہ میں رہ کر بھی بہت کچھ کرسکتی ہیں۔ ہم نے اسی خیال سے یہ کمیٹی قائم کی تھی کہ خواتین مسلم لیگ کے کاموں میں حصہ لینے کے قابل ہوسکیں۔ خواتین کی اس مرکزی کمیٹی کے اغراض ومقاصد یہ ہیں:

1. صوبائی اور ضلعی مسلم لیگ کے تحت صوبائی اور ضلعی سطح پر خواتین کی سب کمیٹیوں کا قیام عمل میں لانا۔
2. خواتین کو بڑی تعداد میں مسلم لیگ کا رکن بنانا۔
3. ہندوستان بھر کی مسلمان خواتین میں وسیع تر پروپیگنڈہ کے ذریعے زیادہ سے زیادہ سیاسی بیداری پیدا کرنا، کیونکہ اگر ہماری خواتین میں سیاسی شعور بیدار ہو جائے تو پھر یاد رکھئے کہ آپ کے بچوں کو زیادہ پریشانی اٹھانا نہیں پڑے گی۔
4. مسلمان معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے ان تمام امور میں جن کا تعلق بنیادی طور پر خواتین سے ہو

انہیں محسوس ہورہی ہے کہ اسی مرکزی کمیٹی نے نہایت سنجیدگی اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ اپنا کام شروع کیا، اور اس نے بہت سے مفید کام انجام دیے ہیں۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب ہم اس کمیٹی کی کارکردگی کی رپورٹ کا جائزہ لیں گے تو اس نے مسلم لیگ کی جو خدمات انجام دی ہیں۔ ان پر خلوصِ دل سے اس کے ممنون احسان ہوں گے۔

جنوری 1939ء سے جنگ کا اعلان ہونے تک کی

مدت کے دوران ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمیں ناگپور میں ودیا مندر کے مسئلہ کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمیں ان صوبوں میں جہاں کانگریس کی حکومت تھی مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکی اور ظلم کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ہمیں ہندوستان کی بعض ریاستوں مثلاً جے پور اور تھاونگر میں مسلمانوں کے ساتھ اختیار کیے گئے رویہ اور راج کوٹ کی چھوٹی سی ریاست میں ایک انتہائی اہم مسئلے کا سامنا کرنا پڑا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کانگریس نے راج کوٹ کے مسئلے کو ایک ایسی کڑی آزمائش بنا دیا تھا، جس سے ایک تہائی ہندوستان متاثر ہوسکتا تھا۔ اسی طرح جنوری 1939ء سے اعلانِ جنگ ہونے تک کی مدت کے دوران مسلم لیگ کو یکے بعد دیگرے مختلف مسائل کا سامنا رہا۔ اعلانِ جنگ سے پہلے ہندوستانی مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ کہیں مرکزی حکومت میں وفاقی اسکیم پر عمل درآمد شروع نہ کر دیا جائے۔ ہمیں اس بات کا علم تھا کہ کیا سازشیں ہو رہی ہیں، لیکن مسلم لیگ نے ہر محاذ پر نہایت پامردی سے ان سازشوں کا مقابلہ کیا۔ ہمیں احساس تھا کہ ہم مرکزی وفاقی حکومت کی اس خطرناک اسکیم کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتے تھے۔ جو حکومت ہندوستان کے ایکٹ مجریہ 1935ء میں شامل تھی۔ ہم نے برطانوی حکومت کو اس بات پر آمادہ کر کے کہ وہ مرکزی وفاقی حکومت کی اسکیم کو ترک کر دے کوئی معمولی خدمت انجام نہیں دی ہے۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلم لیگ نے برطانوی حکومت کے اس اندازِ فکر کو بدل کر بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ انگریز بڑے ضدی ہوتے ہیں، اور بہت قدامت پسند بھی۔ اگرچہ وہ بہت ہوشیار ہیں لیکن معاملات کو سمجھنے میں کچھ وقت لگاتے ہیں۔ اعلانِ جنگ کے بعد قدرتی بات ہے کہ وائسرائے مسلم لیگ سے مدد حاصل کرنا چاہتے تھے، اور یہی وہ موقع تھا جب انہیں یہ احساس ہوا کہ مسلم لیگ ایک طاقت ہے کیونکہ ہمیں یہ بات یاد رکھنا ہوگی کہ اعلان جنگ تک وائسرائے نے کبھی میرے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ تو گاندھی اور صرف گاندھی کو ہی جانتے تھے۔ میں مجلس قانون ساز میں ایک زمانے تک اہم جماعت کا قائد رہا، جو مرکزی مجلس قانون ساز میں موجود پارٹی یعنی مسلم لیگ سے جس کی قیادت کا اعزاز مجھے اب حاصل ہے، بڑی تھی، لیکن وائسرائے نے اس سے قبل میرے متعلق کبھی بھی نہ سوچا، چنانچہ جب مسٹر گاندھی کے ساتھ مجھے بھی وائسرائے کی طرف سے دعوت نامہ ملا تو مجھے بڑی حیرت ہوئی، اور میں نے سوچا کہ آخر یہ یکا یک وائسرائے کو میری اہمیت کا خیال کیوں کر آیا، اور پھر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ سب کچھ آل انڈیا مسلم لیگ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ جس کا میں صدر ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس واقعہ سے کانگریس ہائی کمان کو شدید ترین صدمہ پہنچا، کیونکہ یہ ان کے اس حق کے لیے ایک چیلنج تھا کہ سارے ہندوستان کی ترجمانی کا اختیار صرف ان ہی کو حاصل ہے۔ مسٹر گاندھی اور کانگریس ہائی کمان کے طرزِ عمل سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ اس صدمے سے ابھی تک سنبھل نہیں پائے ہیں۔ اس موقع پر میں آپ کو نظم و اتحاد کی قدر و قیمت اور اہمیت کا احساس دلانا چاہتا ہوں۔ فی الوقت میں اس موضوع پر اس سے زیادہ اور کچھ کہنا نہیں چاہتا۔

بہر کیف ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ میں جو کچھ سن اور دیکھ سکتا ہوں اس بنا پر مجھے یقین ہے کہ مسلم ہندوستان میں شعور و احساس پیدا ہو چکا ہے۔ وہ بیدار ہے اور مسلم لیگ اب ایک ایسی طاقت ور تنظیم کی صورت اختیار کر چکی ہے کہ خواہ کوئی بھی ہو، اور کسی بھی حیثیت کا مالک ہو اسے تباہ نہیں کر سکتا۔ لوگ آتے جاتے رہیں گے، لیکن مسلم لیگ ہمیشہ زندہ رہے گی۔

اب ہم اعلان جنگ کے بعد کے دور کی طرف آتے ہیں۔ اس زمانے میں ہم جس صورت حال سے دوچار تھے۔ اس پر نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کی مثل صادق آتی تھی، لیکن میں نہیں سمجھتا کہ ہمیں جس مشکل میں ڈالا گیا ہے وہ کوئی ایسی صورت حال ہے جس کا مقابلہ نہیں کر سکتے بہر حال ہمارا موقف یہ ہے کہ ہم غیر مبہم طور پر ہندوستان کی آزادی سنیں۔ ہم موجودہ حالات سے بدتر حالات نہیں چاہتے جس میں کانگریس کی تو حکمرانی ہو، اور مسلمان اور دوسری اقلیتیں محکوم ہوں۔ ہم ہندوستان میں رہتے ہیں، لہٰذا قدرتی بات ہے کہ ماضی میں ہمیں بہت سے تجربات ہوئے ہیں۔ خصوصاً کانگریس کے زیر حکومت صوبوں میں اس کے گزشتہ ڈھائی سالہ دورِ حکومت کے تجربات سے تو ہمیں بڑے بڑے سبق حاصل ہوئے ہیں۔ اس لیے اب ہمارے دل میں طرح طرح کے خدشات پیدا ہو گئے، اور ہم کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتے میں سمجھتا ہوں کہ ہر ایک کے لیے دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ کسی پر بھی حد سے زیادہ اعتماد نہ کیا جائے۔ بعض اوقات ہم لوگوں پر بس آنکھیں بند کر کے بھروسہ کر لیتے ہیں، لیکن جب عملاً ان سے سابقہ پڑتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اعتماد کو دھوکہ دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ کسی بھی شخص کے لیے اتنا ہی سبق کافی ہونا چاہیے کہ وہ ان لوگوں پر اعتماد کرتا نہ چلا جائے۔ جنہوں نے اسے دھوکہ دیا ہے۔

خواتین وحضرات!

ہم نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ کانگریس ہائی کمان وہ طرزِ عمل اور رویہ اختیار کرے گی، جو اس نے ان صوبوں میں اختیار کیا جہاں اس کی حکومت قائم تھی۔ میں کبھی یہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ کانگریس ہائی کمان اس حد تک گر جائے گی۔ میں یہ بھی باور نہیں کر سکتا تھا کہ کانگریس اور حکومت کے درمیان زبانی شریفانہ سمجھوتہ ایسا ہوگا کہ باوجود اس کے کہ ہم ہفتوں گلا پھاڑ پھاڑ کر صدائے احتجاج بلند کرتے رہے، لیکن گورنروں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور گورنر جنرل تو بالکل بے بس رہے۔ ہم نے انہیں ان کی خصوصی ذمہ داریاں یاد دلائیں جو ہمارے اور دوسرے اقلیتوں کے بارے میں ان پر عائد ہوتی تھیں، اور وہ وعدے یاد دلائے جو انہوں نے ہم سے کیے تھے، لیکن یہ ساری کوششیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔

خوش قسمتی سے قدرت ہم پر مہربان ہوئی اور یہ زبانی شریفانہ معاہدہ پارہ پارہ ہو گیا، اور اللہ کا شکر ہے کہ کانگریس حکومت سے محروم ہو گئی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے مستعفی ہونے پر از حد پشیمان ہیں۔ ان کی گیدڑ بھبکیاں ختم ہوئیں۔ چلیے اچھا ہی ہوا۔ اس لیے میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ خود کو اس انداز سے اور اتنا منظم کر لیں کہ آپ کو اپنی قوت کے سوا اور کسی پر بھروسہ کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ کے تحفظ کی صرف یہی ایک

صورت ہے، اور اس سے بہتر اور کوئی تحفظ بھی نہیں۔ آپ صرف اپنے اوپر بھروسہ کریں۔ اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ دوسرے کے متعلق ہمارے عزائم برے ہیں یا ہمارے دل میں کینہ ہے۔ اپنے حقوق اور مفادات کی حفاظت کے لیے آپ کو اپنے اندر ایسی طاقت پیدا کرنا ہوگی کہ آپ خود اپنا تحفظ کرنے کے قابل ہو سکیں۔ یہی وہ خاص بات ہے جو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔

آیئے دیکھیں کہ مستقبل کے آئین کے بارے میں ہماری پوزیشن کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جوں ہی حالات اجازت دیں یا پھر زیادہ سے زیادہ جنگ کے فوراً بعد ہندوستان کے مستقبل کے آئین کے تمام مسائل کا ازسرنو جائزہ لیا جانا چاہیے اور 1935ء کے ایکٹ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جانا چاہیے۔ ہم اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ حکومت برطانیہ سے اعلانات جاری کروا کے برطانوی حکومت کو ہندوستان سے نکالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے، تاہم کانگریس نے وائسرائے سے کہا ہے کہ وہ اعلان جاری کریں۔ وائسرائے نے کہا کہ میں نے اعلان کر دیا ہے۔ اس پر کانگریس نے کہا کہ نہیں نہیں ہم تو ایک اور ہی قسم کا اعلان جاری کروانا چاہتے ہیں۔ آپ کو ابھی اور فوراً اعلان کر دینا چاہیے کہ ہندوستان آزاد اور خودمختار ہے، اور اسے بالغوں کے حق رائے دہی یا رائے دہی کے اس سے کم کسی اور معیار پر منتخب ہونے والی مجلس آئین ساز کے ذریعے اپنے لیے آئین بنانے کا حق حاصل ہے۔ یہ مجلس آئین ساز اقلیتوں کے جائز مفادات کو بھی یقیناً پورا کرے گی۔ مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ اگر اقلیتیں مطمئن نہ ہوئیں تو وہ اس بات پر تیار نہیں کہ کوئی اعلیٰ ترین نوعیت کا اور انتہائی غیر جانبدار ٹریبونل اس تنازعہ کا فیصلہ کرنے کے لیے قائم کر دیا جائے۔ قطع نظر اس بات سے کہ یہ تجویز ناقابلِ عمل ہونے کے علاوہ حقیقت سے بھی دور کا واسطہ نہیں رکھتی کہ کسی حکمران طاقت سے یہ کہنا کہ وہ مجلس آئین ساز کے حق میں دستبردار ہو جائے، تاریخی اور آئینی اعتبار سے بالکل ایک جہل اور فضول بات ہے۔ ان تمام باتوں کے علاوہ فرض کیجیے کہ مسلمان نمائندوں کی ایک مسلمہ تنظیم کی حیثیت سے ہم مجلس آئین سازی میں غیر مسلم اکثریت سے اتفاق نہیں کرتے تو ایسی صورت میں کیا ہوگا؟ کہا جاتا ہے کہ اس وسیع و عریض برصغیر کے لیے ایک قومی آئین کی تشکیل کے سلسلے میں یہ اسمبلی جو چاہے کرے ہمیں اس سے اختلاف کا کوئی حق نہیں سوائے ان امور کے جن کا تعلق اقلیتوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ سے ہو یوں ہمیں صرف ان امور پر اختلاف کا حق دیا گیا۔ جنہیں اقلیتوں کے حقوق اور مفادات کے تحفظ سے متعلق امور کہا جاتا ہے۔ ہمیں یہ استحقاق بھی دیا گیا ہے کہ ہم اپنے نمائندے جداگانہ انتخابات کے ذریعے سے منتخب کر کے بھیجیں۔ گویا یہ تجویز اس مفروضے پر مبنی ہے کہ جوں ہی یہ آئین نافذ ہوا برطانوی اقتدار یہاں سے رخصت ہو جائے گا، کیونکہ بصورتِ دیگر اس تجویز کا کوئی مطلب نہیں ہوگا۔ اگرچہ مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ بھی آئین ہی کرے گا کہ برطانوی اقتدار یہاں سے رخصت ہو جائے گا یا نہیں، اور اگر ایسا ہوا تو کسی حد تک دوسرے الفاظ میں ان کی اس تجویز کا مطلب یہ ہے کہ پہلے یہ اعلان جاری کیا جائے کہ ہندوستان ایک آزاد اور خودمختار قوم

ہے پھر وہ یہ فیصلہ کریں گے کہ انہیں کون کون سی چیزیں ہمیں دینی چاہئیں۔ مسٹر گاندھی جب اس قسم کی باتیں کرتے ہیں تو کیا حقیقی معنوں میں وہ سارے ہندوستان کی مکمل آزادی کے خواہاں ہوتے ہیں؟ بہرحال خواہ انگریزی اقتدار چاہے یا نہ چاہے وہ یہ ضرور چاہتے ہیں کہ وسیع تر اختیارات عوام کو منتقل کر دیے جائیں، پھر اگر مسلمانوں اور دستور ساز اسمبلی کی اکثریت کے درمیان اختلاف پیدا ہو تو اس صورت میں پہلا سوال تو یہ ہے کہ ٹریبونل کے قیام کی صورت نکل بھی آئے اور وہ فیصلہ بھی صادر کر دے اور حکم بھی جاری کر دے تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ایوارڈ کی تمام شرائط کے مطابق اس فیصلے پر عمل درآمد یا تعمیل کون کرائے گا؟ اور یہ کون دیکھے گا کہ ٹریبونل کے فیصلوں کا عملاً احترام کیا جارہا ہے یا نہیں، کیونکہ ہمیں تو یہ بتایا گیا ہے کہ اس وقت انگریز اپنے اختیارات سمیت یہاں سے جزوی یا کلی طور پر رخصت ہو چکے ہوں گے، پھر وہ کون سی قوت ہوگی جو اس ایوارڈ پر عمل درآمد کرے گی ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ عمل درآمد ہندو اکثریت کرائے گی اور یہ عمل درآمد برطانوی سنگینوں کی مدد سے کرایا جائے یا گاندھی کی آہنسا کے ذریعے؟ کیا ہم بھی ان پر اعتماد کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ خواتین وحضرات! کیا آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ مسئلہ اس نوعیت کا ہو کہ حیثیت جس کی ایک عمرانی معاہدے کی ہو، جس سے نو کروڑ مسلمان متاثر ہوتے ہوں کیا اس کے بارے میں فیصلہ ایک عدالتی ٹریبونل صادر کر سکتا ہے، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ کانگریس کی تجویز یہی ہے۔

مسٹر گاندھی نے چند روز قبل جو باتیں کہی تھیں۔ ان پر اظہارِ خیال سے قبل میں چند دوسرے کانگریسی رہنماؤں کے بیانات کا ذکر کروں گا۔ جن میں سے ہر ایک نے مختلف باتیں کہی ہیں۔ مدراس کے سابق وزیر اعظم مسٹر راج گوپال اچاریہ کہتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے تیر بہدف نسخہ صرف مخلوط انتخابات ہیں۔ کانگریس کے بڑے ڈاکٹروں میں سے ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے یہ نسخہ ان کا ہے۔ (قہقہہ) دوسری طرف بابو راجندر پرشاد نے ابھی صرف چند روز پہلے فرمایا ہے کہ مسلمان اور کیا چاہتے ہیں؟ میں آپ کو ان کے الفاظ پڑھ کر سناتا ہوں۔ اقلیتوں کے مسئلے کا حوالہ دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں۔ اگرچہ برطانیہ ہمارے حق خود اختیاری کو تسلیم کر لے تو یہ تمام اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ ہمارے یہ اختلافات کس طرح ختم ہوں گے، ڈاکٹر راجندر پرشاد اس کی کوئی وضاحت نہیں کرتے۔

لیکن جب تک انگریز موجود ہیں اور اقتدار ان کے ہاتھ میں ہے۔ یہ اختلافات بدستور باقی رہیں گے۔ کانگریس نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ مستقبل کا آئین تن تنہا کانگریس نہیں بنائے گی بلکہ تمام سیاسی جماعتوں اور جملہ مذہبی گروپوں کے نمائندے بنائیں گے۔ کانگریس نے مزید یہ اعلان بھی کیا ہے کہ اس مقصد کے لیے اقلیتیں اپنے نمائندے جداگانہ انتخاب کے ذریعے منتخب کر سکتی ہیں، اگرچہ کانگریس جداگانہ انتخاب کو ایک لعنت تصور کرتی ہے۔ اس ملک کے تمام لوگوں کے نمائندے خواہ ان کا مذہب اور ان کی سیاسی وابستگی کچھ ہی کیوں نہ ہو ہندوستان کا آئندہ دستور تیار کریں گے۔ یہ دستور یہ جماعت یا وہ جماعت نہیں بنائے گی۔ اقلیتوں کے لیے اس سے

بڑھ کر اور کیا ضمانتیں ہو سکتی ہیں چنانچہ بابو راجندر پرشاد کے خیال کے مطابق جیسے ہی ہم اسمبلی میں قدم رکھیں گے اپنی تمام سیاسی مذہبی وابستگیوں اور ہر قسم کے تعلق کو بالائے طاق رکھ دیں گے تو یہ وہ باتیں ہیں جو بابو راجندر پرشاد نے ابھی چند روز قبل کہی ہیں اور اب یوں مسٹر گاندھی مسلمانوں کے خیالات معلوم کرنے کے لیے آئین ساز اسمبلی کا قیام چاہتے ہیں اور اگر مسلمانوں نے اتفاق نہ کیا تو وہ تمام امیدیں ترک کر دیں گے لیکن پھر بھی وہ ہم سے اتفاق کریں گے۔ (قہقہہ)

خواتین وحضرات!

کیا میں آپ سے یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی دلی خواہش اگر ایسی کوئی خواہش موجود ہے تو کیا اس کے اظہار کا طریقہ یہی ہے۔ (آوازیں نہیں نہیں) میں مسٹر گاندھی کے سامنے پہلے بھی کئی بار یہ تجویز پیش کر چکا ہوں، اور آج اس پلیٹ فارم سے ایک بار پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ آخر مسٹر گاندھی دیانت داری کے ساتھ یہ اعتراف کیوں نہیں کر لیتے کہ کانگریس ہندوؤں کی ایک جماعت ہے، اور یہ کہ وہ سوائے ہندوؤں کی ٹھوس اکثریت کے اور کسی کی نمائندگی نہیں کرتے؟ مسٹر گاندھی آخر یہ کہنے میں کیوں فخر محسوس نہیں کرتے کہ وہ ایک ہندو ہیں، اور کانگریس کو ہندوؤں کی ٹھوس حمایت حاصل ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہوتی کہ میں مسلمان ہوں (تالیاں) میں صحیح کہتا ہوں اور مجھے امید ہے اور میرا خیال ہے کہ اب تو ایک اندھا بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو چکا ہے کہ مسلم لیگ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی ٹھوس حمایت حاصل ہے۔ (تالیاں) پھر یہ سارا فریب اور ڈھونگ آخر کیوں رچایا جا رہا ہے۔ یہ سب سازشیں کیوں کی جا رہی ہیں؟ مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے انگریزوں پر دباؤ ڈالنے کی غرض سے یہ ہتھکنڈے کیوں اختیار کیے جا رہے ہیں؟ عدم تعاون کے اعلان کی ضرورت کیا ہے؟

سول نافرمانی کی دھمکیاں کیوں دی جا رہی ہیں؟ اور محض یہ معلوم کرنے کے لیے کہ مسلمان متفق ہیں یا نہیں۔ آئین ساز اسمبلی کے لیے جنگ کیوں لڑی جا رہی ہے؟ (تالیاں) وہ ایک ہندو لیڈر کی حیثیت سے فخر کے ساتھ اپنی قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے سامنے کیوں نہیں آتے، اور مجھ سے مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے ملاقات کیوں نہیں کرتے کہ جس پر میں فخر محسوس کرتا ہوں (تحسین کی آوازیں اور تالیاں) جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں فی الحال میں اسی قدر کہنا چاہتا ہوں۔

جہاں تک برطانوی حکومت کا تعلق ہے تو آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ ان کے ساتھ ہمارے مذاکرات ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں۔ ہم نے متعدد نکات پر ان سے یقین دہانیاں مانگی تھیں۔ بہرصورت ہم نے ایک نکتے کے سلسلے میں کچھ پیش رفت کی ہے، اور وہ نکتہ یہ ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ ہندوستان کے مستقبل کے آئین کے سارے مسئلہ کا حکومت ہندوستان کے ایکٹ مجریہ 1935ء سے الگ ہٹ کر از سر نو جائزہ لیا جائے۔ وائسرائے نے ملک معظم کی حکومت کے اختیار سے اس کا یہ جواب دیا ہے۔ ان کا جواب میں اپنے الفاظ میں پیش نہیں کروں گا بلکہ بہتر ہوگا کہ میں یہ جواب ان کے اپنے الفاظ میں

آپ کے سامنے پیش کروں۔ 23 دسمبر کو جو جواب ہمیں ارسال کیا گیا تھا وہ یہ ہے۔
آپ کے پہلے سوال کے بارے میں میرا جواب یہ ہے کہ گزشتہ اکتوبر کی تیرہ تاریخ کو میں نے ملک معظم کی حکومت کی منظوری سے جو اعلان جاری کیا تھا وہ اسے خارج از بحث قرار نہیں دیتا ذرا ان الفاظ پر غور کیجیے کہ وہ اعلان 1935ء کے ایکٹ یا اس پالیسی اور منصوبے کے کسی بھی حصہ کا جائزہ لینے کو خارج از بحث قرار نہیں دیتا جس کی بنیاد پر یہ ایکٹ تیار کیا گیا ہے۔ (مرحبا مرحبا)
جہاں تک دوسرے معاملات کا تعلق ہے ہم ابھی تک ان پر بات چیت کر رہے ہیں، اور ان کے اہم ترین نکات یہ ہیں کہ معظم ملک کی حکومت ہندوستان کے مستقبل کے آئین کے بارے میں ہماری منظوری اور رضامندی کے بغیر کوئی اعلان جاری نہیں کرے گی (تحسین تالیاں) اور یہ کہ کسی پارٹی کے ساتھ کسی مسئلے کا کوئی تصفیہ ہماری پیٹھ پیچھے نہیں کیا جائے گا۔ (تالیاں) تاوقتیکہ اس کے بارے میں ہماری منظوری اور رضامندی حاصل نہ ہو جائے۔
خواتین و حضرات!
برطانوی حکومت اپنی حکمت عملی کے تحت اس بات کو مناسب سمجھتی ہے کہ ہمیں یہ یقین دہانی کرائے یا نہیں، لیکن مجھے یقین ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے نو کروڑ عوام کی قسمت اور ان کا مستقبل کسی اور منصف کے ہاتھ میں نہیں دے سکتے تو یقیناً اسے ایک جائز اور منصفانہ مطالبہ سمجھے گی۔ ہم اور صرف ہم ہی ان کے مستقبل کے مختار اور منصف ہونا چاہتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک منصفانہ مطالبہ ہے ہم یہ نہیں چاہتے کہ برطانوی حکومت کے لیے مشورہ درست ہوگا کہ وہ یہ مطلوبہ یقین دہانی کرائے، اور اس سلسلے میں مسلمانوں کو مکمل امن و اعتماد فراہم کر کے ان کی دوستی حاصل کرے لیکن برطانوی حکومت خواہ ایسا کرتی ہے یا نہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں ہمیں بہر حال اپنی ہی طاقت پر بھروسہ کرنا ہوگا، اور میں اس پلیٹ فارم سے یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر ہماری مرضی اور مشورہ کے بغیر کوئی اعلان جاری کیا گیا یا کوئی عبوری بندوبست کیا گیا تو ہندوستان کے مسلمان اس کا مقابلہ کریں گے (تحسین اور تالیاں) اور اس سلسلے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔''

مسئلہ فلسطین

''پھر اگلی بات فلسطین کے بارے میں تھی۔ ہمیں بتایا گیا کہ عربوں کے جائز قومی مطالبات کو پورا کرنے کی سنجیدہ کوششیں کی جا رہی ہیں، لیکن ہم محض مخلصانہ سنجیدہ کوششوں سے مطمئن نہیں ہو سکتے (قہقہہ) ہم چاہتے ہیں کہ برطانوی حکومت واقعتا اور حقیقی معنوں میں فلسطینی عربوں کے مطالبات پورے کرے۔ (تحسین آوازیں تالیاں)
اس کے بعد اگلا معاملہ فوجوں کو بھیجنے کے بارے میں تھا۔ اس سلسلے میں کچھ غلط فہمیاں ہیں تاہم ہم نے اپنی پوزیشن واضح کر دی ہے کہ ہم یہ کبھی نہیں چاہتے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے جو الفاظ استعمال کیے ان سے اس قسم کے غلط صحیح خدشات پیدا نہیں ہوئے کہ ہندوستانی افواج کو اپنے ملک کے دفاع کے لیے بھرپور طریقے پر استعمال نہ کیا جائے ہم تو صرف یہ چاہتے تھے کہ برطانوی حکومت ہمیں یہ یقین دلائے

کہ ہندوستانی افواج کو کسی مسلمان ملک یا مسلم طاقت کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا۔ (تحسین تالیاں) ہمیں توقع کرنی چاہیے کہ ہم برطانوی حکومت سے اس سلسلے میں اس کی پوزیشن کی مزید وضاحت حاصل کر سکیں گے۔

یہاں تک تو ہوا برطانوی حکومت کے بارے میں ہماری پوزیشن کا تذکرہ۔ مجلس عاملہ نے اپنے گزشتہ اجلاس میں وائسرائے سے کہا تھا کہ مجلس عاملہ کی تین فروری کی قرارداد کے بموجب جو وضاحت کی گئی ہے اس کی روشنی میں وہ اپنے 23 دسمبر کے مراسلہ پر دوبارہ غور کریں۔ ہمیں اطلاع دی گئی ہے کہ وہ اس معاملے میں پوری توجہ سے غور کر رہے ہیں۔

خواتین وحضرات!

اعلانِ جنگ کے بعد سے 3 فروری تک کی مدت کے دوران یہ ہمارے موقف کا احوال تھا۔ جہاں تک ہماری داخلی پوزیشن کا تعلق ہے ہم اس کا بھی جائزہ لیتے رہے ہیں، اور آپ جانتے ہیں کہ متعدد ماہرین آئین اور ہندوستان کے مستقبل کے آئین سے دلچسپی رکھنے والے بعض دوسرے لوگوں نے ہمیں کئی اسکیمیں بھیجی ہیں، اور ہم نے اب تک موصول ہونے والی ان اسکیموں کی تفصیلات کا جائزہ لینے کے لیے ایک سب کمیٹی بھی قائم کر دی ہے، لیکن ایک بات بالکل واضح ہے کہ غلطی سے یہ بات ہمیشہ تسلیم کی جاتی رہی ہے کہ مسلمان ایک اقلیت ہیں، اور یہ بات اتنے عرصے سے کہی جا رہی ہے کہ ہم اس کے عادی ہو گئے ہیں، اور اب اس غلط تصور کو ذہن سے محو کرنا بڑا مشکل ہو گیا ہے۔ حقیقتاً مسلمان اقلیت نہیں ہیں۔ مسلمان ایک قوم ہیں اور قوم کی کوئی بھی تعریف کی جائے وہ اس پر پورے اترتے ہیں۔ انگریز اور خصوصاً کانگریس ہمیشہ ہی مفروضہ لے کر چلتے ہیں کہ مسلمان ایک اقلیت ہیں اور جیسا کہ بابو راجندر پرشاد نے کہا کہ آپ بہرحال ایک اقلیت ہیں۔ آپ چاہتے کیا ہیں؟ اقلیتیں اور کیا چاہتی ہیں، لیکن مسلمان ہرگز ایک اقلیت نہیں ہیں۔ ہندوستان کے برطانوی نقشوں کے مطابق بھی ہم اس ملک کے وسیع وعریض رقبوں پر آباد ہیں۔ جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے مثلاً بنگال، پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان۔

اب سوال یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اس مسئلے کا بہترین حل کیا ہے۔ ہم اس پر غور کرتے رہے ہیں، اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مختلف تجاویز پر غور کرنے کے لیے ایک کمیٹی قائم کر دی گئی ہے، لیکن آئین کی جو بھی قطعی شکل سامنے آئے میں اپنے خیالات آپ کے سامنے پیش کروں گا اور جو کچھ میں کہنے والا ہوں۔ اس کی تائید میں لالہ لاجپت رائے کا ایک خط آپ کو پڑھ کر سناؤں گا۔ جو انہوں نے مسٹر سی آر داس کو لکھا تھا میرا خیال ہے کہ یہ خط کوئی پندرہ سال پہلے لکھا گیا تھا، اور اب اس ایک کتاب میں نقل کیا گیا ہے۔ جو ایک شخص اندر پرکاش نے حال ہی میں شائع کی ہے، اور یوں یہ خط منظرِ عام پر آیا ہے۔ یہ باتیں لالہ لاجپت رائے نے کہی ہیں جو بڑے ہی زیرک سیاستدان اور کٹر ہندو مہاسبھائی تھے، لیکن اس سے قبل کہ یہ خط میں پڑھ کر سناؤں اس سے یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ اگر آپ ہندو ہیں تو ہندو ہی رہیں گے...... (قہقہہ)......قوم پرست کا لفظ اب سیاسی شعبدہ بازوں کے ہاں محض ایک کھلونا بن چکا ہے۔ لالہ لاجپت رائے کہتے ہیں۔

''ایک اور بات بھی ہے۔ جس نے مجھے ایک عرصے سے پریشان کر رکھا ہے، اور جس پر میں چاہوں گا آپ بڑی احتیاط سے غور کریں اور وہ ہے ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ۔ پچھلے چند مہینوں کے دوران میں نے اپنا بیشتر وقت مسلمانوں کی تاریخ اور مسلمانوں کے قانون کے مطالعہ میں صرف کیا ہے، اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ ہندو مسلم اتحاد نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی قابلِ غور۔ عدم تعاون کی تحریک کے دوران مسلمان لیڈروں کے خلوص کا اقرار اور اعتراف کرنے کے باوجود میرا خیال ہے کہ ان کا مذہب اس قسم کی چیز کو ان کے لیے موثر طور پر ممنوع قرار دیتا ہے۔''

آپ کو یاد ہوگا کہ حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر کچلو کے ساتھ میں نے اپنی بات چیت کی روئیداد آپ کو کلکتہ میں سنائی تھی حکیم اجمل خان سے اچھا اور کوئی مسلمان ہندوستان میں موجود نہیں، لیکن کیا کوئی مسلمان رہنما قرآن کو مسترد کر سکتا ہے؟ میں تو صرف یہ امید کر سکتا ہوں کہ کاش کہ اسلامی قانون کے متعلق میرا مطالعہ غلط ہو۔

میرا خیال ہے کہ لالہ لاجپت رائے کا مطالعہ بالکل غلط ہے۔ (قہقہہ)

وہ اپنے خط میں کہتے ہیں اور اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ اسلامی قانون کے متعلق میرا مطالعہ غلط ہے تو اس سے بڑھ کر میرے لیے اطمینان کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی، لیکن اگر یہ درست ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم انگریزوں کے خلاف تو متحد ہو سکتے ہیں، لیکن برطانوی طرز کے مطابق ہندوستان پر حکومت کرنے کے لیے متحد نہیں ہو سکتے۔ ہم ہندوستان میں جمہوری خطوط پر حکومت کرنے کے لیے ایسا نہیں کر سکتے خواتین و حضرات! جب لالہ لاجپت رائے نے کہا کہ ہم اس ملک میں جمہوری خطوط پر حکومت نہیں کر سکتے تو اس وقت یہ بات بالکل ٹھیک سمجھی گئی، لیکن اٹھارہ مہینے قبل جب پوری بے باکی کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار میں نے کیا تو میرے خلاف اعتراضات اور تنقید کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا، لیکن لالہ لاجپت رائے نے پندرہ سال قبل یہ بات کہی تھی کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ یعنی جمہوری خطوط پر ہندوستان میں حکومت نہیں کر سکتے۔ آخر اس کا علاج کیا ہے۔ کانگریس کے خیال میں اس کا علاج یہ ہے کہ ہمیں اقلیت میں رکھا جائے، اور اکثریتی حکومت کی ماتحتی میں رکھا جائے۔ لالہ لاجپت رائے مزید کہتے ہیں۔

پھر اس کا علاج کیا ہے؟ میں سات کروڑ مسلمانوں سے خوف زدہ نہیں ہوں، لیکن میرا خیال ہے کہ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کے ساتھ اگر افغانستان سے وسط ایشیاء عرب میسو پوٹامیا اور ترکی کے مسلح لشکر شامل ہو گئے تو پھر ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکے گا (قہقہہ) میں دیانت داری اور خلوصِ دل کے ساتھ ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت پر ایمان رکھتا ہوں اور اسے اچھا سمجھتا ہوں میں مسلمان لیڈروں پر اعتماد کرنے کے لیے بھی بالکل تیار ہوں لیکن قرآن اور حدیث کے امکانات اور ہدایات کا کیا کیا جائے۔ مسلمان رہنما انہیں مسترد نہیں کر سکتے۔ تو کیا پھر ہمارا مستقبل تاریک ہے مجھے امید ہے کہ ایسا ہرگز نہیں۔ میں توقع کرتا ہوں کہ آپ کی قابلیت اور فہم و فراست اس مشکل کا کوئی نہ کوئی حل ضرور ڈھونڈ نکالے گی۔

خواتین و حضرات!

قائد اعظمؒ کے دو غیر مطبوعہ خطوط (بشکریہ جناب فرید الحق ایڈووکیٹ)

Mount Pleasant Road,
Malabar Hill, Bombay
9 December, ..

Dear Mr. Raghib,

I am in rece.pt of your letter of 5th December, and I thank you for the er ed cutting from the Star of I dia dated 4th December. I have been receiving inf tion from other quarters also to the sa ject, and it is really very painful that whil on the one hand the Congress leaders are showing every desire for an honourable settlement between the two major communities secre these sort ~~of things should go on.~~ [illegible] Wit gard to your suggestion about declaring All India Day to condemn the Congress policy and gramme you have by now come to know that have already issued a statement to that effect and appealing to the Mussalmans t serve the 22nd December, and that might with your suggestion and serve the purpose you hav in view.

Yours sincerely,

M A Jinnah

Raghib Ahsan, Esq.,
Central Calcutta District Muslim League,
., Zakaria, St.,
Calcutta,

Mount Pleasant Road,
Malabar Hill
Bombay

11th Sept. 1940

Dear Mr. Raghib Ahsan,

I am in receipt of your letter of the 7th Sept. I have received the three packets of your Presidential Addressed and got them distributed among the members of the Working Committee.

Personally I do not attach any importance to the Sporting Offer of Mr. Rajagopalachari. I do not think think it need be taken seriously; I do not see why any one should go on making suggestions when it is quite obvious that the offer is, to begin with, not an offer as Mr Rajagopalachari says that if it is acceptable to Mr. Amery he would persuade the Congress. It is intended really to mislead the public and press in England and especially the foreign countries like America. There is no offer yet made to the Muslim League by the Congress and when any offer comes from them it will receive our most careful consideration.

With kind regards

Yours sincerely

M A Jinnah

قائد اعظم کے نایاب
غیر مطبوعہ خطوط

تو یہ محض ایک خط ہے جو ایک عظیم ہندو لیڈر نے دوسرے عظیم ہندو لیڈر کو پندرہ سال قبل لکھا تھا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تمام امور و معاملات کو سامنے رکھتے ہوئے اس موضوع پر میں اپنے خیالات آپ کے سامنے پیش کروں۔ برطانوی حکومت اور پارلیمنٹ اور پھر انگریز قوم برس ہا برس سے ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں طے شدہ نظریات اور تصورات کو پروان چڑھاتے رہے ہیں۔ یہ تصورات انہوں نے اپنے ملک میں آنے والی تبدیلیوں کی بنیاد پر قائم کیے ہیں۔ جن کے نتیجے میں برطانوی آئین کی تشکیل ہوئی جو پارلیمنٹ کے ایوانوں اور کابینہ کے ایک نظام کے ذریعے آج بھی برطانیہ میں چل رہا ہے۔ ان کا جماعتی حکومت کا تصور جو سیاسی سطح پر کام کر رہا ہے۔ ان کے لیے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے، اور وہ ہر ملک کے لیے ایک بہترین طرزِ حکومت سمجھتے ہیں پھر یک طرفہ اور زوردار پروپیگنڈے نے جو فطرتاً انگریزوں کو بہت اپیل کرتا ہے۔ انہیں ایک سنگین غلطی میں مبتلا کر دیا، اور انہوں نے حکومت ہندوستان کے ایکٹ مجریہ 1935ء کی شکل میں اس ملک کے لیے ایک آئین مرتب کر ڈالا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ برطانیہ عظمیٰ کے ممتاز ترین مدبروں نے جوان نظریات سے سرشار تھے۔ اپنے بیانات میں بڑی سنجیدگی کے ساتھ دعویٰ کیا ہے، اور اس امید کا اظہار کیا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مختلف اور متضاد عناصر میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے گی۔

لندن ٹائمز جیسے ممتاز جریدے نے حکومت ہندوستان کے ایکٹ مجریہ 1935ء پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں صرف مذہب کا اختلاف نہیں بلکہ قانون اور ثقافت کا اختلاف بھی ہے، اور اس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دو بالکل مختلف اور جداگانہ تہذیبوں کی نمائندگی کرتے ہیں تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ توہمات ختم ہو جائیں گے، اور ہندوستان ایک قوم کے سانچے میں ڈھل کر نکل آئے گا۔ (چنانچہ لندن ٹائمز کے مطابق واحد مشکلات توہمات ہیں) یوں ان بنیادی اور گہرے روحانی، اقتصادی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی اختلافات کو محض توہمات قرار دے کر انہیں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن یقیناً یہ بات برصغیر ہندوستان کی تاریخ سے نہ صرف کھلم کھلا اعراض کے مترادف ہے بلکہ ان اختلافات کو محض توہمات کا نام دینا معاشرے کے متعلق اسلام اور ہندومت دونوں کے بنیادی تصورات کو صریحاً نظرانداز کرنے کے برابر بھی ہے۔ ایک ہزار برس کے قریبی روابط کے باوجود دونوں قومیں آج بھی ایک دوسرے سے اتنی ہی دور ہیں، جتنی کبھی پہلے ہوا کرتی تھیں چنانچہ انہیں محض جمہوری آئین کا پابند بنا کر یا برطانوی پارلیمنٹ کے غیر فطری اور مصنوعی قوانین کے ذریعے جبراً اکٹھا رکھ کر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ کبھی ایک قوم بھی بن جائیں گے؟ ہندوستان کی وحدانی حکومت جو چیز ڈیڑھ سو برس میں حاصل نہ کر سکی اسے ایک وفاقی مرکزی حکومت مسلط کر کے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس طرح قائم ہونے والی حکومت ملک بھر کی مختلف قوموں سے اپنے لیے طاقت کے سوا کبھی برضا و رغبت بھی ان کا اعتماد اور وفاداری حاصل کر سکے گی۔

ہندوستان میں مسئلہ نوعیت کے اعتبار سے مختلف فرقوں کے درمیان نہیں بلکہ واضح طور پر مختلف قوموں کے درمیان ہے، اور اس سے اسی طرح عہدہ برآ ہونا چاہیے۔ جب تک اس کلیدی اور بنیادی حقیقت کا احساس نہیں کیا جائے گا۔ جو بھی آئین تیار ہوگا۔ اس کا نتیجہ تباہی کی صورت میں نکلے گا اور وہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ انگریزوں اور ہندوؤں کے لیے بھی تباہ کن اور نقصان دہ ہوگا۔ اگر برطانوی حکومت حقیقتاً اس برصغیر کے لوگوں کے لیے سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ امن و امان اور مسرت و شادمانی کی خواہاں ہے تو ہم سب کے لیے صرف ایک ہی راستہ کھلا ہے کہ ہندوستان کو خودمختار قومی مملکتوں میں تقسیم کر دیا جائے، اور بڑی بڑی قوموں کو الگ الگ وطن دے دیے جائیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ مملکتیں ایک دوسرے کی حریف ہوں بلکہ اس کے برعکس ان کے درمیان رقابت اور ایک دوسرے پر سماجی تسلط اور سیاسی برتری حاصل کرنے کی جبلی خواہش اور کوششیں ختم ہو جائیں گی، اور قدرتی طور پر باہم بین الاقوامی معاہدوں کے ذریعے ایک دوسرے کی خیرسگالی کی طرف پیش رفت کریں گے، اور اپنے ہمسایوں کے ساتھ مکمل امن و آشتی سے رہیں اس سے یہ بھی ہوگا کہ وہ مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان کے درمیان دوطرفہ انتظامات کے ذریعے اقلیتوں کے بارے میں امور و مسائل کو طریقے پر اور زیادہ آسانی کے ساتھ طے کر سکیں گی، اور اس طرح مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق اور مفادات کا تحفظ زیادہ بہتر اور زیادہ موثر طور پر کیا جا سکے گا۔

یہ سمجھنا انتہائی دشوار نظر آتا ہے کہ آخر ہمارے ہندو دوست اسلام اور ہندومت کی اصل فطرت اور نوعیت کو کیوں نہیں سمجھتے۔ مذہب کا لفظ جن معنوں میں استعمال ہوتا ہے اسلام اور ہندومت محض ان معنوں میں مہذب نہیں ہیں بلکہ حقیقتاً ایک دوسرے سے مختلف اور جداگانہ سماجی نظام ہیں، اور یہ تصور کہ ہندو اور مسلمان کبھی بھی ایک مشترکہ قومیت کی تخلیق کر سکیں گے محض ایک خواب ہے یہ غلط تصور کہ ہندوستانی ایک قوم ہیں اپنی حدوں سے بہت زیادہ تجاوز کر چکا ہے اور ہماری بیشتر مشکلات کا یہی اصل سبب ہے، اگر ہم نے اپنے تصورات ونظریات کا بروقت ازسرنو جائزہ نہ لیا تو ہندوستان تباہ ہو جائے گا۔ ہندو اور مسلمان دو مختلف مذہبی فلسفوں، سماجی رسوم و روایات اور ادب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کی بنیاد بیشتر متصادم تصورات اور نظریات پر ہے کہ ہندو اور مسلمان تاریخ کے مختلف معنوں سے ولولہ و امنگ حاصل کرتے ہیں۔ ان کی شجاعت کی داستانیں الگ ان کے مشاہیر مختلف اور ان کے قصے جدا ہیں۔ اکثر صورتوں میں تو ایک قوم کا ہیرو دوسری قوم کا دشمن ہے۔ اس طرح ایک قوم کی فتوحات دوسری قوم کی شکست ہے۔ ایک مملکت میں دو ایسی قوموں پر ایک قوم کا جواز رکھنے سے جن میں سے ایک قوم عددی اقلیت اور دوسری اکثریت ہے، ان کے درمیان بداعتمادی زیادہ سے زیادہ بڑھے گی اور بالآخر اس مملکت کی حکومت کے لیے جو ڈھانچہ تیار ہوگا وہ تباہی کی نظر ہو جائے گا۔ تاریخ ایسی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ مثلاً برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ کی یونین اور چیکوسلواکیہ اور پولینڈ کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ بہت سے جغرافیائی خطوں کو جو برصغیر ہندوستان

سے بہت ہی چھوٹے ہیں، اور بصورت دیگر ایک ہی ملک کہلاتے ہیں، لیکن انہیں اتنے ملکوں میں تقسیم کر دیا گیا جتنی قومیں وہاں آباد ہیں جزیرہ نمائے بلقان سات آٹھ آزاد مملکتوں پر مشتمل ہے۔ اس طرح جزیرہ نمائے (IBERIAN) پرتگال اور اسپین دو مملکتوں میں منقسم ہے، اگرچہ ہندوستان کے اتحاد اور اس کے ایک قوم ہونے کا دعویٰ کی بنیاد پر جس کا کوئی وجود نہیں اس ملک کو ایک مرکزی حکومت کے طرز پر چلانے کی کوشش کی جا رہی ہے حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ پچھلے بارہ سو برس کی تاریخ میں ہندوستان کو کبھی بھی اتحاد نصیب نہ ہوا، اور اس سارے زمانے میں ہندوستان کے موجودہ مصنوعی اتحاد کی ابتداء برطانوی فتوحات سے ہوتی ہے، اور برطانوی سنگینوں کے بل پر اس اتحاد کو قائم رکھا گیا ہے، لیکن برطانوی حکومت کا خاتمہ جو ملک معظم کی حکومت کے حالیہ اعلان میں مضمر ہے برصغیر کے ٹکڑے ہونے کا نقیب ثابت ہوگا، اور اس کے دوران ایسی تباہی مچے گی کہ مسلمانوں کے گزشتہ ایک ہزار سالہ دور حکومت میں کبھی اس کی کوئی مثال نہ مل سکے گی۔ برطانیہ ڈیڑھ سو برس کی حکومت کے بعد یقیناً یہ میراث ہندوستان کے لیے چھوڑ کر نہیں جائے گا، اور نہ ہی ہندو اور مسلمان ہندوستان کی اتنی بڑی اور یقینی تباہی کا خطرہ مول لینے کو تیار ہوں گے۔

مسلم ہندوستان کسی ایسے آئین کو تسلیم نہیں کرسکتا جس کے نتیجہ میں لازماً ہندو اکثریت کی حکومت قائم ہو۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک جمہوری نظام کے تحت جو اقلیتوں پر جبراً مسلط کیا گیا ہو یکجا رکھنے کا مطلب صرف ہندو راج ہے، کانگریس ہائی کمان جس قسم کی جمہوریت کی گرویدہ ہے۔ اس کا نتیجہ اسلام کی ایک انتہائی قیمتی متاع کی مکمل تباہی کی صورت میں نکلے گا پچھلے ڈھائی برس کے دوران صوبوں میں آئین پر عمل درآمد کے دوران ہمیں خوب خوب تجربے ہوئے، اور اگر اس قسم کی حکومت قائم ہوئی تو یقیناً خانہ جنگی شروع ہو جائے گی اور نجی لشکر تیار کیے جانے لگیں گے جیسا کہ مسٹر گاندھی نے سکھر کے ہندوؤں سے کہا تھا کہ انہیں اپنا دفاع کرنا چاہیے خواہ طاقت کے ذریعے یا بغیر طاقت کے اس کے جواب میں سکے کے ذریعے اگر وہ اپنا تحفظ نہیں کر سکتے تو انہیں اپنا وطن ترک کر دینا چاہیے۔

مسلمان اقلیت نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے لیے آپ کو صرف گرد و پیش پر نظر ڈالنا ہوگی آج بھی ہندوستان کے برطانوی نقشوں کے مطابق گیارہ صوبوں میں سے چار صوبے جہاں کم و بیش مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ہندو کانگریس ہائی کمان کے عدم تعاون اور سول نافرمانی کے فیصلے کے باوجود معمول کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ قوم کی خواہ کوئی بھی تعریف کی جائے مسلمان اس کے مطابق ایک قوم ہیں، اور ان کا اپنا وطن ان کا اپنا علاقہ اور ان کی اپنی مملکت ضرور ہونی چاہیے ہم ایک آزاد و خودمختار قوم کی حیثیت سے اپنے پڑوسیوں کے ساتھ امن و اتفاق کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ہماری قوم اپنی پسند اور امنگوں کے مطابق اور اپنے معیار اور نصب العین کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی روحانی، ثقافتی، اقتصادی، سماجی اور سیاسی زندگی کو بہترین اور بھرپور طریقے پر ترقی دے سکے۔ دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری قوم کے کروڑوں افراد کے اہم

مفادات ہم پر یہ مقدس فرض عائد کرتے ہیں کہ ہم ایک ایسا باعزت اور پرامن حل دریافت کریں جو سب کے لیے جائز اور منصفانہ ہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں دھمکیوں کے ذریعے اور خوفزدہ کر کے اپنے مقصد اور نصب العین سے نہ تو ہٹایا جا سکتا ہے اور نہ ہی منحرف کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے جو منزل اپنے لیے مقرر کی ہے۔ اس کی خاطر ہمیں تمام مطلوبہ قربانیاں دینے، مصائب کو جھیلنے اور نتائج کو بھگتنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

خواتین وحضرات!

ہم نے ہی یہ کام سرانجام دیا ہے۔ شاید میں مقررہ وقت سے زیادہ وقت لے چکا ہوں۔ بہت سی باتیں ہیں جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں لیکن جو کچھ میں کہہ چکا ہوں اور جو کچھ کہتا رہا ہوں اس میں سے بہت سی باتیں میں نے ایک چھوٹے سے کتابچے میں شائع کروا دی ہیں، اور میرا خیال ہے کہ آپ یہ کتابچہ جو اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ہے مسلم لیگ کے دفتر سے حاصل کر سکتے ہیں۔ ممکن ہے اس سے آپ کو ہمارے نظریات وتصورات کا واضح طور پر پتہ چل سکے۔ اس میں مسلم لیگ کی انتہائی اہم قراردادیں اور متعدد بیانات بھی درج ہیں بہرحال جو کام ہمیں درپیش ہے وہ میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے کیا آپ کو یہ احساس ہے کہ یہ کتنا بڑا اور مشکل کام ہے کیا آپ کو احساس ہے کہ آپ آزادی وخودمختاری محض دلائل دے کر حاصل کر سکتے ہیں۔ مجھے قوم کے اہل الرائے لوگوں سے اپیل کرنی چاہیے کہ دنیا کے تمام ممالک میں آزادی کی ہر تحریک کی روح رواں ہمیشہ اہل الرائے حضرات ہی رہے ہیں۔ اب مسلمان صاحبانِ رائے کا کیا ارادہ ہے؟ میں آپ پر واضح کر دوں کہ جب تک یہ تحریک آپ کی رگ وپے میں جاری وساری نہیں ہوگی۔ جب تک آپ آستین چڑھا کر بے غرضی کو تیار نہیں ہوں گے آپ اپنے نصب العین کو ہرگز حاصل نہیں کر سکیں گے لہٰذا دوستو میں چاہتا ہوں کہ آپ قطعی فیصلہ کریں اور پھر طریقہ کار پر غور کریں اپنی قوم کو منظم کریں اور تنظیم کو مضبوط بنائیں اور سارے ہندوستان میں مسلمانوں کو متحد اور یکجا کر دیں میرا خیال ہے کہ عوام بیدار ہو چکے ہیں۔ انہیں صرف آپ کی رہنمائی اور قیادت کی ضرورت ہے۔ اسلام کے خادموں کی حیثیت سے آگے بڑھئے اور اقتصادی، سماجی، تعلیمی اور سیاسی اعتبار سے انہیں منظم کیجیے۔ مجھے یقین ہے کہ پھر آپ ایک ایسی طاقت ہوں گے جسے ہر ایک تسلیم کرے گا۔" (تالیاں)

خطوطِ اقبال بنام جناح

❶ یہ مجموعہ اقبال کے خطوط بنام جناح پندرہ خطوط پر مشتمل ہے۔ یہ خطوط علامہ اقبال نے مسلم لیگ کی تنظیم نو کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کو لکھے۔ افسوس ان خطوط کے جو جوابات قائداعظم محمد علی جناح نے علامہ اقبال کو دیے وہ دستیاب نہیں ہیں۔ تاہم ان خطوط کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ اقبال نے قائداعظم محمد علی جناح کو ملک کے دستوری مسائل اور حالات سے کس قدر آگاہ رکھا۔

انگریزی میں یہ خطوط سب سے پہلے شیخ محمد اشرف نے اپریل 1943ء میں شائع کیے، تاہم انہیں اردو میں ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن نے منتقل کیا۔ ان خطوط کے مجموعے کا پیش لفظ قائداعظم محمد علی جناح نے لکھا۔ انہیں قائداعظم محمد علی جناح کے ذاتی کتب خانہ سے جناب محمد شریف طوسی نے

دریافت کیا۔

علامہ اقبال نے یہ خطوط مئی 1936ء سے نومبر 1937ء تک لکھے جو تعداد میں تیرہ تھے بعد ازاں دو مزید خطوط ملے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان خطوط کی اشاعت کے لیے بمبئی سے 28 جنوری 1943ء کو ایڈیٹر ہمایوں میاں بشیر احمد کو لکھا کہ علامہ اقبال کے خطوط کے جواب میں انہوں نے (قائداعظم محمد علی جناح) نے جو خطوط لکھے تھے انہیں تلاش کر کے ارسال کیا جائے 15 فروری 1943ء کو دوبارہ قائداعظم محمد علی جناح نے میاں بشیر احمد کو لکھا:

''ان خطوط کی اشاعت سے مسلم عوام کی بڑی خدمت ہوگی اور خصوصاً اس مقصد کو جس کے لیے ہم سب لڑ رہے ہیں۔''

میاں بشیر احمد نے 24 فروری 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو لکھا:

''علامہ اقبال کے ترکہ کے نگران چودھری محمد حسین ان کے خطوط تلاش کرنے میں ناکام ہوئے ہیں لہٰذا اب ان خطوط کو قائداعظم محمد علی جناح اپنے تبصرہ کے ساتھ یا اس کے بغیر شائع کرا دیں۔''

چنانچہ شیخ محمد اشرف نے انہیں انگریزی میں شائع کر دیا۔ اپریل 1943ء میں کتاب چھپ کر مارکیٹ میں آ گئی۔

ان میں دو خطوط کا اضافہ گورنمنٹ کالج جھنگ کے پروفیسر محمد جہانگیر عالم نے کیا۔

اس وقت اقبال کے خطوط جناح کے نام بازار میں دستیاب ہے۔

اقبال کے خطوط جناح کے نام کے مترجم جناب محمد جہانگیر عالم 5 دسمبر 1939ء کو لدھیانہ (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے سیاسیات کا امتحان پاس کیا۔ 1964ء میں تدریس کے پیشے سے منسلک ہوئے۔ شاعری، افسانہ ان کے خاص موضوعات ہیں۔

◆ قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال کے مابین خط و کتابت رہی لیکن افسوس قائداعظم محمد علی جناح کے خطوط بنام اقبال دستیاب نہیں ہیں۔

''اقبال کے خطوط بنام جناح'' (Letter of Iqbal to Jinnah) ہماری قومی تاریخ کی بڑی اہم دستاویز ہے۔ سب سے پہلے یہ خطوط انگریزی میں 1943ء میں شائع ہوئے، پھر اسی سال یہ خطوط حیدرآباد دکن سے اردو میں شائع ہوئے۔ اس کے بعد یہ خطوط متعدد بار برصغیر کی دیگر زبانوں تامل، بنگالی میں شائع ہوئے۔

اس کتاب کا دیباچہ قائداعظم محمد علی جناح نے لکھا۔ ذیل میں دیباچہ من وعن دیا جا رہا ہے، پھر اس کے بعد ان خطوط کے متون دیے جا رہے ہیں۔

پیش لفظ

''یہ کتابچہ ان خطوط پر مشتمل ہے، جو اسلام کے قومی شاعر، فلسفی اور عارف ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم نے میرے نام مئی 1936ء سے نومبر 1937ء کے درمیانی عرصہ میں اپنی وفات سے کچھ ماہ پہلے تحریر کیے۔ یہ دور جو جون 1936ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے مرکزی پارلیمانی بورڈ کے قیام اور اکتوبر 1937ء میں لکھنؤ کے تاریخی اجلاس کے دوران تک محیط ہے مسلم ہندوستان کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر مرکزی پارلیمانی بورڈ نے اپنی صوبائی شاخوں کے ہمراہ مسلم لیگ کی طرف سے یہ پہلی عظیم کوشش کی کہ مسلم رائے عامہ قانون ہند 1935ء کے تحت صوبائی مجلس قانون ساز کے لیے لیگ کے ٹکٹ پر آئندہ انتخاب میں حصہ لیا جائے تو لکھنؤ اجلاس اس امر کی

نشاندہی کا باعث بنا کہ پہلے مرحلہ میں مسلم لیگ کی عوامی سطح پر تنظیم نو ہونی چاہیے، اور یہ کہ مسلم لیگ ہی ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ اور بااختیار جماعت ہے۔ ان دونوں مقاصد کے حصول میں مَیں اپنے دوستوں جن میں ڈاکٹر سر محمد اقبال بھی شامل ہیں کے انمول تعاون، حب الوطنی اور بے غرض مساعی کی بدولت کامیاب ہو سکا۔ اس مختصر عرصہ میں مسلم لیگ کافی قوت پکڑ گئی۔ ہر صوبے میں جہاں مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ قائم ہوا، اور مسلم لیگ کی شاخیں قائم ہوئیں۔ ہم نے ساٹھ سے ستر فی صد نشستیں حاصل کیں۔ جن پر مسلم لیگی امیدواروں نے انتخاب لڑا تھا۔ تقریباً ہر صوبے میں مدراس کے دور دراز کونے سے لے کر شمال مغربی سرحدی صوبے تک مسلم لیگ کی سینکڑوں ضلعی اور ابتدائی شاخیں قائم ہو گئیں۔

کانگریس نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے اور مسلم لیگ کو مرغوب کرنے کے لیے جو نام نہاد مسلم رابطہ عوام تحریک چلائی تھی۔ مسلم لیگ نے اس پر ضربِ کاری لگائی۔ مسلم لیگ متعدد ضمنی انتخابات میں کامیاب ہوئی، اور ان لوگوں کی فتنہ پردازیوں اور سازشوں کو ختم کر دیا جو یہ تاثر دینے کی توقع رکھتے تھے کہ مسلم لیگ کو مسلمان عوام کی حمایت حاصل نہیں۔

لکھنؤ اجلاس سے اٹھارہ ماہ پہلے مسلم لیگ ایک اعلیٰ اور ترقی پذیر پروگرام کی حامل جماعت کی حیثیت سے مسلمانوں کو منظم کرنے میں کامیاب ہوئی، اور وہ صوبے بھی اس کے زیر اثر آ گئے جن تک وقت کی قلت یا لیگ پارلیمانی بورڈوں کی ناکافی سرگرمیوں کے باعث بہتر طور پر رسائی نہ ہو سکی تھی۔ لکھنؤ اجلاس نے اس مقبولیت کی صریح شہادت فراہم کر دی جو مسلم لیگ کو مسلمانوں کی تمام جماعتوں اور گروہوں میں حاصل تھی۔

یہ مسلم لیگ کی نہایت شاندار کامیابی تھی کہ اس کی قیادت کو مسلم اکثریتی اور اقلیتی صوبوں نے قبول کر لیا، اور اسے اس کامیابی تک پہنچانے میں ڈاکٹر سر محمد اقبال نے بڑا کردار ادا کیا اگرچہ عوام کو اس وقت اس کا علم نہ ہو سکا۔ سکندر جناح معاہدہ کے بارے میں ان کے کچھ اپنے خدشات تھے۔ وہ اس پر عمل درآمد اور اس کے نمایاں نتائج کو جلد از جلد دیکھنا چاہتے تھے تاکہ اس کے متعلق عوام کے شکوک و شبہات دور ہو سکیں، لیکن افسوس! وہ یہ دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہے کہ پنجاب نے قابلِ ذکر ترقی کر لی ہے، اور اب اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ثابت قدمی سے مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔

اس مختصر تاریخی پس منظر کو ذہن میں رکھ کر ان خطوط کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، تاہم مجھے اس بات کا بڑا افسوس ہے کہ اقبال کے خطوط کے جواب میں میرے خطوط دستیاب نہ ہو سکے۔ مذکورہ عرصہ کے دوران میں تن تنہا بغیر کسی ذاتی عملہ کی مدد کے کام کرتا تھا۔ اس لیے میں ان متعدد خطوط کی نقول اپنے پاس نہ رکھ سکا جو میں دوسروں کو ارسال کرتا تھا۔ میں نے لاہور میں اقبال کے ترکے کے نگرانوں سے دریافت کرایا تو مجھے اطلاع ملی کہ میرے خطوط دستیاب نہیں ہو سکے۔ چنانچہ اب میرے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ میں ان خطوط کو اپنے جوابات کے بغیر ہی شائع کراؤں کیونکہ میرے نزدیک یہ خطوط زبردست تاریخی اہمیت کے حامل ہیں بالخصوص وہ خطوط جن میں مسلم ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے

بارے میں ان کے خیالات کا واضح اور غیر مبہم اظہار ہے۔ان کے خیالات پورے طور پر میرے خیالات سے ہم آہنگ تھے، اور بالآخر میں ہندوستان کے دستوری مسائل کے مطالعہ اور تجزیہ کے بعد انہی نتائج پر پہنچا اور کچھ عرصہ بعد یہی خیالات ہندوستان کے مسلمانوں کی اس متحدہ خواہش کی صورت میں جلوہ گر ہوئے جس کا اظہار آل انڈیا مسلم لیگ کی 23 مارچ 1940ء کی منظور کردہ قرارداد لاہور ہے، جو عام طور پر قراردادِ پاکستان کے نام سے موسوم ہے۔

27 مارچ 1943ء

ایم اے جناح

لاہور

23 مئی 1936ء

محترم جناح صاحب!

ابھی ابھی آپ کا خط موصول ہوا۔جس کے لیے بے حد شکرگزار ہوں مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ آپ کا کام آگے بڑھ رہا ہے۔ مجھے پوری توقع ہے کہ پنجاب کی جماعتیں بالخصوص احرار اور اتحاد ملت تھوڑی بہت نزاع و کشمکش کے بعد آخرکار آپ کے ساتھ شریک ہو جائیں گی۔ اتحاد ملت کے ایک سرگرم اور فعال رکن نے چند روز ہوئے مجھے یہی بتایا ہے۔ اگرچہ مولانا ظفر علی خاں کے رویے کے بارے میں خود اتحاد ملت والے یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے، تاہم ابھی کافی وقت ہے ہمیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ رائے دہندگان اسمبلی میں اپنی نمائندگی اتحاد ملت والوں کے سپرد کرنے کے متعلق کیا خیال کرتے ہیں۔

امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

ملاقات کا آرزومند

آپ کا مخلص

محمد اقبال

لاہور 9 جون 1936ء (بصیغۂ راز)

محترم جناح صاحب!

میں اپنا مسودہ ارسال خدمت کر رہا ہوں۔کل کے ایسٹرن ٹائمز کا ایک تراشہ بھی ہمراہ ہے۔ یہ گورداسپور کے ایک قابل وکیل کا خط ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ بورڈ کی طرف سے جاری شدہ بیان میں تمام سکیم کی پوری تفصیل ہوگی، اور سکیم پر اب تک کیے گئے اعتراضات کا شافی جواب بھی ہوگا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی موجودہ حیثیت کا ہندوؤں اور حکومت دونوں سے متعلق اس میں برملا اور واضح ذکر ہونا چاہیے اس بیان میں یہ انتباہ بھی ہو کہ اگر ہندوستان کے مسلمانوں نے موجودہ سکیم کو اختیار نہ کیا تو نہ صرف یہ کہ جو کچھ گزشتہ پندرہ برسوں میں انہوں نے حاصل کیا ہے ضائع کر بیٹھیں گے، بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے قومی شیرازہ کو پارہ پارہ کر کے اپنے نقصان کا باعث ہوں گے۔

آپ کا

محمد اقبال

مکرر آنکہ۔ میں نہایت ممنون ہوں گا اگر اخبارات کو روانہ کرنے سے قبل آپ یہ بیان مجھے بھی ارسال کر دیں۔ دوسری بات جس کا ذکر اسی بیان میں ہونا چاہیے یہ ہے۔

1. مرکزی اسمبلی کے لیے بالواسطہ طریق انتخاب نے یہ قطعی طور پر ضروری کر دیا ہے کہ جو اراکین صوبائی اسمبلیوں کے لیے منتخب کیے جائیں۔ وہ ایک کل ہند مسلم پالیسی اور پروگرام کے پابند ہوں تا کہ وہ مرکزی اسمبلی میں ایسے مسلمان نمائندے منتخب کریں، جو اس بات کا عہد کریں کہ مرکزی اسمبلی میں مسلم ہندوستان کے ان مخصوص مرکزی مسائل کی تائید و حمایت کریں گے جو ہندوستان کی دوسری بڑی قوم کی حیثیت سے مسلمانوں سے متعلق ہوں، جو لوگ اس وقت صوبائی پالیسی اور پروگرام کے حامی ہیں۔ وہی لوگ مرکزی اسمبلی کے

لیے بالواسطہ طریق انتخاب کو دستور میں شامل کروانے کے ذمہ دار ہیں۔ بلاشبہ ایک غیر ملکی حکومت کا مفاد اسی میں ہے۔ اب جبکہ قوم اسی مصیبت (بالواسطہ انتخاب) سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتی ہے، اور اس نے انتخاب کے لیے ایک کل ہند سکیم (یعنی مسلم لیگ کی سکیم) تیار کر لی ہے۔ جس کی پابندی تمام صوبائی امیدوار کریں گے تو وہی لوگ پھر غیر ملکی حکومت کے اشارے پر مصروف عمل ہیں کہ قوم کو اپنی شیرازہ بندی کی کوششوں میں ناکام کریں۔

◆ اسلامی اوقاف کا قانون جیسا کہ شہید گنج سے ظاہر ہوا اور اسلامی ثقافت زبان، مساجد اور قانونِ شریعت سے متعلق مسائل پر بھی بیان میں توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

لاہور (بصیغۂ راز)

25 جون 1936ء

محترم جناح صاحب!

سر سکندر حیات دو ایک روز ہوئے لاہور سے روانہ ہو چکے ہیں۔ میرے خیال میں وہ بمبئی میں آپ سے مل کر بعض اہم امور پر گفتگو کریں گے۔ کل شام دولتانہ مجھ سے ملنے کے لیے آئے۔ ان کا کہنا تھا کہ یونینسٹ پارٹی کے مسلمان اراکین مندرجہ ذیل اعلان کرنے کے لیے تیار ہیں۔

کہ ان تمام امور میں جو مسلمانوں سے بحیثیت ایک کل ہند اقلیت سے متعلق ہیں۔ وہ مسلم لیگ کے فیصلے کے پابند ہوں گے، اور صوبائی اسمبلی میں کسی غیر مسلم جماعت کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کریں گے۔

بشرطیکہ (صوبائی) مسلم لیگ بھی حسب ذیل اعلان کرے کہ وہ اراکین اسمبلی جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہو کر صوبائی اسمبلی میں آئیں گے، وہ صرف اس جماعت یا فریق کے ساتھ تعاون کریں گے جس میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔

ازراہِ کرم اپنی اولین فرصت میں مطلع فرمایئے کہ اس تجویز کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ سر سکندر حیات سے جو گفتگو ہو، اس کے نتیجہ میں بھی مطلع فرمایئے اگر آپ انہیں قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ان کا ہمارے ساتھ شامل ہونا کچھ بعید نہیں۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

میو روڈ لاہور

23 اگست 1936ء

محترم جناح صاحب!

امید ہے کہ میرا اس سے پہلے کا خط آپ کو مل چکا ہوگا۔ پنجاب پارلیمانی بورڈ اور یونینسٹ پارٹی کے مابین مفاہمت کی کچھ گفتگو ہو رہی ہے۔ اس قسم کی مفاہمت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، اور اس کے لیے آپ کیا شرائط تجویز کرتے ہیں؟ میں نے اخبارات میں پڑھا ہے کہ آپ نے بنگال پرجا پارٹی اور پارلیمانی بورڈ میں مصالحت کرا دی ہے۔ اس کی شرائط وضوابط سے مجھے مطلع فرمایئے۔ چونکہ پرجا پارٹی بھی یونینسٹ پارٹی کی طرح فرقہ وارانہ ہے۔ اس لیے بنگال میں آپ کی مصالحت آپ کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

امید ہے کہ آپ بخیرت ہوں گے۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

لاہور

8 دسمبر 1936ء

محترم جناح صاحب!

غلام رسول نے مجھے بتایا ہے کہ اس نے آپ کو بورڈ کے امور کے بارے میں ایک تفصیلی خط لکھا ہے۔ میں ان کے اس بیان سے بالکل متفق ہوں کہ انتخابات سے کم از کم پندرہ روز

پہلے آپ کی صوبے میں موجودگی نہایت ضروری ہے۔ آپ اس صوبے کے لوگوں کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ عام طور پر جذبات کی رو میں بہہ جاتے ہیں۔ اگر آپ (مولانا) شوکت علی اور ایم کفایت اللہ کے دنوں میں ان سے خطاب کریں تو مجھے یقین ہے کہ وہ سب آپ کی اور آپ کے امیدواروں کی حمایت کریں گے وگرنہ وہ کچھ اور کر بیٹھیں گے۔ اس لیے میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ دسمبر 1936ء کے آخیر یا جنوری 1937ء کے آغاز میں ہمارے ہاں تشریف لائیں تا کہ ہماری تحریک کے خلاف پیدا کیے جانے والے ردِعمل کی قوتوں کو توڑنے کی کوشش کی جائے۔ اگر آپ تشریف نہ لا سکے تو مجھے خدشہ ہے کہ آپ آنے والی اسمبلی میں چار نئے حامیوں کو نہ پا سکیں گے۔

احترام کے ساتھ

آپ کا مخلص

محمد اقبال (بار ایٹ لا)

صدر پنجاب صوبائی اسمبلی مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ

لاہور (بصیغۂ راز)

20 مارچ 1937ء

محترم جناح صاحب!

میرا خیال ہے کہ آپ نے پنڈت جواہر لال نہرو کا وہ خطبہ جو انہوں نے آل انڈیا نیشنل کنونشن میں دیا ہے پڑھا ہوگا، اور اس کے بین السطور جو پالیسی کارفرما ہے اس کو آپ نے بخوبی محسوس کر لیا ہوگا۔ جہاں تک اس کا تعلق ہندوستان کے مسلمانوں سے ہے، میں سمجھتا ہوں آپ بخوبی آگاہ ہیں کہ نئے دستور نے ہندوستان کے مسلمانوں کو کم از کم اس بات کا ایک نادر موقعہ دیا ہے کہ وہ ہندوستان اور مسلم ایشیا کی آئندہ سیاسی ترقی کے پیش نظر اپنی قومی تنظیم کر سکیں گے۔ اگرچہ ہم ملک کی دیگر ترقی پسند جماعتوں کے ساتھ تعاون کے لیے تیار ہیں تاہم ہمیں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ ایشیاء میں اسلام کی اخلاقی اور سیاسی طاقت کے مستقبل کا انحصار بہت حد تک ہندوستان کے مسلمانوں کی مکمل تنظیم پر ہے۔ اس لیے میری تجویز ہے کہ آل انڈیا نیشنل کنونشن کو ایک موثر جواب دیا جائے۔ آپ جلد از جلد دہلی میں ایک آل انڈیا مسلم کنونشن منعقد کریں جس میں شرکت کے لیے نئی صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کے علاوہ دوسرے مقتدر مسلم رہنماؤں کو بھی مدعو کریں۔ اس کنونشن میں پوری قوت اور قطعی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں کہ سیاسی مطمع نظر کی حیثیت سے مسلمانانِ ہند ملک میں جداگانہ سیاسی وجود رکھتے ہیں۔ یہ انتہائی ضروری ہے کہ اندرون اور بیرون ہند کی دنیا کو بتا دیا جائے کہ ملک میں صرف اقتصادی مسئلہ ہی تنہا ایک مسئلہ نہیں ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے ثقافتی مسئلہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے اپنے اندر زیادہ اہم نتائج رکھتا ہے، اور کسی صورت سے بھی یہ اقتصادی مسئلہ سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اگر آپ ایسی کنونشن منعقد کر سکیں تو پھر ایسے مسلم اراکین اسمبلی کی حیثیتوں کا امتحان ہو جائے گا جنہوں نے مسلمانانِ ہند کی امنگوں اور مقاصد کے خلاف جماعتیں قائم کر رکھی ہیں۔ مزید برآں اس سے ہندوؤں پر یہ عیاں ہو جائے گا کہ کوئی سیاسی حربہ خواہ کیسا ہی عیارانہ کیوں نہ ہو، پھر بھی مسلمانانِ ہند اپنے ثقافتی وجود کو کسی طور نظر انداز نہیں کر سکتے۔ میں چند روز تک دہلی آ رہا ہوں۔ اس اہم مسئلہ پر آپ سے گفتگو ہوگی۔ میرا قیام افغانی سفارت خانہ میں ہوگا۔ اگر آپ کو کچھ فرصت ہو تو وہیں ہماری ملاقات ہونی چاہیے۔ از راہِ کرم اس خط کے جواب میں چند سطور جلد از جلد تحریر فرمایئے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

بار ایٹ لاء

مکرر آنکہ: معاف فرمایئے، میں نے یہ خط آشوبِ چشم کی

وجہ سے ایک دوست سے لکھوایا ہے۔

لاہور

22 اپریل 1937ء

محترم جناح صاحب!

دو ہفتے ہوئے میں نے آپ کو خط لکھا تھا معلوم نہیں وہ آپ کو ملا یا نہیں۔ میں نے وہ خط آپ کو دہلی کے پتہ پر لکھا تھا اور پھر جب میں دہلی گیا تو معلوم ہوا کہ آپ وہاں سے پہلے ہی رخصت ہو چکے ہیں۔ میں نے اس خط میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ ہمیں فوراً ایک آل انڈیا مسلم کنونشن (کسی بھی مقام پر) مثلاً دہلی میں منعقد کر کے حکومت اور ہندوؤں کو ایک بار پھر مسلمانانِ ہند کی پالیسی سے آگاہ کر دینا چاہیے۔

چونکہ صورتِ حال نازک ہوتی جارہی ہے، اور پنجاب کے مسلمانوں کا رجحان بعض ایسے وجوہ کی بناء پر جن کی تفصیل بتانا (اس وقت) غیرضروری ہے، کانگریس کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس معاملہ پر فوری غور فرما کر فیصلہ کریں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس اگست تک ملتوی ہو چکا ہے، لیکن حالات کا تقاضا ہے کہ فوری طور پر مسلم پالیسی کا اعلان مکرر ہو۔ اگر کنونشن کے انعقاد سے پہلے مقتدر مسلمان لیڈروں کا ایک دورہ بھی ہو جائے تو کنونشن یقیناً بہت کامیاب رہے گا۔ براہِ نوازش اس خط کا جواب اپنی اولین فرصت میں عنایت فرمائیے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

بارایٹ لاء

لاہور

10 مئی 1937ء

محترم جناح صاحب!

آپ کے خط کا بہت شکریہ جو مجھے دریں اثنا موصول ہوا۔ مجھے آپ کو یہ بتانے میں بہت خوشی محسوس ہوتی ہے کہ پنجاب میں لیگ کی نسبت ہمدردانہ جذبات میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، اور یہ کہ یونینسٹوں سمیت پنجاب کے مسلمان آپ کی پوری پشت پناہی کریں گے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ کے لیے یہ ممکن ہوگا کہ آپ شمالی ہند کا ایک دورہ کریں اور میرٹھ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس سے پہلے، ہر صوبے میں، اہم شہروں میں جائیں۔ میرا خیال ہے کہ مسلم لیگ کے آئین میں مناسب تبدیلیاں کرنا ضروری ہیں تاکہ مسلم لیگ کو عوام الناس کے قریب تر لایا جائے جنہوں نے اب تک مسلمانوں کے بالائی متوسط طبقے کی سیاسی سرگرمیوں میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ متوسط مسلمان طبقے کو شکایت ہے کہ ہمارے لیڈروں کو صرف اپنے عہدوں سے دلچسپی ہے، اور یہ کہ حکومت کے مختلف محکموں میں خالی آسامیاں یونینسٹوں کے رشتہ داروں یا دوستوں کے لیے مخصوص کر دی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا متوسط طبقہ سیاسی معاملات میں کم دلچسپی لیتا ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ ان کی شکایت بجا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ لیگ کے دستور میں چند مناسب ترمیمات کے بارے میں ضرور غور کریں گے، جس سے عوام الناس میں لیگ اور اس کی سرگرمیوں کے ضمن میں بہتر توقعات پیدا ہوں گی۔

براہِ کرم اپنے جواب سے سرفراز فرمائیں!

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(بصیغۂ راز)

لاہور

28 مئی 1937ء

محترم جناح صاحب!

آپ کے نوازش نامہ کا شکریہ جو مجھے اس اثنا میں ملا۔ مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ مسلم لیگ کے دستور اور پروگرام میں جن تبدیلیوں کے متعلق میں نے تحریر کیا تھا۔ وہ آپ کے

تقسیمِ ہند کے آخری مرحلے اور منتقلیٔ اختیارات سے پہلے، ۲؍جون ۱۹۴۷ء کو آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کانگریسی اور مسلم لیگی لیڈروں کا اجلاس طلب کیا۔ قائداعظمؒ اور لیاقت علی خاں نمایاں نظر آ رہے ہیں۔

پیش نظر رہیں گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانانِ ہند کی نازک صورت حال کا آپ کو پورا پورا احساس ہے۔ مسلم لیگ کو آخر کار یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے بالائی طبقوں کی ایک جماعت بنی رہے گی یا مسلم جمہور کی، جنہوں نے اب تک بعض معقول وجوہ کی بناء پر اس (مسلم لیگ) میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ کوئی سیاسی تنظیم جو عام مسلمانوں کی حالت سدھارنے کی ضامن نہ ہو۔ ہمارے عوام کے لیے باعث کشش نہیں ہو سکتی۔ نئے دستور کے تحت اعلیٰ ملازمتیں تو بالائی طبقوں کے بچوں کے لیے مختص ہیں، اور ادنیٰ ملازمتیں وزراء کے اعزاء اور احباب کی نذر ہو جاتی ہیں۔ دیگر امور میں بھی ہمارے سیاسی اداروں نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی طرف کبھی غور کرنے کی ضرورت نہیں کی۔ روٹی کا مسئلہ روز بروز نازک ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمان محسوس کر رہے ہیں کہ گزشتہ دو سال سے وہ برابر تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ اس غربت کی وجہ ہندو کی ساہوکاری (سودخوری) اور سرمایہ داری ہے۔ یہ احساس کہ اس میں غیر ملکی حکومت بھی برابر کی شریک ہے۔ ابھی پوری طرح نہیں ابھرا لیکن آخر کو ایسا ہو کر رہے گا۔ جواہر لال نہرو کی بے دین اشتراکیت مسلمانوں میں کوئی تاثر پیدا نہ کر سکے گی، لہٰذا سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی غربت کا علاج کیا ہے۔ مسلم لیگ کا سارا مستقبل اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے کیا کوشش کرتی ہے۔ اگر مسلم لیگ نے (اس ضمن میں) کوئی وعدہ نہ کیا تو مجھے یقین ہے کہ مسلم عوام پہلے کی طرح اس سے بے تعلق رہیں گے۔ خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ میں اس کا حل اور موجودہ نظریات کی روشنی میں (اس میں) مزید ترقی کا امکان ہے۔

اسلامی قانون کے طویل و عمیق مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام قانون کو اچھی طرح سمجھ کر نافذ کیا جائے، تو ہر شخص کے لیے کم از کم حق معاشی محفوظ ہو جاتا ہے، لیکن شریعت اسلام کا نفاذ اور ارتقاء ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستوں کے بغیر اس ملک میں ناممکن ہے۔ سالہا سال سے یہی میرا عقیدہ رہا ہے، اور اب بھی میرا ایمان ہے کہ مسلمانوں کی غربت روٹی کا مسئلہ اور ہندوستان میں امن و امان کا قیام اسی سے حل ہو سکتا ہے۔ اگر ہندوستان میں یہ ممکن نہیں ہے، تو پھر دوسرا متبادل راستہ صرف خانہ جنگی ہے۔ جو فی الحقیقت ہندو مسلم فسادات کی شکل میں کچھ عرصہ سے جاری ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ملک کے بعض حصوں مثلاً شمال مغربی ہندوستان میں فلسطین کی داستان دہرائی جائے گی۔ جواہر لال نہرو کی اشتراکیت کا ہندوؤں کی ہیئت سیاسیہ کے ساتھ پیوند بھی خود ہندوؤں کے آپس میں خون خرابہ کا باعث ہوگا۔ اشتراکی جمہوریت اور برہمنیت کے درمیان وجہ نزاع برہمنیت اور بدھ مت کے درمیان وجہ نزاع سے مختلف نہیں ہے۔ آیا اشتراکیت کا حشر ہندوستان میں بدھ مت کا سا ہوگا یا نہیں؟ میں اس بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں کر سکتا، لیکن میرے ذہن میں یہ بات صاف ہے کہ اگر ہندو دھرم اشتراکی جمہوریت اختیار کر لیتا ہے تو خود ہندو دھرم ختم ہو جاتا ہے۔ اسلام کے لیے اشتراکی جمہوریت کو مناسب تبدیلیوں اور اسلام کے اصول شریعت کے ساتھ اختیار کر لینا کوئی انقلاب نہیں بلکہ اسلام کی حقیقی پاکیزگی کی طرف رجوع ہوگا۔ موجودہ مسائل کا حل مسلمانوں کے لیے ہندوؤں سے کہیں زیادہ آسان ہے، لیکن جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ مسلم ہندوستان کے ان مسائل کا حل آسان طور پر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ملک کو ایک یا زیادہ مسلم ریاستوں میں تقسیم کیا جائے جہاں پر مسلمانوں کی واضح اکثریت ہو۔ کیا آپ کی رائے میں اس مطالبہ کا وقت نہیں آ پہنچا؟ شاید جواہر لال کی بے دین اشتراکیت کا آپ کے پاس یہ ایک بہترین جواب ہے۔ بہرحال میں نے اپنے

خیالات پیش کر دیے ہیں۔ اس امید پر کہ آپ اپنے خطبہ یا مسلم لیگ کے آئندہ اجلاس کے مباحث میں ان پر سنجیدگی سے توجہ دیں گے، مسلم ہندوستان کو امید ہے کہ اس نازک دور میں آپ کی فراست موجودہ مشکلات کا کوئی حل تجویز کر سکے گی۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

مکرر آنکہ! اس خط کے موضوع پر میرا ارادہ تھا کہ آپ کے نام اخبارات میں کھلا خط شائع کراؤں، مگر غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ موجودہ وقت ایسے اقدام کے لیے موزوں نہیں۔

لاہور

21 جون 1937ء

محترم جناح صاحب!

کل آپ کا نوازش نامہ ملا، بہت بہت شکریہ! میں جانتا ہوں کہ آپ بہت مصروف آدمی ہیں، مگر مجھے توقع ہے کہ میرے بار بار خط لکھنے کو آپ بارِ خاطر نہ خیال کریں گے۔ اس وقت جو طوفان شمال مغربی ہندوستان اور شاید پورے ہندوستان میں برپا ہونے والا ہے۔ اس میں صرف آپ کی ہی ذات گرامی سے قوم محفوظ رہنمائی کی توقع کا حق رکھتی ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ ہم فی الحقیقت خانہ جنگی کی حالت ہی میں ہیں، اگر فوج اور پولیس نہ ہو تو (خانہ جنگی) دیکھتے ہی دیکھتے پھیل جائے۔ گزشتہ چند ماہ سے ہندو مسلم فسادات کا ایک سلسلہ قائم ہو چکا ہے، صرف شمال مغربی ہندوستان میں گزشتہ تین ماہ میں کم از کم تین (فرقہ وارانہ) فسادات ہو چکے ہیں، اور کم از کم چار وارداتیں ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے توہین رسالت کی ہو چکی ہیں۔ ان چاروں مواقع پر رسول اللہ ﷺ کی اہانت کرنے والوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔ سندھ میں قرآن مجید کو نذر آتش کرنے کے واقعات بھی پیش آئے ہیں۔ میں نے تمام صورتِ حال کا اچھی طرح سے جائزہ لیا ہے، اور مجھے یقین ہے کہ ان حالات کے اسباب نہ مذہبی ہیں نہ اقتصادی بلکہ خالص سیاسی ہیں، یعنی مسلم اکثریتی صوبوں میں ہندوؤں اور سکھوں کا مقصد مسلمانوں پر خوف و ہراس طاری کرنا ہے۔ نیا دستور کچھ اس قسم کا ہے کہ مسلم اکثریتی صوبوں میں بھی مسلمانوں کو غیر مسلموں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم وزارتیں کوئی مناسب کارروائی نہیں کر سکیں، بلکہ انہیں خود مسلمانوں سے ناانصافی برتنا پڑتی ہے تاکہ وہ لوگ جن پر وزارت کا انحصار ہے خوش رہ سکیں اور ظاہر کیا جا سکے وزارت قطعی طور پر غیر جانبدار ہے، لہٰذا یہ واضح ہے کہ ہمارے پاس اس دستور کو رد کرنے کے خاص وجوہ موجود ہیں مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیا دستور ہندوؤں کی خوشنودی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ ہندو اکثریتی صوبوں میں ہندوؤں کو قطعی اکثریت حاصل ہے، اور وہ مسلمانوں کو بالکل نظرانداز کر سکتے ہیں مسلم اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کو کاملاً ہندوؤں پر انحصار کرنے کے لیے مجبور کر دیا گیا ہے میرے ذہن میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ یہ دستور ہندوستانی مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کے لیے بنایا گیا ہے علاوہ ازیں یہ اقتصادی مسئلہ کا بھی حل نہیں ہے۔ جو مسلمانوں کے لیے بہت زیادہ جانکاہ بن چکا ہے۔

کمیونل ایوارڈ ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی وجود کو صرف تسلیم کرتا ہے، لیکن کسی قوم کے سیاسی وجود کا ایسا اعتراف جو اس کی اقتصادی پسماندگی کا کوئی حل تجویز نہ کرتا ہو اور نہ کر سکے اس کے لیے بے سود ہے۔ کانگریس کے صدر نے تو غیر مبہم الفاظ میں مسلمانوں کے (جداگانہ) سیاسی وجود سے ہی انکار کر دیا ہے۔ ہندوؤں کی دوسری جماعت یعنی مہاسبھا نے جسے میں ہندو عوام کا حقیقی نمائندہ سمجھتا ہوں بارہا اعلان کیا ہے کہ ہندوستان میں ایک متحدہ ہندو مسلم قوم کا وجود ناممکن ہے ان حالات کے پیش نظر بدیہی حل یہ ہے کہ ہندوستان میں قیامِ

امن کے لیے ملک کی از سرِ نو تقسیم کی جائے جس کی بنیاد نسلی، مذہبی اور لسانی اشتراک پر ہو۔ بہت سے برطانوی مدبرین بھی ایسا ہی محسوس کرتے ہیں، اور اس دستور کے جلو میں جو ہندو مسلم فسادات چلے آ رہے ہیں۔ وہ ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں کہ ملک کی حقیقی صورتِ حال کیا ہے مجھے یاد ہے کہ انگلستان سے روانگی سے قبل لارڈ لوتھیان نے مجھے کہا تھا کہ میری سکیم میں ہندوستان کے مصائب کا واحد ممکن حل ہے، لیکن اس پر عملدرآمد کے لیے 25 سال درکار ہیں۔ پنجاب کے کچھ مسلمان شمال مغربی ہندوستان میں مسلم کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پیش کر رہے ہیں، اور یہ تجویز تیزی سے مقبولیت اختیار کر رہی ہے۔ مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ ہماری قوم ابھی اتنی زیادہ منظم نہیں ہوئی اور نہ ہی ان میں اتنا نظم وضبط ہے، اور شاید ایسی کانفرنس کے انعقاد کا ابھی موزوں وقت بھی نہیں لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کو اپنے خطبہ میں کم از کم اس طریق عمل کی طرف اشارہ ضرور کر دینا چاہیے جو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو بالآخر اختیار کرنا پڑے گا۔

میرے خیال میں تو نئے دستور میں ہندوستان بھر کو ایک ہی وفاق میں مربوط رکھنے کی تجویز بالکل بے کار ہے مسلم صوبوں کے ایک جداگانہ وفاق کا قیام اسی طریق پر جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے صرف واحد راستہ ہے جس سے ہندوستان میں امن وامان قائم ہوگا، اور مسلمانوں کو غیر مسلموں کے غلبہ وتسلط سے بچایا جا سکے گا، کیوں نہ شمال مغربی ہندوستان اور بنگال کے مسلمانوں کو علیحدہ اقوام تصور کیا جائے جنہیں ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان کی دوسری اقوام کی طرح حق خود اختیاری حاصل ہو ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ شمال مغربی ہندوستان اور بنگال کے مسلمانوں کو فی الحال مسلم اقلیت کے صوبوں کو نظرانداز کر دینا چاہیے۔ مسلم اکثریت اور مسلم اقلیت کے صوبوں کا بہترین مفاد اسی طریق کو اختیار کرنے میں ہے۔

اس لیے مسلم لیگ کا آئندہ اجلاس کسی مسلم اقلیت کے صوبہ کی بجائے پنجاب میں منعقد کرنا بہتر ہوگا۔ لاہور میں اگست کا مہینہ تکلیف دہ ہوتا ہے میرے خیال میں آپ لاہور میں وسط اکتوبر میں جب موسم خوشگوار ہو جاتا ہے مسلم لیگ کے اجلاس کے انعقاد کے بارے میں غور فرمائیں۔ پنجاب میں آل انڈیا مسلم لیگ سے دلچسپی بہت تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے، اور لاہور میں مسلم لیگ کے آئندہ اجلاس کا انعقاد پنجاب کے مسلمانوں میں ایک نئی سیاسی بیداری کا باعث ہوگا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال، بارایٹ لاء

لاہور

11 اگست 1937ء

محترم جناح صاحب!

واقعات نے بالکل ثابت کر دیا ہے کہ مسلم لیگ کو اپنی تمام تر سرگرمیاں شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں پر مرکوز کر دینی چاہئیں۔ مسلم لیگ کے دہلی دفتر نے مسٹر غلام رسول کو مطلع کیا ہے کہ مسلم لیگ کے اجلاس کی تاریخ تاحال طے نہیں ہوئی۔

اندریں حالات مجھے اندیشہ ہے کہ اگست اور ستمبر میں اجلاس نہیں ہو سکے گا، لہٰذا میں مکرر درخواست کرتا ہوں کہ مسلم لیگ کا اجلاس اکتوبر کے وسط یا آخر میں لاہور میں منعقد کیا جائے۔ پنجاب میں مسلم لیگ کے لیے جوش وخروش برابر بڑھ رہا ہے، اور مجھے قوی امید ہے کہ لاہور میں اس کا اجلاس مسلم لیگ کی تاریخ میں ایک انقلاب آفریں باب اور عوام سے رابطہ استوار کرنے کے لیے ایک اہم ذریعہ ثابت ہوگا۔ براہِ کرام! جواب میں چند سطریں لکھیے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال، بارایٹ لاء

میو روڈ لاہور

13 اگست 1937ء

محترم جناح صاحب!

جیسا کہ کل میں نے آپ کو لکھا کہ پنجاب میں مسلم لیگ کے لیے جوش وخروش تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے پنجاب کے مختلف شہروں میں پنجاب صوبائی مسلم لیگ کے (باقاعدہ) آغاز کار کے بغیر لیگ کی تقریباً 20 شاخیں قائم ہوگئی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر پنجاب مسلم لیگ کے کچھ عہدیدار صوبے کا دورہ کر سکیں تو وہ نہ صرف رقم اکٹھی کر سکیں گے بلکہ پنجاب کے عام مسلمانوں کی آنکھیں اس صورت حال کے بارے میں جو خوش قسمتی سے خود ہی مسلمانوں کے بارے میں کانگریس کے رویے سے بیدار ہو چکی ہیں کھول دیں گے۔ اگرچہ بدقسمتی سے صوبائی لیگ اس قسم کے دورے کے لیے ابتدائی اخراجات کے رقم کے فقدان کی وجہ سے بڑی دشواری میں ہے، کیا آپ مرکزی فنڈ سے تقریباً 1500 روپے عطیہ دے سکیں گے؟ مجھے امید ہے کہ ہمارے آدمی کافی رقم اکٹھی کر لیں گے جس سے ہم آپ سے مستعار لی ہوئی رقم واپس کر سکیں گے اگر آپ اپنی اولین فرصت میں ایسا کر سکیں تو ہم بڑے ممنون ہوں گے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

لاہور (بصیغۂ راز)

17 اکتوبر 1937ء

محترم جناح صاحب!

مسلم لیگ کے لکھنؤ اجلاس میں پنجاب سے خاصی تعداد کی شرکت کی توقع ہے۔ یونینسٹ مسلمان بھی سر سکندر حیات کی قیادت میں شرکت کے لیے تیاریاں کر رہے ہیں۔ آج کل ہم ایک پرآشوب دور سے گزر رہے ہیں، اور ہندوستانی مسلمان امید کرتے ہیں کہ آپ اپنے خطبہ میں جملہ امور میں جن کا تعلق قوم کے مستقبل سے ہے، ان کی کامل اور واضح ترین راہنمائی فرمائیں گے۔ میری تجویز ہے کہ مسلم لیگ ایک مناسب قرارداد کی صورت میں کمیونل ایوارڈ سے متعلق اپنی پالیسی کا اعلان یا مکرر وضاحت کر دے۔ پنجاب اور معلوم ہوا کہ سندھ میں بھی بعض فریب خوردہ مسلمان اس فیصلہ کو اس طرح تبدیل کرنے کے لیے تیار ہیں کہ ہندوؤں کو خوش کر کے وہ اپنا اقتدار بحال کر سکیں ذاتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ برطانوی حکومت ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتی ہے جو کمیونل ایوارڈ میں گڑبڑ کرانے کو خوش آمدید کہیں گے لہٰذا وہ (برطانوی حکومت) کوشش کر رہی ہے کہ اپنے مسلم ایجنٹوں کے ذریعے اس میں گڑبڑ کرائے۔

مسلم لیگ کی خالی نشستوں کے لیے میں 28 افراد کی فہرست تیار کروں گا۔ مسٹر غلام رسول آپ کو وہ فہرست دکھا دیں گے۔ مجھے امید ہے کہ یہ انتخاب پورے غور وخوض سے کیا جائے گا۔ ہمارے آدمی 13 تاریخ کو لاہور سے روانہ ہوں گے۔ مسئلہ فلسطین نے مسلمانوں کو مضطرب کر رکھا ہے مسلم لیگ کے مقاصد کے لیے عوام سے رابطہ پیدا کرنے کا ہمارے لیے یہ نادر موقع ہے، مجھے امید ہے کہ مسلم لیگ اس مسئلہ پر ایک زوردار قرارداد ہی منظور نہیں کرے گی بلکہ لیڈروں کی ایک غیر رسمی کانفرنس میں کوئی ایسا لائحہ عمل بھی تیار کیا جائے گا جس میں مسلمان عوام بڑی تعداد میں شامل ہو سکیں۔ اس سے مسلم لیگ کو مقبولیت حاصل ہوگی، اور شاید فلسطین کے عربوں کو فائدہ پہنچ جائے۔ ذاتی طور پر میں کسی ایسے امر کے لیے جس کا اثر ہندوستان اور اسلام دونوں پر پڑتا ہو جیل جانے کے لیے تیار ہوں، مشرق کے عین دروازہ پر ایک مغربی چھاؤنی کا قیام دونوں کے لیے پرخطر ہے۔

بہترین تمناؤں کے ساتھ

آپ کا مخلص

محمد اقبال، بارایٹ لاء

مکرر آنکہ: مسلم لیگ یہ قرارداد پاس کرے کہ کوئی صوبہ دوسری اقوام کے ساتھ کمیونل ایوارڈ سے متعلق کوئی سمجھوتہ کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ یہ ایک کل ہند مسئلہ ہے اور صرف مسلم لیگ ہی کو اس کا فیصلہ کرنا چاہیے ممکن ہے آپ ایک قدم آگے بڑھ کر کہیں کہ موجودہ فضا کسی فرقہ وارانہ سمجھوتہ کے لیے مناسب نہیں۔

لاہور (بصیغۂ راز)

30 اکتوبر 1937ء

محترم جناح صاحب!

امید ہے کہ آپ کے مطالعہ سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی منظور کردہ قرارداد گزر چکی ہوگی، آپ کے بروقت قدم نے صورت حال کو بچا لیا۔ ہم سب کانگریس کی قرارداد پر آپ کے تاثرات کے منتظر ہیں۔ ''ٹریبون'' لاہور نے پہلے ہی اس پر تنقید کی ہے، اور مجھے امید ہے کہ ہندوؤں کی رائے بھی بالعموم اس کے خلاف ہی ہوگی، لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اس کا اثر خواب آور نہ ہونا چاہیے ہمیں تنظیم کا کام پہلے سے زیادہ گرم جوشی کے ساتھ جاری رکھنا ہے، اور اس وقت تک دم نہیں لینا جب تک کہ پانچ صوبوں میں مسلم حکومتیں قائم نہیں ہو جاتیں۔ نیز بلوچستان میں بھی اصلاحات کا نفاذ نہیں ہو جاتا۔ سننے میں آیا ہے کہ یونینسٹ پارٹی کا ایک حصہ مسلم لیگ کے نصب العین پر دستخط کرنے کو تیار نہیں ابھی تک سر سکندر اور ان کی پارٹی نے اس پر دستخط نہیں کیے۔ مجھے آج صبح معلوم ہوا کہ وہ مسلم لیگ کے آئندہ اجلاس تک انتظار کریں گے۔ جیسا کہ خود ان میں سے ایک ممبر نے مجھے بتایا ہے کہ ان کا منشا صوبائی مسلم لیگ کی سرگرمیوں کو کمزور کرنا ہے۔ بہر حال میں چند روز میں آپ کو پورے کوائف سے مطلع کروں گا، اور پھر آپ کی رائے درکار ہوگی کہ ہم کس طرح کام جاری رکھیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ اجلاس لاہور سے پہلے کم از کم دو ہفتوں کے لیے آپ پنجاب کا دورہ کریں گے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال بار ایٹ لاء

لاہور (ضروری)

یکم نومبر 1937ء

محترم جناح صاحب!

سر سکندر حیات خاں اپنی پارٹی کے چند اراکین کے ہمراہ کل مجھے ملے۔ ہمارے درمیان دیر تک مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی کے باہمی اختلافات پر گفتگو ہوتی رہی۔ دونوں فریقوں کی طرف سے اخبارات کو بیانات جاری کر دیے گئے ہیں۔ ہر ایک فریق جناح سکندر معاہدہ کے بارے میں اپنی اپنی تاویل کرتا ہے۔ اس سے بہت زیادہ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے جیسا کہ میں نے پہلے آپ کو لکھا تھا کہ میں یہ سارے بیانات چند روز میں آپ کو ارسال کروں گا سر دست میری درخواست ہے کہ مجھے اس سمجھوتہ کی ایک نقل جس پر سر سکندر کے دستخط ہوں، اور جو میرے علم کے مطابق آپ کے پاس ہے جلد بھجوا دیجیے۔ آپ سے یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ آیا آپ صوبائی پارلیمانی بورڈ کو یونینسٹ پارٹی کے اختیار میں دینے پر رضا مند ہو گئے ہیں۔ سر سکندر کا مجھ سے یہ کہنا ہے کہ آپ اس پر راضی ہو گئے ہیں لہٰذا اس کا مطالبہ ہے کہ پارٹی کی بورڈ میں اکثریت ہونی چاہیے۔ جہاں تک میرا خیال ہے جناح سکندر معاہدہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

براہِ کرام اس خط کا جواب جلد از جلد عنایت کیجیے۔ ہمارے آدمی ملک کا دورہ کر رہے ہیں جو مختلف مقامات پر شاخیں قائم کر رہے ہیں۔ گزشتہ رات لاہور میں ہم نے ایک خاصا کامیاب جلسہ کیا ہے اب یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال بار ایٹ لاء

لاہور

10 نومبر 1937ء

محترم جناح صاحب!

سرسکندر اور ان کے احباب سے متعدد گفتگوؤں کے بعد اب میری قطعی رائے ہے کہ سرسکندر اس سے کم کسی چیز کے خواہشمند نہیں کہ مسلم لیگ اور صوبائی پارلیمانی بورڈ پر ان کا مکمل قبضہ ہو۔ آپ کے ساتھ ان کے معاہدہ میں یہ مذکور ہے کہ پارلیمانی بورڈ کی نئے سرے سے تشکیل کی جائے گی، اور اس میں یونینسٹ پارٹی کو اکثریت حاصل ہوگی۔ سرسکندر کہتے ہیں کہ آپ نے بورڈ میں ان کی اکثریت تسلیم کر لی ہے۔ میں نے پچھلے دنوں آپ سے خط لکھ کر دریافت کیا تھا کہ کیا واقعی آپ نے پارلیمانی بورڈ میں یونینسٹ اکثریت منظور کر لی ہے ابھی تک آپ نے مجھے اس بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی۔ ذاتی طور پر مجھے انہیں وہ کچھ دینے میں کچھ مضائقہ نظر نہیں آتا جس کے وہ خواہشمند ہیں لیکن جب وہ مسلم لیگ کے عہدیداروں میں مکمل ردو بدل کا مطالبہ کرتے ہیں تو منشائے معاہدہ سے تجاوز کر جاتے ہیں بالخصوص (سیکرٹری کی علیحدگی کا مطالبہ) حالانکہ انہوں نے مسلم لیگ کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ مسلم لیگ کی مالیات پر بھی ان ہی کے آدمیوں کا اختیار ہو۔ میرے خیال میں تو وہ اس طرح مسلم لیگ پر قبضہ کر کے اسے ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ صوبے کی رائے کی پوری جان پہچان رکھتے ہوئے میں مسلم لیگ کو سرسکندر اور اس کے احباب کے حوالے کر دینے کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ معاہدے کے باعث پنجاب مسلم لیگ کے وقار کو سخت نقصان پہنچا ہے اور یونینسٹوں کے ہتھکنڈے اسے اور بھی نقصان پہنچائیں گے۔ انہوں نے ابھی تک مسلم لیگ کے منشور پر دستخط نہیں کیے، اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ کرنا بھی نہیں چاہتے۔ لاہور میں مسلم لیگ کا اجلاس وہ فروری کی بجائے اپریل میں چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ صوبہ میں اپنی زمیندارہ لیگ کے قیام و استحکام کے لیے مہلت چاہتے ہیں۔ شاید آپ کو معلوم ہوگا کہ لکھنؤ سے واپسی پر سرسکندر نے ایک زمیندارہ لیگ قائم کی ہے، جس کی شاخیں اب صوبہ بھر میں قائم کی جا رہی ہیں۔ اندریں حالات براہِ کرم مجھے مطلع فرمایئے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے اگر ہو سکے تو بذریعہ تار اپنی رائے سے مطلع فرمایئے وگرنہ فوری ایک مفصل خط تحریر فرمایئے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال بار ایٹ لاء

علامہ اقبال کی طرف سے غلام رسول کے لکھے ہوئے خطوط بنام جناح۔

لاہور

8 نومبر 1937ء

محترم جناح صاحب!

آپ نے یکم نومبر 1937ء کو ڈاکٹر سر محمد اقبال کو خط بھیجا تھا اس کے پیش نظر انہوں نے مجھے ہدایت فرمائی ہے کہ آپ کو اطلاع دے دوں کہ

1. لکھنؤ میں آپ کے اور سرسکندر کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا وہ صوبے بھر میں شدید اختلافات کا سرچشمہ بنا ہوا ہے سرسکندر نے پنجاب واپس آتے ہی ایک بیان شائع کر دیا تھا کہ جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے سابقہ صورت حال ہنوز قائم اور بحال ہے، البتہ اس میں صرف یہ ترمیم کر دی گئی ہے کہ یونینسٹ پارٹی کے ان کے مسلم ارکان کو جو مسلم لیگ کے رکن نہیں مشورہ دیا جائے گا کہ اگر وہ پسند کریں تو مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ یہ شرط بھی لگا دی گئی ہے کہ آئندہ ضمنی انتخابات میں جو مسلم امیدوار لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہوں گے، انہیں یہ عہد کرنا ہوگا کہ کامیاب ہونے کے بعد وہ یونینسٹ پارٹی میں شامل ہو جائیں گے۔ اس کے عوض انتخابات

کی جنگ میں انہیں یونینسٹ پارٹی کی بھی امداد حاصل ہوگی۔

سر سکندر کی جماعت کے بعض دیگر ارکان نے بھی اسی قسم کے بیان شائع کیے ہیں کہ سکندر جناح پیکٹ کی رو سے پنجاب مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ یونینسٹ پارٹی کے قبضے میں چلا جائے گا۔

سر چھوٹو رام نے اپنے دستخط سے ایک بیان اخبارات کو جاری کیا ہے، جس میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آئندہ لیگ پارلیمانی بورڈ پر یونینسٹ کا قبضہ ہو جائے گا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پنجاب میں مسلم لیگ کی کوئی آزادانہ حیثیت باقی نہیں رہے گی، اور وہ یونینسٹ پارٹی کا ایک ماتحت ادارہ بن کر رہ جائے گی۔

یونینسٹ پارٹی کے ارکان کی ان تصریحات سے مسلمانانِ پنجاب میں زبردست ہیجان و اضطراب پیدا ہو گیا ہے، اور وہ سخت حیران ہیں کہ ایسا معاہدہ کس طرح کیا گیا ہے جس کے تحت لیگ کی مستقل حیثیت کالعدم ہو گئی ہے، اور وہ یونینسٹ پارٹی کی ایک ماتحت جماعت بن گئی ہے حالانکہ عوام کی نگاہ میں یونینسٹ پارٹی رجعت پسندوں کا ایک گروہ ہے۔ ان حالات کے پیش نظر میں نے پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے سیکرٹری کی حیثیت سے اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کے مشورے سے ایک بیان شائع کیا جس کا مقصد پنجاب مسلم لیگ کے متعلق جدید غلط فہمیوں کو دور کرنا تھا، چنانچہ میں نے محض سکندر جناح پیکٹ کی اہم شقوں کو نقل کر دیا اور دہرایا کہ اس معاہدے کی رو سے جو مسلم لیگ پارٹی معرضِ وجود میں آئے گی۔ وہ آل انڈیا مسلم لیگ مرکزی پارلیمانی بورڈ اور مسلم لیگ پراونشل بورڈ کے قواعد وضوابط کے تحت ہوگی۔ اسی ضمن میں ملک برکت علی ایم ایل اے نے بھی ایک بیان شائع کیا ہے۔ جس میں انہوں نے معاہدہ کی شرائط کو نقل کر کے واضح کر دیا ہے کہ مجلس قانون ساز کے اندر صرف مسلم لیگ پارٹی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ آل انڈیا مسلم لیگ بنیادی اصول اور لائحہ عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی دوسرے گروہ سے مل کر کولیشن بنائے یا کسی کولیشن کو قائم رکھے۔ ان ہر دو بیانات کی نقول ارسال خدمت ہیں۔ مسلمان عوام پر ان بیانات کا خوشگوار اثر ہوا ہے، لیکن یونینسٹ پارٹی کے مقتدر ارکان ان بیانات کی اشاعت کی وجہ سے برہم ہو گئے ہیں۔ روزنامہ ''ٹربیون'' نے ان بیانات پر جو تبصرہ کیا ہے وہ بھی ارسالِ خدمت ہے۔

◆ 22 اکتوبر 1937ء کو ڈاکٹر سر محمد اقبال کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے میں نے سر سکندر کی خدمت میں رکنیت کے نوے فارم بھیجے، اور یہ درخواست کی کہ اسمبلی کی یونینسٹ پارٹی کے مسلمان ممبروں سے ان پر دستخط کروائے جائیں کیونکہ ان ایام میں وائسرائے کی آمد کے سلسلے میں تمام ارکان لاہور میں موجود تھے، مگر اس وقت تک ایک فارم پر بھی دستخط نہیں ہوئے اور نہ کوئی فارم ہمیں واپس کیا گیا ہے۔ سچ پوچھئے تو خود میں نے اسمبلی کے بعض مسلم ارکان سے ان فارموں پر دستخط کرنے کو کہا تھا۔ ان میں سے بعض نے بڑی مسرت سے میری درخواست کو شرف قبولیت بھی بخشی، لیکن سر سکندر نے اسمبلی کے ارکان کو پیغام بھیج دیا کہ ان فارموں پر دستخط کرنے کو کہا تھا۔ ان میں سے بعض نے بڑی مسرت سے میری درخواست کو شرف قبولیت بھی بخشا، لیکن سر سکندر نے اسمبلی کے ارکان کو پیغام بھیج دیا کہ ان فارموں پر دستخط نہ کیے جائیں۔ یہ ہے ہماری موجودہ پوزیشن!

سر سکندر اور ان کے بعض دوست یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ مسلم لیگ موجودہ یونینسٹ پارٹی کے قبضہ اقتدار میں آ گئی ہے، اور سر سکندر جناح پیکٹ کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ پنجاب اسمبلی میں لیگ کا واحد نمائندہ مسلم لیگ بلاک کے وجود میں آنے کے بغیر بھی وزارتی پارٹی میں شامل ہو جائے گا، لہٰذا یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سکندر جناح پیکٹ سے آل انڈیا مسلم

لیگ کی شہرت کو سخت نقصان پہنچے گا۔ اگر اس کا تدارک نہ کیا گیا تو لیگ سے مسلمانانِ پنجاب کی تمام ہمدردی ختم ہو جائے گی۔ میں یہ بھی واضح کر دوں کہ اگر ہم یہ بیانات شائع نہ کرتے تو آل انڈیا مسلم لیگ کے وقار کو سخت ٹھوکر لگتی۔

❸ آپ کو یہ سن کر دلی مسرت ہوگی کہ پنجاب میں پراونشل مسلم لیگ کا ایک وفد (جس میں خان بہادر ملک زمان مہدی، ملک برکت علی، مسٹر عاشق حسین بٹالوی اور راقم الحروف کے علاوہ بعض دیگر ارکان بھی شامل ہیں) پنجاب کا دورہ کر کے مختلف مقامات پر بڑے بڑے جلسوں میں تقریریں کر رہا ہے۔ ان مقامات پر مسلمان عوام نے آل انڈیا مسلم لیگ اور پنجاب پراونشل مسلم لیگ سے جس خلوص اور عقیدت کا مظاہرہ کیا ہے وہ واقعی حیرت انگیز ہے۔ ہماری کوششوں سے اس وقت تک 34 شاخیں قائم ہو چکی ہیں، اور مزید شاخیں قائم ہو رہی ہیں، مگر چونکہ رمضان المبارک کا مہینہ قریب ہے۔ اس لیے ہم اپنا دورہ ملتوی کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ واضح کر دینا بھی مناسب ہے کہ سر سکندر کی پارٹی کے ایک رکن نے بھی ہمارا ساتھ نہیں دیا۔

❹ میر مقبول محمود نے ملک برکت علی کو سکندر جناح پیکٹ کی نقل مہیا نہیں کی۔ اس لیے اس کے متعلق آپ کو تار دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے بھی سر سکندر حیات کو پیغام بھیجا تھا کہ معاہدہ مذکورہ کی ایک نقل بھیج دیں۔ سر سکندر نے نقل بھیج دی ہے، مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ نقل اصل کے مطابق ہے یا کہ نہیں کیونکہ میر مقبول محمود نے مجھے بتایا ہے کہ 14 اکتوبر 1937ء کی رات کو گیارہ بجے جبکہ معاہدے کی تمام شرائط آپ کے کمرے میں طے ہو چکی تھیں۔ سر سکندر نے بعض ترمیمیں پیش کیں اور بالآخر وہ معاہدہ مرتب ہوا جس کی نقل ڈاکٹر محمد اقبال کو بہم پہنچائی گئی ہے، چونکہ ہمیں ان ترمیموں کا کوئی علم نہیں اس لیے میری درخواست ہے کہ آپ اس معاہدہ کی نقل جو کہ آپ کے پاس ہے۔ ایک نقل ہمیں ارسال فرما دیجیے۔ کیونکہ جب ملک برکت علی نے میر مقبول محمود سے یہ نقل مانگی تھی تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ مطلوبہ نقل آپ کو بھیج دی گئی ہے۔

❺ اب میں ان امور کی طرف آتا ہوں جن کے متعلق آپ نے ڈاکٹر سر محمد اقبال کا مشورہ طلب کیا ہے۔

① فروری 1938ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس خصوصی لاہور میں منعقد کرانے کے متعلق جہاں تک سر سکندر کی دعوت کا تعلق ہے۔ ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں، لیکن ہم اس وقت تک کوئی تجویز پیش کرنے کے قابل نہیں ہیں جب تک کہ اس قسم کا واضح اور غیر مبہم سمجھوتہ نہ ہو جائے کہ سر سکندر کی پارٹی کے مسلمان ارکان کسی مزید تاخیر کے بغیر مسلم لیگ کے حلف نامے اور قرطاس رکنیت پر دستخط کر دیں، اور اعلان کریں کہ اسمبلی کے اندر بھی ان کی جماعت مسلم لیگ پارٹی کہلائے گی جہاں تک صورت حال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سر سکندر حیات خاں کی طرف سے یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ اس پوزیشن کو قبول کرنے سے صاف بچ جائیں۔

② جہاں تک آرگنائزنگ کمیٹی کی تشکیل کا سوال ہے۔ ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ پراونشل مسلم لیگ اس وقت موجود ہے، اور ہم ہر ضلع، ہر تحصیل اور اکثر دیہات میں لیگ کی مقامی شاخیں قائم کر رہے ہیں۔ اس لیے پنجاب میں کسی آرگنائزنگ کمیٹی کی ضرورت نہیں۔

③ جہاں تک مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا تعلق ہے۔ ہماری یہ تجویز ہے کہ پنجاب کو پانچ نشستیں دی جائیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی درخواست ہے کہ وہ خرابی صحت کی بناء پر اس قابل نہیں ہیں کہ مجلس عاملہ کے جلسوں میں شرکت کر سکیں۔

اس لیے ان کی جگہ ملک زمان مہدی ڈپٹی پریذیڈنٹ پنجاب پراونشل مسلم لیگ کو لے لیا جائے۔ ملک برکت علی ورکنگ کمیٹی میں بدستور شامل رہیں، اور مسٹر غلام رسول خاں

بیرسٹرایٹ لاء کا نام بھی شامل کرلیا جائے۔ جہاں تک سرسکندر اورمیاں احمد یار خاں دولتانہ کا تعلق ہے۔ اس مسئلے کے حل کا انحصار بیشتر ان کے اس فیصلے پر ہے کہ وہ لیگ ٹکٹ پر دستخط کر دیں، اور کسی مزید تاخیر کے بغیر اسمبلی کے اندر مسلم لیگ پارٹی کے قیام کا اعلان کر دیں اگر وہ اس معاہدے پر عمل کریں تو یہ خیال رکھا جائے کہ ان کی نیابت کسی صورت میں موجودہ مسلم لیگ پارٹی کی نیابت سے تجاوز نہ کرنے پائے۔

آپ کا مخلص
غلام رسول
(برائے ڈاکٹر سر محمد اقبال)

17 فروری 1938ء
محترم جناح صاحب!

آپ کی گشتی چٹھی نمبر 566، مورخہ 12 فروری 1938ء کے جواب میں ڈاکٹر سر محمد اقبال نے مجھے یہ تحریر کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

❶ مذکورہ بالا گشتی چٹھی میں آپ نے جو ہدایات دی ہیں انہیں عملی جامہ پہنانے کے لیے مناسب اقدامات کیے جا رہے ہیں۔

❷ جہاں تک لیگ کے اجلاس خصوصی کا سوال ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ اجلاس لیگ کے نئے آئین کے مطابق کر رہے ہیں، مگر آپ کو اس امر کا پورا احساس ہوگا کہ اس خاص اجلاس میں جو مسئلہ زیر بحث آئے گا وہ بے حد اہم ہے، اور تمام مسلمانانِ ہند پر بالعموم اور مسلمانانِ پنجاب پر بالخصوص اثرانداز ہوگا۔ یہ امر اس بات کا متقاضی ہے کہ کھلے اجلاس میں اہلِ بصیرت مسلمانوں کی بڑی سے بڑی اکثریت اس پر بحث کرے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے آئین کی رو سے پنجاب سے 360 سے زیادہ مسلمان اس اجلاس میں شریک نہیں ہو سکتے، اور وہ بھی اس صورت میں کہ یہ تمام ممبر وہاں پہنچ جائیں۔ ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کے احساسات اسی طرح شدت سے مجروح ہوئے ہیں یا نہیں، لیکن اگر لیگ سول نافرمانی کا فیصلہ کرے تو مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس فیصلے کا انحصار ان ہی لوگوں پر رکھا جائے جن پر اس تحریک کو کامیابی کے ساتھ چلانے کا بوجھ ڈالا جائے گا۔

آپ جانتے ہیں کہ آئین جدید کی رو سے یہ امر ممکن نہیں اس لیے ہماری تجویز ہے کہ خاص اجلاس پرانے آئین ہی کے ماتحت 31 مارچ 1938ء سے پہلے منعقد کر لیا جائے، کیونکہ پرانے آئین کی رو سے ہر مسلمان ایک روپیہ ادا کر کے بحث میں حصہ لے سکتا ہے۔ اگر آپ کا خیال ہے کہ 31 مارچ بہت قریب ہے تو پھر ہماری یہ تجویز ہے کہ آپ نئے آئین کے نفاذ کو خاص اجلاس تک ملتوی کر دیں، اور یہ اجلاس 31 مارچ کے بعد مناسب تاریخوں میں منعقد کر لیا جائے۔ اگر یہ دونوں تجویزیں آپ کو منظور نہ ہوں تو پھر ہماری درخواست ہے کہ آپ خاص اجلاس کی بجائے ہندوستانی مسلمانوں کی ایک خاص کانفرنس منعقد کریں۔ جس میں ہر بالغ مسلمان کو شامل ہونے کی اجازت ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ کانفرنس بھی لیگ کے زیراہتمام اور آپ ہی کے زیرصدارت منعقد ہوگی۔

آپ کا مخلص
غلام رسول
آنریری سیکرٹری پنجاب پراونشل مسلم لیگ
(برائے ڈاکٹر سر محمد اقبال)

7 مارچ 1938ء
محترم جناح صاحب!

مجھے ڈاکٹر سر محمد اقبال کی طرف سے ذیل کا خط لکھنے کی ہدایت ہوئی ہے۔ آپ کا خط ڈاکٹر صاحب موصوف کو 4 مارچ 1938ء کو ملا۔ ان کی صحت کی خرابی ہم سب نیازمندوں کے

لیے وجہ اضطراب بنی ہوئی ہے، اور وہ خود آپ کو خط لکھنے سے معذور ہیں۔ آپ کے خط کے جواب میں ان کا ارشاد یہ ہے۔

کل پنجاب پراونشل مسلم لیگ کا ایک عام اجلاس لاہور میں منعقد ہوا، جس میں صوبے کے تمام اضلاع کے نمائندے شامل ہوئے، اور پراونشل مسلم لیگ کے ارکان کی ایک بڑی تعداد نے اس میں حصہ لیا۔ آپ نے سر محمد اقبال کو جو خط لکھا تھا وہ اس اجلاس میں پڑھا گیا اور اتفاقِ رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس خصوصی لاہور ہی میں منعقد ہو اور اس کے لیے ایک رسمی دعوت نامہ بھیج دیا جائے، لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ شہید گنج کے متعلق لیگ کا اجلاس خصوصی ایسٹر کی تعطیلات میں لاہور میں منعقد کرنے کے لیے اس خط ہی کو دعوت نامہ تصور کیا جائے۔

جہاں تک پنجاب کی صورتِ حال کا تعلق ہے سر محمد اقبال یہ کہنا چاہتے ہیں۔

◆ ۱ شہید گنج کے متعلق غالباً پریوی کونسل میں اپیل کی جائے گی لیکن لوگوں کو اس سے زیادہ دلچسپی نہیں کیوں کہ اس وقت وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ کسی برطانوی عدالت کی طرف رجوع بے سود ہے۔

◆ ۲ ملک برکت علی نے تحفظ مساجد کے متعلق پنجاب اسمبلی میں جو بل پیش کرنے کا نوٹس دیا ہے۔ مسلمانوں میں اس پر کافی جوش پھیلا ہوا ہے۔ اس وقت تک یونینسٹ پارٹی کے پچیس ارکان نے سر سکندر حیات کی ہدایات کے برعکس اخبارات میں اپنے اس عزم کا اعلان کر دیا ہے کہ وہ اس بل کی تائید کریں گے، اور اس بل کو انہوں نے اپنا بل بنا لیا ہے۔ نیز صوبے کے تمام ووٹر مناسب قراردادیں منظور کر کے اپنے اپنے نمائندوں سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ اس بل کی پوری حمایت کی جائے۔ اس لیے امید کی جاتی ہے کہ جب یہ بل منظوری کی غرض سے اسمبلی میں پیش ہو گا تو قانون بن جائے گا۔

◆ ۳ شہید گنج کی سول نافرمانی کی تحریک روز بروز زور پکڑ رہی ہے۔ عوام پرامن ہیں اور بے تابی سے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس خصوصی کے اہم فیصلوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب یہ فیصلہ ہو جائے گا تو پنجاب کے تقریباً تمام مسلم ادارے لیگ کی رہنمائی میں سرگرمِ عمل نظر آئیں گے۔ پنجاب پراونشل مسلم لیگ آپ کو یقین دلاتی ہے کہ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس خصوصی کے لیے تمام ضروری انتظامات کرنے کی ذمہ دار ہے۔

آپ کا مخلص
غلام رسول
آنریری سیکرٹری پنجاب پراونشل مسلم لیگ
(برائے ڈاکٹر سر محمد اقبال)

خطۂ زمین

قائداعظم محمد علی جناح یہ چاہتے تھے کہ مسلمانانِ ہند ایک قابلِ فخر قوم کی طرح سربلند ہو کر زندگی بسر کریں۔ ان کے پاس اپنا ایک خطۂ زمین ہو، اپنی ایک مملکت ہو، جہاں وہ آزادانہ زندگی بسر کر سکیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ایک خطاب میں اپنی اس خواہش اور تمنا کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

> ''ایک قوم کے لیے ایک وطن یا مملکت بھی لازم ہے۔ اپنے آپ کو ایک قوم قرار دینے سے کچھ حاصل نہ ہو گا، کوئی قوم ہوا میں نہیں بستی، وہ زمین پر زندگی بسر کرتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی زمین یا مملکت کی حاکم ہو۔ اس کے قبضے میں ایک خودمختار ریاست یا علاقہ ہونا چاہیے۔''

چودھری خلیق الزمان

1973 - 1889

آپ ضلع مرزا پور میں چنار (لکھنؤ) میں پیدا ہوئے۔ آپ اکابرین تحریک پاکستان میں سے تھے اور قرارداد لاہور کے تائید کنندہ تھے۔ آپ نے کئی تحریکوں میں حصہ لیا۔ آپ قائداعظم محمد علی جناح کے ایک معتمد ساتھی تھے۔ آپ نے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن اور جائنٹ سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی یو۔پی کے لیڈر بھی رہے۔ آپ نے مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی میں نہایت اہم اور وقیع خدمات دیں۔ قیام پاکستان کے بعد آپ پاکستان مسلم لیگ کے کنوینز مقرر کیے گئے۔ 1949ء میں اس کے صدر بنے آپ مشرقی پاکستان کے گورنر بھی رہے۔

خلیق الزماں، چودھری

آپ برصغیر کے صف اول کے سیاسی رہنما اور تحریکِ پاکستان کے کارکن اور قائداعظم محمد علی جناح کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ اگرچہ آپ قائداعظم محمد علی جناح سے چھوٹے تھے تاہم ان دونوں کا یومِ پیدائش 25 دسمبر تھا۔ 1916ء میں لکھنؤ میں انہیں آل انڈیا مسلم لیگ کا جوائنٹ سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ انہوں نے 1944ء میں لاہور میں مسلم لیگ کے اجلاس کے انعقاد میں بھی مدد دی۔

چودھری خلیق الزماں 25 دسمبر 1889ء کو ضلع مرزاپور میں چنار (لکھنؤ) کے مقام پر پیدا ہوئے۔ تعلیم علی گڑھ میں مکمل کی۔ ڈاکٹر انصاری کی سرکردگی میں 1912ء میں جو طبی وفد ترکی بھیجا گیا تھا اس میں آپ بھی شامل تھے۔ تکمیل تعلیم کے بعد لکھنؤ میں وکالت کو بطور پیشہ اختیار کیا قومی اور اسلامی تحاریک میں ہمیشہ سرگرم رہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ میں بھی شریک رہے۔ اس کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ قیامِ پاکستان کے کچھ عرصہ بعد پاکستان آگئے اور پاکستان مسلم لیگ کے صدر رہے۔ 1953ء میں مشرقی بنگال (اب بنگلہ دیش) کے گورنر مقرر ہوئے، پھر انڈونیشیا اور فلپائن میں پاکستان کے سفیر رہے۔ انگریزی میں ایک کتاب پاتھ وے ٹو پاکستان "Path way to Pakistan" مرتب کی۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے سرگرم حامی تھے۔

آپ کا انتقال 18 مئی 1973ء کو ہوا۔

خلیق الزماں، جناح مراسلت

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ
مالابارہل، بمبئی
11 جنوری 1940ء

مجھے آپ کا 8 جنوری کا تحریر کردہ خط ملا۔ میں خوش ہوں کہ کانگریس کے غیر معقول رویہ کو جس کا اظہار پنڈت جواہر لال نہرو اور میری حالیہ خط و کتابت سے ہوتا ہے۔ آپ ناپسند کرتے ہیں۔ بہرحال ہم کو حالات کا جہاں تک ممکن ہو مقابلہ کرنا پڑے گا۔

اناطولیہ کے زلزلے سے متاثرہ مسلمانوں کے لیے امدادی فنڈ جمع کرنے کے لیے میں آپ کی اپیل کے سوال پر غور کر رہا ہوں، اور مجھے امید ہے کہ چند دن کے اندر کوئی فیصلہ کرلوں گا۔ وقت یہ ہے کہ فنڈ جمع کرنے کی ذمہ داری کس پر ڈالی جائے، ورنہ میں خلوصِ دل سے ترک عوام کو ہر طرح امداد دینے کے حق میں ہوں۔

آپ کے خط کے آخری حصے میں متذکرہ امر کے بارے میں جو وائسرائے سے میری خط و کتابت سے متعلق ہے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کی اشاعت سے قبل اس کو ورکنگ کمیٹی میں پیش کیا جائے، اور میں نے نواب زادہ لیاقت علی خان کو لکھا ہے کہ وہ اگر ممکن ہو تو اس ماہ کے آخر میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کریں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس میٹنگ میں بطور خاص شرکت کریں گے۔

آپ کا مخلص
ایم اے جناح

لکھنؤ
9 جولائی 1940ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح!

کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کی قرارداد ہمارے کچھ دوستوں کو اس بات پر متفق کر دے گی کہ یہ لیگ نہیں بلکہ برطانوی حکومت ہے، جو ہندوستان اور حکومت کے درمیان مکمل تعاون کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ مکمل آزادی کے مطالبے نے اس امر کو بھی بالکل واضح کر دیا ہے کہ یہ اختلافات محض ہندو اور

مسلمانوں کے درمیان نہیں بلکہ اختلاف برطانوی حکومت اور کانگریس کے درمیان بھی ہے۔ جس نے ایک طرف جہاں برطانوی حکومت اور کانگریس کے درمیان تعاون کو، وہاں دوسری طرف کانگریس اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو ناممکن بنا دیا ہے۔ پنجاب اور بنگال کے وزراء اعلیٰ کے حالیہ رویہ نے چاہے اس کے پس منظر میں کچھ ہی وجوہات ہوں ہماری یکجہتی کو قابلِ غور حد تک متاثر کیا ہے، لیکن میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کی حالیہ قرارداد کے بعد دونوں اس بات کو محسوس کریں گے کہ مرکزی پارٹیوں کو قریب لانے کے سلسلے میں ان کی کوشش ناکامی کی طرف مائل ہیں، کیونکہ کانگریس اپنے مطالبات پر حالت جنگ کے دوران بھی نظر ثانی کے لیے تیار نہیں۔ ہم کو اب بالآخر اپنے لیے ایک حتمی لائحہ عمل طے کرنا پڑے گا۔ لیگ کی پچھلی قرارداد میں تمام اور مکمل ہدایات موجود نہیں جس کے نتیجے میں لیگ کی ضلعی شاخیں متعدد سوالات پوچھ رہی ہیں، اور ہم کو نہیں معلوم کہ ان کو کیا جواب دیا جائے۔ مثال کے طور پر کچھ لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آیا وہ جنگ کے فنڈ میں عطیات دیں یا نہ دیں۔ صوبہ میں یہ صورت حال پیدا ہوگئی ہے کہ مقامی اہل کار زمینداروں سے تقاضا کر رہے ہیں کہ جنگی مقاصد کے لیے قائم کیے جانے والے فنڈ میں عطیات دیں، بعض واقعات میں یہ ہوا ہے کہ مقامی اہل کار اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ ان کو ارسال کی جانے والی ریونیو کی رقم میں سے وہ جنگی مقاصد کے فنڈ کے لیے رقم منہا کر لیتے ہیں۔ لازمی امر ہے کہ اس صورت حال میں ہم مسلم لیگیوں کو یہ ہدایت دیں گے کہ وہ فنڈ میں بالواسطہ یا بلاواسطہ عطیات دینے سے گریز کریں، لیکن ایسا کرنے سے قبل میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہتر ہوگا کہ آپ آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کریں۔ جس میں ان سوالات پر غور کیا جا سکے۔ اس ضمن میں میرا خیال ہے کہ اگر ہم اپنی قرارداد کو منطقی حد تک رکھیں گے تو یہ ہم کو حکومت کے ساتھ ایک کھلے تنازعے سے دوچار کر دے گی، چنانچہ اس طرح ہم جنگ کے ضمن میں اپنے رویے کو آخری شکل دے سکیں گے۔

آپ کا مخلص
خلیق

لکھنؤ

7/اگست 1940ء

ڈیئر مسٹر جناح!

راجا غضنفر علی خان چند دن سے یہاں تھے، اور ہم میں سے کچھ لوگوں سے انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس طلب کرنے کے سلسلے میں حمایت حاصل کرنے کے خیالات سے ملاقات کی۔ وہ گزشتہ روز الٰہ آباد روانہ ہو گئے، اور اس ماہ کی دس تاریخ کو آپ سے ملاقات کریں گے، ان سے مذاکرات کے دوران میں نے ان سے کہا کہ پالیسی سے متعلق سنجیدہ نوعیت کے امور پر کونسل کے اجلاس میں جو ایک گروپ کی حمایت سے طلب کیا گیا ہو۔ مسلم مفادات کے لیے بہت ضرررساں ثابت ہوگا۔ ایسے اجلاس میں کیا جانے والا ہر فیصلہ اکثریت کا فیصلہ ہوگا، اور اس کو اقلیت پارٹی کے فیصلہ پر محمول کرے گی، اور اس سے ہماری صفوں میں انتشار پیدا ہو سکتا ہے، چنانچہ میں نے ان کو خلوص کے ساتھ مشورہ دیا کہ وہ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس تک انتظار کریں جہاں ان تمام سوالات پر جو ان افراد کے ذہنوں میں پیدا ہو رہے ہیں، جو گزشتہ قرارداد بمبئی سے مطمئن نہیں ہیں۔ ٹھنڈے دل سے گفتگو کی جا سکے۔ انہوں نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ جو لوگ آل انڈیا کونسل کا اجلاس طلب کرنا چاہتے ہیں ان کا بنیادی مقصد جنگ کے سلسلے میں ایک موجودہ پالیسی خصوصاً اکثریتی صوبوں میں جہاں وزراء کو ان کے عہدوں پر برقرار رہنے کی اجازت دی گئی ہے، اور لیگ کے دیگر ارکان سے کہا

گیا ہے کہ ان کو اپنی حمایت سے محروم کر دیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ یہ سوال ورکنگ کمیٹی میں اٹھایا گیا، اور اس پر گفتگو بھی ہوئی اور ایک قرارداد بغیر کسی اختلاف کے منظور کر لی گئی، حتیٰ کہ سر سکندر حیات خاں بھی اس پر رضامند ہو گئے بلاشبہ ہر شخص کا خیال تھا کہ لیگ اور وائسرائے کے مابین ہونے والے مذاکرات پندرہ بیس دن میں کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کوئی رکاوٹ موجود ہے، اور مذاکرات زیادہ عرصہ لیں گے۔ اس کے بعد انہوں نے (راجا غضنفر علی خان) نے ایک قرارداد دکھائی جو لیگ کی کونسل کے اجلاس میں جو ان کی پارٹی کے ایما پر اگر طلب کیا جاتا پیش کی جاتی۔ قرارداد کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اسے کسی ایسے شخص نے تحریر کیا ہے جو ہم جیسے اس انتہا پر رہنے والے غربا سے زیادہ معاملات سے واقفیت رکھتا ہے۔ اس میں کہا گیا تھا کہ صرف لیگ کے نمائندوں کے دفاتر کے سوال کے سوا تعاون کے طریقہ کار کے ضمن میں عملی طور پر لیگ اور برطانوی حکومت کے مابین تمام اہم سوالات طے ہو چکے ہیں۔ قرارداد میں ہزایکسی لینسی وائسرائے کو مسلم لیگیوں کے درمیان سے کسی بھی شخص کے تقرر کا مکمل مجاز قرار دینے کی تجویز بھی رکھی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کا مطالبہ وائسرائے کی جانب سے کیا جائے تو وہ نہایت بے ہودہ اور مضحکہ خیز ہوگا۔ کوئی بھی لیگ کی طرف سے وائسرائے یا صوبائی گورنروں کو یہ اختیار نہیں دے سکتا۔ میں خود مشکوک ہوں کہ آیا واقعی وائسرائے نے ایسی کسی خواہش کا آپ سے اظہار کیا ہے، اور اگر اس نے یہ عام اختیار طلب کیا ہے تو یقیناً مسلم لیگ اس کو بلا کم و کاست مسترد کر دے گی۔ بہر حال یہ ہوسکتا ہے کہ مسئلہ کا کوئی حل تلاش کیا جائے۔ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کے مفاد میں حکومت سے تعاون ناگزیر ہے، اور آپ کے اور ہزایکسی لینسی وائسرائے کے درمیان نمائندگی کے پیمانے پیشگی طے ہو چکے ہیں۔

تیسری قرارداد میں پانچ ارکان پر مشتمل ایک سب کمیٹی کے قیام کی تجویز رکھی گئی تھی، جو فرقہ وارانہ مسائل پر دیگر پارٹیوں سے جب اور جیسے اسے ضرورت محسوس ہو مذاکرات کرے۔ یہ سب سے حیرت ناک تھی۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے آج کل کوئی بھی فرقہ وارانہ تصفیہ کی بات نہیں کر رہا ہے، لیکن قرارداد میں ہم سے کہا گیا کہ ہم اپنے راستے سے ہٹ کر ایک کمیٹی قائم کر کے دیگر پارٹیوں سے گفتگو کریں اگر وہ ہم پر رحم کھاتے ہوئے گفتگو پر آمادہ ہو جائیں۔ اس قرارداد میں جو تصور پیش کیا گیا اس کا بین السطور مقصد آپ کے خلاف غم و غصہ کا اظہار ہے نہ کہ ایک کمیٹی کا قیام۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس قسم کے وفود بنگال اور دیگر صوبوں میں بھی گئے ہیں میں نہیں جانتا کہ ان کی کونسل کے اجلاس میں کیا تعداد ہوگی، لیکن اس قسم کا اجلاس طلب کرنے کا خیال میرے نزدیک مکروہ فعل ہے۔ میرے خیال میں یہ سوال ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں زیر بحث آنا چاہیے، اور اگر وہاں بھی کوئی حل دریافت نہ ہو سکے تو جو لوگ ابھی تک مطمئن نہ ہوں وہ کونسل کا اجلاس بلانے کی تحریک کریں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ جس قدر جلد ممکن ہو ورکنگ کمیٹی کا اجلاس منعقد کریں تا کہ صورت حال پر غور کیا جا سکے۔ میں نے آپ کو ایک خط 9 جولائی کو تحریر کیا تھا جس کی ایک کاپی منسلک کر رہا ہوں، لیکن ابھی تک مجھے جواب موصول نہیں ہوا ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ شاید یہ خط آپ تک نہیں پہنچ سکا وگرنہ مجھے جواب ضرور ملتا۔ اس خط میں بھی میں نے آپ کو ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے بارے میں التماس کیا تھا۔ نہایت اہمیت کے حامل کچھ ایسے سوالات ہیں جن پر ہم کو صوبوں میں جنگی فنڈ بالواسطہ یا بلاواسطہ عطیات دینے والوں کے خلاف کارروائی کرنے سے پیشتر غور کرنا پڑے گا۔ جہاں تک یو پی کا تعلق ہے صرف چند مسلم لیگیوں نے جنگی کمیٹیوں میں شمولیت اختیار کی

ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ جن افراد نے جنگی فنڈ میں بخوشی یا جبری طور پر عطیات دیے ہیں۔ ان کی تعداد سینکڑوں میں ہوگی۔ اگر ہماری گزشتہ قرارداد ان افراد کا احاطہ بھی کرتی ہے تو ہم کو ان کے خلاف کارروائی کرنا ہوگی۔ نتائج کچھ اور ہوں گزشتہ روز کانپور مسلم لیگ کے چند ارکان جو میونسپل بورڈ کے بھی رکن ہیں۔ مجھ سے یہ مشورہ طلب کرنے آئے تھے کہ جب میونسپل بورڈ کی جانب سے جنگی فنڈ میں عطیات دینے کا سوال زیر بحث آئے تو ان کو کیا کرنا چاہیے۔ کانگریس اس قرارداد کی مخالفت کے لیے تیار ہیں۔ اگر مسلم لیگ اس تحریک میں ان سے تعاون کرے میں نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ غیر جانب دار رہیں، اگر چہ میں یہ نہیں جانتا کہ میں نے کس حد تک ان کو صحیح مشورہ دیا کیوں کہ واضح ہدایات کی غیر موجودگی میں اس قسم کی مشکلات آئے دن تجربے میں آ رہی ہیں۔

آپ کا مخلص
خلیق

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ
مالابار ہل۔ بمبئی
9 اگست 1940ء
ڈیئر خلیق الزماں!

مجھے آپ کے 9 جولائی اور 7 اگست کے تحریر کردہ دونوں خطوط ملے، اور ان اطلاعات کے بارے میں جو آپ نے مجھے فراہم کی ہیں۔ میں بہت مشکور ہوں۔ میں آپ کے 9 جولائی کے خط کا جواب نہیں دے سکا کیونکہ میں بیمار تھا۔ اس کے علاوہ بہت اہم نوعیت کے واقعات بڑی تیزی سے رونما ہوتے رہے۔ جس کی بنا پر خاصا مصروف رہا۔ آپ کو غالباً اب تک 17 اگست کو بمبئی میں منعقد ہونے والے ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کی اطلاع مل گئی ہوگی۔

جہاں تک پنجاب میں کچھ افراد کی سازشوں کا تعلق ہے میں ان اطلاعات پر آپ کا مشکور ہوں، جب بھی آپ بمبئی تشریف لائیں گے میں تمام معاملات آپ کے سامنے رکھ دوں گا۔ وہ مختلف نکات جو آپ نے تجویز کیے ہیں ان پر خصوصی توجہ دے رہا ہوں، اور ان پر بمبئی میں بوقت ملاقات گفتگو ہوگی، جیسا کہ مجھے امید ہے کہ آپ اس اہم اجلاس میں بغیر کسی عذر کے شرکت کریں گے۔

آپ کا مخلص
ایم اے جناح

خواتین

قائداعظم محمد علی جناح خواتین کا بے حد احترام کرتے تھے، اور انہیں وہ حقوق دلانے کے متمنی تھے جو انہیں اسلام نے دیے ہیں۔ اس کا اندازہ قائداعظم محمد علی جناح کے ان تقریری اقتباسات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں 25 فروری 1938ء میں اپنے خطاب میں فرمایا:

1. ''لیگ نے مسلمانوں کو ان کے رجعت پسند عناصر سے رہائی دلائی ہے، اور ایسی رائے تخلیق کر دی ہے کہ وہ لوگ جو خودغرضی سے اپنی ذاتی اغراض کے پیچھے پڑے ہوئے تھے، قومی غدار ہیں۔ لیگ نے آپ کو مولویوں اور ملاؤں کے ناکارہ عناصر سے بھی رہا کرا دیا ہے۔ مولوی کی جانب من حیث الجماعت اشارہ نہیں کر رہا، ان میں بعض مخلص ہیں مگر ان کا ایک طبقہ برا ہے۔ میں نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ برطانوی حکومت، کانگریس، رجعت پسند مسلمان اور مولوی، ملا چاروں سے رہائی پانے کے بعد اب آپ فرقۂ اناث کو قید و بند سے چھڑائیں۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ ہم اہلِ مغرب کی نقالی کریں

اور بے ہودگیاں اور خرابیاں اختیار کریں۔ ہرگز نہیں، میرا مقصد یہ ہے کہ ہماری مستورات ہماری زندگی میں نہ صرف معاشرتی بلکہ سیاسی لحاظ سے بھی حصہ لیں۔''

17 اپریل 1946ء کو مسلم کنونشن دہلی سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

◆ ''خوشی کی بات ہے کہ مسلمان خواتین میں بھی انقلابی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ یہ تبدیلی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ دنیا میں کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک اس قوم کے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی آگے نہ بڑھیں۔''

6 فروری 1948ء کو مسلم لیگ کے شعبۂ خواتین سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

◆ ''آپ کے پاس اس سے بھی بڑی کامیابی کی کنجی ہے، وہ کنجی ہے آپ کی آئندہ نسل، اپنے بچوں کی اس طرح تربیت کیجیے کہ وہ پاکستان کے قابلِ فخر شہری اور موزوں سپاہی بن سکیں۔ آپ نے پاکستان کے لیے بہت سی قربانیاں دی ہیں، اس پاکستان کے لیے جسے اب ساری دنیا ایک مسلمہ حقیقت تسلیم کر چکی ہے۔ بس ایک قدم اور آگے بڑھانا ہے وہ وقت دور نہیں جب ساری دنیا کی قومیں پاکستان کی تعریف و توصیف کریں گی۔ انشاءاللہ۔

2 مارچ 1948ء کو ریڈیو پاکستان ڈھاکہ سے اپنے ایک خطاب میں قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

◆ ''قوم کی تعمیر اور اس کے استحکام کے عظیم کٹھن کام کے سلسلے میں خواتین کو انتہائی اہم کردار ادا کرنا ہے خواتین قوم کے نوجوانوں کے کردار کی معمار ہوتی ہیں جو مملکت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حقیقت رکھتے ہیں۔ یہ نہ کہا جائے کہ پاکستان کی خواتین پیچھے رہ گئیں یا اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر رہیں۔''

خواتین اور پیغمبر اسلام ﷺ

جناح اسلامیہ کالج برائے طالبات کے زیرِ اہتمام منعقدہ اجلاس میں خواتین سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے 22 نومبر 1942ء کو لاہور میں فرمایا:

''دنیا پر شفاف شیشے کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ ہند کے مسلمان ایک اقلیت نہیں ہیں بلکہ وہ ایک قوم ہیں، اور ایک قوم کی حیثیت سے وہ ان علاقوں میں جہاں ان کی عظیم اکثریت ہے، اپنی خودمختار ریاستیں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمان قوم مرکزی حکومت نہیں چاہتے کیونکہ کوئی ہندوستانی قوم موجود ہی نہیں ہے۔ ہمارے بعض ہم وطن ہماری راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں، لیکن وہ اپنی ریشہ دوانیوں میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔''

قائداعظم نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا:

''مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوئی ہے کہ یہ نہ صرف مسلمان مردوں نے بلکہ مسلم خواتین اور بچوں نے بھی تجویز پاکستان کو سمجھ لیا ہے۔ کوئی قوم اپنی خواتین کے تعاون کے بغیر ترقی نہیں کرسکتی۔ اگر مسلم خواتین نے اپنے مردوں کی اس طرح حمایت کی، جس طرح انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے میں کی تھی تو ہم جلد ہی اپنی منزل حاصل کرلیں گے۔''

(قائداعظم تقاریر و بیانات، اقبال احمد صدیقی)

خواتین اور قائداعظم

برصغیر کی سیاسی جدوجہد میں خواتین مردوں کے شانہ بشانہ

کام کررہی تھیں۔ اس سفر میں قائداعظم محمد علی جناح کا بے شمار خواتین سے باوقار سابقہ رہا، ان میں ان کی مداح بھی تھیں، ان کی سیاسی رفیق بھی تھیں اوران کی عزیز اور رشتہ دار بھی تھیں، ان میں وہ بھی تھیں جن سے قائداعظم محمد علی جناح کو محض سرِ راہ سابقہ رہا، اور یہ سب ان کی خوش طبعی سے متاثر ہوئیں، اور جیتے جی قائداعظم محمد علی جناح کی یادوں کو ان کی شاندار موہنی شخصیت کو فراموش نہ کرسکیں۔ ان میں رتی بائی بھی تھیں، جن کے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ تعلق خاطر کا آغاز ان کی سیاسی جرأتوں کے اعتراف میں ہوا، اور جنہیں ان کی بیگم بننے کا فخر نصیب ہوا۔

قائداعظم محمد علی جناح کو بھی اپنی بیگم کی سیرت اور صورت سے عشق تھا، رتی بائی کے مزاج پر بہت حد تک قائداعظم محمد علی جناح کی حاضر جوابی اور جودتِ طبع کا اثر تھا۔

رتی بائی ایک موقع پر وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ کے ہاں کسی دعوت میں شریک تھیں، وہاں باتوں باتوں میں لارڈ موصوف نے افسوس کا اظہار کیا:

''ہرچند مجھے شوق ہے کہ جرمنی جاؤں اور یہ ملک دیکھوں اور جرمن جانہیں سکتا۔''

رتی بائی نے دریافت کیا:

''آخر وہ کون سی وجہ ہوسکتی ہے، جس کی بنا پر آپ کا جرمن جانا ناممکنات میں سے ہے۔''

لارڈ ریڈنگ نے کہا:

''دراصل یہ اس لیے ہے کہ میں انگریز ہوں، اور جرمن قوم انگریزوں کو پسند نہیں کرتی۔ اس لیے انگریزوں کا داخلہ بھی جرمنی میں بند ہے۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح کی بیگم نے بڑی حاضر جوابی سے کہا:

''کمال ہے! پھر آپ لوگ ہندوستان کیسے آ گئے؟ یہاں بھی تو لوگ آپ کو پسند نہیں کرتے۔''

اور لارڈ ریڈنگ کندھے اچکا کر خاموش رہے۔

ایک خاتون قائداعظم محمد علی جناح کو اس وقت سے جانتی تھیں، جب وہ اٹھائیس سال کے نوجوان تھے، پرانے دنوں کی یاد تازہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''ہاں! ان میں بڑی کشش تھی، وہ کتنے خوش رو تھے، اور مجھے یقین ہے ان کو اپنی کشش کا احساس تھا، اور یہ معلوم تھا اس میں بڑی طاقت ہے، لیکن جب وہ کمرے میں داخل ہوتے تو عورتوں کے لیے ایک آدھ تعریفی کلمہ کہہ دیتے۔ مثلاً واہ! آپ کی ساڑھی کتنی خوبصورت ہے۔''

بیگم رعنا لیاقت علی خان کی بہن کی شادی رائے بہادر ایشور داس سوہنی کے بیٹے دیوی چند سوہنی سے ہوگئی، انہوں نے سرینگر میں قائداعظم محمد علی جناح اور مس فاطمہ جناح کو لیاقت علی خان اوران کی بیگم کے ہمراہ مدعو کیا۔

یہ لوگ قائداعظم محمد علی جناح سے پہلے بھی مل چکے تھے، اس دفعہ کے ڈنر میں قائداعظم محمد علی جناح سے کہا:

''آخر آپ بھی شادی کیوں نہیں کر لیتے؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے برجستہ فرمایا:

''لیاقت سے کہو وہ میرے لیے بھی کوئی رعنا ڈھونڈے۔''

ایک موقع پر لیڈی اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر وائسرائے ہاؤس میں بنائی جا رہی تھی۔ اس خیال سے کہ لیڈی موصوف درمیان میں ہوں گی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ازراہِ مزاح خاتونِ محترم کو مخاطب کرتے ہوئے بے ساختہ کہا:

''آپ تو دو کانٹوں کے درمیان پھول ہوں گی۔''

اس پر خوب قہقہہ لگا۔

اگست 1946ء میں جب مسلم لیگ نے ڈائریکٹ ایکشن

ڈے منانے کا اعلان کیا تو خورشید خانم نے فون پر قائداعظم محمد علی جناح سے کہا:

"سر! آپ ڈائریکٹ ایکشن ڈے کس بات پر کہہ رہے ہیں؟ کہیں ہمیں جیل تو نہیں جانا پڑے گا۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"ہاں۔"

خورشید خانم نے ازراہِ مزاح کہا:

"مگر وہاں تو کھٹمل ہمیں بہت کاٹیں گے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے ہنستے ہوئے کہا:

"کوئی حرج نہیں، اس سے تمہیں روحانی بلندی حاصل ہوگی۔"

1941ء میں بمبئی صوبہ مسلم لیگ کے پہلے اجلاس میں قاضی محمد عیسیٰ نے بڑی خوبصورت تقریر کی۔ دوسری نشست کا آغاز ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں اپنے پاس بلا کر فرمایا:

"آج تمہیں پھر تقریر کرنا ہوگی۔"

قاضی صاحب کہنے لگے:

"جناب میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا، اب کوئی نئی بات نہ کہہ سکوں گا۔"

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے ان کے سامنے ایک چٹ رکھ دی اور فرمایا:

"یہ خواتین کی طرف سے آئی ہے، وہ علیحدہ آپ کو سننا چاہتی ہیں۔ اب خواتین کی خاطر آپ کو کچھ تو کہنا چاہیے۔"

قاضی صاحب نے دوبارہ معذرت کرتے ہوئے کہا:

"سر میں کچھ نہ بول سکوں گا۔"

قائداعظم محمد علی جناح ہنستے ہوئے فرمانے لگے:

"بہت اچھا میں چٹ کی پشت پر لکھ کر اندر بھجوائے دیتا ہوں کہ جنہیں قاضی صاحب کی تقریر سننے کا شوق ہے وہ مدراس آجائیں۔"

قائداعظم محمد علی جناح خدوخال کے اعتبار سے بھی بے حد خوبصورت انسان تھے۔ لارڈ ویول نے ایک بار ان کے بارے میں کہا تھا:

"مسٹر جناح جیسا دلکش انسان میں نے شاید ہی کہیں دیکھا ہو۔ ان میں یونانی نقوش اور مشرقی دلآویزی پائی جاتی ہے۔"

مسز سروجنی نائیڈو نے بھی جو قائداعظم محمد علی جناح سے بے حد محبت کرتی تھیں۔ ان کی مخصوص نگاہوں کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے ہاتھ حد درجہ نفیس اور خوبصورت تھے۔ بمبئی کی ایک نوجوان خاتون کو ان کی انگلیوں سے عشق ہو گیا تھا۔ جس کا اظہار انہوں نے ایک بڑی عمر کی خاتون سے بھی کر دیا۔

اس بوڑھی خاتون نے یہ بات قائداعظم محمد علی جناح تک پہنچا دی۔ ایک موقع پر قائداعظم محمد علی جناح گھڑ دوڑ دیکھ رہے تھے۔ ان کی انگلیوں کے عشق میں مبتلا خاتون بھی کہیں قریب ہی بیٹھی ہوئی قائداعظم محمد علی جناح کی طرف تکے جا رہی تھی۔ آپ ساری صورتِ حال بھانپ کر اس خاتون کی طرف متوجہ ہوئے اور شرارتاً کہنے لگے:

"بی بی دیکھنا میری انگلیوں کو نظر نہ لگا دینا۔"

الحاجہ خورشید خانم قائداعظم محمد علی جناح کی ہمسایہ بھی تھیں، اور انہوں نے بمبئی میں زنانہ مسلم لیگ کے قیام کے لیے بہت کام بھی کیا تھا۔ وہ کہتی ہیں:

"جنگ عظیم دوم کے زمانہ میں جب پیٹرول کی راشننگ ہوئی تو میرے پاس رولز رائس گاڑی تھی، پیٹرول کی قلت کے پیش نظر میں نے دونشستوں والی بے بی آسٹن خریدی۔ ایک روز میں قائداعظم محمد علی

جناح کے گھر ماؤنٹ پلیزنٹ میں انہیں ملنے کے لیے آئی تو قائداعظم محمد علی جناح نے گاڑی دیکھتے ہی فرمایا:

''واہ! بہت خوب، وہ بلندی یہ پستی۔''

ایک دفعہ قائداعظم محمد علی جناح کو مردوں اور عورتوں کے ایک مشترکہ اجتماع سے خطاب کرنا تھا، مگر اجتماع کا اہتمام خواتین کی طرف سے کیا گیا تھا، اور دعوت بھی انہی کی طرف سے تھی، پردے کا انتظام بھی تھا، خواتین کی نشستوں کے عین سامنے جو مردوں کے عقب میں تھیں، ایک اونچی قنات ایستادہ تھی۔ خواتین کا اصرار تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح اسٹیج پر کھڑے ہو کر تقریر فرمائیں، بلکہ اگر ہو سکے تو قنات کے پیچھے بیٹھی ہوئی عورتوں میں آ کر تقریر کریں تا کہ وہ بھی آپ کو دیکھ سکیں۔ مردوں کو یہ بات اچھی نہ لگی، تاہم عورتوں کی اس خواہش کے احترام میں قائداعظم محمد علی جناح سٹیج سے چل کر قنات کی دوسری جانب عورتوں کے سامنے جا کر کھڑے ہوئے۔

یہ سب کچھ تالیوں اور نعروں کے شور میں ہوا۔ تب قائداعظم محمد علی جناح نے ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

''محترم خواتین و حضرات! میں اپنی تقریر کے پہلے جملے صرف خواتین سے کہنا چاہتا ہوں، آپ نے کچھ عرصے سے ترقی کی جو منزلیں طے کی ہیں، اس کی ایک ٹھوس اور زندہ مثال آپ نے عملی طور پر اس ہال میں پیش کر دی ہے۔ وہ یوں کہ آپ نے آج بے چارے مردوں کو پردے میں بٹھا دیا ہے۔''

اس پر دیر تک تمام ہال کشتِ زعفران بنا رہا۔

خودداری

تقسیم ہند سے پہلے راجستھان قدیم ریاستوں کا ایک مجموعہ تھا اس میں اودھے پور ریاست بھی شامل تھی۔ ریاست اپنے حکمران کی عمدہ انتظامی صلاحیت کی وجہ سے مشہور تھی، اور اس کا حکمران مہاراجا پرتاپ کی اولاد میں سے تھا۔ ریاست میں ہندوؤں کی ایک ذات جن کا مشہور مندر تھا اس مندر میں جب ایک بھیانک قتل کی واردات ہوئی تو ایک گروہ کی جانب سے اندور کو لکھتی اور صفت کر سر حکم چند نے سر چمن لال سیتل داد کی خدمات حاصل کیں اور مخالف گروہ نے ملک کے ممتاز بیرسٹر قائداعظم محمد علی جناح کی خدمات حاصل کیں جبکہ عدالت کی صدارت ایک انگریز جج نے کی۔ اودھے پور میں قائداعظم محمد علی جناح کی آمد کو ریاست کے عوام نے اپنے لیے عزت افزائی کا باعث خیال کیا اور قائداعظم محمد علی جناح کی ماہر قانون کی حیثیت سے شہرت کے علاوہ ان کی شخصیت کی کشش کی بدولت بھی ریاست کے حکمران ہز ہائی نس مہاراجا سر بھوپال سنگھ نے انہیں اپنے محل میں آنے کی دعوت دی۔ قائداعظم محمد علی جناح جیسے ہی مہاراجا کے کمرہ استقبالیہ میں پہنچے تو محل کے ایک ملازم نے قائداعظم محمد علی جناح سے درخواست کی:

''آپ ہز ہائی نس سے باریابی سے قبل جوتے اتار دیں۔ چونکہ یہ ہر چھوٹے بڑے آنے والے کے لیے حکم ہے۔ جس پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس ملازم سے فوراً ہی سوال کیا:

''کیا انگریز بھی ہز ہائی نس سے باریابی سے پہلے ایسا ہی کرتے ہیں۔''

ملازم نے جواب دیا:

''جی نہیں۔ یہ حکم انگریزوں کے لیے نہیں۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے برجستہ کہا:
''میں کسی انگریز سے کم نہیں ہوں۔''
یہ کہہ کر قائداعظم محمد علی جناح ریاست کے حکمران سے ملے بغیر تشریف لے گئے۔

خودمختار پاکستان......واحد حل

نومبر 1946ء میں صوبہ بہار میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے۔ بہار کے گورنر سر یگ ڈو نے 9 نومبر 1946ء کو اپنے صوبہ میں فرقہ وارانہ فسادات کے بارے میں اپنے تخمینہ پر مبنی رپورٹ ارسال کی۔ جس میں اس نے لکھا تھا:
''بہت زیادہ متاثر دیہی علاقوں میں اب تک 9 تک بٹالین فوج بھیجی جا چکی ہے۔ جابجا گشت کرتے ہندو بلوائیوں کی کوشش رہی ہے کہ جہاں کہیں مسلمان آبادی ملے اسے ملیا میٹ کر دیا جائے۔ ہلاک شدگان کی غالب اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے، اور ان میں سے اندازاً 75 فیصد خواتین اور بچے ہیں۔''
روزنامہ ''ڈان'' نے وسط نومبر 1946ء کو دیے گئے قائداعظم محمد علی جناح کے ایک انٹرویو کو ''خودمختار پاکستان، واحد حل'' کے عنوان سے صفحۂ اول پر شائع کیا۔ جس میں کہا گیا:
''مسلم لیگ کے صدر قائداعظم محمد علی جناح نے اعلان کیا ہے کہ ان کے خیال میں ہندوستان کے موجودہ فرقہ وارانہ صورتِ حال کا واحد حل پاکستان اور ہندوستان کا قیام ہے، اس کے علاوہ کوئی اقدام کیا گیا تو وہ مصنوعی اور غیر فطری ہوگا۔''
عبوری حکومت کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:
''مسلم وزراء پہریدار کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ جن کا کام روزمرہ نظم ونسق میں مسلم فسادات کی نگرانی کرنا ہے۔''
قائداعظم محمد علی جناح سے پوچھا گیا:
''کیا آپ عبوری حکومت سے دست کشی کی حمایت کرتے ہیں۔''
قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:
''میں یہ کہہ چکا ہوں کہ ہمیں اس کے لیے مجبور کیا گیا تھا، میں موجودہ انتظام کے حق میں نہیں ہوں۔''

مسلم لیگ کا اسمبلی سے بائیکاٹ

کانگریس کے اصرار پر وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس نے اتفاق کر لیا کہ دستور ساز اسمبلی کا اجلاس پروگرام کے مطابق 8 دسمبر کو ہوگا۔ سرکاری دعوت نامے جاری کر دیے گئے۔ 21 نومبر 1946ء کو ''ڈان'' نے ابتداء کرتے ہوئے لکھا:
''لگتا ہے کہ وائسرائے یہ سمجھتے ہیں کہ ''ہیملٹ'' کا ڈرامہ صرف نصف ہیملٹ کے ساتھ اسٹیج پر دکھایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے دستور ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا ہے، حالانکہ مسلم لیگ کا اس میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ اپنی جگہ موجود ہے۔ یہ باور کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ ان سے یہ فیصلہ کانگریس نے دباؤ ڈال کر لیا ہے۔ گذشتہ چند دن سے ان پر تمام ''بندوقیں'' آزمائی جا رہی تھیں۔ میدان جنگ میں انہوں نے کیسی ہی جرأت و بہادری کا مظاہرہ کیا ہو، ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی وہ خوبی فیلڈ مارشل کی وردوں کے ساتھ کولڈ اسٹوریج میں جمع کرا دی ہے۔''
وائسرائے ہند لارڈ ویول نے اس روز بعد دوپہر کابینہ کے چاروں مسلم لیگی وزراء سے ملاقات کی۔ انہوں نے ڈائری میں نوٹ کیا:
''لیاقت علی نے بڑی صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے

مجھ سے پوچھا، آیا میں اور ہزمیجسٹی کی حکومت ہندوستان میں امن و امان قائم رکھنے اور اقلیتوں کا تحفظ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، خواہ ہم یہاں رہیں یا نہ رہیں۔''

انہوں نے کہا:

''ذمہ داری اب ہماری ہے، لیکن ہم اسے پورا نہیں کر رہے ہیں۔''

لارڈ ویول لکھتا ہے:

''میں دیانت داری سے یہ بتانے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ ذمہ داری پوری کرنے کے لیے ہماری صلاحیت بڑی حد تک کمزور ہو گئی ہے، چونکہ برطانوی حکومت نے ہندوستان میں جلد ہی انتقال کی منتقلی کا اعلان کر دیا ہے۔ اس لیے ہم سرکاری افسران اور پولیس سے اس درجہ کے تعاون کی توقع نہیں کر سکتے جیسا کہ ہمیں حاصل تھا۔ موجودہ فسادات سے ثابت ہوا ہے کہ پولیس ہندوستان کے بہت سے حصوں کی فرقہ واریت سے متاثر ہو چکی ہے، اور اس پر اپنی ہی قوم کے خلاف سخت کارروائی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 22 نومبر 1946ء کو پریس کانفرنس میں اعلان کر دیا:

''مسلم لیگ کا کوئی نمائندہ دستور ساز اسمبلی میں شرکت نہیں کرے گا۔''

وائسرائے ہند لارڈ ویول نے دوسرے دن نواب زادہ لیاقت علی خان کو بلایا، اور ان کے ساتھ ایک گھنٹہ سے زیادہ بحث کی تاکہ اپنے وزیر خزانہ کو اسمبلی کے اجلاس میں شرکت پر آمادہ کر سکے۔

لارڈ ویول نے لارڈ پیتھک لارنس کو تار دیا:

''میں اسے قائل کرنے میں بالکل ناکام ہو گیا، جیسے قبل ازیں جناح کو نہیں منا سکا۔''

وائسرائے ہند لارڈ ویول پر آخر کار واضح ہو گیا:

''مسلم لیگ کو حکومت میں شامل کرنے کے لیے اس کی آخری کوشش بھی محض ایک فتح عظیم تھی، جو بہت کشت و خون اور قربانی کے بعد حاصل ہوئی۔ اصل میں تو کوئی چیز تبدیل نہیں ہوئی تھی۔''

خود اعتمادی

بیس سال کی عمر میں قائداعظم محمد علی جناح لندن سے امتیاز کے ساتھ بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے کراچی واپس آئے تو یہیں بیرسٹری کا آغاز کیا لیکن یہ جگہ چھوٹی اور ان کا عزم وحصہ وسعت کا طالب تھا۔ چنانچہ وہ بمبئی چلے گئے اور وہاں اپنی ذہانت، محنت اور قانونی ذکاوت سے بہت جلد دلوں پر سکہ جما لیا۔ حکومت کے سیکرٹری قانون سرچارلس اولیونٹ نے پندرہ سو ماہانہ کے مشاہرہ پر دوبارہ پریذیڈنسی مجسٹریٹ کے عہدے پر مامور کرنے کی پیش کش کی، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے یہ کہہ کر اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا:

''میں اتنی رقم ایک دن میں کمانے کا حوصلہ رکھتا ہوں۔''

بعد میں اپنی خود اعتمادی اور حوصلہ کی بلندی سے انہوں نے اس بات کو سچ ثابت کر دکھایا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی محنت کے بل بوتے پر وہ مقام حاصل کر لیا جو کہ بہت سے صرف تصور ہی کر سکتے۔

خودداری اور وفا

بمبئی میں وکالت کی پریکٹس کے دوران آپ کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ ابھی آمدنی کا صحیح ذریعہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ عدالتی دلال روزانہ آپ کے پاس آ کر کہتے:

''اگر آپ ہمیں فیس میں حصہ دینا قبول کر لیں تو ہم

قائداعظم محمد علی جناحؒ اپنے سیکریٹری کے ساتھ

آپ کو زیادہ مقدمات دلوا سکتے ہیں۔''
لیکن قائداعظم محمد علی جناح کا یہی جواب تھا:
''ایسا کرنے سے مجھے بھوکا رہنا بہتر ہے۔''

خودمختار ریاست

(دیکھئے، پورا ہندوستان)

خوراک

قائداعظم محمد علی جناح کی خوراک بہت قلیل تھی۔ وہ اتنا کم کھاتے تھے کہ بعض اوقات تعجب ہوتا کہ وہ جیتے کس طرح ہیں۔

ہر روز چار پانچ مرغیاں باورچی خانہ میں ذبح ہوتیں اور ان میں سے صرف ایک چوزے کی یخنی وہ بھی بمشکل چھوٹی پیالی ان کی خوراک کا جزو بنتی تھی۔ فروٹ ہر روز آتا تھا اور کافی مقدار میں آتا تھا، مگر وہ سب ملازمین کے پیٹ میں جاتا تھا۔

ہر روز کھانے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح اشیائے خوردونوش کی فہرست پر نشان لگا کر دیتے تھے اور ملازم کو سو کا نوٹ دیتے تھے یہ دوسرے دن کے طعام کا خرچ ہوتا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح ملازمین سے کبھی حساب طلب نہیں فرماتے تھے، جو باقی بچتا وہ سب ملازموں میں برابر تقسیم ہوجاتا، کبھی تین بچ جاتے کبھی پچاس اور کبھی ستر وہ کبھی بھی ملازمین سے حساب نہ لیتے۔

البتہ مس جناح اکثر بگڑ جاتی تھیں۔

جو شخص بہت کم خور ہو وہ دوسروں کو بہت کھاتا دیکھ کر یا بہت جلتا بھنتا ہے یا پھر بہت خوش ہوتا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح دوسرے قبیل کے کم خوروں میں سے تھے، وہ دوسروں کو کھلا کر دلی مسرت محسوس کرتے تھے۔

خورشید کے، ایچ

کے۔ ایچ خورشید قائداعظم محمد علی جناح کے سیکرٹری تھے۔ وہ 25 جون 1944ء کو نواب بہادر یار جنگ کا تعزیتی پیغام لینے کے لیے آل انڈیا ریڈیو کی طرف سے گئے تو قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں اپنا سیکرٹری رکھ لیا۔ انہوں نے کشمیر مسلم اسٹوڈنٹ یونین کی بنیاد رکھی، اور اس حیثیت سے متعدد بار قائداعظم محمد علی جناح سے ملے۔

خوش پوشی

قائداعظم محمد علی جناح بڑے خوش لباس انسان تھے۔ ان کے جوتے ہاتھ کے بنے ہوئے ہوتے تھے۔ یہ جوتے پیرس سے بن کر آتے تھے۔ ان کے تمام سوٹ Saville Row Suit کے سلے ہوتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح بہترین قمیص زیب تن کیا کرتے تھے اور سب سے اچھا کالر لگایا کرتے تھے۔ غرض ہر اعتبار سے ان کا لباس معیاری ہوتا تھا۔

شلوار اور شیروانی سے قبل وہ بوٹائی بھی لگاتے تھے۔

خوش مزاج...... سنجیدہ انسان

مشہور سوانح نگار ہیکٹر بولائتھو (Hector Bolitho)[1] اپنی کتاب ''پاکستان کا بانی محمد علی جناح'' میں رقمطراز ہیں:

''میں نے بمبئی میں ان کے پرانے وکیل ساتھیوں سے ان کے مزاج کے بارے میں پوچھا تو ایک وکیل نے یہ جواب دیا:

''مسٹر جناح کی خود پسندی، کمتر درجہ کی قوت ارادی صلاحیت رکھنے والے شخص کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ ہم میں سے بعض ان کے مغرورانہ طرزِ عمل اور متکبرانہ انداز اور ان کی بظاہر بے مروتی کو ناپسند کرتے تھے

لیکن کوئی ان کے دلائل کی قوت سے انکار نہ کرسکتا تھا۔''

بچپن سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک اور اس میں قیام پاکستان کی طویل جدوجہد کا عرصہ بہرحال شامل ہے، قائداعظم محمد علی جناح نے ایک لمبا اور صبر آزما سفرحیات طے کیا۔ اس سفر کے دوران انہیں مصائب اور مشکلات کی بے شمار گھاٹیاں اور بیکراں سمندر عبور کرنا پڑے۔ تاہم یہ سفر قائداعظم محمد علی جناح نے مستقل مزاجی، کم آمیزی اور احتیاط کے ساتھ طے کیا، لیکن اس تھکا دینے والے سفر کے دوران جب بھی انہیں فرصت یا فراغت کا کوئی لمحہ نصیب ہوا، ان کی خوش مزاجی نے ضرور گھر والوں اور دوست احباب کے لیے تفریح طبع اور مسرت کے سامان بہم پہنچائے، ایسے میں وہ خود بھی دوستوں کے لطائف سے محظوظ ہوتے اور ان کے مذاق میں شریک ہوجاتے۔

دسترخوان اکثر وہ جگہ ہوتی جہاں قائداعظم محمد علی جناح اپنے گھر والوں اور ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جاتے تھے، اور زندگی کی دیگر سنجیدہ باتیں یا سیاسی پیچیدگیاں وقتی طور پر بھلا دیتے تھے۔ کھانے کی میز پر ان کی بے حد شگفتہ اور پرلطف گفتگو ہر شریک طعام کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتی تھی۔

یہاں قائداعظم محمد علی جناح عام طور پر بے تکلف ہوجایا کرتے تھے۔ برصغیر کے مسلمانوں کی کشتی کو ساحل مراد تک پہنچانے کے سلسلے میں ایک بہت بڑی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھانے کے باوجود گھریلو زندگی میں بچوں کے ساتھ بہت قریبی دوستوں کی معیت میں یا کھانے کی میز پر ان کا لب و لہجہ اکثر بے تکلفانہ ہوجایا کرتا تھا۔ تب وہ اپنی سیاست کے منطقی انداز گفتگو کو ترک کر کے مزاح کی پھلجھڑیاں بکھیرا کرتے تھے، اور کچھ اس انداز میں کہ وہ خود بھی اور ان کے احباب بھی خوب لطف اندوز ہوتے۔

یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ کھانے کی میز اور بچوں کی ہمراہی میں قائداعظم محمد علی جناح ایک پھول کی طرح کھل جاتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے تبسم آمیز گفتگو کے دو ایک جملوں پر اکتفا کر گئے، مگر ایسی بات کہہ گئے کہ سننے والوں نے اسے ہمیشہ یاد رکھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کا وطیرہ یہ تھا کہ کبھی خود لطیفہ سنا دیا اور محظوظ ہوتے، کبھی دوسرے سے لطائف سن کر لطف اٹھایا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی گفتگو میں اس خیال سے کبھی مزاح پیدا کرنے کی کوشش نہ کی کہ لوگ ان کی بات سن کر ان کے آس پاس قہقہہ بلند کریں۔ اکثر مواقع پر آپ ہلکے ہلکے پیرائے میں طنز کے ماہر معلوم ہوتے تھے۔

جو بات کہنا چاہتے بظاہر ایک سادہ سے جملے سے مگر بے حد پرکاری کے ساتھ کہہ جاتے تھے۔ سننے والا ذرا غور کرتا تو اسے پتہ چل جاتا کہ باتوں ہی باتوں میں حرف مدعا کے ساتھ بھرپور چوٹ بھی کردی گئی ہے۔ ان کی حس طنز و مزاح اس قدر تیز تھی کہ بعض سیاسی لیڈروں کے مزاج اور رویے پر وہ ایسی پھبتی کس جاتے یا الفاظ چُست کردیتے کہ ان کا کسی سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا تھا۔ آپ کی سیاسی رفیق محترمہ شائستہ اکرام اللہ کہتی ہیں:

> ''قائداعظم نے کبھی عوام کو جذباتی انداز اور سستی خوشامد کے بل پر جیتنے کی کوشش نہیں کی، آپ نے ہمیشہ دوسروں کے شعور کو اپنی گرفت میں لیا، کیونکہ آپ کے دلائل واضح اور منطقی ہوا کرتے تھے۔ وہ دراصل الگ تھلگ رہتے تھے، مگر نہ تو غیر اہم گفتگو کرتے تھے اور نہ ہی انہوں نے کسی کو کبھی اپنے رویے سے رجھانے کی کوشش کی۔''

قائداعظم محمد علی جناح کا چہرہ اس قدر لطیف تھا کہ معمولی سے معمولی واقعہ اس پر اتار چڑھاؤ کی کیفیت پیدا کردیتا تھا۔ ان کی مسکراہٹ میں بے پناہ دلکشی تھی تاہم کوئی بھی شخص بغیر

ان کے مسکرائے، ان کے سامنے ہنس یا مسکرا نہیں سکتا تھا، معمولی باتوں سے لطیف نکتے اخذ کرنا اور مضمون یا بات سے بات پیدا کرنے کا ان میں خدا داد ملکہ تھا۔ مزاح یعنی لطیف قسم کا مذاق، شگفتہ مزاجی اور جودت طبع کی دلیل ہے، لیکن مزاح کا ایک صحت مند پہلو مذاق کرنے والے کے بہر حال پیش نظر رہنا چاہئے، اور وہ یہ کہ جس کے ساتھ مذاق کیا جائے وہ اس مذاق سے دکھی نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہو تو یہ مزاح مزاح نہیں رہتا۔ ایک ناپسندیدہ حرکت بن جاتا ہے۔

طنز کی بات البتہ دوسری ہے، قائداعظم محمد علی جناح کی ذات سے ناپسندیدہ قسم کی کوئی حرکت کبھی مزاح کے نام پر سرزد نہیں ہوئی، کیونکہ مزاح کا بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے تیز راستہ پھکڑ بازی اور دل آزاری کے عین درمیان سے ہو کر گزرتا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح ایک لاجواب سوجھ بوجھ کے مالک انسان تھے۔ مسلم لیگ کے تمام زعماء میں وہی ایک ذہین ترین دماغ تھے، جو ہندو اور انگریز کی چالوں کا فوری جواب دینا جانتے تھے، اور اس معاملے میں کوئی قرض اپنے اوپر نہیں رہنے دیتے تھے۔ وہ اس قدر سرعت کے ساتھ کہنے والی بات کہہ دیتے کہ مدمخالف سے لوٹ کر کوئی جواب نہ بن پڑتا۔ یہ اس لیے کہ ان کے ذہن میں برصغیر کی چوسر پر لڑی جانے والی سیاسی جنگ کی ہر بازی اور ہر چال نقش تھی، اور وہ اپنے دلائل کا حربہ عین موقع پر آزمانے کے گر سے واقف تھے۔ ان کے پرائیویٹ سیکرٹری مطلوب الحسن سید کہتے ہیں:

''یہ ایک عام تجربے کی بات ہے کہ کس طرح بڑے بڑے پیچیدہ قضیے جن کا حل بظاہر ناممکن نظر آتا ہے۔ ایک شوخ اور برمحل فقرے سے یکدم حل ہو جاتے ہیں، گویا ان میں کوئی دشواری ہی نہ تھی۔ قائداعظم کی تقریر و تحریر اور عام گفتگو ایسے فقروں سے بھری پڑی ہے۔''

لندن سے مستقل طور پر واپس آ کر جب انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کی قیادت سنبھالی تو وہ بے حد مصروف ہو کر رہ گئے۔ شہر شہر مسلم لیگ کے جلسوں کی صدارت، کانفرنسیں، پریس سے خطاب، سیاسی قائدین کے خصوصی اجتماعات میں شرکت، ہندوستان بھر سے آنے والی ڈاک کا مطالعہ، خطوط کے جواب، وفود سے ملاقاتیں غرض مصروفیات کی انتہا تھی۔ بہت دفعہ ایسا ہوا کہ ان شدید مصروفیات میں بھی لطائف کے سامان میسر آ گئے، بلکہ بعض اوقات تو لطائف سرزد ہوئے، اور قائداعظم محمد علی جناح نے خوب حظ اٹھایا پھر یہ کہنا کہ قائداعظم مزاح اور حسن لطیف سے محروم تھے یا ان کے سینے میں کوئی حساس دل نہ دھڑکتا تھا، ایک خلاف واقعہ بات ہے، واقعہ یہ ہے کہ تمام بشری تقاضے ان کی ذات میں بھی موجود تھے، البتہ ان کے جذبات عام طور پر عقل اور منطق کے تابع تھے۔

ان کے مشاغل اس بات کی اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ اپنے قریبی دوستوں سے بھی ہر وقت اور ہر موقع پر کھل جائیں۔ 1942ء میں ''سرالیولن رینج'' نے قائداعظم محمد علی جناح سے پوچھا:

''آپ کی مرغوب ترین تفریح کیا ہے؟''

ان کا مطلب یہ تھا کہ دفتری تھکاوٹ کو دور کرنے کے لیے ان کا مشغلہ کیا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''میرا پیشہ مجھے تفریح کی اجازت نہیں دیتا۔''

بات صرف اس قدر تھی کہ انہیں اپنے جذبات پر پورا قابو حاصل تھا۔ سرعام وہ زیادہ خوشی کا اظہار کرتے تھے نہ رنج و غم کا۔ وہ جا بہ جا بہت کم مسکراتے، وہ بہت کم غیض و غضب کا اظہار کرتے، اور شاذ ہی آبدیدہ ہوتے تھے۔ ظاہر ہے اس قدر ضابطے کا انسان ایک جداگانہ انداز سے ہی اپنے شگفتہ

جذبات اور حسِ مزاح کا اظہار کرے گا۔

قائداعظم محمد علی جناح اپنے عہد کے پورے ہندوستان میں وہ واحد سیاستدان تھے جن کی سیاسی گفتگو بہرحال جذبات اور رومان سے عام طور پر عاری اور یکسر منطق کے تابع ہوتی تھی۔ اسی باعث ان کے مخالفوں نے بھی اور مسلمانوں کے اس طبقے نے بھی جو سستی رومانیت کا شکار تھا، اور جس کی سیاست بھی شاعری کا مزاج رکھتی ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کو کھرے مزاج کا جذبات سے عاری سرد مہر انسان کہا۔

حقیقت یہ ہے کہ خود مسلم لیگ میں ایسے رہنما موجود تھے جو اپنے قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کے اس رخ کا بڑی محبوبیت اور معذرتی رویے کے ساتھ اظہار کرتے تھے۔ گاندھی، ابوالکلام آزاد اور نہرو کی بظاہر لبھانے والی باتوں کے مقابلے میں قائداعظم محمد علی جناح کا واضح اور بے ریاء رویہ اپنوں کے خلاف ایک ردعمل تھا اور غیروں کے خلاف ایک سیاسی ضرب۔

قائداعظم محمد علی جناح کی سیاست برصغیر کی سیاسی بیداری میں ایک نادر و نایاب تحریر تھی۔ ان کے لب و لہجے میں کبھی بھی جذبات کی جھاگ نہیں ہوتی تھی۔ انہیں سیاست میں صرف احتیاط اور قبول کی پختگی پر ایمان تھا۔ وہ مخالف کا رویہ اور اس کا بیان پرکھ کر اس کی ہر چال کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان کی رومانیت کے غباروں میں اپنے کردار کی پختگی کی ایسی سوئی چبھوتے کہ غباروں سے ہوا نکلنے میں ذرا دیر نہ لگتی۔ وہ ہر شام سونے سے پہلے اپنا سیاسی حساب بے باک کر کے سوتے تھے۔ شاید اسی سرد مہری کے باعث اگر یہ سرد مہری ہے تو قائداعظم محمد علی جناح کی شگفتہ مزاجی کو خوب رسوا کیا گیا ہے۔

ہندوستان کا آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کے اس راز کو نہ پا سکا۔ غالباً یوں تھا کہ اس نے اپنے گھریلو دوست پنڈت جواہر لال نہرو کی طبیعت پر قائداعظم محمد علی جناح کو بھی قیاس کر لیا تھا۔

22 مارچ 1947ء کو وہ ہندوستان پہنچا، قائداعظم محمد علی جناح اس کے ساتھ آزادی کے معاملات طے کرنے کے لیے ہمہ تن تیار تھے۔ کانگریس اپنے طور پر وائسرائے کو شیشے میں اتارنے کے لیے تلی بیٹھی تھی، قائداعظم محمد علی جناح سے اپنی پہلی ملاقات کے بعد اس نے اپنے سیکرٹری کیمبل جانسن سے کہا:

"میرے خدا! وہ تو بے حد سرد مہر انسان ہے۔ ملاقات کا بہت سا وقت تو اس کی سرد مہری دور کرنے میں ہی صرف ہو گیا۔"

سوال یہ ہے کہ کیا برصغیر کے میدان سیاست میں مسلمانوں کی آزادی کی جنگ جیتنے کے لیے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے سامنے اس قسم کا رویہ رکھے بغیر کوئی اور چارہ بھی تھا؟

قیام پاکستان کے بعد گورنر جنرل کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح کے حلف اٹھانے کے تاریخی لمحے کے بارے میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی یادداشت محفوظ کرتے ہوئے یہی بات دوسرے لفظوں میں دہرائی، عجیب بات ہے، وہ قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کی تہہ تک پہنچنے سے اب بھی قاصر رہا تھا۔ اس نے لکھا:

"قیام پاکستان کے موقع پر جب میں نے کراچی میں وائسرائے کی حیثیت سے اپنی آخری رسمی تقریر کی اور وہ تاریخ کا ایک خاص لمحہ تھا جناح اپنی کامیابی کے انتہائی نقطہ عروج پر تھا۔ جو کامیابی انہیں نصیب ہوئی تھی۔ وہ تاریخ عالم میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے وہ ضرور ہی اس کے اظہار کے لیے کچھ نہ کچھ جذبات کا مظاہرہ کرتے، لیکن میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر وہی پرانی Seriousness جو عام دیکھی جا سکتی تھی۔ ان کی شکل دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ ان پر اس خوشی اور کامیابی کا اثر نہایت واجبی قسم کا تھا۔ ایسا

عجیب وغریب انسان دیکھنے میں نہیں آیا۔''

ظاہر ہے کہ اس تاریخ ساز لمحے میں قائداعظم محمد علی جناح کی خوشی کی یقیناً کوئی انتہا نہ ہوگی۔ اللہ رب العزت نے انہیں ایک بہت بڑے اعزاز سے نوازا تھا، اور مسلمانان برصغیر پر انہوں نے بے لوث انداز میں اور خلوص نیت کے ساتھ وہ احسان کیا تھا، جس کا صلہ وہ قیامت تک نہیں دے سکتے۔ پاکستان کی وراثت مسلمانوں کو قائداعظم محمد علی جناح ہی کی خود داری، انانیت، سعی مسلسل، عمل پیہم اور عزم وہمت کے طفیل خدا کی مہربانی سے نصیب ہوئی تھی، لیکن اس موقع پر انتہائی خوشی کا اظہار بھی قائداعظم محمد علی جناح سے کسی عامیانہ انداز میں نہیں ہوا، جس کا اظہار وائسرائے یا ایک دوسرے کے سامنے برصغیر کے بعض دوسرے لیڈر حضرات اکثر کاروباری انداز میں کرتے رہنے کے عادی تھے، کتنی عجیب بات ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کو سرد مہر اور جذبات سے عاری انسان کہنے والے لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہیں، ایک ہم قوم اور ہم وطن قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کے راز کو پاگیا۔ یہ شخص ''لارڈ پیتھک لارنس'' تھا، جو برطانوی کیبنٹ مشن کا سربراہ تھا اور جس نے 1947ء میں تقسیم ہند کے تاریخ ساز مذاکرات میں نہایت اہم کردار ادا کیا تھا۔ قیام پاکستان کے لگ بھگ بارہ سال بعد موصوف نے ''پاکستان سوسائٹی لندن'' میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''بے شک مزاج کے وہ بہت کڑے تھے۔ وہ تمام انسان جنہیں ان لوگوں کی مخالف آرا کے باوجود جن کے ساتھ ان کا واسطہ پڑا کوئی مہتمم بالشان انقلاب برپا کرنا پڑے، ایک نئی قسم کا آئینی انقلاب، وہ ایسے ہی مزاج کے انسان ہوتے ہمارے اپنے ملک برطانیہ میں آلیور کرام ویل کو دیکھ لیجئے ونسن چرچل کو دیکھ لیجئے، امریکہ میں جارج واشنگٹن اور دنیا کے دیگر حصوں یورپ، ایشیا، افریقہ میں ایسے کڑے عزم واراده کے انسان گزرے ہیں، جنہوں نے جس بات کا ارادہ کرلیا اسے پورا کرکے دکھایا، لیکن کوئی انسان مقصد میں راست عہد کا پابند ہوتو یہ کڑا پن اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں ہوتا، بلکہ کامیابی کا لازمی جزو بن جاتا ہے۔''

"Ver dict of India" کا مصنف "Beuerley Nichils" بھی ایک برطانوی تھا۔ جسے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات اور گفتگو کا شرف حاصل ہوا، اس کے قلم سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے:

''میرا اندازہ تھا کہ ''محمد علی جناح'' جس کی سیاست نے کانگریس اور برطانیہ کی متحدہ سیاسی چالوں کو ناکارہ بنادیا ہے، تندخواور سڑی ہوگا، لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ایک دراز قامت چٹ صاف اور مسکراتا ہوا چہرہ چمکتی ہوئی نیلگوں آنکھوں اور کشادہ پیشانی والا بوڑھا ہلکے نیلے رنگ کا سوٹ پہنے منہ میں سگار لیے مجھ سے مصافحہ کے لیے دروازے کی طرف بڑھا اور مجھے ساتھ لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ جناح کے غرور وتکبر اور نخوت کے متعلق میں نے بہت سے افسانے سن رکھے تھے۔ اس ملاقات کے بعد یہ تمام افسانے بے حقیقت اور بے بنیاد ثابت ہوئے۔''

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے عملے کے ایک افسر نے ایک دفعہ بہت ہی بھونڈے انداز میں قائداعظم محمد علی جناح کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

''میں نے نہر سویز کے مشرق کے کسی ملک میں جناح سے زیادہ کج خلق اور بدتمیز انسان کو نہیں دیکھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی بیٹی مسز نیول واڈیا نے اپنے والد کے متعلق یہ رائے سن کر کہا:

''میرے والد سرکشیدہ ضرور ہیں لیکن بدتمیز نہیں تھے،

ان کی کج خلقی کے بہت سے قصے مشہور ہیں، لیکن اگر آپ غور سے ان کا جائزہ لیں تو آپ دیکھ لیں گے کہ پہلے دوسرے آدمی نے ان سے بدتمیزی کی اور انہیں غصہ دلایا، پھر جواب میں وہ بھی اسی طرح پیش آئے۔''

دراصل بات یہ ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دوسروں کی زبان سے اپنی تعریف وتوصیف سن کر وہ خود جذبات کے دھارے میں بہہ نکلے ہوں، انہوں نے اپنے اصول اور ضابطے ترک کردیے ہوں، بلکہ ہوا یہ ہے کہ بقول کسے ''ان کے مخالفین کی راہ کا سب سے بڑا سنگ گراں ان کے ہاں رکیک جذباتیت کا فقدان اوران کی انتہادرجے کی متانت تھی۔''

اپنی زندگی کے آخری ایام میں بی بی سی کے ساتھ ایک مباحثہ میں بالآخر موت کی دہلیز پر کھڑے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں یہ اعتراف کرتے ہی بنی:

''جناح میں ضد تو تھی لیکن منافقت نہ تھی۔ سیدھا چلنے والا، صراط مستقیم کا پابند، اندر باہر یکساں، انگریزی زبان دانی میں اول درجہ کا مقرر، نحیف جسم وجاں کے ساتھ بھی بارعب اور پر ہیبت شخصیت مسلمانان ہند کو صرف اکیلا یہ شخص ہی بام ترقی وعروج پر لے گیا۔ میں تمام سیاسی زندگی میں جس شخص سے سب سے زیادہ متاثر ہوا ہوں، مسٹر جناح کی ذات اور شخصیت تھی۔ اس میں میں نے منافقت کا شائبہ تک نہ دیکھا۔ اتنا بلند کردار انسان اور قومی لیڈر شاید ہی مسلمانوں کو دوبارہ ملے۔''

خون کا آخری قطرہ

قائداعظم محمد علی جناح نے پختہ عزم کررکھا تھا کہ پاکستان قائم کرکے دم لیں گے، خواہ انہیں کتنی بھی قربانی کیوں نہ دینا پڑے۔ جب 23 مارچ 1940ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے قرارداد لاہور کی منظوری کے لیے لاہور آنا تھا تو متعصب ہندوؤں نے افواہ پھیلائی کہ قائداعظم محمد علی جناح کو لاہور میں قتل کردیا جائے گا، جب یہ خبر قائداعظم محمد علی جناح تک پہنچی تو آپ نے فرمایا:

''میں لاہور ضرور جاؤں گا، خواہ مجھے جان ہی کیوں نہ دینا پڑے، میں پاکستان کے لیے خون کا آخری قطرہ تک بہادوں گا۔''

چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح قرارداد لاہور کی منظوری سے دوروز قبل آگئے۔

خیابان قائداعظم

11 اکتوبر 1969ء کو اسلام آباد میں تمام شاہراہوں، رہائشی سیکٹروں اور دوسرے اہم مقامات کے نام تبدیل کردیے گئے اوراس ضمن میں یہ بتایا گیا:

''یہ نام پاکستان کی تاریخ، روایات، ثقافت اور جغرافیائی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح کی خدمات کے صلے میں کیپٹل ایونیو کا نام خیابانِ قائداعظم رکھ دیا گیا۔''

اس کا اعلان کیپٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے چیئرمین لیفٹنٹ جنرل کے ایم شیخ نے کیا۔

خیانت سے گریز

قائداعظم محمد علی جناح نے زندگی میں کبھی خیانت نہ کی۔ اس ضمن میں متعدد واقعات اس کا عملی ثبوت ہیں تاہم یہاں صرف ایک واقعہ پراکتفا کیا جارہا ہے۔

تحریک پاکستان کے رہنما اور مصنف جناب مختار زمن رقمطراز ہیں:

''میرے والد آگرہ میں جج تھے انہوں نے بتایا کہ ایک

دفعہ قائداعظم کسی کیس کے سلسلہ میں آگرہ تشریف لائے۔ مسلم لیگ نے جلسہ کرنا چاہا قائداعظم محمد علی جناح نے اس بنا پر شرکت سے انکار کر دیا:

''میں اپنے موکل کی طرف سے پیش ہونے آیا ہوں جس کی وہ فیس ادا کر رہا ہے۔ میں خیانت کیسے کروں۔ آپ جلسہ کرنا چاہتے ہیں تو بعد میں بلالیں میں اپنے خرچ پر آؤں گا۔''

خیبر (درہ)

1936ء میں قائداعظم محمد علی جناح جب صوبہ سرحد کے دورے پر آئے تو انہوں نے درہ خیبر کا بھی دورہ کیا۔ خیبر کے قبائلی رہنما ملک سید اخان نے قائداعظم محمد علی جناح کو مدعو کیا۔ اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح 1945ء میں اس علاقے کے دورے پر آئے۔ اپریل 1948ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے پھر درہ خیبر کا دورہ کیا۔ 14 اپریل کو قائداعظم محمد علی جناح درہ خیبر گئے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ پولیٹیکل ایجنٹ کرنل بیکن نے قبائلی سرداروں کا قائداعظم محمد علی جناح سے تعارف کرایا۔ قبائلیوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو چھ سالم دنبے اور بہت سے تحائف پیش کیے۔ قائداعظم محمد علی جناح کو خیبر رائفل کے جوانوں نے سلامی دی۔ چائے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں قبائلیوں کی طرف سے ملک ولی خان کوکی خیل نے ایک رائفل اور ایک خنجر پیش کیا۔

قبائلی عوام نے محترمہ فاطمہ جناح کو سنہرا کام کیا ہوا خوبصورت سینڈل اور شال بھی دی۔

خیرات اللہ

تحریک پاکستان کے ایک کارکن اور سٹی مسلم لیگ گوجرانولہ کے جنرل سیکرٹری تھے۔

1941-1942ء میں جب مسلم لیگ کی گوجرانوالہ میں رکنیت سازی ہوئی تو خیرات اللہ کو وارڈ نمبر 3 کا رکن بنایا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں اپنا چغہ بھی عطا کیا۔ 1944ء میں قائداعظم محمد علی جناح جب کشمیر جاتے ہوئے گوجرانوالہ آئے تو انہیں پہلی مرتبہ قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ سیالکوٹ کانفرنس میں بھی ان کی قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات ہوئی۔ اس موقع پر جب مسلمانوں نے الیکشن جیتا تو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور ساتھ ہی میں آپ کو ایک نشان دیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کھڑی کی اور کہا:

''مسلمانو! ایک ہو جاؤ۔ ایک ہو جاؤ۔ ایک ہو جاؤ۔''

خیر سگالی

26 فروری 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے امریکی سفیر کی تقریر کے جواب میں کہا:

''پاکستان کے لوگ ایسی چیز کے طالب نہیں جو ان کی اپنی نہ ہو، وہ دنیا کی تمام آزاد اقوام سے خیر سگالی اور دوستی رکھنے سے زیادہ اور کسی بات کے خواہش مند نہیں، ہم پاکستانی اس بات کا تہیہ کر چکے ہیں کہ اب نہ صرف اپنی مملکت کو مستحکم و مرفہ حال بنانے کی انتہائی کوشش کریں گے، بلکہ بین الاقوامی امن و خوشحالی کے لیے جہاں تک ممکن ہوگا پوری مدد کریں گے۔''

د

دادا بھائی نوروجی اور قائداعظم

پارسی فرقے کے رہنما تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح جب لندن میں زیر تعلیم تھے تو انہوں نے ان سے سیاسی معاملات میں بہت کچھ سیکھا تھا۔

دادا بھائی نوروجی 4 ستمبر 1825ء کو بمبئی میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم مکمل کرنے کے بعد 29 سال کی عمر میں الفنسٹن کالج میں ریاضی کے استاد مقرر ہوئے۔ اسی دوران لٹریری اور سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی اور پارسی لڑکیوں کے لیے ایک سکول قائم کیا۔ 1858ء میں گجراتی زبان میں ایک اخبار نکالا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر بھی رہے۔ دادا بھائی نوروجی کی خدمات کے صلہ میں حکومت ہند نے انہیں برطانوی دارالعلوم کی رکنیت دلا دی چنانچہ وہ لندن چلے گئے۔ 1906ء میں لندن سے واپس لوٹے تو انہیں ایک مرتبہ آل انڈیا نیشنل کانگریس کا صدر منتخب کرلیا گیا۔ انہوں نے متعدد رفاہی ادارے قائم کیے۔

قائداعظم محمد علی جناح دادا بھائی نوروجی سے بہت متاثر تھے اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ان کی آئندہ سیاسی شخصیت کی تشکیل میں دادا بھائی نوروجی کا بڑا ہاتھ تھا۔ اگرچہ دونوں کی عمر میں بڑا فرق تھا تاہم ان میں انتہائی مخلصانہ تعلقات قائم تھے، اور ان دونوں نے آل انڈیا کانگریس کے قیام کے ابتدائی عرصے میں بے مثال خدمات انجام دیں۔ برطانوی عوامی زندگی پر جس آزاد خیال کی چھاپ پڑ رہی تھی۔ نوجوان محمد علی جناح اس مشاہدہ سے اپنی سیاسی زندگی کا پہلا سبق حاصل کررہے تھے۔ انہیں بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ ہندوستان کو اپنی آزادی کے لیے زبردست جدوجہد کرنی پڑے گی، اور اس جدوجہد آزادی میں وہ ایک اہم کردار ادا کرنا چاہتے تھے۔

چند سال بعد انہوں نے جو بیان دیا۔ اس میں ان کے اس احساس کی جھلک نمایاں تھی، انہوں نے فرمایا:

''بمبئی دوسرا بڑا بوسٹن بن جائے گا اس مرتبہ سمندر میں چائے کی پتیاں نہیں پھینکی جائیں گی بلکہ انگریزوں سے لدی ہوئی گاڑیاں سمندر کی نذر کی جائیں گی۔''

ایک اور موقع پر ہندوستان کے لیے آزادی کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے اور برطانوی پارلیمنٹ میں ہندوستان کے لیے دادا بھائی نوروجی کی خدمات کے اعتراف کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میری خواہش ہے کہ لندن میں قیام کروں اور پارلیمنٹ کا رکن بن جاؤں، اس طرح میں کچھ اثر ورسوخ پیدا کرسکوں گا۔ وہاں پر برطانوی مدبروں سے برابر کی حیثیت سے ملوں گا ان تک میری پہنچ ہو گی۔ ان معنوں میں نہیں کہ میں ان کے پیچھے پیچھے بھاگوں گا، اور ان سے ملاقات کرنے کی خواہش کروں گا بلکہ اس لیے کہ انہیں میری ضرورت محسوس ہوگی اور مجھے ان کی۔'' (ریڈرس آف انڈیا، جواشم ایلوا)

ہندوستان جب کہ اپنی تاریخ کے اس نازک دور سے گزر رہا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی سیاسی سرگرمیوں میں مسلسل اضافہ ہورہا تھا۔ ان کی سلجھی ہوئی طبیعت قانون کے دائرے

میں رہ کر عمل کی طرف مائل تھی ۔ اس لیے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے تشدد یا غیر قانونی ذرائع اختیار کرنا انہیں پسند نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے سیاسیات کی پرخار وادی میں دادا بھائی نوروجی ،گوپال کرشن گوکھلے اور سریندر ناتھ جی بنیر جیسے مدبرین کی راہ اختیار کی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے دوران قیام لندن میں فنس بری کے حلقے سے پارلیمنٹ کی نشست کے انتخاب کے سلسلے میں دادا بھائی نوروجی کی انتخابی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اس سے ایک طرف تو ہندوستان کے اس عظیم سیاستدان کو اس نوجوان سیاسی کارکن کے تابناک مستقبل سے امیدیں وابستہ ہوگئیں، اور دوسری طرف خود قائداعظم محمد علی جناح کے دل میں دادا بھائی نوروجی جیسے محبِ وطن کا احترام اور قدرومنزلت بڑھ گئی، اور انہوں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ ہمیشہ ہندوستان کے اس سپوت سے، جسے اپنے وطن اور عوام سے بے حد پیار تھا رہنمائی حاصل کریں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ فنس بری کی انتخابی مہم سے لے کر دادا بھائی نوروجی کے انتقال تک قائداعظم محمد علی جناح انہیں سیاست کے میدان میں اپنا مثالی رہنما سمجھتے رہے۔ دادا بھائی نوروجی کی پارلیمانی رکنیت کے سبب قائداعظم محمد علی جناح کو آئر لینڈ کے ان ممبران پارلیمنٹ سے رابطہ رکھنے کا موقع مل گیا جو اپنے ملک کی سیاسی آزادی کی جدوجہد میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ پارلیمنٹ کا ممبر منتخب ہونے کے بعد 1893ء میں کانگریس کے لاہور اجلاس کی صدارت کے لیے جب دادا بھائی نوروجی کا انتخاب کیا گیا تو انہوں نے آئر لینڈ ممبران پارلیمنٹ کا حسب ذیل پیغام پڑھ کر سنایا:

"اپنے کانگریسی ساتھیوں کو یہ بتا دیجئے کہ پارلیمنٹ میں آئر لینڈ کے لیے داخلی آزادی کی جدوجہد کرنے والا ہر ممبر ہندوستانی عوام کے کاز میں آپ کا پورا پورا حامی ہے۔"

دادا بھائی نوروجی اپنے کانگریسی ساتھیوں کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہوگئے کہ پارلیمنٹ میں ہندوستان کے حامی ممبران کی موجودگی اس ملک کے لیے سودمند ثابت ہوگی، اور اس طرح برطانوی حکومت ان کے مطالبات پر ہمدردی سے غور کرے گی۔ ان کے ایما پر کانگریس کی سبجیکٹ کمیٹی نے یہ طے کیا:

"برطانوی پارلیمنٹ کے آئرش ممبر الفریڈ ویب سے درخواست کی کہ وہ 1896ء کے اجلاس کانگریس منعقدہ مدراس کی صدارت کریں۔"

1906ء میں کلکتہ میں کانگریس کا اجلاس ہوا اور تیسری مرتبہ پھر دادا بھائی نوروجی کو اس اجلاس کی صدارت کا اعزاز بخشا گیا۔ اب قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوستان کی سیاست میں سرگرمی کے ساتھ دلچسپی لینا شروع کردی ۔ سیاست کے ایک طالب علم کی حیثیت سے برطانیہ کے لبرل پارٹی کے ترقی پسند نظریات کا بھی ان پر گہرا اثر پڑا۔ انہوں نے ایک سیاسی تنظیم کے طور پر کانگریس کو اپنی سرگرمیوں کے لیے چن لیا کیونکہ صرف اس تنظیم کے ذریعے وہ عوام کی سیاسی ترقی کے سلسلے میں موثر طور پر اپنے فرائض ادا کرسکتے تھے۔ لال سیتل واد اور سر فیروز شاہ مہتہ بھی مہمان کی حیثیت سے مہاراجہ دربھنگہ کے چورنگی والے مکان میں قیام پذیر تھے۔

کانگریس کے اس اجلاس نے انتظامی اصلاحات اور سیاسی مقاصد کے حصول کے سلسلے میں کانگریس کے مطالبات میں مزید شدت پیدا کردی۔ اجلاس کے صدر کی حیثیت سے دادا بھائی نوروجی نے بڑی اثر انگیز اور جوشیلی تقریر کی اور اس طرح کانگریسی رہنماؤں کو پورے جوش اور جذبے کے ساتھ اپنے مطالبات کے حق میں آواز بلند کرنے کا موقع مل گیا۔

اس اجلاس میں دادا بھائی نوروجی کی تقریر اور تجاویز کے پس پشت بلا شبہ ان کے نوجوان سیکرٹری محمد علی جناح کا ذہن

کام کررہا تھا، تاہم اس بات کی کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں کہ ان تقاریر اور تجاویز میں محمد علی جناح کا کتنا حصہ اور کہاں تک ہے۔ اس لیے ہمیں اس پر صرف ہی پر اکتفا کرنا پڑے گا۔

(از جی الانا قائداعظم: مطبوعہ فیروز سنز لاہور)

دادا جناح

قائداعظم علی جناح استرے سے شیو بنایا کرتے تھے، کوئٹہ میں قاضی عیسیٰ خان کے ہاں ایک روز صبح سویرے شیو سے فارغ ہوکر جب ناشتے کی میز پر بیٹھے تو کہنے لگے:

''آپ کے بیٹے انور نے آج مجھے لا جواب کردیا ہے، بڑا ذہین بچہ ہے، میں شیو بنا رہا تھا کہ یہ کمرے میں داخل ہوا، اس وقت میرے چہرے پر صابن لگا ہوا اور جھاگ تھی، پوچھنے لگا:

''یہ آپ نے کیا لگا رکھا ہے؟''

میں نے کہا:

''صابن''

کہنے لگا:

''کہاں لگایا ہے؟''

میں نے جواب دیا:

''منہ پر۔''

پھر پوچھتا ہے:

''باتیں کہاں سے کرتے ہیں؟''

میں نے کہا:

''منہ سے باتیں کرتا ہوں۔''

پوچھنے لگا:

''کون سا منہ ہے؟ جس سے باتیں کرتے ہیں یا جس پر صابن لگاتے ہیں۔''

بچے کی عمر اس وقت سوا دو سال تھی۔ قائداعظم علی جناح یہ واقعہ سناتے گئے اور محظوظ ہوتے گئے، ناشتے کے بعد کار منگوائی۔ قاضی صاحب کو ساتھ نہیں لیا۔ ڈرائیور کو بلوایا اور انور کو بازار لے گئے لوٹے تو بچے کے پاس بے شمار کھلونے تھے۔

بیگم قاضی عیسیٰ کہتی ہیں:

''میرا چھوٹا بیٹا دو برس کا تھا۔ صبح کو وہ اکثر یہ کہتا ہوا قائداعظم کے کمرے میں گھس جاتا ہے کہ میں دادا جناح کے پاس جاؤں گا، پھر وہ ان کے زانوں پر بیٹھ جاتا اور دونوں دیر تک بات چیت کرتے رہتے۔ جب بھی میں بچے کو وہاں سے ہٹانا چاہتی، قائداعظم مجھے منع کر دیتے اور کہتے:

''بچے کو میرے پاس رہنے دو۔''

انہوں نے اسے بے شمار تحائف دیے۔ ان میں سے ایک چاندی کا گلاس تھا، جس پر ان کی تحریر کا عکس تھا۔ ایک ہاتھی دانت کا چھلا تھا۔ جس کے اندر چاندی سے بنے ہوئے تین کتے تھے اور ان کے اندر جھنجھنے تھے۔ ایک دن وہ اکیلے کار میں بیٹھ کر شہر چلے گئے، صرف گاڑی کا شوفر ان کے ساتھ تھا اور گھر میں کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں اور کیوں گئے ہیں؟ وہ بہت مشہور آدمی تھے، اور جہاں بھی جاتے لوگ ان کو گھیر لیتے، یہی اس وقت بھی ہوا، کار رکتے ہی ان کے گرد بھیڑ لگ گئی۔ لوگوں کو راستے سے ہٹاتے ہوئے وہ کھلونے کی ایک دکان پر پہنچے، اور دکاندار سے کہا:

''مجھے ایک جھولنے والا گھوڑا چاہئے۔''

''غریب دکاندار اتنے بڑے آدمی کو اپنی چھوٹی سی دکان میں دیکھ کر متعجب ہوا ہوگا اور خود مجھے بھی اس وقت بڑا تعجب ہوا۔ جب قائداعظم لکڑی کا گھوڑا لے کر واپس آئے اور انہوں نے یہ تحفہ میرے بچے کو دے دیا۔''

قائداعظمؒ کی یہ ذاتی لائبریری کراچی کے ایک دوا ساز ادارے نے
خرید کر قومی ورثہ کے طور پر محفوظ کر دی ہے۔

دادو

1946ء کے انتخابات کا دور تھا۔ ان انتخابات میں دادو سے قاضی محمد اکبر مسلم لیگ کے امیدوار تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگی رہنماؤں کو ہدایت کی:

''دادو کی نشست ضرور حاصل کی جائے۔''

چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح کے فرمان پر مولانا داؤد غزنوی، پیر مانکی شریف، پیر صاحب زکوڑی شریف اور مسلم لیگ کے کئی ممتاز رہنما دادو گئے۔ انہوں نے مخالفین کی مزاحمتوں کے باجود دادو میں کامیاب جلسے کیے اور پر جوش اور ولولہ انگیز تقریریں کیں۔ جس کے نتیجے میں قاضی محمد اکبر جیت گئے۔اس انتخاب کی اہمیت کے پیش نظر قائداعظم محمد علی جناح نے علی گڑھ سے ایک سو رضا کار بھی دادو بھجوائے تھے۔ ریگزار سندھ کی جلتی ہوئی ریت پر انہوں نے میلوں پیدل سفر کیا۔ وہ گاؤں گاؤں گئے قریہ قریہ گئے اور گھر گھر گئے اور کئی کئی دن صرف چنوں اور کھجوروں پر گزارا کیا۔

داس، کانجی دوارکا داس

انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ وہ اپنی کتاب گاندھی جی میں لکھتے ہیں:

''خواہ کوئی نزاعی مسئلہ کیوں نہ ہوتا گاندھی جی بغیر سوچے سمجھے میدان میں کود پڑتے تھے جب کہ جناح مسائل کے بارے میں غوروفکر سے کام لیتے تھے اور ان مسائل کا حل تلاش کرتے تھے۔''

دانائے اعظم

اس کتاب کو اکرم زیبائی نے مرتب کیا اور اسے 82/جی خالد آباد فردوس کالونی گلبہار کراچی نمبر 18 سے شائع کیا گیا۔اس کتاب میں دانائے اعظم سے مراد قائداعظم محمد علی جناح کی ذات گرامی ہے جنھوں نے اپنی بے مثال فراست اور بے پناہ تدبر سے آزادی کی جنگ لڑی اور آخر کار ہمیں آزادی سے ہم کنار ہوگیا۔ دراصل یہ کتاب تین حضرات کے مضامین پر مشتمل ہے۔ ایک مضمون مولونا محمد اسماعیل ذبیح کا ہے تین مضامین اشتیاق حسین اظہر کے اور ایک جسٹس ریٹائرڈ ہادی بخش میمن کا ہے۔

ان تمام مضامین میں بنیادی طور پر قیام پاکستان کے اسباب اور محرکات پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس میں قائداعظم محمد علی جناح کی جدوجہد دوقومی نظریہ کی اصل بنیاد، قرارداد پاکستان اور اس کے بعد کے حالات وواقعات اور تحریک پاکستان میں سندھ کے کردار کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس میں ان اہم واقعات وحالات کی نشاندہی کی گئی ہے جو اس طویل دور میں پیش آئے، اور ان شخصیات کا تذکرہ شامل ہے جو اس میں شامل رہیں۔ کتاب 150 صفحات پر مشتمل ہے۔

دبلا پتلا لیڈر

قائداعظم محمد علی جناح ناگپور کے دورے پر تشریف لے گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح کا جہاز ناگپور ایئرپورٹ پر رکا تو نواب صدیق علی خان نے مسلم لیگی رکن سرفراز خان کا تعارف کرایا۔ یہ صاحب دبلے پتلے وجود کے اکیس سالہ نوجوان تھے، اور ضلع ناگپور مسلم لیگ کے خزانچی تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے نوجوان کے سراپا کو دیکھتے ہی مزاحاً فرمایا:

''جب ناگپور مسلم لیگ کا خزانچی دبلا پتلا ہوگا تو اس کا اکاؤنٹ بھی ایسا ہی نحیف ولاغر ہوگا۔''

اس پر سرفراز خان نے عرض کیا:

''سر اگر آپ معاف فرمائیں تو اس کا جواب دوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''ہاں نوجوان! تمہیں اس کا حق ہے۔''
سرفراز خان کہنے لگے:
''سر دس کروڑ مسلمانوں کا لیڈر اس قدر دبلا پتلا ہے، پھر بھی ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان بذات خود ایک قوت ہیں۔''
اس جملے پر قائداعظم ہنس دیے۔

دربار نبوی ﷺ

(دیکھئے: حضور ﷺ کی زیارت)

درخشاں مستقبل

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک موقع پر فرمایا:
''ہم منزلِ مقصود کے قریب پہنچ چکے ہیں، میں بوڑھا ہوگیا ہوں، لیکن میری روح آپ کی طرح جوان ہے، میری زندگی کی یہ انتہائی تمنا ہے کہ مسلمانانِ ہند، جو عدیم النظیر روایات کے حامل ہیں، جن کا ماضی درخشاں ہے، میں ان کا مستقبل بھی درخشاں دیکھ سکوں۔ میرا جی چاہتا ہے اور خدا سے میری دعا ہے کہ میں اپنی زندگی میں پاکستان کا قیام دیکھ سکوں۔ میری آنکھیں مسلمانوں کو ہندوستان میں ایک قوم کی طرح سربلند، ظفریاب اور کامیاب دیکھ سکیں۔ اس کے بعد اگر مجھے موت آ جائے تو میں خوشی خوشی اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کردوں گا۔ میری روح کو تسکین اور اطمینان ہوگا۔''

درخشندہ ماضی

(دیکھئے: تاریخی روایات)

درس، مولانا ظہور الحسن

وہ تحریک پاکستان کے رہنما تھے۔ کراچی میں شاید ہی کوئی جلسہ ایسا ہو جس میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ تقریر نہ کی ہو۔

وہ کراچی میں مولانا عبدالکریم درس کے ہاں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار سے معقولات اور مولانا صوفی عبداللہ درس سے منقولات کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا ظہور الحسن درس خوشنویس بھی تھے۔

انہوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ 1940ء سے 1947ء تک آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن اور صوبائی مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور اہم عہدوں پر فائز رہے۔ انہوں نے صوبہ سندھ میں مسلم لیگ کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کراچی میں ہمیشہ ان کی اقتدا میں نماز ادا کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد حسب دستور قائداعظم علی جناح نے ان سے نماز عید کے اوقات منگوائے مگر قائداعظم محمد علی جناح وقت پر نہ پہنچے وہ نماز عید پڑھانے کے لیے مصلے پر بیٹھ گئے نواب زادہ لیاقت علی خان، عبدالرب نشتر، محمد ایوب کھوڑو اور دیگر سیاسی اکابرین نے قائداعظم محمد علی جناح کی آمد تک نماز میں تعطل کے لیے کہا تو آپ نے گرج کر فرمایا:

> ''میں ان علماء کرام وحفاظ عظام کے علم کا احترام کروں یا جناح صاحب کا، میں نے جناح صاحب کو اوقات سے مطلع کردیا تھا میں اپنے وقت کا پابند ہوں اور دوسرے یہ کہ میں جناح صاحب کی نماز پڑھانے نہیں آیا بلکہ خدائے اعظم جل جلالہ کی نماز پڑھانے آیا ہوں۔''

یہ کہہ کر صفوں کو درست کروا کر تکبیر فرمادی۔ نماز عید کے

بعد احکام عید پر ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا بعد میں قائداعظم محمد علی جناح جو پچھلی صفوں میں پہنچ چکے تھے تشریف لائے اور تقریر فرمائی جس میں مولانا ظہور الحسن درس کی اس جرأت ایمانی کی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا:

''ہمارے علماء کو ایسے ہی کردار کا حامل ہونا چاہئے جس کا مظاہر آج مولانا درس نے فرمایا ہے۔''

آل انڈیا سنی کانفرنس کا خطبہ ارشاد فرمایا۔ بزم سنیہ صوبہ سندھ کے جنرل سیکرٹری تھے۔ متعدد کتب کے مصنف تھے۔ جمعیت العلمائے پاکستان کے بانی رکن تھے۔ 14 نومبر 1972ء کو کراچی میں انتقال فرمایا۔

درہ بانہال

یہ مقبوضہ کشمیر کا ایک درہ ہے۔ اس کے لیے اکتوبر 1947ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے گورنر سر فرانسس موڈی (پنجاب) کو ہدایت کی:

''وہ جنرل گریسی کو جو سر فرینک سیسر دی کی عدم موجودگی میں قائم مقام کمانڈر انچیف تھا یہ حکم پہنچائے کہ وہ پاکستانی افواج کو فی الفور کشمیر میں داخل کر کے اور انہیں راولپنڈی کشمیر روڈ پر قبضہ کر کے سری نگر تک پہنچنے کی ہدایت دے۔ ان دستوں کے لیے یہ ضروری ہو کہ وہ سری نگر سے آگے نکل کر جموں روڈ پر پہنچیں، اور درہ بانہال پر قبضہ کر لیں۔''

جنرل گریسی نے اس بنا پر ان احکام کی تعمیل سے معذرت کی:

''میں سپریم کمانڈر کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔''

جنرل گریسی کے اس انداز سے پاکستان کو شدید نقصان پہنچا اور کشمیر اس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

درہ خیبر

(دیکھئے: خیبر درہ)

دستاویزاتِ جناح

(دیکھئے: محمد علی جناح (سے متعلق دستاویزات کا جائزہ))

دستِ تعاون

31 دسمبر 1926ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خطاب فرمایا۔

اس سال مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس سر شیخ عبدالقادر کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔

اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بڑی اہم تجویز پیش کی اور اپنی تقریر میں اس کے بعض نکات پر روشنی ڈالی۔ تجویز یہ تھی:

''لیگ کا اصل مقصد مکمل ذمہ دار حکومت کا حصول ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی یہ خواہش ہے کہ ہندوستان کے موجودہ آئین میں کچھ ترمیمات کی جائیں۔ اس لیے وہ حکومت سے استدعا کرتی ہے کہ بغیر کسی پس و پیش کے فوراً ایک رائل کمیشن مقرر کیا جائے تاکہ تحقیقات اور جانچ پڑتال کے بعد کمیشن کوئی ایسی سکیم مرتب کرے، جس کی رو سے ہندوستان میں بہت جلد ذمہ دار حکومت قائم کرنے کی شرائط شامل ہوں لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے لیے کسی قسم کا آئین مرتب کرنے کے وقت حسب ذیل اساسی اصولوں کے تحفظ کا خاص طور سے خیال رکھنا لازمی ہے۔

1. ملک کی ہر مجلس مقننہ یا دیگر منتخب جماعتوں میں اقلیت کی کافی نمائندگی کا سامان کیا جائے، اور کسی

صوبے کی اکثریت کو اقلیت یا مساوات کے درجہ پر نہ تبدیل کیا جائے۔

۲ اقلیت کی نمائندگی کے لیے جداگانہ انتخابات قرار دیے جائیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر جماعت کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ کسی خاص وقت یا موقع پر مشترکہ انتخابات کو بھی زیرِ عمل لا سکے۔

۳ اگر کسی وقت میں علاقوں کو دوبارہ تقسیم کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے تو اس وقت بنگال، پنجاب و شمال مغربی سرحدی صوبہ کے مسلمانوں کی اکثریت کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔

۴ ہر جماعت کو اپنے مذہبی معاملات کے عقائد اور عبادات کرنے اور اشاعتِ تعلیمات میں مکمل آزادی ہونی چاہیے۔

۵ اگر کسی جماعت کے تہائی ممبر کسی قانون یا تجویز کی اس بناء پر مخالفت کریں کہ بیان کے حق میں ضرر رساں ہے تو اس حالت میں یہ قانونی تجویز پاس نہ ہو۔ لیگ ایک کمیٹی مقرر کرتی ہے۔ کمیٹی کا یہ فرض ہوگا کہ ''ہندوستان کے دیگر سیاسی اداروں سے تبادلہ خیال کرتے ہوئے ایک اسکیم مُرتب کر کے لیگ کی مجلس عاملہ کے پاس غور و خوض کرنے کے لیے بھیجے جسے لیگ کی نظرِ ثانی کے بعد رائل کمیشن کے پاس بھیجا جائے گا۔ نیز لیگ ہر صوبہ میں اس قسم کی کمیٹیاں مقرر کرتی ہے تا کہ وہ سب بھی آئینی اصلاحات کے متعلق ایک اسکیم مرتب کر کے سینٹرل کے پاس روانہ کریں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس تجویز کی تحریک کرتے ہوئے کہا:

''مسلمان اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے بہت پریشان اور نالاں ہیں، ہندوؤں اور کانگریسیوں کا رویہ مسلمانوں کے بالکل مخالفانہ ہے، مشترکہ انتخابات سے قومیت پیدا نہیں ہوسکتی تاریخ شاہد ہے کہ کینیڈا میں جُداگانہ انتخابات سے ملکی نظام میں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا۔'' میری یہ تمنا ہے کہ کانگریس اور ہندو مہاسبھا کے لیڈر ہمیں بھی اپنا شریک کار بنائیں، اور ہمارے ساتھ دوستانہ تعلق اور ربط پیدا کریں۔ آج جس تجویز کی میں نے تحریک کی ہے۔ اس کی نقل کانگریس کے سیکریٹری کے پاس بھیجی گئی ہے، لیکن لیگ سخت نا امید ہوئی۔ جب کہ کانگریس نے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔ خیر جو کچھ گزر گیا وہ گزر گیا۔ ہمیں چاہیے کہ ماضی کو بالکل بُھول جائیں اور اپنے مطالبات کے حصول کے لیے آپس میں متفق ہو کر ایک مشترکہ پالیسی کے زیرِ عمل آئیں۔''

ڈاکٹر کچلو نے اس موقع پر یہ فرمایا:

''اگر ہندو ہماری تجاویز کے اصولوں کو تسلیم کر لیں تو دونوں فرقوں کی باہمی کشمکش فوراً دور ہو جائے چونکہ ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ اس لیے ان کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو راضی کر کے ان کے دلوں کو موہ لیں۔''

دست راست

نواب زادہ لیاقت علی خان کو قائداعظم محمد علی جناح نے اپنا دست راست قرار دیا تھا۔ اس ضمن میں انہوں نے نواب زادہ لیاقت علی خان کو آل انڈیا مسلم لیگ کا اعزازی جنرل سیکرٹری بھی اسی اجلاس میں منتخب کرایا، جو 12 اپریل 1936ء کو بمبئی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے ایک قرارداد پیش کی۔ جس میں کہا گیا تھا:

''یہ طے کیا جاتا ہے کہ یوپی لیجسلیٹو کونسل کے نائب صدر نواب زادہ لیاقت علی خان کو تین سال کے

لیے آل انڈیا مسلم لیگ کا اعزازی جنرل سیکرٹری منتخب کیا جائے۔''

اس عہدے کے لیے راجا غضنفر علی بھی امیدوار تھے لیکن جب انہوں نے یہ کیفیت دیکھی تو اپنا نام واپس لے لیا۔ نواب زادہ لیاقت علی خان 1947ء تک بلا مقابلہ اس کے سیکرٹری منتخب ہوتے رہے۔

(حالات کے لیے دیکھئے لیاقت علی خان)

دست مصالحت

جون 1915ء میں ہونے والی شملہ کانفرنس کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ رہی تھی ۔ ہندو اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے تھے قائداعظم محمد علی جناح اپنے معقول دلائل اور مطالبے کے لیے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن چکے تھے۔

ایک طرف تو کانگریسی لیڈر گاندھی ، جواہر لال نہرو ، راجہ گوپال اچاری، سب مسلم لیگ اور قائداعظم کو زک دینے پر تلے ہوئے تھے۔ دوسری طرف قائداعظم گاندھی کی طرف جھکا ہوا اپنا دست مصالحت بڑھا رہے تھے۔ شاید یہ سمجھ کر کہ اس بار گاندھی یہ ہاتھ جھٹکیں گے نہیں، بلکہ مصافحہ کریں گے۔

جولائی 1945ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندے پرسٹن گردور کو ایک بیان دیتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:

''گاندھی موجودہ کانفرنس کو چھوڑ کر مسلم لیگ سے ایسا سمجھوتہ کرلیں۔ جس کے ذریعے پاکستان ایک حقیقتاً مسلمہ ہو۔ اگر گاندھی پاکستان منظور کرلیں تو ہمیں اس کانفرنس کے جھگڑے میں پڑنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس کے بعد کانگریس اور لیگ دونوں ہندوستان کے تمام باشندوں کی آزادی اور خودمختاری کے لیے جدوجہد کریں گی۔

گاندھی کے متعلق مجھے علم ہے کہ وہ آزادی اور خودمختاری کے متمنی ہیں یہی حال میرا بھی ہے اور میں کہہ چکا ہوں کہ پاکستان آزادی بغیر قائم نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ہمارا پاکستان کا مطالبہ ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ ہے۔''

دستور اسمبلی (پاکستان)

10 اگست 1947ء کو جوگندر ناتھ منڈل کی صدارت میں منعقد ہونے والے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے کراچی میں شرکت کی۔ سب سے پہلے قائداعظم محمد علی جناح نے رجسٹر پر دستخط ثبت کیے۔ ایوان میں 82 ارکان میں سے 72 ارکان موجود تھے۔ لیاقت علی خاں کی تجویز پر مسٹر جوگندر ناتھ منڈل نے پہلے اجلاس کی صدارت کی۔

(نیز دیکھئے، صدر دستور ساز اسمبلی)

دستور پاکستان

(دیکھئے: آئینی نمونہ)

دستور ساز اسمبلی

جولائی 1946ء کے آخر تک دستور ساز اسمبلی کی برٹش انڈیا کی 296 سیٹوں کے انتخابات مکمل ہو گئے۔ کانگریس نے 9 کے علاوہ سب جنرل سیٹیں جیت لیں۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کی 78 سیٹوں میں سے 73 سیٹیں حاصل کر لیں۔ 93 سیٹیں ریاستوں کی تھیں۔ ان کا معاملہ ابھی طے ہونا تھا۔

لارڈ ویول کا خیال تھا کہ جب تک کانگریس واضح طور پر گروپنگ کے بارے میں کیبنٹ مشن کی توضیح کو نہ مانے اس وقت تک دستور ساز اسمبلی کا اجلاس نہ بلایا جائے، لیکن کانگریس کے اصرار پر حکومت برطانیہ نے ویول کی رائے سے اتفاق نہ کیا، چنانچہ وائسرائے نے 9 دسمبر 1946ء کو دستور ساز

اسمبلی کا اجلاس بلالیا۔ وائسرائے کی اس مجبوری کا علم تو ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا کی دستاویزات شائع ہونے کے بعد ہوا ہے۔ اس وقت مسلم انڈیا کا یہی تاثر تھا کہ لارڈ ویول نے یہ اجلاس خود بلایا ہے۔ اس لیے اس فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے مسلم لیگ کے ترجمان روزنامہ ''ڈان'' دہلی نے اپنی 21 نومبر 1946ء کی اشاعت میں لکھا:

''ویول نے میدان جنگ میں بہادری کے کتنے ہی جوہر کیوں نہ دکھلائے ہوں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اپنی فیلڈ مارشل کی وردی کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی اس خوبی کو بھی کولڈ سٹوریج میں رکھ دیا ہے۔''

مسلم لیگ نے وائسرائے کی اس کارروائی پر شدید افسوس کا اظہار کیا اور 22 نومبر 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اعلان کیا:

''مسلم لیگ کا کوئی نمائندہ اس اسمبلی کے کسی اجلاس میں شریک نہیں ہوگا۔''

ویول نے کوشش کی کہ مسلم لیگ بھی دستور ساز اسمبلی میں شرکت کرے لیکن انہیں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

ساری صورت حال دیکھ کر اور روز افزوں ہندو مسلم فسادات کے پیش نظر حکومت برطانیہ نے وائسرائے نیز کانگریس اور مسلم لیگ کے دو دو نمائندوں کو فوری طور پر انگلستان بلایا تا کہ سیاسی مفاہمت کے لیے کوئی نیا حل تلاش کیا جائے۔ وائسرائے نے سکھوں کے نمائندے کے طور پر اپنی ایگزیکٹو کونسل کے دفاع کے رکن سردار بلدیو سنگھ کا نام بھی تجویز کیا، چنانچہ انہیں بھی دعوت دے دی گئی۔ کانگریس کی طرف سے صرف نہرو، مسلم لیگ کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح اور لیاقت علی خاں اور سکھوں کی طرف سے بلدیو سنگھ وائسرائے ویول کے ہمراہ انگلستان پہنچے۔ 3 اور 6 دسمبر کے درمیان لندن میں بات چیت ہوئی۔

3 دسمبر 1946ء کو لارڈ ویول نے ایٹلی، پیتھک لارنس اور الیگزینڈر کو ایک میٹنگ کے آغاز میں بحث کے لیے ایک انتہائی خفیہ نوٹ دیا جس میں یہ کہا گیا تھا:

''اب کانگریس کا یہ خیال ہے کہ برطانوی حکومت اس سے اس وقت تک بگاڑ پیدا کرنے کی جرأت نہیں کرے گی جب تک کہ وہ (کانگریس) کوئی بالکل وحشیانہ کام نہ کرے۔ کانگریس کا مقصد پاور حاصل کرنا اور برطانوی اثر و رسوخ سے جلد از جلد خلاصی حاصل کرنا ہے۔ کانگریس کے رہنما سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد وہ مسلمانوں اور ریاستوں کے حکمرانوں سے نپٹ سکتے ہیں۔ مسلمانوں سے رشوت، بلیک میل، پروپیگنڈہ اور اگر ضرورت پڑے تو طاقت کے زور پر اور ریاستوں کے حکمرانوں سے ان عوامل کے علاوہ، ان کی رعایا کو ان کے خلاف بھڑکا کر۔''

اس نوٹ میں یہ بھی لکھا تھا:

''مسلمان بہت خوف زدہ ہیں اور ان کے بہت سے رہنما مایوس ہو رہے ہیں۔ ان کو اعتماد تھا کہ انگریز ان سے منصفانہ رویہ اختیار کریں گے لیکن انہیں احساس ہو رہا ہے کہ برطانوی حکومت کی کمزوری اور دوغلے پن کی وجہ سے ان سے مناسب سلوک نہیں ہو رہا۔ وہ دستور ساز اسمبلی میں اس وقت تک شریک نہیں ہوں گے جب تک انہیں قطعی طور پر یقین دہانی نہ کرائی جائے کہ اسمبلی اسی طرح کام کرے گی جس طرح ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔''

3 دسمبر 1946ء کو وائٹ (Wyatt) نے قائداعظم محمد علی جناح کو پارلیمنٹ کے چند ارکان سے متعارف کرانے کے لیے ایک ڈنر دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

''جناح کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ کانگریس نے طویل المعیاد منصوبہ نہ کبھی قبول کیا نہ اس کا قبول

کرنے کا کبھی ارادہ تھا اور نہ کبھی قبول کرے گی۔ وہ بار بار کہتے ہیں کہ کانگریس صرف اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اپنی کار میں بیٹھتے ہوئے ان کے آخری الفاظ یہ تھے:

''اب بحث کے لیے کوئی وقت نہیں رہا۔''

اکالی رہنما اور وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے دفاع کے رکن سردار بلدیو سنگھ بیان کرتے ہیں:

''دسمبر 1946ء میں انگلستان میں جناح نے مجھ سے ذاتی بات چیت کے دوران کہا:

''بلدیو سنگھ۔ آپ یہ ماچس کی ڈبیا دیکھ رہے ہیں۔ اگر مجھے اس سائز کا پاکستان بھی ملا تو میں اسے بخوشی قبول کرلوں گا لیکن مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ اگر آپ سکھوں کو یہ سمجھا سکیں کہ وہ مسلم لیگ سے تعاون کریں تو ہمیں ایک شاندار پاکستان مل جائے گا جس کی سرحدیں اگر دہلی کے اندر نہیں تو دہلی کے قریب ضرور ہوں گی۔''

وزیراعظم ایٹلی اور ان کے رفقاء سے کئی ملاقاتوں اور بحث کے بعد بھی، سیاسی رہنماؤں کے درمیان کیبنٹ مشن پلان کے بارے میں اتفاق رائے نہ ہو سکا کیونکہ گروپنگ کے بارے میں نہرو اپنی تشریح پر اڑے رہے۔ ویول لکھتے ہیں:

''اس پر مشن کی اور میری، وزیراعظم سے بات ہوئی۔ حسب معمول کرپس اور پیتھک لارنس کانگریس کے نقطہ نظر کو قبول کرنے کے حامیوں کے طور پر ایک طرف تھے، اور مسلمانوں سے انصاف کے لیے الیگزینڈر اور میں دوسری طرف، وزیراعظم نے ہم سے اتفاق کیا۔''

یہ وہ لمحہ تھا جس میں ایٹلی کے فیصلے نے تاریخ کے دھارے کا رخ متعین کرنا تھا۔ ایٹلی نے کانگریس کی طرف اپنے رجحان کے باوجود اس لمحے ویول اور الیگزینڈر کا ڈرافٹ منظور کر لیا۔ حیرت کے کیسے کیسے سائے کرپس اور پیتھک لارنس کے چہروں پر آکر گزر گئے ہوں گے۔ قدرت کا فیصلہ سب پر حاوی ہو گیا۔

6 دسمبر 1946ء کو برطانوی حکومت نے ایک بیان جاری کیا جس میں اور باتوں کے علاوہ یہ کہا گیا:

1. صوبوں میں گروپنگ کے بارے میں مشن کی توضیح جسے مسلم لیگ نے قبول کر لیا تھا، صحیح اور کانگریس کی توضیح غلط ہے۔ گروپنگ کیبنٹ مشن پلان کا جزو لاینفک ہے۔ دستور ساز اسمبلی میں تمام پارٹیوں کے لیے اسے قبول کرنا ضروری ہے۔
2. سیکشنوں کے فیصلے سیکشنوں کے حاضر ارکان کی اکثریت سے ہوں گے۔
3. اگر ایسی دستور ساز اسمبلی جس میں ہندوستانی آبادی کے خاصے حصے کی نمائندگی نہ ہو، کوئی دستور بنا دے تو حکومت برطانیہ ایسے دستور کو ملک کے ان حصوں پر نافذ نہیں کرے گی جنہیں یہ قبول نہ ہو۔

اس بیان سے کانگریس کی امیدوں پر اوس پڑ گئی، اور قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے اس عزم کو مزید راسخ کر لیا کہ نہرو اور کانگریس کو دستور ساز اسمبلی کے ٹریک پر اکیلے ہی دوڑنے دو۔ اسی مایوسی کی حالت میں دستور ساز اسمبلی کی میٹنگ میں شرکت کے لیے نہرو ہندوستان واپس چلے آئے، لیکن قائداعظم محمد علی جناح اور لیاقت علی خاں نے کچھ دیر انگلستان میں رکنے کا فیصلہ کیا کیونکہ یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ دستور ساز اسمبلی اب گروپ بی اور گروپ سی پر اپنا آئین نافذ نہیں کر سکتی۔

پینڈرل مون (Pendrel Moon) نے کیا خوب لکھا ہے:

''پیچھے مڑ کر دیکھیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت

کانگریسی رہنماؤں کو کسی کی بد دعا لگ گئی تھی جس کے زیر اثر وہ آئندہ دس سال تک کچھ اس طرح کام کرتے رہے کہ اس کا نتیجہ ان کے ارادوں کے خلاف نکلتا رہا۔ وہ ہندوستان کو متحد رکھنے کے شدید خواہش مند تھے لیکن متواتر ایسے کام کرتے رہے جن سے تقسیم ناگزیر ہوگئی۔''

ممتاز حسن لکھتے ہیں:

''قائداعظم نے لندن میں (ہم سے) کئی دفعہ کہا کہ میرے دل میں برطانوی عوام کے لیے بے حد عزت و احترام ہے لیکن مجھے اس بات پر حیرانی ہے کہ برطانیہ کی تاریخ کے اس نازک مرحلے پر انہیں ایٹلی سے بہتر کوئی آدمی رہنمائی کے لیے نہ ملا۔''

قائداعظم محمد علی جناح اور لیاقت علی خاں ابھی لندن ہی میں تھے کہ 11 دسمبر 1946ء کو برطانوی پارلیمنٹ میں بحث کے دوران حزب اختلاف کے رہنما چرچل نے کہا:

''نہرو کی عبوری حکومت کے بننے کے چار ماہ کے اندر ہندوستان میں تشدد سے مرنے اور زخمی ہونے والوں کی تعداد اس سے پہلے کے نوے سال کی نسبت بھی زیادہ ہے۔ یہ طوفان کے آنے سے پہلے کے چند بھاری خطرات ہو سکتے ہیں۔ مختلف خطوں اور بے شمار گمنام دیہاتوں میں پھیلی ہوئی ان خوفناک خوں ریزیوں کا شکار زیادہ تر مسلمان ہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں عددی برتری کی بنا پر ہندو حکومت قائم کرنے کی کسی کوشش کا نتیجہ سول وار ہی ہو گا۔ نو کروڑ مسلمان ہندوستان کے جنگجو عناصر کی اکثریت ہیں۔ انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کو اقلیت کہہ دینا کوئی ہوش مندی کی بات نہیں ہے۔''

9 دسمبر 1946ء کو دہلی میں ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کا افتتاح ہوا۔ اگرچہ قائداعظم محمد علی جناح ابھی لندن ہی میں تھے لیکن ان کی ہدایت کے مطابق مسلم لیگ کے تمام ارکان دستور ساز اسمبلی نے اس کا بائیکاٹ کر کے ان کی ذات اور ان کی حکمت عملی پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔

(قائداعظم محمد علی جناح، از محمد سلیم مطبوعہ قومی پبلشرز، لاہور)

دستور ساز اسمبلی اور قائداعظم

سپرو کمیٹی کے صدر سر تیج بہادر سپرو گاندھی اور کانگریس کے دیگر رہنما مسلسل حکومت پر زور دیتے رہے:

''اختلافات کا تصفیہ ایک دستور ساز اسمبلی میں کیا جائے۔''

حکومت نے بھی یہ مطالبہ منظور کرلیا اور وقتاً فوقتاً اس کا اعلان بھی کرتی رہی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس فریب کاری کی سخت و شدید مخالفت کی، اور انہوں نے اس شرانگیز تجویز پر بہت بڑا اعتراض وارد کیا۔ انہوں نے کہا:

''جب ہم متحدہ ہندوستان کو تقسیم نہیں کرتے ۔ پاکستان کے طالب ہیں تو ایک ایسی دستور ساز اسمبلی جس میں ہندوؤں کی اکثریت ہوگی ۔ ہمارے کس مرض کی دوا ہو سکتی ہے؟
دستور ساز اسمبلی جب بھی بنے گی تو ایک نہیں دو۔''

10 دسمبر 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بیان دیتے ہوئے فرمایا:

''پاکستان کے مسئلہ کے طے ہو جانے سے پہلے حکومت برطانیہ کی ایک آل انڈیا دستور ساز جماعت کی تجویز گھوڑے کے سامنے گاڑی جوتنے کے مترادف ہے۔ سب سے پہلے اور لازمی چیز یہ ہے کہ ہم پاکستان پر متفق ہو جائیں، اور تب صرف تب ہی ہم دوسرا قدم اٹھا سکتے ہیں، لیکن دستور ساز جماعت

ایک نہیں بلکہ دو ہوں گی۔ ایک دستور ساز جماعت ہندوستان کے دستور اساسی کے متعلق فیصلہ کرکے اسے ترتیب دے گی، اور دوسری دستور ساز جماعت پاکستان کا دستور اساسی مرتب اور اس کے متعلق فیصلہ کرے گی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''کینیڈا اور امریکہ ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ ہندو مسلمان کیوں نہیں رہ سکیں گے؟ یہ بھی ممکن ہے کہ آبادیوں کے متعلق میں تبادلہ ہو، بشرطیکہ ان لوگوں کی مرضی سے ہو۔ جو تبدیل ہونا چاہیں۔ ایسی حدود میں تبدیلی کے بھی امکانات ہیں۔ جہاں اراضیات پاکستان کی حدود سے یا مسلم اراضیات، ہندوستان کی حدود سے ملی ہوئی ہوں۔ یہ سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن سب سے پہلے یہ ضروری اور لازمی چیز ہے کہ صوبوں کی موجودہ حدود کو پاکستان کی حدود تسلیم کیا جائے۔''

دستور ساز اسمبلی کا فریب

روزنامہ انقلاب اپنے اداریہ 25 مارچ 1940ء میں لکھتا ہے:

''قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں جو خطبہ صدارت ارشاد فرمایا وہ عام رسم کے مطابق پہلے سے لکھا ہوا نہیں تھا، بلکہ وقت کے اہم مسائل کو صاحب ممدوح نے نہایت عمدہ ترتیب کے ساتھ زبانی پیش فرمایا تھا، اور کانگریسی لیڈروں کے بیانوں اور تقریروں کی روشنی میں ان مسائل کے متعلق قوم کے سامنے صحیح صورتحال پیش کردی۔

دستور ساز اسمبلی پر آج کل کانگریس بہت زور دے رہی ہے۔ مسٹر جناح نے اس تجویز کے سارے پہلو کھول کر بیان فرما دیے۔ مثلاً:

❶ یہ تجویز حکومت انگلشیہ کے سامنے پیش ہو رہی ہیں اور حکومت مذکورہ سے درخواست کی جارہی ہے کہ وہ اسمبلی منعقد کرے حالانکہ وہ خود حاکم ہے۔

❷ اس میں ہندوستان کو مسلمانوں کے مقابلے میں تین گنا ووٹ حاصل ہوں گے۔

❸ مسلمان اس کی مخالفت کررہے ہیں لیکن انہیں راضی کیے بغیر اس پر کانگریس کو کوئی تامل نہیں۔

❹ یہ صاف کہہ دیا ہے کہ صرف ان امور کے متعلق اقلیتوں کی رضامندی حاصل کرنا ہوگی جو ''فرقہ وار'' ہوں گے۔ دستور کے عام مسائل و معاملات کے متعلق فیصلہ محض کثرت رائے سے ہوگا۔

❺ جن مسائل پر اتفاق نہ ہوسکے گا، ان کا معاملہ ٹریبونل کے سپرد کردیا جائے گا۔

❻ ٹریبونل کون مقرر کرے گا اس کا جواب ابھی تک نہیں دیا گیا۔

❼ انگریزی عنصر تو درمیان سے حذف ہوجائے گا، پھر اس دستور ساز اسمبلی کے فیصلوں کو کون نافذ کرے گا؟

❽ اور اب تو گاندھی جی خود کہہ رہے ہیں کہ ان کی سول نافرمانی صرف دستور ساز اسمبلی کے لیے ہوگی۔ گویا مسلمانوں کی رائے اور مرضی کے خلاف حکومت کو مجبور کرنے کے لیے سارا زور لگایا جائے گا۔

❾ گاندھی جی یہ کہتے ہیں کہ اسمبلی منعقد ہوجائے گی، اور مسلمان اس میں کہہ دیں گے کہ یہ طریقہ ان کو پسندیدہ نہیں تو گاندھی جی کو مسلمانوں کے اختلاف یا بے اطمینانی کا یقین ہوجائے گا۔ بتائیے کہ ان مختلف امور و معاملات کا جواب کانگریس کے پاس کیا ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ یہ سب دھوکہ اور فریب ہے

۔کانگریس کی نیت صاف نہیں، ورنہ گاندھی جی کو اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کیوں تامل ہے کہ وہ ہندو ہیں۔ کانگریس فی الحقیقت ہندوؤں کی نمائندہ جماعت ہے، اور اس حیثیت میں اسے مسلمانوں کے ساتھ صحیح اصول پر بات چیت کرنی چاہئے۔

اب یہ حقیقت مسلم ہے کہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں، ان کے مذہبی فلسفے مختلف ہیں۔ معاشرتی نظام مختلف ہے۔ وہ باہم شادیاں نہیں کرتے۔مل جل کر کھانا نہیں کھاتے، ان کی تہذیبیں جدا گانہ ہیں، ہیرو مختلف ہیں، ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک قوم کے ہیرو کو دوسری قوم اپنا مخالف جانتی ہے اس طرح ان کی فتح وشکست میں تصادم کے مواقع موجود ہیں، پھر ان میں سے ایک قوم از روئے عدد کم ہے، اور دوسری زیادہ ہے۔ ایسی قوموں کو زبردستی ایک جگہ لانے اور ایک حکومت ترتیب دینے کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ بنایا ہوا انتظام حکومت تباہ ہوجائے۔مسٹر جناح کے ان ارشادات سے کون سا سلیم الحواس انکار کی جرأت کرسکتا ہے؟

آخر میں مسٹر جناح نے فرمایا:

''مسلمان آج کل سیاسی اصطلاح کے مطابق اقلیت نہیں ہیں بلکہ وہ ایک مستقل قوم ہیں۔ وہ امن کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور کسی کو نقصان پہنچانے کے روادار نہیں ہوسکتے۔ وہ سب کے ساتھ انصاف وعدل کے داعی ہیں، لیکن اس بات کو بھی برداشت نہیں کرسکتے کہ دھمکیوں سے متاثر ہوکر اپنے مقاصد و نصب العین سے روگرداں ہوجائیں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہر مشکل کے ازالہ کے لیے زیادہ سے زیادہ قربانیوں کا پختہ ارادہ کرلیں۔''

مسٹر جناح نے اہل الرائے اصحاب سے اپیل کی:

''وہ پیش نظر کام کی اہمیت کا صحیح صحیح اندازہ لگالیں۔ آزادی دلائل سے حاصل نہیں ہوتی۔ ہر ملک کے اہل الرائے اصحاب ہمیشہ آزادی کی تحریکات کے علمبردار رہے ہیں۔ مسلمانانِ ہند کے مفکرین کو بھی چاہئے کہ اپنا فرض پہچانیں اور پوری سرگرمی سے قومی کام کے لیے تیار ہوجائیں۔ ان پر واجب ہے کہ مسلمانوں کو منظم کریں۔ ان کو حرکت میں لائیں اور اقتصادی ،معاشرتی اور سیاسی حیثیت سے ان کی پوزیشن کو مستحکم بنائیں۔ جب تک یہ کام انجام نہ پائیں گے، ہندوستان کے مسلمان ایسی طاقت نہیں بن سکتے کہ ہر دل میں ان کا حقیقی احترام پیدا ہوجائے۔''

اخبار لکھتا ہے:

''ہمیں یقین ہے کہ مسلمانانِ ہند اپنے قائد کی اس دردمندانہ اپیل پر ہر قوت قوم کی بہتری اور بہبود کے لیے وقف کردیں گے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 25 مارچ 1940ء)

دستور کی پابندی

قائداعظم محمد علی جناح مسلمانوں کے متفقہ لیڈر رہتے، اور مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے انہیں وسیع اختیارت حاصل تھے۔ پھر بھی وہ اپنے اختیارات سے تجاوز نہ کرتے تھے، اور جب بھی دستوری طور پر ضروری ہوتا پہلے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ یا کونسل کی منظوری لینے پر اصرار کرتے۔ ماؤنٹ بیٹن اور دیگر لوگ اس پر بے حد جھلاتے اور پیچ وتاب کھاتے تھے۔

ان کے خیال میں یہ ضرورت سے بڑھ کر دستور کی پابندی تھی، انہیں شک تھا کہ اس طرح مسٹر جناح مہلت حاصل کرنے یا پابندی قبول نہ کرنے کی گہری چال چلتے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ اور مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح ایک تقریب میں

درحقیقت یہ عمل اخلاص پر مبنی ہوتا۔ قائداعظم محمد علی جناح کا اعتقاد تھا کہ انسان دستوری طور پر عطا کردہ اختیارات کی حدود میں رہ کر ہی اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔

دستوریہ کا اولین اجلاس

پاکستان کی مجلس دستور ساز کا پہلا اجلاس 11 اگست 1947ء کو کراچی میں منعقد ہوا، جس میں اتفاق رائے سے قائداعظم محمد علی جناح کو صدر چنا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے تالیوں کی گونج میں صدارت کی کرسی سنبھالی اور شریک اجلاس مندوبین سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''آپ لوگوں نے اسمبلی کا پہلا صدر چن کر مجھے جو عزت بخشی ہے، اس کے لیے آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ میں خلوص دل سے توقع رکھتا ہوں کہ ہم اس مقننہ کو دنیا کے لیے ایک مثال بنائیں گے۔ اس اسمبلی کو دو اہم کام کرنے ہیں ۔ پہلا کام جو بڑا کٹھن اور ذمہ دارانہ ہے ۔ پاکستان کے لیے دستور وضع کرنا ہے۔ دوسرے اسے ایک مکمل با اختیار ادارہ کی حیثیت سے پاکستان کی مرکزی مقننہ کے فرائض انجام دینے ہیں۔ ہمیں اپنی بہترین کوششیں بروئے کار لانا ہیں۔''

جب ان کی نظر کھچا کھچ بھرے ہوئے ہال اور آدمیوں کے ریلے پر پڑی جن کے دلوں میں اشتیاق و جذبات کی ایک دنیا موجزن تھی، اور پیشانیاں پسینے میں شرابور تھیں جو نیا عزم وحصہ پانے، تازہ احکامات اور نئی مملکت کی تعمیر کے لیے ہر لحہ نئے سوال سے متعلق یہ ہدایات حاصل کرنے کے لیے بار بار ان کی طرف دیکھتے تھے۔ تو وہ کہنے لگے:

''آپ صحیح معنوں میں جانتے ہیں کہ اس وقت ہم نہ صرف اپنے آپ پر حیران ہو رہے ہیں بلکہ میرے خیال میں پوری دنیا اس بے مثال طوفانی انقلاب پر حیرت کا اظہار کر رہی ہے۔ جو دو آزاد با اختیار ریاستوں کی تخلیق اور قیام کا سبب بنا ہے۔ یہ اپنی کامیابی کے لحاظ سے بے نظیر انقلاب ہے۔ دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس وسیع برصغیر کو جس میں ہر قسم کے باشندے پائے جاتے ہیں۔ ایک ایسے منصوبے نے زیر کرلیا ہے جو نا قابل فہم، نامعلوم اور اپنی مثال آپ ہے۔''

قائداعظم کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ سیاسی جنگ جیت چکے ہیں۔ اعلیٰ ترین عدالت نے بھی ان کے حق میں ایک اور فیصلہ صادر کر دیا تھا۔ نہ وہ اتنی ہمت رکھتے تھے اور نہ ہی کسی طرف سے مدد ملی تھی۔ یہاں تک کہ قبل از وقت ایک تقریر کو لکھنے کی فرصت بھی میسر نہ آئی۔

دشمن کا نیا حربہ

15 نومبر 1942ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے جالندھر میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''آپ ہندوستان کے مسلمان طلباء کی اس طرح تنظیم کیجئے کہ وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ایک نقطہ پر جمع ہو جائیں اور ملت اسلامیہ کی معاشرتی، اقتصادی اور ترقی و ارتقاء کے لیے تعمیری لائحہ عمل ترتیب دیں۔ ثقافتِ اسلامی اور تعلیماتِ محمدی کا احیاء کریں، اور ہندوستان کے مختلف اقوام وملل کے درمیان بھائی چارہ اور خیر سگالی کے احساسات کو ترقی دیں۔

پھر آپ کا یہ بھی فرض ہونا چاہیے کہ ہندوستان، ممالک اسلامیہ اور دیگر اقطاع عالم کے طالب علموں میں باہمی ربط و تعاون پیدا کریں اور اس کو وسیع تر کرتے جائیں۔

میں وفاق مسلم طلباء پنجاب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اُنہوں نے مارچ 1941ء سے اب تک بڑی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔اُنہوں نے ضلع ضلع مسلم لیگ کا پیام اور لائحہ عمل پہنچا دیا ہے۔

کل ہند کانگریس کمیٹی نے الہٰ آباد میں نہ صرف مسٹر راجگو پال اچاری کی تجویز کو جو ہماری تجویز سے مختلف تھی ایک بڑی اکثریت سے مسترد کر دیا، بلکہ ایک نئی قرارداد کو اتنی ہی بڑی اکثریت سے منظور کیا۔ جس کا مفہوم یہ تھا کہ مسئلہ پاکستان ''تقسیم اکھنڈ ہندوستان'' سے کانگریس کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتی۔ وہ مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان پر غور کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔ اس لیے اس نے (کانگریس نے) مفاہمت کا دروازہ بھی بند کر لیا ہے۔

اس کے بعد مسٹر گاندھی پر ایک غیر معمولی نظریہ کا القاء ہوا اور وہ یہ تھا کہ برطانوی حکومت ہندوستان چھوڑ دے۔ اگر انگریز کل ہی ایسا کریں تو مجھے بڑی مسرت ہوگی، پھر ہم ان سے بخوبی سمجھ لیں گے۔ (فلک شگاف نعرے)

اب مسٹر گاندھی یہ کہنے لگے ہیں کہ تاوقتیکہ انگریز ہندوستان سے چلے نہ جائیں ہندو مسلم سمجھوتہ کا کوئی سوال ہی نہیں اُٹھایا جا سکتا! حالانکہ یہ ان کا بنیادی اصول اور ایقان تھا اور جس کو مسٹر گاندھی نے بارہا دہرایا ہے کہ ہندو مسلم سمجھوتے کے بغیر ہندوستان کو آزادی اور خود مختاری نہیں مل سکتی۔

یہ ان شرائط اولین میں سے ایک ہے، جو آزادی ہند کے لیے معین کی گئی تھیں لیکن اسے ایک ہی رات میں دریا برد کر دیا گیا۔ برطانوی حکومت کو ہمارے استمزاج کے بغیر تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ہندوستان کو چھوڑ دے۔ یہ دفعتاً اور بیک وقت کیونکر ہوا۔ مسٹر گاندھی ادھر ابھی تو حکومت کو کچھ دھمکی اور کچھ گفت و شنید میں لگائے ہوئے تھے، اور ایک مرتبہ تو انہوں نے آنسوے بھی بہائے تھے۔

جب یہ سارے حربے ناکام ہو چکے تو انہیں انگریزوں پر اس قدر غصہ آیا کہ انہیں ہندوستان سے نکل جانے کو کہہ دیا۔ کیوں؟ وجہ ظاہر ہے! ان کا مقصد وہ نہیں ہوتا جو وہ کہتے ہیں اور جو ان کا مقصد ہوتا ہے وہ کہتے نہیں! (نعرۂ تحسین)

حکومت نے ایک ناقابل فہم موقف اختیار کر رکھا ہے۔ برطانوی کہتے ہیں ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کانگریس کے بغیر ہم کس طرح عارضی حکومت ترتیب دے سکتے ہیں؟

اس کے بعد قائداعظم نے پنجاب بالمیک اچھوت وفاق لدھیانہ کے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''میں جہاں بھی رہوں آپ کے فرقے کے مفادات کو کبھی فراموش نہیں کروں گا۔ آپ میں سے جو لوگ ہمارے پاکستان میں رہیں گے ان سے نہ صرف مہذب حکومت کے بلکہ ہمارے جدید تصور کے پیش نظر انسانیت اور مساوات کا سلوک کیا جائے گا بلکہ ہماری مذہبی ہدایات بھی یہی ہیں کہ ہر اس غیر مسلم اقلیت کے ساتھ جو اسلامی حکومت کے تحت ہو منصفانہ اور مناسب برتاؤ کیا جائے۔ (طویل نعرہ ہائے تحسین)

اس وقت چونکہ میں سرزمین پنجاب میں ہوں، اس لیے یہ کہوں گا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین جو مسئلہ ہے وہ کل ہند سوال ہے اور سکھوں اور مسلمانوں کے مابین جو مسئلہ ہے وہ پاکستان سے متعلق ہے، اور عملی طور پر مسلمانوں اور سکھوں کا مسئلہ ہے۔

اگر ہمارے سکھ دوست چاہتے ہیں اور ہماری بھی یہی خواہش ہے کہ ان کے اور ہمارے مابین کوئی سمجھوتہ

ہو جائے تو میں اُن سے کہوں گا کہ ایک دوسرے کے خلاف نہ کہیں بلکہ ایک دوسرے سے کہیں! ہم اپنے سکھ دوستوں سے کسی جلب منفعت کا ارادہ نہیں رکھتے۔ میں ان سے صرف یہی اپیل کروں گا کہ وہ بیرونی اثرات سے آزاد ہو جائیں، ہم سے ملیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم ایک ایسے سمجھوتے پر پہنچ جائیں گے جو ہمارے سکھ دوستوں کو معقول حد تک مطمئن کر دے۔ (نعرۂ تحسین)

یوں تو پاکستان پر متعدد اعتراضات وارد کیے گئے جن کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا گیا ہے اور اب ان کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہی ہے، لیکن اب ایک نئی چال چلی گئی ہے۔ نیا ضابطہ یہ ہے کہ حقِ خود ارادیت صرف مسلمانوں تک کیوں محدود رکھا جائے اور اُسے دوسرے فرقوں تک کیوں نہ وسیع کیا جائے؟

اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ ہر فرقہ خود ارادیت رکھتا ہے، اس لیے پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ وغیرہ کو اتنے ٹکڑوں میں تقسیم کر دینا چاہیے۔ اس طرح سینکڑوں پاکستان ہو جائیں گے۔

یہ ضابطہ کہ ہر ایک فرقہ کو حقِ خود ارادیت حاصل ہے یا تو سراسر جہالت ہے یا پھر فتنہ انگیزی ہے۔ میں اس کا جواب دوں گا مسلمان ایک نشان زدہ علاقے میں جو ان کا وطن ہے من حیث القوم اپنے حقِ خود ارادیت کا مطالبہ کر رہے ہیں، اور وہ منطقے ایسے ہیں جہاں اُن کی اکثریت ہے۔

کیا آپ نے تاریخ میں کہیں دیکھا ہے کہ منتشر ذیلی جماعت ہائے قومی کو مملکت کا مستحق سمجھا گیا ہو؟ ان کو تم کہاں سے مملکت دلواؤ گے؟ جب یہی ٹھہری تو صوبجات متحدہ میں 14 فی صد مسلمان ہیں، انہیں ایک مملکت کیوں نہیں دے دیتے؟ صوبجات متحدہ میں مسلمان من حیث القوم نہیں ہیں۔ وہ منتشر ہیں۔ جنہیں دستوری زبان میں ذیلی جماعت قومی کہا جاتا ہے، اور جس قدر کسی مہذب حکومت میں ایک اقلیت کو مل سکتا ہے انہیں ملے گا لیکن اس سے زیادہ کی وہ توقع نہیں کر سکتے۔''

دشمن کے ہاتھ

اوٹا کمنڈ کے سفر کا واقعہ ہے۔ جب قائداعظم محمد علی جناح میسور کے قریب پہنچے تو میزبان کے صاحبزادے نے قریب آ کر کہا:

''قریب کے گھڑ دوڑ کلب میں کچھ وقت صرف کر لیا جائے۔''

مگر قائداعظم اور محترمہ فاطمہ جناح نے میسور کا سفر جاری رکھا، لیکن آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری مطلوب الحسن سید کچھ دیر کلب میں رک گئے اس زمانے میں جنگ عظیم ہو رہی تھی۔ رات کا وقت تھا۔ سازینے کی لے پر دو یورپین عورتیں رقص کر رہی تھیں۔ مطلوب الحسن سید ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے، اتنے میں ایک بوڑھی یورپین عورت نے پاس آ کر کہا:

''آج ہفتے کی شام کو تمہارے جیسا نوجوان اس طرح اکیلا بیٹھا اچھا نہیں لگ رہا، رقص کیوں نہیں کرتے؟''

مطلوب الحسن سید نے کہا:

''مجھے تو مغربی ناچ نہیں آتا۔''

مگر میزبان کے صاحبزادے نے شرارت سے بڑھیا کو شہہ دی۔ چنانچہ وہ تو سر ہوگئی اور اپنے ساتھ گھسیٹ کر فرش پر لے گئی، خیر کچھ دیر بعد مطلوب الحسن سید نے اپنا پیچھا چھڑا لیا اور واپس آ گئے، پھر میسور کی طرف روانہ ہو گئے۔ طلوع آفتاب کے وقت سب لوگ میسور پہنچ کر قائداعظم محمد علی جناح

کے ساتھ ناشتے میں شریک ہوگئے۔ رات جاگنے کے باعث انہیں کسی قدر دیر ہوگئی تھی۔ مطلوب الحسن سید نے قائداعظم محمد علی جناح سے معذرت چاہی۔ یہاں بھی میزبان کے صاحبزادے نے شرارت آمیز انداز میں قائداعظم کے سامنے رات کی روداد سنادی اور کہا:

''یہ رات ایک جرمن عورت کے ساتھ رقص میں شریک رہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جرمن کا لفظ سنتے ہی کہا:

''اچھا مطلوب تو کل تم دشمن کے ہاتھوں میں تھے۔''

اس پر ناشتے کی میز پر سب لوگ دیر تک ہنستے رہے۔

دعا

اقبال احمد صدیقی بیان فرماتے ہیں:

''15 اپریل 1942ء کو الہ آباد میں انجمن صحافیان کی دعوت میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے جو پیش گوئی فرمائی تھی بلا مبالغہ درست ثابت ہوئی ہے۔ ہم نے سنا کہ مسلمانوں کے علاوہ فراخ دل اور روشن خیال ہندو آپ کو''دعا'' دیتے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں اتفاق کرتا ہوں کہ آج بہت فرق ہے۔ بالخصوص ہندوؤں اور مسلمانوں میں۔ آپ یہاں ہندو ہیں یا مسلمان، پارسی ہیں یا عیسائی، میں آپ سے جو کچھ کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ مجھ پر جتنی بھی چاہے تنقید کی جائے ،جتنا بھی چاہے مجھ پر حملہ کیا جائے، اور آج بعض حلقوں میں مجھ پر نفرت کا الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ میں ان کا قاتل ہوں، اور دیانت داری سے اسی کا قائل کہ وہ دن آئے گا۔ جب نہ صرف مسلمان بلکہ ہندوؤں کا یہ عظیم فرقہ میرے لیے دعائے خیر کرے گا۔ میری زندگی میں ہو نہ سہی، میری موت کے بعد ہی سہی۔''

(قائداعظم، تقاریر و بیانات جلد 3، ص 56)

دعوت اتحاد و صلح

روزنامہ نوائے وقت اپنی اشاعت یکم جون 1946ء میں لکھتا ہے:

''ہندو کانگریس پریس کا معیار صلح جوئی اور مقدر شکست بھی خوب ہے۔ قائداعظم کے متعلق ہندو پریس کا پروپیگنڈہ بالعموم یہ ہو رہا ہے کہ مسٹر جناح بڑے ضدی ہیں۔ مسٹر جناح سمجھوتہ نہیں چاہتے۔ مسٹر جناح تیسری پارٹی کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں، مگر جب بھی جناح صدر کانگریس کو اتحاد و صلح کی دعوت دیتے ہیں تو کانگریسی نیا راگ الاپنا شروع کر دیتے ہیں۔ قائداعظم نے پرسوں شملہ میں ایک تقریر کرتے ہوئے کہا:

''مجھے امید ہے کہ ہم ہندوستان کی پیچیدہ سیاسی گتھی کو حل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ میں یہی جذبہ لے کر دہلی جارہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ متنازعہ مسائل کا دوستانہ تصفیہ ہوجائے گا۔''

اخبار لکھتا ہے:

''ہندوستان کی موجودہ سیاسی فضا میں جو فرقہ وارانہ منافرت کے زہر سے مسموم ہے۔ قائداعظم کا یہ آوازہ صلح اس قابل تھا کہ خندہ پیشانی سے اس کا خیر مقدم کیا جاتا کیونکہ جنگی نعروں کے شور نہیں یہی ایک صلح و سلامتی کی آواز ہے۔ جو قائداعظم نے بلند کی ہے، مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شکست خوردہ ذہنوں کو قائداعظم کی اس دعوت صلح میں بھی ان کی شکست کا پہلو نظر آتا ہے۔ قائداعظم نے یہ فرمایا ہے

کہ آخر ہم ہمیشہ تو نہیں لڑتے رہیں گے۔اس سے یہ مفہوم پیدا کیا گیا ہے کہ مسٹر جناح تھک گئے ہیں، اور ہتھیار ڈالنا چاہتے ہیں۔قائداعظم کی شخصیت ان حملوں سے بہت بالا تر ہے۔ اس لیے ہم اس کا جواب دینا غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ جو شخص ہندو کانگریس جیسی عظیم الشان اور منظم جماعت اور برطانوی حکومت کا کئی برس تک یک وتنہا مقابلہ کررہا ہو، اوراس حالت میں قدم نہ ڈگمگاتے ہوں کہ اس کی اپنی قوم کے افراد جن کی سربلندی کے لیے وہ اپنی زندگی وقف کیے ہوئے ہے۔مخالف کیمپوں میں بیٹھ کراس پر طعن وتشنیع کے تیر برسا رہے ہوں وہ آج جب کہ پوری قوم اس کی پشت پر صف آراء ہے، اور لاکھوں مسلمان اپنی زندگی اس کے حکم پر نثار کرنا اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھیں گے کیونکر گریز اختیار کرسکتا ہے؟

ہندو کانگریسی لیڈروں نے بارہا مسٹر جناح کو برا بھلا کہا اور یہ وعدے کیے کہ اب ان سے ہرگز ہرگز بات چیت نہیں ہوگی۔آخری مرتبہ پنڈت نہرو نے یہ اعلان کیا تھا کہ جب تک مسٹر جناح مسلم لیگ کے صدر ہیں۔ لیگ سے صلح کی گفت وشنید نہیں ہوگی۔ کانگریس لیگ سے ہزار میل پرے رہے گی، مگر یہی پنڈت جی شملہ مسٹر جناح کی قیام گاہ پر صلح کی گفتگو کرنے کی لیے تشریف لائے۔اس وقت کسی مسلمان لیڈر نے یہ نہیں لکھا کہ کانگریس شکست کھا چکی ہے، اوراب میدانِ جنگ سے بھاگنا چاہتی ہے بلکہ سب نے پنڈت جی کے اس اقدام کو سراہا اور یہ دعا کی کہ خدا کرے کہ یہ گفت وشنید کامیاب ہو۔

قائداعظم کی یہ دعوت صلح کی نئی نہیں ہے۔ جناح صاحب نے دہلی لیگ سیشن کے وقت بھی ہندو کانگریس کو یہی دعوت دی تھی۔کراچی میں انہوں نے جوش کے ساتھ اپنی پیشکش کو دہرایا اور اب شملہ میں انہوں نے خلوص کے ساتھ یہ کہا ہے کہ ہندوستان کی دو عظیم الشان قومیں ہندو اور مسلمان ہمیشہ آپس کی لڑائی جاری نہیں رکھ سکتیں۔ہمیں آپس کے جھگڑوں کو دوستانہ طریق پر نپٹانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہندو لیڈر شپ تدبر کا ثبوت دے تو یہ دعوت ایک باعزت سمجھوتے کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے، لیکن اگر قائداعظم کی پیش کش میں سے لیگ کی شکست کے معنی نکالنے کی کوشش کی گئی تو یہ جھگڑے جاری رہیں گے، اور ہندوستان کی سیاسی ترقی اس وقت تک رکی رہے گی جب تک کہ کانگریس جھوٹے نیشلزم اور جھوٹے وقار کی زنجیریں نہیں توڑ دیتی۔''

(روزنامہ نوائے وقت، اشاعت یکم جون 1946ء)

دقیانوسی سماج

(دیکھئے: اجتماعی روح)

دگلا

(دیکھئے: تعلیم)

دل آویز خط

از گاندھی

بھائی جناح!

کبھی وہ دن بھی تھا کہ میں آپ کو اس پر آمادہ کرسکتا تھا کہ مادری زبان (گجراتی) میں باتیں کریں۔آج میں اسی زبان میں خط لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ میں نے آپ کو اس وقت ملنے کی دعوت دی تھی جب میں جیل میں تھا۔ جب سے میں رہا

ہوا ہوں میں نے آپ کو خط نہیں لکھا، لیکن آج میرا دل کہتا ہے کہ مجھے چاہئے کہ آپ کو لکھوں۔ آپ جب چاہیں، ہم ملیں گے۔ مجھے آپ اسلام کا اور اس ملک کے مسلمانوں کا دشمن نہ سمجھیں۔ صرف آپ کا نہیں بلکہ میں ساری دنیا کا دوست اور خادم ہوں۔ مجھے مایوس نہ کیجئے۔

ساتھ ہی میں اس خط کا اردو ترجمہ بھی ملفوف کر رہا ہوں۔

آپ کا بھائی

گاندھی

قائداعظم کا جواب

ایچ بی کوئین الزبیتھ

42 جولائی 1944ء

سری نگر کشمیر

ڈیئر مسٹر گاندھی!

آپ کا 17 جولائی کا خط مجھے یہاں 22 جولائی کو ملا، اور اس کے لیے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ واپس پہنچنے کے بعد میں بمبئی میں اپنے مکان پر آپ سے مل کر مسرور ہوں گا، اور یہ وسط اگست میں ہو گا۔ مجھے امید ہے کہ اس وقت تک آپ کی صحت بحال ہو جائے گی، اور آپ بمبئی واپس آ رہے ہوں گے۔ جب تک ہم ملیں اس وقت تک میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

اخبارات میں یہ پڑھ کر میں بہت خوش ہوا ہوں کہ آپ صحت میں بہت اچھی ترقی کر رہے ہیں، اور مجھے امید ہے کہ جلد بالکل اچھے ہو جائیں گے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

مسٹر گاندھی ایک طرف قائداعظم کو یہ خط لکھ رہے ہیں اور دوسری طرف گیلانی کی وساطت سے اور پھر خط لکھ کر وائسرائے سے ملنے کی خواہش کر رہے ہیں، اور ورکنگ کمیٹی کے ارکان سے ملنے کے طالب ہیں اور جو سیاسی مطالبہ گیلڈر کی وساطت سے وائسرائے کی خدمت میں پیش کرتے ہیں وہ بالکل وہی ہے، جو دو برس قبل سر اسٹیفورڈ کرپس سے کانگریس نے کیا تھا۔ مسلمانوں کے تمام مقاصد کے خلاف اور قائداعظم محمد علی جناح سے بالا بالا اور ان کی لاعلمی میں، بالآخر 28 جولائی کو وزیر ہند نے اور 15 اگست کو وائسرائے نے مسٹر گاندھی سے اس خط کا بھی صاف جواب دے دیا، جو انہوں نے 27 جولائی کو لارڈ ویول کی خدمت میں بھیجا تھا۔

قائداعظم اور گاندھی کی گفتگو

قائداعظم محمد علی جناح اور مسٹر گاندھی کے درمیان 9 ستمبر سے ملاقاتیں شروع ہوئیں۔ پہلی ہی ملاقات میں گفتگو اس مرحلے پر پہنچ گئی کہ منقطع ہو جائے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی منعقدہ لاہور سے 30 جولائی کو اس کی باضابطہ اجازت لی کہ مسٹر گاندھی سے گفت وشنید کریں، اور مسٹر گاندھی قائداعظم محمد علی جناح کے پاس یہ کہتے ہوئے آئے کہ میں ذاتی حیثیت میں آیا ہوں، کانگریس کی طرف سے اور نہ ہندو کی طرف سے۔ قائداعظم محمد علی جناح بحیثیت صدر مسلم لیگ اپنی انجمن کے دستور اور ضوابط کے پابند ہیں اور جو کہہ دیں وہ پوری مسلم قوم کی طرف سے ہو اور مسٹر گاندھی پر کوئی پابندی عائد نہیں۔ کانگریس بھی اس کی پابند نہیں کہ مسٹر گاندھی جو کچھ منظور یا نامنظور کریں۔ اس کو ضرور مانے اور ہندو قوم بھی مانیں۔ اس حالت میں مسٹر گاندھی ہرگز اس قابل نہ تھے کہ مسلم لیگ کا صدر ان سے گفتگو جاری رکھتا، لیکن ہندو مسلم مسئلے کا تصفیہ کرنے کے شوق میں قائداعظم محمد علی جناح نے یہ منظور کر لیا کہ مسٹر گاندھی کو اپنی ذاتی حیثیت کی عظمت کے اس مظاہرے کا شوق پورا کرنے دیں کہ وہ کانگریس اور ہندو قوم

دونوں سے بالاتر ہیں۔

بہرحال، قائداعظم محمد علی جناح اور مسٹر گاندھی کے درمیان گفتگو شروع ہوئی اور 27 ستمبر تک جاری رہی۔ سوائے ایسی تصویروں کے کہ قائداعظم محمد علی جناح اپنے مکان کے دروازے پر کھڑے ہیں اور مسٹر گاندھی ان سے لپٹ رہے ہیں، باہر کے لوگوں کے لیے کچھ شائع نہیں ہوا، مگر یہ خوب ہوا کہ ان دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوتی تھی وہ اس طرح تحریر میں بھی آجاتی تھی کہ ان میں سے کوئی دوسرے کو خط لکھتا اور دوسرا جواب دیتا تھا۔ یہ خط وکتابت آل انڈیا مسلم لیگ نے شائع کر دی ہے۔

مسٹر گاندھی نے راج گوپال اچاریہ ہی کے فارمولا کو گفتگو کی بنیاد قرار دیا۔ آخر میں اپنی طرف سے بھی تجاویز پیش کیں۔ وہ تجاویز بھی دوسرے الفاظ میں مسٹر راج گوپال اچاریہ ہی کا فارمولا تھیں۔ راج گوپال اچاریہ اور مسٹر گاندھی اس کے لیے رضامند ہو گئے کہ ہندوستان تقسیم کیا جائے۔ مسٹر گاندھی اس کے لیے ہرگز رضامند نہ ہوئے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو قومیں قرار دیا جائے۔ مسٹر گاندھی کو اس پر اصرار رہا کہ راج گوپال اچاریہ کے فارمولے میں پاکستان ریزولیشن کا حاصل اور مغز موجود ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے یہ تسلیم نہیں کیا اور واقعی مسٹر گاندھی کا یہ دعویٰ بالکل غلط تھا۔ بقول قائداعظم محمد علی جناح وہ زیادہ سے زیادہ لاہور ریزولیشن کا پوست تھا۔

اس طویل گفتگو کا یہ فائدہ ہوا کہ دنیا کی نظر میں مسٹر گاندھی نے ہندوستان کی تقسیم کا اصول تسلیم کر لیا، مگر مسٹر گاندھی نے اس گفتگو کو اتنا طول کیوں دیا کہ 18 روز جاری رہی، حالانکہ وہ دو ہی روز کے بعد ختم ہو گئی تھی۔ اس زمانے میں باوثوق ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ جس طرح مسٹر گاندھی نے گیلڈر کو پیغام بر بنا کر لارڈ ویول کے پاس بھیجا تھا، اسی طرح ایک خاص نامہ بر کے ذریعے حکومت برطانیہ کو بھی مراسلہ بھیجا، جس میں نیشنل گورنمنٹ کا مطالبہ تھا۔ اس مطالبے کو قوت دینے کے لیے اس ملاقات کے دوران میں وہ اس قسم کے مظاہرے کراتے رہے جن سے حکومت برطانیہ اور وائسرائے کو یہ یقین آجائے کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ضرور سمجھوتہ ہو جائے گا، تاکہ وہ گھبرا کر مسٹر گاندھی کا مطالبہ منظور کر لے، مگر جب مسٹر گاندھی کو اس مراسلے کا بھی مایوس کن جواب ملا تو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے گفتگو ختم کر دی۔

مسٹر گاندھی نے اپنے ایک بیان میں اس گفتگو کے متعلق یہ کہا کہ یہ بالکل متوازی خطوط میں چلی۔ کسی جگہ ایک خط نے دوسرے خط کو نہیں چھوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے یہ فرمایا کہ یہ ہماری کوششوں کی انتہا نہیں ہے۔ دوسرے دن ہریجن میں یہ شائع ہوا۔ ''مسلم لیگ کو چاہیے کہ قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت سے انکار کر دے اور مسلمانوں کی طرف سے بولنے کے لیے کوئی دوسرا آدمی تلاش کرے''، مگر وی پی مینن مصنف ''ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا'' اور حکومت ہند کے سابق مشیر آئین یہ رائے ظاہر فرماتے ہیں:

> ''اس گفتگو کا علمی نتیجہ صرف یہ برآمد ہوا کہ مسلم لیگ کے مطالبے کی معین شکل ظاہر ہو گئی جس پر مسلم لیگ اب تک بغیر اس کی تعریف کیے ہوئے اصرار کر رہی تھی، اور اس سے عموماً مسلمانوں میں قائداعظم محمد علی جناح کی حیثیت بڑھی اور ان کا وقار بلند ہوا۔''

(پاکستان ناگزیر تھا، از سید حسن ریاض)

دلاور، ایچ ایم پی ایس

پاک بحریہ کا جہاز جس کا افتتاح 23 جنوری 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے کو کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح جب اس ادارے کا افتتاح کرنے کے لیے تشریف لائے تو ان کے ساتھ محترمہ فاطمہ جناح بھی

تھیں۔ دلاور کے آفیسر کمانڈنگ کیپٹن لٹل کے علاوہ پاک بحریہ کے کمانڈر انچیف وائس ایڈمرل چیمسفورڈ لیفٹیننٹ کمانڈر چودھری محمد صدیق اور دیگر اعلیٰ افسران بھی موجود تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی تشریف آوری پر نیول پولیس کے دستے اور نیول پرووسٹ مارشل کی اپنی جیپ میں کار کے آگے آگے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ قائداعظم جیسے ہی کار سے باہر تشریف لائے تو کمانڈر انچیف نے ان کا استقبال کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح آفیسران سے ہاتھ ملانے کے بعد اپنے ایڈی کانگ کی رہنمائی میں ڈائس میں تشریف لائے یہاں انہیں گارڈ آف آنر پیش کیا۔ اس موقع پر انہوں نے فرمایا:

''یاد رکھئے ہم میں ہر ایک نے ملک کے دفاع کو مضبوط بنانے کے لیے اہم کردار ادا کرنا ہے۔ خیال رہے کہ آپ نے تعداد کی کمی کو جرأت مردانہ اور بے لوث احساس فرض کے ساتھ دور کرنا ہے۔ یہی توقعات ہیں جو ہمیشہ سے فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہیں۔''

دلیری

13 ستمبر 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے غیر ملکی نامہ نگاروں سے انٹرویو میں کہا:

''فرض کیجئے کہ اس برطانوی پالیسی سے تنگ آ کر مارے غم و غصے کے کل یہ کہہ دوں:''

''حکومت سے تعاون نہ کرو۔''

تو یقین کیجئے کہ حکومت آج کل جس قدر مصیبت (کانگریس کے ہاتھوں) بھگت رہی ہے۔ اس سے کم از کم پچاس گنا زیادہ اس کو (ہمارے ہاتھوں) بھگتنی پڑے گی۔ یہ بندوق اور تلوار کی بات نہیں ہے۔ مسلمان پچاس گنا زیادہ بہادر اور دلیر ہیں۔ میں ہندوؤں پر کوئی چوٹ نہیں کرتا۔ مسلمانوں کا مزاج اور طریقہ تربیت ہی کچھ ایسا ہے۔''

دوجانہ ہاؤس

یہ نئی دہلی کا وہ مقام ہے جو چاوڑی بازار میں واقع ہے یہاں 12 مارچ 1939ء کو یتیم خانہ، مدرسہ انجمن حمایت اسلام کا ساتواں سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی خصوصیت یہ تھی کہ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے دست مبارک سے یتیم خانہ کے طلباء کو انعامات تقسیم کیے۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''حضرات! جس وقت میرے پاس مولانا حامد علی قریشی آئے اور انہوں نے فرمایا کہ یتیم بچوں کو تقسیم انعامات کے سلسلے میں میری ضرورت ہے تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اس لیے کہ قوم کی بھلائی کے لیے بنیادی کام لائبریریاں، یتیم خانے، اسکول، ہسپتال وغیرہ یہی اصل چیزیں ہیں جن سے مخلوق خدا کی خدمت ہوتی ہے۔ مسلم لیگ ملک کے سیاسی کام کر رہی ہے، اور اگرچہ وہ بہت بھاری سوال ہے جس کے لیے ہم لڑ رہے ہیں، لیکن پھر بھی مسلم لیگ کے پروگرام اور مقاصد میں یہی بنیادی چیزیں شامل ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہم قوم کی خرابیوں اور کمزوریوں کا علاج نہ کریں یہ بڑی بڑی تقریریں سب بے کار ہیں۔''

دوراندیشی

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک موقع پر فرمایا:

''سکھ اپنے ہوش وحواس میں نہیں ہیں، اپنی بے وقوفی سے وہ اپنی کلہاڑی پاؤں پر مار رہے ہیں، انتظار کرو اور دیکھو جب ہندوستان اور مسلمان دو علیحدہ قومیں بن جائیں گی تو کیا ظہور ہوتا ہے، اور تھوڑے دنوں

میں سکھوں کی حیثیت ایک اہم جداگانہ اور بارسوخ جماعت کی حیثیت سے ختم ہوجائے گی ،پھر سکھ پچھتائیں گے لیکن اس وقت موقع ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔''

دوربین و دوراندیش لیڈر

(دیکھئے:سکوت مرگ آسا)

دورہ چین (انقلاب کا اداریہ)

روزنامہ انقلاب نے اپنی 22 جولائی 1938ء کی اشاعت میں قائداعظم محمد علی جناح کے دورہ چین کے بارے میں بڑا پُر مغز اداریہ لکھا۔ یہ اداریہ ہندوؤں کے منہ پر طمانچہ بھی تھا۔ روزنامہ انقلاب لکھتا ہے:

''ہم جانتے ہیں کہ ہندو اور کانگریس مسٹر جناح سے آج کل بہت خفا ہیں ۔اس لیے کہ صاحب موصوف نے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت پر زور دیا، اور ہندو اپنے ذہن میں ہندو راج کا جو تصور قائم کیے بیٹھے تھے اس میں خلل پیدا ہوگیا، لیکن ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ مسٹر جناح سے خفگی بعض ہندوؤں اور کانگریسیوں کو عقل وخرد اور اخلاق وانسانیت سے بھی بے بہرہ بنا دے گی۔

چینی وفد کے ایک رکن نے اعلان کیا تھا کہ مسٹر جناح ایک اسلامی وفد لے کر چین جائیں تا کہ ہندوستان کے مسلمانوں اور چین کے مسلمانوں کے درمیان دوستی اور محبت کا رابطہ زیادہ استوار ہوجائے ۔ اس پر ''ٹریبیون'' کی رگِ اعتراض بھڑک اٹھی ، وہ مسٹر جناح کے خلاف کمینگی کا جو زہر ٹپکا سکتا تھا اس نے بلا توقف ٹپکایا۔مسٹر جناح اگر چین جائیں گے تو ''ٹریبیون'' پر واضح رہے کہ وہ گاندھی کی ''اہنسا پر مودھرما'' کا پیغام لے کر نہیں جائیں گے کہ پیرس میں تقریر ہو تو فرانس کی ستائش کی جائے ، اور اس ملک کی استعماریت کو بالکل فراموش کردیا جائے۔مسٹر جناح نوکروڑ مسلمانوں کا تحفہ محبت ومواخات چین کے پانچ کروڑ مسلمانوں تک پہنچائیں گے۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ دنیا کے ہر حصے میں مسٹر جناح کے ہم مذہب موجود ہیں۔ٹریبیون کی تعریقات اس حقیقت کو بدل نہیں سکتیں۔

مسٹر جناح چیانگ کائی شیک اور اس کی حکومت کو مبارکباد دیں گے کہ اس نے اپنے فراخ دلانہ طرزعمل سے پانچ کروڑ مسلمانوں کا اعتماد حاصل کیا۔ یہاں تک ایک مسلمان مارشل (عمر فاروق) کو بری ،بحری اور ہوائی افواج کا انچارج بنادیا۔اعتماد کا یہ سب سے بڑا مظاہرہ ہے، جس کی نظیر ہندوؤں کی ساری تاریخ میں نہیں ملتی ۔مسٹر جناح اگر پسند کریں گے تو چیانگ کائی شیک کو یہ بھی بتا دیں گے کہ ہندوستان کی اکثریت والی قوم، دولت، ثروت ،تعداد اور اقتدار میں بہت آگے ہونے کے باوجود اقلیتوں کا اعتماد حاصل نہیں کرسکی۔ یہ اس کی انتہائی تنگ دلی اور تنگ نظری ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ چین کی اکثریت کی یہ روش نہیں۔ مصر کی اکثریت نے اپنے اچھے طرزعمل سے قبطیوں میں اعتماد پیدا کرلیا۔چین نے مسلمانوں اور عیسائیوں کا اعتماد حاصل کرلیا، حتیٰ کہ آج ایک عیسائی چین کا مختارکل ہے ۔اس لیے کہ ایک مسلمان چین کے جنگی قویٰ کا ناظم اعلیٰ ہے حالانکہ چین کی اکثریت بدھ مت کی پیرو ہے۔

مسٹر جناح بتلائیں گے کہ ہندوستان میں یہ ساری

آفت چھوت چھات سے پیدا ہوئی۔ دنیا کی صرف دو قومیں ایسی ہیں جو اس ذہنیت کی حامل ہیں اول یہودی ،دوئم ہندو۔ دونوں قومیں جہاں جہاں آباد ہیں اپنے ہمسایوں کے لیے وجہ مصیبت بنی ہوئی ہیں۔ بدھ مت چھوت چھات یا برہمن مت کے خلاف اعلان جنگ تھا، اور بدھوں میں اب تک کشادہ دلی موجود ہے کہ وہ اکثریت کی عنان تقدیر ایک عیسائی اور ایک مسلمان کے حوالے کر سکتے ہیں، لیکن ہندوؤں کی فطرت اس قسم کی کشادہ دلی کے لیے پیام شکست ہے۔ ہندو یا تو سب کچھ اپنے دامن کے لیے مخصوص رکھیں گے یا اغیار کے حوالے کر دیں گے، لیکن ہمسائیوں کو کچھ نہیں لینے دیں گے۔ اس طرح چینیوں پر یہ بھی ظاہر ہو جائے گا کہ ہندوستان کے مسئلہ کی حقیقی مشکلات کیا ہیں، اور پنڈت نہرو جیسے مسلح بین اور غلط اندیش اشخاص باہر جا کر حالات کو کتنی غلط صورت میں پیش کرتے ہیں۔ ''ٹربیون'' کو ابھی سے مضطرب نہیں ہونا چاہئے۔ اصل حقیقت بہر حال دنیا پر آشکار ہوگی اور غلط بیانیوں کا وہ طلسم زار بہر حال ٹوٹے گا جو غرض پسند ہندوؤں نے ہندوستان کے اندر یا باہر مسئلہ ہند کے گرد و پیش تیار کر رکھا ہے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 22 جولائی 1938ء)

دورہ کاٹھیا واڑ

قائداعظم محمد علی جناح کے دورہ کاٹھیا واڑ جنوری 1940ء کے خاتمے پر جو پریس ریلیز کی جاری کیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے:

''میرا کاٹھیاواڑ کا سفر اختتام پر پہنچا ہے۔ کاٹھیا واڑ کے مسلمانوں نے جس گرم جوشی کے ساتھ میرا استقبال کیا ہے، اور انہوں نے جس حیرت انگیز طور پر میری مہمان نوازی کی ہے۔ اس کے لیے میں کاٹھیا واڑ کے مسلمانوں کا لیگ کے ساتھ بھرپور تعاون اور صدق دل سے لیگ کا ساتھ دینے پر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی ہے۔ مجھے یہ اظہار کرتے ہوئے مسرت محسوس ہوتی ہے کہ کاٹھیاواڑ کے لوگوں کے سامنے لیگ پریس فنڈ کے لیے جو کشکول رکھا تھا اس میں انہوں نے ڈیڑھ لاکھ کا عطیہ دے کر اسے بھر دیا۔ اس میں آدم جی کے 20 ہزار روپے کی رقم شامل ہے۔ کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کو میرا صرف یہی پیغام ہے جو جوش اور ولولہ کاٹھیا واڑ کے دورے میں دیکھا ہے وہ عجیب بیداری ہے۔

اسے قوم کی فلاح و بہبود پر اور اقتصادی، تعلیمی اور سماجی سیاسی فلاح پر استعمال کرنا چاہیے۔ کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں نے جو شاندار استقبال کیا ہے، اور فراخ دلی سے ساتھ دیا ہے۔ اس کی حسین یادیں لے کر کاٹھیاواڑ سے الوداع ہو رہا ہوں۔''

دو سو سال کے غلام

21 نومبر 1942ء کو لاہور ٹاؤن ہال گراؤنڈ میں مسلم خواتین کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے پاکستان میں اسلامی عدل و انصاف کے احیاء کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنا نقطہ نظر یوں بیان فرمایا:

''اتاترک کو بھی ترکی کو زندہ کرنے کے لیے چودہ سال لگ گئے تھے۔ ہم تو دو سو سال کے غلام ہیں، اب ہم آزاد ہونا چاہتے ہیں، اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے علاقہ مانگتے ہیں، جس میں ہم اسلامی عدل و انصاف کی تاریخ دہرائیں گے۔''

رتی جناح زوجہ قائداعظم محمد علی جناح اپنی شادی کے موقع پر۔ 1918ء

دوسرا ابوسٹن

(دیکھئے، دادا بھائی نوروجی اور قائداعظم)

دوسری شادی

قائداعظم محمد علی جناح کی دوسری شادی رتی بائی سے ہوئی۔ رتی بائی نے شادی سے پہلے اسلام قبول کرلیا تھا، اور ان کا اسلامی نام "مریم" رکھا گیا۔ یہ نکاح 19 اپریل 1918ء کو ہوا۔ اس دن روزنامہ سٹیٹمین میں یہ خبر شائع ہوئی:

"سرڈنشا پیٹٹ کی اکلوتی بیٹی مس رتن بائی نے کل اسلام قبول کرلیا، اور آج ان کا نکاح آنریبل مسٹر ایم اے جناح سے ہوگا۔"

21 اپریل 1918ء کو لاہور کے معروف روزنامہ پیسہ اخبار میں اس شادی کی خبر "مسٹر جناح کی شادی" کے عنوان سے شائع ہوئی اور تین روز بعد اس روزنامہ میں اداریہ شائع ہوا، جس کا عنوان تھا:

"پارسی بیرونٹ کی لڑکی کا قبول اسلام۔"

محمد علی جناح نے شادی کے بعد کچھ روز لکھنؤ میں قیام کیا اور پھر ہنی مون کے لیے نینی تال چلے گئے۔

دوسری شملہ کانفرنس

5 مئی 1946ء کو وائسرائے ہند لارڈ ویول کی 63ویں سالگرہ کے روز سب ہندوستانی نمائندے شملہ میں جمع ہوئے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے ہمراہ لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، اور نواب محمد اسماعیل خان تھے جبکہ کانگریس کی طرف سے مولانا ابوالکلام آزاد، جواہر لال نہرو، سردار ولبھ بھائی پٹیل، اور عبدالغفار خان آئے تھے۔ گویا کانگریس کی ٹیم آدھے مسلمانوں اور آدھے ہندوؤں پر مشتمل تھی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ ہاتھ ملانے سے انکار کردیا۔ جسے سب نے محسوس کیا، تاہم لارڈ ویول کے خیال میں اجلاس کا آغاز "زیادہ برا" نہیں تھا۔ پہلا اختلافی نکتہ یونین کے مالیات کی بابت پیدا ہوا۔ کانگریس چاہتی تھی کہ مرکز کے پاس براہ راست محصول لگانے کا اختیار ہو اور وہ بیرونی مدد کے بغیر اپنی آمدنی سے کام چلا سکے، جبکہ قائداعظم محمد علی جناح کا موقف یہ تھا کہ اسے یکمشت ایک اختلاف ہوا۔ کانگریس ایک مقننہ کے حق میں تھی، لیکن لارڈ ویول کے بقول جناح کا رویہ منفی ان کے دلائل کمزور اور غیر معتدل تھے۔ جناح فوری طور پر اپنے دوسرے گروپ (پاکستان) کی سطح پر مقننہ کی تشکیل چاہتے تھے، اور کانگریس پارلیمنٹ کی کسی بھی شکل کے قیام کی مخالفت تھی۔ شملہ میں ہر اختلاف اور حجت کے پس پردہ مسلم لیگ کے دوقومی نظریہ اور کانگریس کے وحدانی نظام حکومت کے مابین پائے جانے والے بنیادی اختلافات کارفرما تھے۔

6 مئی 1946ء کی صبح قائداعظم محمد علی جناح اور نہرو کے مابین زبردست محاذ آرائی ہوئی۔ جس نے بڑھ کر ہندوستان کی تاریخ کی سب سے شدید لڑائی کی شکل اختیار کرلی، نہرو کا اصرار تھا:

"یونین آف انڈیا، خواہ اختیارات کی فہرست مختصر کیوں نہ ہو مضبوط اور توانا ہونی چاہیے۔ صوبوں کو تعلیم اور صحت جیسے امور باہم تعاون کرنے سے نہیں روکا جائے گا، تاہم انہیں کسی گروپ ایگزیکٹو کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

انہوں نے مسلم لیگ سے اپیل کی:

"وہ اس یقین دہانی پر دستور وضع کرنے والی جماعت میں شامل ہوجائے کہ وہاں کسی پر جبر نہیں کیا جائے گا۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا:

''ہم ایسی دعوت کو قبول نہیں کر سکتے تاہم اگر کانگریس نے گروپوں کو قبول کر لیا تو لیگ یونین کو مان لے گی۔''

نہرو نے واضح کیا:

''مسٹر جناح یونین کے خدوخال کو نہیں مانتے کیونکہ مقننہ کے بغیر یونین کا وجود بیکار اور سراسر ناقابل قبول ہوگا۔''

جس وقت جواہر لال نہرو اور قائداعظم محمد علی جناح جھگڑ رہے تھے۔ وائسرائے ہند لارڈ ویول نے دیکھا، سردار پٹیل کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ دوپہر بعد جواہر لال نہرو نے ایک بیان میں کہا:

''گروپ بنانے کا سوال دستور کی تدوین کے بعد پیدا ہوگا۔''

انہوں نے زور دے کر یہ بات کہی:

''پہلا سوال یونین کے کردار کا ہے۔ اس کے بعد صوبے مجاز ہوں گے کہ یونین کے دستور کے تابع رہتے ہوئے اپنی خود مختاری کو بروئے کار لاسکیں، اور صوبائی نمائندوں کو حق حاصل ہوگا کہ وہ آل انڈیا مجلس دستور ساز میں گروپ سازی کے لیے تجاویز پیش کریں۔''

بعض نئی تجاویز کرپس نے اتفاقی نکات کے عنوان سے ایک نئی دستاویز مرتب کی جسے وہ شام کے وقت گاندھی کو دکھانا چاہتا تھا۔ اس نے لارڈ ویول سے کہا:

''جناح سے میں خود نمٹ لوں گا۔''

''گاندھی شملہ میں سردار پٹیل اور عبدالغفار خان کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اگرچہ وہ مشن سے ملاقات کرنے کے ارادے سے نہیں آئے تھے کرپس کو امید تھی کہ وہ گاندھی کی حمایت حاصل کرلے گا لیکن وہاں کوئی دال نہیں گلی۔ گاندھی نے جواب دیا:

''مجوزہ حل۔ پاکستان اسکیم سے بھی بدتر ہے اس لیے میں کانگریس سے اس کی منظوری کے لیے سفارش نہیں کر سکتا۔''

خانہ جنگی کے امکان سے وہ بالکل متاثر نہ ہوئے۔ لارڈ ویول نے یہ نتیجہ اخذ کیا:

''گاندھی، پٹیل کے اس خیال سے متفق لگتے ہیں کہ اگر یہ (ہندو) اپنے پاؤں پر ڈٹ جائیں تو مسلمان ہرگز نہیں لڑیں گے۔''

اگلی شام لارڈ ویول نے قائداعظم محمد علی جناح سے ایک گھنٹہ ملاقات کی، اگرچہ ان کا رویہ دوستانہ تھا تاہم انہوں نے کانگریسیوں کی بابت اپنی گہری اور شدید بے یقینی ظاہر کی۔ انہوں نے اس خدشہ کا اظہار کیا:

''وہ مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہندوؤں کا تسلط قائم کرنے کے عزائم رکھتی ہے۔''

آخر میں انہوں نے کہا:

''انگریز جو کچھ درست اور انصاف پر مبنی سمجھتے ہیں وہی کریں لیکن مجھ پر حد سے زیادہ دباؤ نہ ڈالیں۔''

دریں اثنا کرپس نے گاندھی سے ایک ملاقات کی۔ خلاف توقع اس مرتبہ گاندھی نے اس تجویز کی مکمل منظوری کا یقین دلایا جو تین حصوں پر مشتمل تھا۔ لارڈ ویول جو کرپس پر اعتبار نہیں کرتا تھا، اور گاندھی کے بارے میں کوئی حسن ظن نہیں رکھتا تھا۔ یہ بات ماننے پر بالکل آمادہ نہیں ہوا کہ کرپس کی رہنمائی میں گاندھی قربان ہوگا۔ اس کے برعکس اس کی رائے یہ تھی:

''گاندھی کرپس کو اپنی پیچھے لگا کر باغ کی پگڈنڈی پر لے آئے ہیں۔''

8 مئی 1946ء کو پیتھک لارنس نے قائداعظم محمد علی جناح اور مولانا ابوالکلام آزاد کو نو نکاتی متفقہ فارمولا کی نقول ارسال کیں جس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

''آل انڈیا یونین کی ایک حکومت اور مقننہ ہوگی، جس کے پاس امور خارجہ، دفاع، مواصلات اور بنیادی حقوق کے محکمے ہوں گے، اور اسے ان محکموں کے اخراجات کے لیے حسب ضرورت فنڈز حاصل کرنے کا اختیار ہوگا۔ بقیہ جملہ اختیارات صوبوں کے پاس ہوں گے، اور جیسا کہ نکتہ نمبر 3 میں کہا گیا ہے کہ صوبوں کے گروپ بنائے جائیں گے، اور وہ گروپ ان صوبائی امور کا یقین کریں گے جو وہ مشترکہ طور پر لینا چاہیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس روز اپنی قیام گاہ ''یاروز'' سے جواب بھجوایا:

''ہماری رائے یہ ہے کہ اتفاق رائے کے لیے جو نکات تجویز کیے گئے ہیں وہ اس ابتدائی فارمولا کی صریح خلاف ورزی ہے، جو آپ کے 27 اپریل کے مراسلہ میں شامل تھا اور جسے کانگریس نے مسترد کر دیا تھا۔ اندریں حالات ہمارے خیال میں اس دستاویز پر بحث کرنے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا۔''

گاندھی نے بھی اتفاق رائے کے لیے تحریر کردہ نکات کو دیگر وجوہات کے علاوہ بنیادی طور پر اس لیے مسترد کر دیا کہ 9 کروڑ مسلمانوں کو 20 کروڑ سے زائد ہندوؤں کے مساوی حیثیت دینا پاکستان کی سکیم کو منظور کرنے سے بھی بدتر ہے۔

نہرو جناح جھڑپ

وہ اصل خاکی کی طرف پھر لوٹ آئے۔ کرپس مولانا آزاد سے ملنے گئے تو جواہر لال نہرو بھی وہاں موجود تھے۔

لارڈ ویول نے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔ کرپس نے اول الذکر دونوں کو معقول اور متعدل پایا۔ تاہم وہ اپنے رفقائے کار، ان کا اشارہ غالباً پٹیل کی طرف تھا کہ اس کے ہاتھوں بڑے تنگ تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ویول کو یقین دلایا کہ وہ معقولیت سے کام لینے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے مزید فرمایا:

''ان کے حامی پہلے بھی انہیں نشانہ تنقید بنا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ایک قسم کی یونین منظور کر کے انہوں نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ جو ان کی طرف سے کانگریس کے لیے بڑی رعایت ہے۔''

انہوں نے پاکستانی گروپوں کے اجلاس پر اصرار کیا تا کہ اپنا علیحدہ دستور وضع کر سکیں۔

9 مئی کی شام کو نہرو نے تجویز کیا:

'' کانگریس اور لیگ کو ایک ''ایمپائر'' کی موجودگی میں اجلاس کرنا چاہئے تا کہ وہ ان کے متنازعہ نکات کو حاصل کر سکے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''میں کانگریس کے کسی بھی ہندو نمائندہ سے ملنے کو بخوشی تیار ہوں۔''

ایک منٹ یا اس سے زیادہ عرصہ کے لیے معنی خیز خاموشی چھائی رہی، پھر جواہر لال نہرو نے تجویز پیش کی:

''میں اور جناح اس وقت اور اسی جگہ ملاقات کریں اور دیکھیں آیا وہ باہمی رضامندی سے کوئی ثالث مقرر کرنے پر متفق ہو سکتے ہیں۔''

اس پر ان دونوں کے اصحاب باہر چلے گئے اور 40 منٹ تک باہر بیٹھے رہے۔ اس دوران جواہر لال نہرو اور قائداعظم محمد علی جناح کے درمیان زبردست جھڑپ ہوئی، بالآخران کے مابین صرف اس بات پر اتفاق ہو سکا:

''اجلاس دو دن کے لیے ملتوی کر دیا جائے اور 11 مئی کو 3 بجے دوپہر پھر ملیں گے۔''

پنڈت جواہر لال نہرو نے قائداعظم محمد علی جناح کو مطلع کیا:

''میں نے اور میرے ساتھیوں نے موزوں ثالث کے انتخاب پر بہت غور کرنے کے بعد یہ طے کیا ہے کہ اس مقصد کے لیے غالباً انگریزوں، ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کو خارج کرنا مناسب ہوگا۔''

اس طرح میدان بہت ہی محدود ہوگیا، تاہم کانگریس نے ایک خاصی فہرست تیار کرلی جس میں امریکی بھی شامل تھے۔

جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے لکھا:

''ایمپائر کے تعین کے علاوہ بہت سے نکات حل طلب ہیں۔''

انہوں نے جواہر لال نہرو کو مطلع کیا:

''آپ 11 مئی کو صبح 10 بجے کسی وقت بھی مجھ سے مل سکتے ہیں۔''

جواہر لال نہرو کی طرف سے جواب آیا:

''میرا تاثر یہ تھا کہ ایمپائر مقرر کرنے کی تجویز پر اتفاق رائے ہوگیا ہے، اور ہمارا اگلا قدم نام تجویز کرنا ہوگا۔''

بہر حال ان دونوں رہنماؤں کی صبح ساڑھے دس بجے قائداعظم محمد علی جناح کی قیام گاہ پر پھر ملاقات ہوئی۔ وہ شام چھ بجے تک الجھتے رہے یہاں تک کہ پیتھک لارنس نے مداخلت کی اور قائداعظم محمد علی جناح سے کہا:

''آپ اتوار کی شام کو شروع ہونے والے اگلے دور کے لیے اپنی قطعی شرائط تحریری شکل میں پیش کردیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے دوسرے دن 10 اصولوں پر مشتمل ایک تحریری بیان انہیں بھجوایا جس میں کہا گیا تھا:

''پاکستان اور ہندوستانی گروپوں کے لیے الگ الگ مجالس دستور ساز ہوں گی، اور یونین ایگزیکٹو یا مقننہ میں نمائندوں کی تعداد مساوی ہوگی۔ یونین میں کوئی متنازعہ فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ تین چوتھائی اکثریت کی رضامندی سے۔''

مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی کانگریس کی طرف سے سمجھوتہ کے مجوزہ نکات پر مبنی تحریری تجویز پیش کی۔ اس میں واحد مجلس دستور ساز کی تشکیل پر اصرار کیا گیا تھا، جو تمام صوبوں اور ریاستوں کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ہونی تھی۔

پیتھک لارنس نے اس شام دونوں پارٹیوں سے پوچھا:

''آیا آپ کو اختیار کردہ پوزیشن کے پیش نظر سمجھوتہ ہونے کا کوئی امکان ہے؟''

ایمانداری سے کوئی فریق بھی ہاں نہ کہہ سکا۔ اس لیے سیکرٹری آف اسٹیٹ نے محسوس کیا کہ کانفرنس ختم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کیبنٹ مشن اور وائسرائے نے جمعرات کو دہلی جانے کا پروگرام بنالیا۔

13 مئی 1946ء بروز سوموار لارڈ ویول نے قائداعظم محمد علی جناح سے بات چیت کی جو تھکے ماندے اور بیمار لگتے تھے۔ انہوں نے نئی انتظامی کونسل کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ لارڈ ویول نے مسلم لیگ کو کانگریسیوں کے ساتھ ''پیریٹی'' (مساوی حیثیت) کی پیش کش کی اور بتایا:

''مجوزہ کابینہ میں ان کے علاوہ ایک سکھ، ایک اچھوت اور ایک دیگر اقلیتوں کے نمائندہ کو شامل کیا جائے گا۔''

اس نے قائداعظم محمد علی جناح پر زور دیا:

''آپ اس موافق تناسب کو قبول کرلیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی بات بڑی توجہ سے سنی، لیکن اس پر کوئی رائے زنی نہیں کی۔ آخر میں انہوں نے کہا:

''مسلم لیگ عبوری حکومت میں آئے گی یا نہیں، اس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ آیا میرے بیان سے طویل المعیاد مسئلہ کے حل کی کوئی امید پیدا ہوتی نظر آتی ہے۔''

انہیں خوف تھا کہ کانگریس کا پلان یہ ہے:

''پہلے مرکزی حکومت پر کنٹرول حاصل کیا جائے اور پھر

صوبوں پر کنٹرول حاصل کرنے پر توجہ مرکوز کی جائے۔"
قائداعظم محمد علی جناح نے پروگرام بنالیا کہ بحالی صحت کے لیے وہ کم از کم تین ہفتے شملہ میں قیام کریں گے۔

نیا مشن پلان

اب مشن مجبور ہوگیا کہ اپنا حل تجویز کر کے جو اس فرسودہ کھیل میں "آخری اقدام تھا" وہ تمام دلائل سن چکا، جملہ دستاویزات کا مطالعہ کر چکا اور گواہوں پر اپنی جرح مکمل کر چکا تھا۔ فیصلہ کو مزید موخر نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وزیراعظم نے مشن کی نامزدگی رپورٹ طلب کرلی تھی۔ لندن اور شملہ کے درمیان ٹیلی فونز کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ لیبر حکومت کانگریس اور لیگ کی لڑائی میں اگر اقتدار سے محروم ہونے پر نہیں تو ٹکڑے ہونے پر بالکل تیار بیٹھی تھی۔

کیبنٹ مشن نے اپنا پلان جمعرات 16 مئی 1946ء کی رات کو نئی دہلی ریڈیو سے نشر کیا۔ برطانوی راج کی کوکھ سے پرامن طور پر ایک انڈین یونین کے ظہور پذیر ہونے کی یہ آخری امید تھی۔ اس بیان میں "مکمل طور پر آزادانہ اور بااختیار ریاست پاکستان" کے تصور کو متعدد وجوہ کی بنا پر مسترد کردیا گیا۔ ان میں ایک اہم وجہ یہ تھی کہ ایسا کرنے سے فرقہ وارانہ اقلیتی مسئلہ حل نہیں ہوگا، بلکہ ایسے مزید مسائل کھڑے ہوجائیں گے۔ خصوصاً سکھوں کے لیے یہ حل کسی طرح قابل قبول نہیں ہوگا۔ جبکہ اس اقدام سے ملک کی اقتصادی، فوجی اور انتظامی وحدت کو جو گزشتہ ایک صدی کے دوران بڑی مشکل سے قائم کی گئی ہے۔ زبردست دھچکا لگے گا اور یہ قدم برطانوی راج کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہوگا۔ دستور کی جن بنیادی شکل کی سفارش کی گئی وہ تین حصوں پر مشتمل اسکیم تھی۔ جس میں مرکزی حکومت کو محض امور خارجہ، دفاع، مواصلات کے محکموں پر برائے نام کنٹرول حاصل ہوگا۔ ہر گروپ کو اختیار ہوگا کہ وہ ایسے صوبائی امور متعین کرے جو مشترک طور پر اختیار کرنے ہوں۔ ہر دس سال بعد کوئی صوبہ سادہ اکثریت کے ووٹوں سے دستور کی معیاد پر نظر ثانی کا مطالبہ کرسکے گا، نئے دستور کی تفصیلات ایک ایسی اسمبلی وضع کرے گی جو ہندوستان کی زیادہ سے زیادہ آبادی کی نمائندہ اور وسیع البنیاد ہوگی۔ مساوی قوموں کو مناسب نمائندگی دلانے کے لیے ایک جامعہ طریق کار بنایا گیا جس میں ریاستوں اور صوبوں کی نمائندگی پر مناسب توجہ دی گئی تھی۔

بیان کے اختتامی پیرایہ میں کہا گیا تھا:

"ہمیں ہماری حکومت اور ہمارے عوام کو توقع تھی کہ خود اہل ہند کے لیے یہ ممکن ہوگا کہ وہ نئے دستور کی تدوین، جس کے تحت انہیں آئندہ زندگی بسر کرنی ہے کے طریق کار پر متفق ہوجائیں گے۔ ان کوششوں کے باوجود جن میں ہندوستانی جماعتوں کے ساتھ ہم بھی شریک رہے، ایسا نہ ہوسکا۔ اس لیے اب ہم آپ کے سامنے تجاویز پیش کررہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان تجاویز کی بدولت آپ اپنی آزادی مختصر عرصہ میں حاصل کرسکیں گے اور اندرونی خلفشار اور تصادم کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا، بلکہ یہ تجاویز سب پارٹیوں کو پورے طور پر مطمئن نہیں کرسکتیں۔ ہم درخواست کرتے ہیں کہ ان تجاویز کی منظوری کے لیے متبادل طریق کار پر غور کریں، تاکہ ظلم وتشدد، بحران بلکہ خانہ جنگی کے سنگین خطرات سے بچا جاسکے۔ وہ گڑ بڑ کتنے دن تک رہے گی اور اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ اس بارے میں سردست کچھ نہیں کہا جاسکتا، تاہم یہ بات یقینی ہے کہ لاکھوں کروڑوں آدمیوں، عورتوں اور بچوں کی وہ تباہی بڑی ہی ہولناک ہوگی۔ ہم ان تمام لوگوں سے جو ہندوستان کی بھلائی کے خواہاں ہیں

اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنی نگاہ میں وسعت پیدا کریں، اور اپنی قوم یا مفاد سے بالاتر ہو کر پورے چالیس کروڑ ہندوستانیوں کے مفادات کی بات سوچیں۔ ہم دنیا کی بڑی قوموں کے ساتھ آپ کی روزافزوں خوش حالی اور ایسے مستقبل کے خواہش مند ہیں جو آپ کے ماضی سے بھی زیادہ شاندار ہو۔"

دوقومی نظریہ

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی سیاست کا آغاز کانگریس کے پلیٹ فارم سے کیا، وہ ہندو اور مسلمانوں کو متحد دیکھنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے بہت سی کوششیں کیں۔ اسی لیے وہ ہندو مسلم اتحاد کے پیغمبر کہلائے۔ قائداعظم اتحاد کے قائل تو بہت تھے مگر وہ مسلمانوں کو شروع سے ہی علیحدہ قوم سمجھتے تھے۔ انہوں نے کانگریس میں اور مسلم لیگ کے درمیان معاہدہ لکھنؤ بھی طے کروایا کہ دونوں قومیں مل کر آزادی کے حصول کے لیے بہترین کام کر سکیں، مگر نہرو رپورٹ اور کانگریسی وزارتوں میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ اتحاد سوائے نقصان کے مسلمانوں کو کچھ نہیں دے سکتا۔

قائداعظم محمد علی جناح برصغیر کے سیاسی معاملات سے مایوس ہو کر لندن میں گوشہ عافیت میں جا بیٹھے۔ اس موقع پر علامہ اقبال نے لندن جا کر نہ صرف قائداعظم کو واپس آ کر برصغیر کے مسلمانوں کی رہنمائی کرنے کا کہا بلکہ ان کی نیشنلسٹ سوچ کو اسلامی قومیت کے نظریہ میں بدل دیا، اور ان کو دوقومی نظریے پر ایسا قائم کیا کہ اسے اپنی زندگی کا مشن قرار دے کر اس کے لیے کام کرنے لگے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی سوانح حیات کا انگریز مصنف ہیکٹر بولائتھو کہتا ہے:

"اپنے قیام لندن کے دوران مسٹر جناح نے اقبال سے کئی ملاقاتیں کیں، وہ ایک دوسرے کے بہت اچھے دوست تھے، لیکن اس کے باوجود جناح نے اقبال کے دلائل کو فوری طور پر تسلیم نہ کیا، اس میں قریب دس سال کا عرصہ لگ گیا۔"

1938ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے ایک تقریر میں فرمایا:

"ہندو جذبات اور ہندو ذہنیت کے باعث میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اتحاد کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ مسلمان ایسی سرزمین کے باشندے ہیں، جس کا کوئی والی نہ ہو، مجھے افسوس ہے کہ میں ہندو ذہنیت کو تبدیل نہ کر سکا۔"

ہندو اکثریت مسلمانوں کو مسلسل پریشان کر رہی تھی۔ جس کے باعث فرقہ وارانہ فسادات آئے دن کا معمول بن گئے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کانگریسی لیڈروں کے رویے سے دل برداشتہ ہو گئے۔ انہوں نے کانگریسی رویے کے بارے میں فرمایا:

"کانگریس سراسر ہندو جماعت ہے۔ مسلمانوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ کانگریس کو جتا دیا ہے کہ ان کی آئندہ تقدیر کا دارومدار حکومت اور ملک کے انتظام ان کے سیاسی حقوق کے حصول اور زندگی میں واجب حصہ ملنے پر ہے۔ جب تک مسلمان کے قلب میں روح ہے وہ ہندو کانگریس کا غلام بننا پسند نہیں کرے گا۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کو ہمیشہ ایک الگ قوم مانا اور اس کے تحفظ کے لیے کوشاں رہے، آپ نے ایک بار فرمایا:

"قومیت کی جو بھی تعریف کی جائے مسلمان اس تعریف کی رو سے الگ قوم ہیں، اور اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ اپنی علیحدہ مملکت قائم کر لیں، مسلمانوں کی تمنا ہے کہ وہ اپنی روحانی، اخلاقی، تمدنی، اقتصادی،

معاشرتی اور سیاسی زندگی کو کامل ترین نشو ونما بخشیں اور اس مقصد کے لیے وہ جو طریق اپنانا چاہیں اپنائیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح مسلم امت کے جداگانہ مقام اور تہذیب وتمدن کو پہچانتے تھے، اور اس کے تحفظ کے لیے آپ میدان میں اترے۔ 1939ء میں برصغیر کی مرکزی اسمبلی میں آپ نے فرمایا:

''ہندوؤں تمہاری تعداد زیادہ ہوا کرے، تم ترقی یافتہ ہو، تمہاری معیشت مستحکم سہی اور تم سمجھتے ہو کہ سروں کی گنتی سے آخری فیصلے ہوتے ہیں، یہ سب غلط ہے میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم ہماری روح کو تباہ نہیں کر سکتے، تم اس مذہب کو نہیں مٹا سکتے، اس اسلامی تہذیب کو جو ہمیں ورثہ میں ملی ہے، ہمارا ایمان زندہ ہے، اور ہمیشہ زندہ رہے گا، بے شک ہمیں مغلوب کرو، لیکن ہم نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں اور ہم نے سنگین فیصلہ کرلیا ہے کہ اگر مرنا ہی ہے تو لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اسلام کے تصور قومیت کو بیان کرتے ہوئے 8 مارچ 1944ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں فرمایا:

''پاکستان کا آغاز اس دن سے ہوگیا تھا، جب ہندوستان کا پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے، جب یہاں ابھی مسلمانوں کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، یعنی جب پہلی بار ایک غیر مسلم اسلام لایا تو ملک میں دو قوموں کا وجود عمل میں آ گیا۔''

دوقومی نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے ایڈورڈ کالج پشاور میں 27 نومبر 1945ء کو فرمایا:

''ہم دونوں قوموں میں صرف مذہب کا فرق نہیں، ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے، ہمارا دین ہمیں ایک ضابطہ حیات دیتا ہے، جو زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری رہنمائی کرتا ہے، ہم اس ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔''

1948ء میں آپ نے فرمایا:

''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اس سنہری اصولوں والے ضابطہ حیات پر ہے، جو عظیم واضع قانون، پیغمبر اسلام ﷺ نے ہمارے لیے قائم کررکھا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے دوقومی نظریے کے حوالے سے "Time and Tide" میں ایک آرٹیکل کے ذریعے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم ثابت کرنے کے لیے دلائل دیے۔ آپ نے فرمایا:

''ہندوستان میں نہ کبھی ایک قوم تھی اور نہ اب ہے، یہ کم از کم دو بڑی اقوام کا مسکن ہے، مسلمان ہر لحاظ سے ایک علیحدہ قوم ہیں، جن کی روایات، تاریخ، ثقافت، رسم ورواج، زبان اور مذہب جیسی جداگانہ اقدار ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے طرز زندگی، رہن سہن کے طریقے اور سوچیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے پشاور میں ایک جلسہ عام میں خطاب کے دوران فرمایا:

''ہمارا کوئی دوست نہیں، ہمیں نہ انگریز پر بھروسہ ہے اور نہ ہندو بنئے پر، ہم دونوں کے خلاف جنگ کریں گے، خواہ وہ آپس میں متحد کیوں نہ ہو جائیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جس خطرے کا احساس کرلیا تھا، وہ جلد ہی ابھر آیا۔ ہندوؤں نے انگریز حکومت کے ساتھ گٹھ جوڑ کرلیا اور مسلم قومیت کے مطالبہ کے خلاف اشتراک عمل سے

کام کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی بصیرت اور دوراندیشی کے ذریعے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دی تھیں، گاندھی بہت چیخے، انہوں نے مسلم قومیت کے خلاف زہر اگلا:

"میں دوقومی نظریے پر جس قدر غور کرتا ہوں اتنا ہی یہ میرے نزدیک تشویش ناک بنتا جاتا ہے۔ میں اس دلیل کو نہیں مان سکتا کہ ہندوستان کے مسلمان ملک کے باقی باشندوں سے الگ ایک قوم ہیں۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوؤں، انگریزوں اور کانگریس کے ہم نوا نیشنلسٹ مسلمانوں کی متحدہ مخالفت کے باوجود برصغیر کے مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کو منوانے کے لیے دلائل دیے۔ آپ نے جب حوصلے اور عزم سے اپنا موقف پیش کیا، اور یہ موقف اتنا صحیح اور واضح تھا کہ مخالف قوتیں ایک ایک کر کے ڈھیر ہوتی گئیں، مسلم قوم نے اپنے قائد کی سربراہی میں اپنے آپ کو ایک الگ قوم ثابت کروایا۔ انتخابی عمل اور ملی وحدت کے ذریعے متحدہ قومیت کے حامیوں کو شکست دی۔

آپ نے فرمایا:

"انگریز برصغیر پر اپنی حکومت جاری رکھنا چاہتے ہیں، گاندھی مسلمانوں پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ ہم مسلمان یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے آپ پر انگریزوں اور ہندوؤں دونوں کو حکومت کرنے کی اجازت نہیں دیں گے، خواہ دونوں متحد ہو کر یہ کوشش کریں یا الگ الگ۔"

قائداعظم محمد علی جناح کو ایک خط میں گاندھی نے اپنی محبت کا ثبوت دینے کے لیے خط کے ساتھ دو روٹیاں بھی بھیجیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جواب میں لکھا:

"آپ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ایک نہیں دوقومیں رہتی ہیں۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ہر بیان، تقریر اور تحریر سے انگریزوں اور ہندوؤں پر واضح کر دیا کہ ہندوستان میں دوقومیں ہیں، اور متحدہ قومیت کا تصور باطل ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے دوقومی نظریہ کی اساس پر 1930ء میں جداگانہ مسلم مملکت کے حصول کی سوچ اپنالی تھی۔ وہ رفتہ رفتہ اپنے ہم خیال مسلمانوں کی تعداد بڑھاتے رہے، اور دس سال بعد 1940ء میں مسلم مملکت کے قیام کا مطالبہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں کیا:

"مسلم لیگ کا نصب العین یہ بنیادی اصول ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک جداگانہ قومیت رکھتے ہیں، انہیں کسی دوسری قوم میں جذب کرنے یا ان کے نظریات یا ملی تشخص کو مٹانے کے لیے جو کوشش بھی کی جائے گی، ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے گا۔ ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ اپنے جداگانہ تشخص اور جداگانہ حکومت کو قائم کر کے رہیں گے۔"

دوکانٹوں کے درمیان پھول

(دیکھیے: خواتین اور قائداعظم)

دوہری سازش

14 اگست 1947ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کراچی میں تھا۔ اسے دستور ساز اسمبلی تک قائداعظم محمد علی جناح کے ہمراہ جانا تھا، سی آئی ڈی پنجاب کے ڈی آئی جی جنکن نے وائسرائے کو مطلع کر دیا تھا کہ اسمبلی کے راستے میں ان کی کھلی کار پر بم پھینکا جائے گا۔ کھلی چھت کی کالے رنگ کی کار میں بیٹھے ہوئے قائداعظم نے وائسرائے کو مڑ کر دیکھا، مگر اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب تھی۔ دراصل قائداعظم محمد علی جناح نے بند گاڑی سے جانے یا کوئی بند راستہ اختیار کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

رپورٹ کے مطابق بم واپسی پر پھینکا جانا تھا۔ حلف برداری کی تقریب ختم ہوئی دونوں رہنما کھلی کار میں بیٹھے اور کار آہستہ رفتار سے سڑک کے دوطرفہ نعرے لگاتے ہوئے انسانوں کے ہجوم میں سے گزرنے لگی۔ راستہ بھر لارڈ ماؤنٹ بیٹن خوف زدگی کی اداکاری کرتا رہا۔ غالباً یہ ایک دوہری سازش تھی، جس کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح کو دہشت زدہ کرنا مقصود تھا۔ شاید اس کے پس پردہ قائداعظم محمد علی جناح کے اس جرأت مندانہ فیصلے کا انتقام لینا مقصود ہو کہ ماؤنٹ بیٹن کو اس کی شدید خواہش کے باوجود رد کر کے قائداعظم محمد علی جناح کو پاکستان کا گورنر جنرل بنایا جا رہا تھا۔

یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ آیا قائداعظم محمد علی جناح کو معلوم تھا یا نہیں کہ یہ ڈرامہ انہیں دہشت زدہ کرنے اور حلف برداری کی تقریب ملتوی کرنے کے لیے کھیلا جا رہا ہے، کیونکہ ماؤنٹ بیٹن آخر وقت تک حکومت برطانیہ کی کسی ایسی چھٹی کا انتظار کرتا رہا، جو اسے دونوں مملکتوں کا گورنر جنرل نامزد کردے مگر اس کی تمام امیدوں پر اس وقت اوس پڑ گئی، جب خیریت سے پہنچ جانے پر قائداعظم محمد علی جناح پوری بشاشت سے مسکرائے اور کار سے نکلتے ہوئے انہوں نے اپنے مخصوص بھرپور طنزیہ لہجہ میں کہا:

''میں آپ کو زندہ واپس لے آیا ہوں۔''

ماؤنٹ بیٹن کو یہ طنز برداشت کرتے ہی بنی۔

دوہری شخصیت

(دیکھیے: برطانوی شہریت)

دہلی

قائداعظم محمد علی جناح نے 1918ء میں لیجسلیٹو کونسل کے اجلاس میں کہا:

''ہم اس وقت تک حکومت کی کوئی مدد نہیں کرسکتے جب تک کہ ہم پر بھروسہ نہیں کیا جاتا۔''

اور اس موقع پر لارڈ ولنگڈن نے کہا:

''اگر مقرر کو حکومت پر کوئی اعتراض ہے تو وہ اس کی شکایت دہلی یا شملہ جا کر کرے۔''

دہلی کے حوالے سے یہ پہلا تذکرہ تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دہلی میں دسمبر 1918ء میں اے کے فضل الحق کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی سے آ کر شرکت کی اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''مسلم لیگ کے دستور کے مطابق ہم انگریزوں کی خارجہ پالیسی پر کوئی تنقید کرنے کے مجاز نہیں۔''

گاندھی کی صدارت میں قومی کمیٹی کا جو اجلاس 25 جنوری 1928ء کو منعقد ہوا اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے فرقہ وارانہ فسادات پر روشنی ڈالی۔ نیز کہا:

''ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرے۔''

20 جنوری 1928ء کو نئی دہلی میں لیجسلیٹو کونسل کا اجلاس منعقد ہوا، اس میں بنگال کرمنل امنڈمنٹ آرڈیننس زیرِغور آیا قائداعظم محمد علی جناح نے اسے تحفظ فراہم کرنے پر اس رجحان کی مذمت کی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دہلی میں دسمبر 1926ء میں منعقد ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''مسلم لیگ کا اصل مقصد مکمل ذمہ دار حکومت کا حصول ہے نیز ہندوستان کے موجودہ آئین میں ترامیم ناگزیر ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید کہا:

''انہیں مرتب کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھا جائے۔

❶ ملک کی ہر مجلس مقننہ یا دیگر منتخب جماعتوں میں اقلیت کی مناسب نمائندگی کا سامان کیا جائے، اور کسی صوبے کی اکثریت کو اقلیت یا مساوات کے درجہ پر نہ تبدیل کیا جائے۔

❷ اقلیت کی نمائندگی کے لیے جداگانہ انتخابات قرار دیے جائیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر جماعت کو یہ حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ کسی خاص وقت یا موقع پر مشترکہ انتخابات کو بھی زیرعمل لا سکے۔

❸ اگر کسی وقت علاقوں کو دوبارہ تقسیم کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے تو اس وقت بنگال، پنجاب وشمال مغربی سرحدی صوبہ کے مسلمانوں کی اکثریت کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔

❹ ہر جماعت کو مذہبی معاملات، عقائد اور عبادات اور اشاعت تعلیمات میں مکمل آزادی ہونی چاہئے۔

❺ اگر کسی جماعت کے تہائی ممبر قانون یا تجویز کی اس بنا پر مخالفت کریں کہ یہ ان کے حق میں ضرر رساں ہے تو اس حالت میں یہ قانون یا تجویز پاس نہ کی جائے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس ضمن میں مسلم لیگ کی کمیٹی کے قیام کا بھی اعلان کیا۔

مسلم لیگ کونسل کا اجلاس 3 مارچ 1929ء کو منعقد ہوا، اس میں نہرو رپورٹ کو مکمل طور پر مسلمانوں کے خلاف قرار دیا گیا۔

30-31 مارچ 1929ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا ملتوی شدہ اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی زیرِ صدارت روشن تھیٹر میں منعقد ہوا۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح کے چودہ نکات منظور کیے گئے۔

نومبر 1929ء میں دہلی سے قائداعظم محمد علی جناح نے مدن موہن مالویہ کے اشتراک سے ایک بیان جاری کیا جس میں برطانوی حکومت سے مذاکرات کے لیے ہندوستان کے نمائندوں کو مدعو کرنے کی تجویز کا خیر مقدم کیا گیا۔

نومبر 1930ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے شفیع لیگ کا اجلاس دہلی میں طلب کرلیا۔ اس اجلاس میں ہندوستان کے ہر صوبہ سے بہت بڑی تعداد میں مسلمان اکابرین نے شرکت کی۔

23 جنوری 1935ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے دہلی میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے مکان پر ہندو مسلم مفاہمت کے سلسلے میں بات چیت کی 18 فروری 1938ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے دہلی کالج کے طلبا سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اگر میں اتحاد قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا تو یقین کیجئے کہ یہ اس ملک میں آزادی کے لیے لڑی جانے والی جنگ کو نصف جیت لینے کے مترادف ہوگا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مرکزی اسمبلی میں اپنی ترامیم کے سلسلہ میں ہندو عناصر کے رویہ کی بھی مذمت کی اور کہا:

''میری ترامیم کی منظوری میری نہیں بلکہ پوری قوم کی فتح ہے۔''

جنوری 1936ء میں قائداعظم محمد علی جناح بمبئی سے دہلی تشریف لے گئے اور وہاں انہوں نے انتخابات کے سلسلے میں جمعیت علما ہند کے رہنما مولانا احمد سعید اور ڈاکٹر انصاری سے مذاکرات کیے۔ قائداعظم محمد علی جناح 7 مارچ 1936ء کو لاہور سے دہلی پہنچے اور اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی اور سیتا مورتی کی ایک تحریک پر آزاد پارٹی کے قائد کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''نیا آئین ہماری مرضی اور منشاء کے موافق نہیں ہے اس لیے ہم اس پر رائے دیں گے۔''

20 مارچ 1937ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا اس میں طے پایا کہ مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی بنائی جائے اور لیگ کا پرچم اسی جھنڈے کو قرار دیا جائے جو 1937ء کے اجلاس میں لکھنؤ

نواب افتخار حسین خان ممدوٹ

1969 - 1906

آپ جوانی سے ہی مسلم لیگ میں شامل تھے۔ 1942ء میں آپ کے والد سر شاہ نواز ممدوٹ کی وفات پر آپ کو پنجاب مسلم لیگ کا صدر منتخب کر لیا گیا' جس کے بعد آپ نے مسلم لیگ کے لیے انتھک کام کیا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کے حکم پر 1946ء میں اپنا خطاب اور جاگیر انگریز کو واپس کر دی۔ آپ نے ہر دور میں جمہوریت کے لیے صدا بلند کی۔ آپ کئی سال تک آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ جب پنجاب کی وزارت عظمیٰ کا سوال آیا تو قائداعظمؒ نے آپ کو ترجیح دی اور اس طرح آپ پنجاب کے پہلے وزیر اعلیٰ بنے۔ آپ سندھ کے گورنر بھی رہے اور کچھ عرصہ مغربی پاکستان کی کابینہ میں بھی شمولیت کی۔ 1958ء کے مارشل لاء کے بعد آپ سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔

میں لگایا گیا تھا۔

29 مارچ 1937ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے لنلتھگو کے ظہرانے میں شرکت کی اور 3 اپریل کو دہلی میں اپنے مکان پر ایک عصرانہ دیا جس میں اسمبلی کے ارکان نے شرکت کی۔

4 جون 1938ء کو دہلی میں مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے بائیس ارکان نے شرکت کی۔ کانگریس کو کہا گیا:

''کانگریس مسلم لیگ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم تصور کرتے ہوئے مذاکرات کرے۔''

30 جولائی 1938ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے دہلی میں مسلم لیگ کونسل کے اجلاس کی صدارت کی۔ 3 فروری 1939ء کو دہلی میں مرکزی اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ اس دوران مسلم لیگ کی تنظیم اور دیگر متنازعہ امور بھی قائداعظم محمد علی جناح کے پیش نظر رہے۔ 22 مارچ 1939ء کو پھر اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی۔

14 مارچ 1940ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو دہلی میں وائسرائے نے ملاقات کی دعوت دی۔ اس ملاقات میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کے مطالبات اور خیالات بہت صاف صاف بیان کیے، مگر وائسرائے نے کوئی معین اور قطعی بات نہیں کی۔

4 نومبر 1940ء کو نواب یامین خاں کے مکان پر دہلی میں مسلم لیگ کی اسمبلی پارٹی کا اجلاس ہوا جس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔ اسی سال اینگلو اورینٹل عربک کالج کے طلبا سے خطاب کیا۔

22 فروری 1941ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں ایک قرارداد کے ذریعے طے کیا گیا کہ ہر سال مسلم لیگ 23 مارچ کا دن یادگار کے طور پر منایا کرے گی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 26 اور 27 اکتوبر 1941ء کو مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی اور کونسل مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کی اور فیصلہ کیا گیا:

''وائسرائے ہند کی من مانی کارروائی کے پیش نظر مسلم لیگ اس سال مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت نہیں کرے گی۔''

26 اکتوبر 1941ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کے انگریزی ہفت روزہ اخبار ڈان کا افتتاح کیا۔ 23 مارچ 1942ء کو دہلی میں یوم پاکستان کے سلسلے میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی اس موقع پر انہوں نے کہا:

''دیگر جماعتوں سے کہیں زیادہ مسلم لیگ ہندوستان کی آزادی وخود مختاری کی علمبردار ہے۔ ہم انصاف کے طالب ہیں، اور ایک آزاد قوم کی حیثیت سے زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔''

13 ستمبر 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے دہلی میں اخباری نمائندوں سے خطاب کیا 23 دسمبر 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے بنگال میں طوفان آنے سے متاثر ہونے والے افراد کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا اور اپنی جانب سے ایک ہزار روپے امدادی فنڈ میں دیے۔

7 مارچ 1943ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں قائداعظم کو ایک مرتبہ پھر مسلم لیگ کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ 30 مارچ کو ڈاکٹر ضیاالدین نے سید غلام بھیک نیرنگ کی جانب سے اپنے مکان پر عشائیہ دیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے بھی اس میں شرکت کی۔

24 اپریل 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کے تیسویں اجلاس کی صدارت کی۔ 9 نومبر

1943ء کو مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی۔

21 جنوری 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی۔ اجلاس میں انڈونیشیا اور ہندچینی میں ہندوستان کی فوجوں کے استعمال پر تحریک التوا پیش ہوئی تو قائداعظم محمد علی جناح نے اس کی مذمت کی۔

11 مارچ 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے دہلی میں ایک افریقی وفد سے ملاقات کی جس نے قائداعظم محمد علی جناح کو افریقہ کے مسلمانوں کی طرف سے مکمل حمایت کا یقین دلایا تھا۔

30 مارچ کو قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے اجلاس کی صدارت کی، اور ازاں بعد رائٹر کے نمائندے فریزر کو ایک بیان میں کہا:

''مجھے علم نہیں کہ کابینہ مشن کیا کرنے والا ہے، لیکن مسلم لیگ اس سے ملاقات کرے گی۔''

21 مارچ کو نیوز کرانیکل لندن کے نامہ نگار مسٹر فارمن کلف سے اپنا موقف دہرایا۔ 3 اپریل کو بی بی سی کی ڈونلڈ ایڈورڈز نے پاکستان کے بارے میں سوالات کیے۔ 16 ستمبر 1946ء کو وائسرائے نے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔ 5 اپریل 1947ء کو وائسرائے نے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔ 5 اپریل 1947ء کو نئے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات ہوئی۔ 12 اپریل کو مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی۔ 7 اگست 1947ء کو نئی دہلی سے کراچی تشریف لے آئے اور اس کے بعد پھر کبھی ہندوستان کا رخ نہ کیا۔

دہلی اسمبلی میں خطاب

اوائل مارچ 1929ء کو قائداعظم محمد علی جناح دہلی اسمبلی کے اجلاس کے لیے پہنچے، یہاں انہیں موتی لال نہرو کی ایک کٹوتی تحریک کا جواب دینا تھا، جس کا تعلق وائسرائے کی کابینہ کے مصارف میں کمی سے تھا، اس تحریک کی منظوری دینے سے پہلے شکایات کا ازالہ کرنے کا آئینی مسئلہ کھڑا ہوا۔ اس طرح نہرو رپورٹ پر بحث کا دروازہ کھل گیا۔ رپورٹ پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اختلافات طے نہیں ہو سکے۔ اس لیے ایک متفقہ دستور مرتب کرنے کا سوال خارج از بحث ہو گیا، قائداعظم محمد علی جناح ایک بار پھر دوسرے گروپ سے مل گئے۔

موتی لال نہرو نے پوری کوشش کی کہ اس اعتراض کو دور کر لیا جائے، لیکن قائداعظم محمد علی جناح پھر اپنے نکتہ پر آ گئے، انہوں نے رپورٹ کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی، انہوں نے کہا:

''میں جانتا ہوں یہ رپورٹ میرے فاضل دوست کا پالتو بچہ ہے، لیکن میں غیر جانبداری کے ساتھ ٹھنڈے دل سے کہہ رہا ہوں اور انہیں احساس دلانا چاہتا ہوں، جتنی جلدی وہ اس بات کو تسلیم کر لیں، اتنا ہی بہتر ہوگا کہ یہ مسلمانوں کے لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فیصلہ کیا کہ موتی لال، جیکار اور دیگر ہندو لیڈروں پر ثابت کر دیا جائے کہ ''دراصل میں ایک چھوٹی سی اقلیت کی نمائندگی نہیں کرتا۔'' لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں تھا، ان کا رہنما مسلم لیگی گروپ بھی بدستور اختلافِ رائے کا شکار تھا۔

انہوں نے 30 مارچ 1929ء کو دہلی میں مسلم لیگ کا ملتوی کردہ سیشن پھر طلب کر لیا، اجلاس سے پہلے رات کو اور صبح سویرے بھی انہوں نے اپنے بعض حریفوں سے ملاقات کی، اور انہیں ایک نئے فارمولے پر جسے جناح کے ''چودہ نکات'' کا نام دیا، متفق الرائے بنانے کی سرتوڑ کوشش کی، لیکن ڈاکٹر انصاری، تصدق احمد خان شیروانی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، ڈاکٹر محمد عالم اور ڈاکٹر سید محمد نے نئے فارمولا کی ڈٹ کر

مخالفت کی اور نہرو رپورٹ کی حمایت کی، تاہم محمد علی جوہر، گاندھی کے سحر سے مکمل طور پر آزاد ہو کر صدقِ دل سے قائداعظم محمد علی جناح کے حامی بن گئے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے بے مثال تدبر و فراست کو زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے انہیں ''سب سے بڑا مصالحت کنندہ'' قرار دیا۔

دہلی تجاویز

قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت 20 مارچ 1927ء کو دہلی میں مسلم کانفرنس منعقد ہوئی۔ ان میں جو تجاویز منظور ہوئیں انہیں دہلی تجاویز کا نام دیا گیا۔ دہلی تجاویز مسلمانوں کے ان تین مطالبات پر مشتمل تھیں۔ جنہیں کانگریس کے ساتھ کسی بھی سیاسی سمجھوتے کی اساس قرار دیا گیا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی ان کوششوں کو سراہتے ہوئے بمبئی مسلم لیگ کے سیکرٹری ایم سی چھاگلہ نے پرزور الفاظ میں کہا:

''جناح ایک عظیم قائد ہیں جن کے ہاتھ میں جادو کی چھڑی ہے، اور وہ ناممکن کو ممکن بنانے میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔''

دہلی تجاویز مندرجہ ذیل تھیں۔

1. سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک الگ صوبہ بنایا جائے۔
2. شمال مغربی سرحدی صوبے اور بلوچستان میں دوسرے صوبوں کی طرح دستوری اصلاحات نافذ کی جائیں، اور تمام صوبوں میں مسلم نشستیں مخصوص کی جائیں۔ اس صورت میں مسلمان مخلوط انتخاب کے لیے رضا مند ہوں گے۔
3. پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی نمائندگی آبادی کے تناسب پر مبنی ہوگی، اور مرکزی اسمبلی میں مخلوط طریقہ انتخاب سے مسلمانوں کی نمائندگی کسی صورت میں بھی ایک تہائی یا 33 فیصد سے کم نہ ہوگی۔''

دہلی دروازہ لاہور

علامہ اقبال کی دعوت پر قائداعظم محمد علی جناح پنجاب میں انتخابی سرگرمیوں کے آغاز کے سلسلے میں 9 اکتوبر 1936ء کو لاہور تشریف لائے تو انہوں نے دہلی دروازہ کے باغ میں 11 اکتوبر 1936ء کو جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے یونینسٹ پارٹی پر کڑی نکتہ چینی کی۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے یونینسٹ پارٹی کو رجعت پسندوں کا ایک ٹولہ قرار دیا اور کہا:

''اس کی پشت پر ضمیر فروش پریس کا پروپیگنڈہ حکومت کی چشم التفات اور لاعلم رائے دہندوں کے ووٹ ہیں۔''

انہوں نے پریس کے ایک حصے پر الزام عائد کیا:

''وہ ہمارے لائحہ عمل اور مطمع نظر کو پبلک کے سامنے ہمیشہ غلط نکتہ نگاہ سے پیش کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔''

روزنامہ انقلاب نے بالخصوص مسلم لیگ پر فرقہ وارانہ پارٹی کا لیبل لگایا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''وہ دبی زبان سے یہ امر تسلیم کرتے ہیں کہ انہیں مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام سے کوئی اختلاف نہیں لیکن اس کے باوجود ہم پر دھڑلے سے الزام لگاتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی غرض سے فرقہ وار پارٹیوں کو تشکیل کر رہے ہیں۔''

ان کا اپنا ادعا یہ ہے کہ وہ بذات خود بڑے قوم پرست فرقہ واری کی لعنت سے کوسوں دور ہیں لیکن کیا میں ان لوگوں سے پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں، اور کیا وہ ایمانداری سے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یونینسٹ پارٹی اس لیے غیر فرقہ وارانہ

جماعت ہے کہ اس کے اپنے ارکان کی فہرست میں دو ہندوؤں کے نام بھی شامل ہیں، جو موقع بہ موقع ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں۔''

انہوں نے اپنی تقریر میں یونینسٹ پارٹی کے مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ میں شمولیت سے گریز اور بورڈ پر حملوں کا ذکر بھی کیا اور کہا:

''کیا کبھی آپ نے غور کیا کہ آپ کے رہنما اس تنظیم بین المسلمین کی کڑی بننے سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ سچی بات اگرچہ کڑوی ہوتی ہے لیکن میں کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر وہ لیگ کی رکنیت قبول کرلیں تو اس صورت میں انہیں لیگ کی پالیسی اور پروگرام کا زہر بھرا جام جو بدقسمتی سے حکومت کی چشم التفات کی چاشنی سے معرا ہے۔نوش کرنا ہوگا۔اس کے علاوہ لیگ کے حلف نامے پر دستخط کرنے سے ان کی من مانی کارروائیوں کا بھی خاتمہ ہوتا ہے۔''

سرسکندر حیات خاں پر قائداعظم نے نکتہ چینی کی اور کہا:

''اگر وہ اہل پنجاب کی غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر خدمت کرنے کے لیے اس قدر بے تاب تھے تو آج اس سے پہلے کہاں تھے۔''

دہلی سے کراچی پرواز

ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے منصوبے کے تحت قائداعظم محمد علی جناح نے 7اگست 1947ء کو دہلی سے کراچی پرواز کرتے ہوئے فرمایا:

''ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی حکومت کا وفادار رہنا چاہیے کیونکہ کوئی حکومت غداروں کو برداشت نہیں کرتی۔''

خود قائداعظم محمد علی جناح کے مطابق ہندی النسل مسلمانوں کا حق پاکستان پر ختم ہوگیا۔

8اگست 1947ء کو ٹائمز آف انڈیا میں ایک کارٹون شائع ہوا کہ ہوائی جہاز میں قائداعظم محمد علی جناح جہاز کی کھڑکی کے قریب تشریف فرما باہر کا نظارہ کررہے، اور رن وے پر چودھری خلیق الزمان، حسین امام اور نواب اسماعیل خاں اپنے چہرے پر کیا جانئے تونے اسے کس حال میں دیکھا، کی حسرت و حیرانی و ویرانی بکھیرے قائداعظم محمد علی جناح کو الوداع کہہ رہے ہیں اور قائداعظم محمد علی جناح فرما رہے ہیں:

''اپنی حکومت سے وفادار رہو۔''

(ارشاد احمد حقانی، جنگ لاہور، 10اپریل 1988ء)

دہلی کالج

18فروری 1938ء کو دہلی کالج میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''اگر میں یہ اتحاد (ہندو مسلم) حاصل کرسکوں تو پھر یقیناً سمجھ لیجئے کہ ملک کی آزادی کی نصف جنگ جیتی جا چکی ہے۔ جب تک ہندو اور مسلمان متحد نہ ہوں گے تو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے لیے امید کی کوئی صورت نہیں، اور ہم دونوں غیرملکی تسلط کے تحت غلام رہیں گے۔''

دیال سنگھ کالج یونین

5 مارچ 1936ء کو قائداعظم محمد علی جناح دیال سنگھ کالج لاہور یونین کی دعوت پر کالج میں تشریف لائے۔ یونین کے صدر پروفیسر لاجپت رائے نے قائداعظم محمد علی جناح کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انہیں ہندوستان کے مشہور رہنما گوکھلے سے تشبیہہ دی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر اپنی جوابی تقریر میں فرمایا:

''میرا ابتداء سے یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کی نجات فرقہ پرستی کے ذریعے سے ہرگز نہیں ہوسکتی۔ میں ماضی میں بھی اس عقیدہ کا حامل رہا ہوں، اور آئندہ بھی اس کا پیروکار رہوں گا۔اب بھی اگر انسان ہندوستان کی بے لوث خدمت پر آمادہ ہوجائے تو ہمارا مستقبل درخشاں ہوگا۔''

دیانت

قائداعظم محمد علی جناح کے تمام سوانح نگار جن میں انگریز بھی شامل ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کی تین صفات محنت، دیانت اور جرأت کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں۔ ان کے بدترین دشمنوں نے بھی اعتراف کیا:

''وہ ایک دیانت دار شخص تھے۔''

ان کی دیانت کی کئی مثالیں ہیں۔ یہاں سب کا ذکر کرنا تو محال ہے، تاہم چند ایک مثالیں دی جارہی ہیں۔

پروفیسر ابوبکر حلیم نے آرسی ڈی اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے زیراہتمام ایک جلسہ منعقد 25 دسمبر 1927ء کو کراچی میں منعقد ہوا انہوں نے اس اجلاس میں بتایا:

❶ ''ایک مرتبہ جنگ عظیم کے زمانے میں جب کار کی بیٹری پر کنٹرول تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی کار کی بیٹری خراب ہوگئی۔انہوں نے متعلقہ انگریز افسر کو اس بیٹری کے حصول کے لیے خط لکھا۔ بعد ازاں کئی روز بعد ایک دعوت میں ان کی اس انگریز افسر سے ملاقات ہوئی تو قائداعظم محمد علی جناح کے استفسار پر اس نے پوچھا کہ انہوں نے جنگی فنڈ میں کتنی امداد دی ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس سے کہا کہ وہ تحریری طور پر بات ان سے پوچھے۔ اس انگریز افسر نے کئی ہفتوں تک بیٹری کے حصول کے معاملے کو دبائے رکھا۔ قائداعظم محمد علی جناح اس تمام عرصے میں تکلیف برداشت کرتے رہے، لیکن انہوں نے بلیک سے بیٹری نہیں خریدی، کیونکہ ان کے اصول کے خلاف تھا۔

❷ قائداعظم محمد علی جناح ایماندار اور اصول پسند انسان تھے۔ ایک مرتبہ بمبئی کے ایک تاجر عبدالکریم نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک مقدمے میں وکیل مقرر کرنا چاہا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

میری فیس پانچ صدر روپے روزانہ ہے، عبدالکریم نے کہا:

''میں اتنی بھاری فیس ادا کرنے کا متحمل نہیں کچھ کم کریں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے انکار کردیا۔عبدالکریم نے قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے پانچ ہزار روپے کی رقم رکھتے ہوئے کہا:

''مجھے آپ کی پانچ صدر روپے روزانہ کی فیس منظور ہے لیکن سردست میرے پاس یہی رقم ہے۔آپ مقدمے کی پیروی شروع کردیں۔ باقی رقم میں مقدمہ کی پیروری کے دوران یا اختتام پر ادا کردوں گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے تین دن میں مقدمہ کی پیروی کر کے مقدمہ جیت لیا اور عبدالکریم سے صرف تین دن کی فیس پندرہ سو روپے وصول کر کے باقی رقم اسے واپس لوٹا دی۔

❸ قائداعظم محمد علی جناح کے پاس ایک موکل آیا۔جس کا مقدمہ بہت لمبا چوڑا تھا اور اس کی فیس بھی بہت بنتی تھی۔ موکل نے کہا:

''میرے پاس دس ہزار روپے ہیں۔''

اس لیے قائداعظم محمد علی جناح نے مقدمہ لینے سے نکار کردیا۔ پھر بھی موکل نے ان کو اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ کاغذات کی حد تک ہی معائنہ کریں اور باقی چھوڑ دیں۔ جب

قائداعظم محمد علی جناح نے کاغذات کو دیکھنا شروع کیا تو مقدمہ بہت دی دلچسپ نکلا، اور انہوں نے ساری مسل پڑھ ڈالی اور موکل کو مناسب مشورہ دے دیا۔ سب یہ خیال کرتے تھے کہ انہوں نے غیر معمولی نوازش کی ہے، لیکن قائداعظم محمد علی جناح کے حساب کے مطابق فیس ساڑھے تین ہزار بنتی تھی۔ اس لیے انہوں نے باقی رقم موکل کو واپس کر دی۔

(یک مرد خود آگاہ ہے، از مطلوب الحسن سید)

دیانتداری ومحنت

قائداعظم اپنی شخصی اور ذاتی باتوں کا تذکرہ عموماً نہیں کرتے تھے، مگر جب خوشی ومسرت کی گھڑی آ جاتی، کوئی سیاسی معرکہ سر کر لیتے یا گردوپیش کے لوگوں اور نوجوانوں کو پرامید، حوصلہ مند اور سرگرم عمل کرنا چاہتے تھے تو اپنی نجی زندگی کے حالات بھی بیان کر دیتے تھے۔

ایسا ہی ایک وقت وہ تھا جب بنگال کی تین مسلم پارٹیوں کو آل انڈیا مسلم لیگ میں ضم ہو جانے پر انہوں نے راضی کر لیا تھا۔

یہ 1936ء کا زمانہ تھا۔ اس زمانے کے حالات کا تصور آج مشکل ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح مسلمانان ہند کو منظم کر کے ایک زبردست قوت اور پرعزم قوم بنانے کی مہم میں مشغول تھے۔ اس لیے یہ بڑی کامیابی تھی۔ جو بنگال میں انہیں ہوئی اور اس کامیابی پر قائداعظم محمد علی جناح بہت مسرور تھے۔

مرزا ابوالحسن اصفہانی سے اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے آپ نے اپنی زندگی کے مشکل دور کی باتیں بھی بیان کیں اور کہا:

''جب میں نیا نیا وکیل ہو کر بمبئی میں آیا تھا تو مجھے مقدمات نہیں ملتے تھے۔ بہت محنت کرنی پڑتی تھی۔ بڑے بڑے وکیلوں کی موجودگی میں کسی نوعمر وکیل کو کون پوچھتا ہے، پھر میں کسی کی سفارش بھی پسند نہیں کرتا تھا، اور نہ کمیشن پر کوئی مقدمات حاصل کرنا مناسب سمجھتا تھا۔ میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا تھا کہ وہ کام کروں جو میرے نزدیک کسی طرح جائز نہ تھا، لیکن میں نے دیانتداری کے ساتھ محنت کی اور اپنے کام میں لگا رہا تو خدا نے میری راہ کھول دی اور دیکھ لو آج میں کیا ہوں۔''

دی بمبئی نیشنل یونین (ایئر بک اور ڈائری 1918ء)

یہ ڈائری اور ایئر بک قائداعظم محمد علی جناح کی ملکیت تھی۔ اس کی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے تھی اور اسے ڈاکٹر ڈی کے ست ہائی نے مرتب کیا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح باقاعدہ طور پر ڈائری نہ لکھتے تھے۔

دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

(دیکھیے: مملکت خداداد پاکستان)

دیدۂ بینائے قوم

اس کتاب کو محمد سلیم ضیاء نے مرتب کیا اور مکتبہ میری لائبریری لاہور نے 1969ء میں اسے شائع کیا۔

یہ کتاب قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت سے بحث کرتی تین ابواب پر مشتمل ہے پہلے باب میں اختصار کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناح کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں۔ دوسرے باب میں قائداعظم محمد علی جناح کی تقریریوں کے اخباری بیانات اور پیغامات سے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔

یہ کتاب قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں کوئی جامع کتاب نہیں ہے، البتہ ایک عام آدمی کی ضروریات کو پورا کرتی نظر آتی ہے۔ اس اعتبار سے اس کی اپنی ایک افادیت ہے۔

دی سول سپوکس مین

اس کتاب کو عائشہ جلال نے انگریزی میں تصنیف کیا اس کتاب کا پورا نام جناح دی مسلم لیگ اینڈ دی ڈیمانڈ فار پاکستان ہے۔

اردو میں دی سول سپوکس مین کا ترجمہ ''مسلمانوں کے تنہا ترجمان'' کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی ان کاوشوں کا ذکر کیا گیا ہے، جوانہوں نے قیام پاکستان کے لیے کیں۔ اس کتاب کی اشاعت سے قائداعظم محمد علی جناح کے حالات وواقعات پر شائع ہونے والی کتب میں ایک گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔

دلیش پانڈے

بال گنگا دھر تلک ہندوستان کا مشہور انتہا پسند لیڈر تھا۔ حکومت نے جولائی 1916ء میں بغاوت کے الزام میں اس پر مقدمہ دائر کیا۔ حکومت نے اس کی تقاریر پر جو اس نے بلگام اور احمد نگر میں کی تھیں انہیں جواز بنا کر دفعہ 108 اور 112 ضابطہ فوجداری کے تحت نوٹس جاری کر دیا:

''وہ ایک سال تک نیک چلن رہنے کے متعلق 20 ہزار روپے کا مچلکہ اور دس دس ہزار کی ضمانت داخل کرائے۔''

17 اگست کو یہ مقدمہ ایچ پی ہاج ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ چونا کی عدالت میں پیش ہوا۔ حکومت کی طرف سے ڈی پی بینگ پیش ہوا۔ جب کہ بال گنگا دھر تلک کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح، جوزف بپٹسٹا۔ کھاندریکا اور آسکر پیش ہوئے۔ اس مقدمے میں دلیش پانڈے کو جرح کے لیے جب پیش کیا گیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''وہ جرح کرنے سے پہلے شارٹ ہینڈ نوٹوں کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔''

اس پر اجلاس دوسرے دن پر ملتوی ہو گیا۔

دی قائد

یہ قائداعظم میڈیکل کالج بہاول پور کا ادبی مجلّہ ہے۔ یہ مجلّہ کارکنان کالج کی پانچ سالہ تگ ودو کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کے موقع پر طبع کیا گیا۔

اگرچہ یہاں میڈیکل کالج کے طلبا زیر تعلیم ہیں، تاہم اس میں بیشتر طلبا وطالبات نے بہترین طریق سے لکھنے کی کامیاب مساعی کی ہیں۔

دی قائدین

یہ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد کا ادبی مجلّہ ہے۔ اس رسالے کا اجراء 1988ء میں کیا گیا۔ اس ضمن میں ایک خصوصی تقریب ممتاز ادیب زاہد حسین چغتائی کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ اس تقریب میں شرکاء محفل میں لٹریری سوسائٹی قائداعظم یونیورسٹی کی جانب سے شائع کیا جانے والا مجلّہ ''دی قائدین'' بھی تقسیم کیا گیا جس کی اشاعت کی کہانی جعفر رضا نے کچھ اس طرح سنائی:

''درس گاہوں کے مجلّے طلبا کی تخلیقی صلاحیتوں کا مظہر اور ان کے شعور کے عکاس ہوتے ہیں۔ ہم نے آس وامید کی بجائے جستجو اور عمل کا راستہ اپنایا، اور اپنے محدود وسائل میں یہ میگزین شائع کیا جسے ایک ہمہ رنگ میگزین کی اشاعت کے لیے سفر کی جانب پہلا قدم کہا جاسکتا ہے۔''

دین اسلام......قیام پاکستان

پاکستان اسلام کے نام پر قائم کیا گیا تھا۔ اسلام کے حوالے سے یہ دعویٰ کیا گیا تھا:

''ہندو اور مسلمان دو علیحدہ قومیں ہیں جن کا مذہب، طرز زندگی اور عادات و رسوم ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں بلکہ متضاد ہیں۔''

اسی دعویٰ کی بنیاد پر دوقومی نظریہ وجود میں آیا، اس نظریے کی روشنی میں مسلمانوں نے یہ مطالبہ کیا تھا:

''ان کا دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اور کہ وہ اس کے مطابق زندگیاں گزارنے کے لیے علیحدہ وطن چاہتے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کے اس مطالبہ کی وقتاً فوقتاً وضاحت بھی کی اور ان کے لیے علیحدہ وطن حاصل کرنے کے لیے اپنی ساری زندگی بھی صرف کردی۔

مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس جو 1940ء کو لاہور میں منعقد ہوا تھا، تحریک پاکستان کی تاریخ میں نشانِ منزل کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ اس اجلاس ہی میں تو قرارداد پاکستان پاس ہوئی تھی، اس اجلاس کی صدارت بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے ہی فرمائی تھی، انہوں نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا:

''میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ آخر ہمارے ہندو بھائی اسلام اور ہندومت کی حقیقت اور اہمیت کو سمجھنے سے کیوں گریز کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے یہ دونوں مذہب نہیں ہیں، بلکہ ایک دوسرے سے مختلف معاشرتی نظام ہیں، اور اس بنا پر متحدہ قومیت کا تخیل ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا، یاد رکھیئے ہندو اور مسلمان مذہب کے معاملے میں دو جداگانہ فلسفے رکھتے ہیں، دونوں کی معاشرت ایک دوسرے سے مختلف ہے، یہ دو الگ تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں، جن کی بنیادی متضاد تصورات پر ہیں، دو ایسی قوموں کو ایک نظام مملکت میں یکجا کر دینا باہمی مناقشت کو بڑھائے گا اور بالآخر اس نظام کو پاش پاش کردے گا جو اس ملک کی حکومت کے لیے وضع کیا گیا ہو۔''

اپنے اس اہم صدارتی خطبہ کے پورے ایک سال بعد انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس مدراس میں اپنے خطبہ صدارت میں اپنے اس دعوے کا اعادہ کرتے ہوئے فرمایا:

''مسلم لیگ کا نصب العین یہ بنیادی اصول ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک جداگانہ قومیت رکھتے ہیں، انہیں کسی دوسری قوم میں جذب کرنے یا ان کے نظریات یا ملی تشخص کو مٹانے کے لیے جو بھی کوشش کی جائے گی، اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے گا، ہم نے تہیہ کرلیا ہے کہ اپنے جداگانہ قومی تشخص اور جداگانہ حکومت کو قائم کرکے رہیں گے۔''

پھر وقتاً فوقتاً مختلف مواقع پر قائداعظم محمد علی جناح نظریہ پاکستان کی وضاحت کرتے رہے اور لوگوں کو یقین دلاتے رہے:

''دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔''

مثلاً انہوں نے 27 نومبر 1945ء کو ایڈورڈ کالج پشاور کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''ہم دونوں قوموں یعنی ہندو اور مسلمانوں میں صرف مذہب کا فرق نہیں، ہمارا کلچر بھی ایک دوسرے سے الگ ہے، ہمارا دین ہمیں ایک ضابطہ حیات دیتا ہے

جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے، ہم اس ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں جس کے لیے ہمیں علیحدہ وطن کی ضرورت ہے۔''

اس ضابطہ کی وضاحت وہ کئی سال پہلے اہل علم کے سامنے پیش کر چکے تھے، اس سلسلے میں ان کی سب سے زیادہ مشہور تقریر وہ ہے جو انہوں نے اگست 1941ء میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کے طلباء کے سوالات کے جواب میں کی تھی، آپ سے مختلف طلباء نے نئی قائم ہونے والی مملکت پاکستان کے بارے میں پوچھا تھا جس کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں، اسلام میں عملاً یہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے اور نہ پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی، قرآن حکیم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں، اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصولوں اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لیے آپ کو لامحالہ علاقے اور مملکت کی ضرورت ہوتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے قائداعظم محمد علی جناح اور ان کی جماعت مسلم لیگ کی مساعی کو کامیاب فرمایا اور یہ مملکت پاکستان اگست 1947ء میں قائم ہوگئی، لیکن بدقسمتی سے ابھی مملکت کا آئین بھی نہیں بنا تھا کہ قائداعظم ہم سے جدا ہو گئے، اسلام کا ضابطہ حیات نافذ کرنے سے چونکہ مفاد پرستوں کے مفاد پر کاری ضرب پڑتی تھی، اس لیے انہوں نے تصور پاکستان کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانی شروع کر دیں اور انہوں نے اتنی بڑی حقیقت کو متنازعہ بنانا شروع کر دیا، وہ علماء جو قیام پاکستان کی مخالفت کرتے رہے تھے، انہوں نے اسلامی ضابطہ حیات کی کچھ اس طرح تشریح کرنی شروع کی کہ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس سے مراد ملاؤں کی حکومت یعنی تھیا کریسی ہے، حالانکہ قائداعظم محمد علی جناح اس بارے میں وضاحت کر چکے تھے:

''حکومت پاکستان کا نظام قرآنی اصولوں کے مطابق ہی چلایا جائے گا۔''

لیکن چونکہ کسی فرد یا ادارے نے آپ کی مستند سوانح عمری لکھنے کی زحمت گوارا نہ کی تھی۔ اس لیے عامۃ الناس کے ذہنوں کو تصور پاکستان کے بارے میں مشکوک بنانے میں دشمنان پاکستان کو خاصی کامیابی ہوئی، پھر 1953ء میں قادیانیت کے خلاف جو پر تشدد تحریک چلائی گئی اس سے اس غلط فہمی کو مزید تقویت حاصل ہوگئی، یہاں تک کہ اچھے بھلے لوگ یہ دعویٰ کرنے لگے کہ قائداعظم اس ملک میں سیکولر حکومت قائم کرنا چاہتے تھے جس کا کسی دین سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، اس نظریہ کو پیش کرنے والے پاکستان کے ایک سابق چیف جسٹس جناب محمد منیر تھے۔ انہوں نے قادیانیت کے خلاف پر تشدد تحریک کے سلسلے میں جو عدالتی تحقیقات کی تھیں تو اس میں آپ علماء حضرات کے طرز عمل سے خاصے پریشان ہو گئے تھے، کیونکہ ان میں سے کوئی عالم دین ''مسلمان'' کی کوئی جامع مانع تعریف نہ کر سکا، بلکہ تمام علماء کی پیش کردہ تعریفات ایک دوسرے سے ٹکراتی تھیں، ان کے اس طرز عمل نے انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ جو علماء حضرات مسلمان کی متفقہ تعریف نہیں کر سکتے وہ اسلام کو بطور ایک ضابطہ حیات کے کس طرح نافذ کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے یہ دعویٰ کرنا شروع کیا کہ قائداعظم محمد علی جناح اس ملک میں سیکولر حکومت قائم کرنا چاہتے تھے، اس کے بارے میں انہوں نے تفصیلی بحث اپنی مشہور کتاب ''جناح سے ضیاء تک'' میں کی (صفحہ 30) افسوس

ہے کہ ہمارے ملک کے اتنے بڑے قانون دان نے اس بارے میں خود قائداعظم محمد علی جناح کے فرمودات کو تو سامنے نہ رکھا جن میں سے کچھ کو سطور بالا میں پیش کیا جا چکا ہے، بلکہ اس سلسلے میں علماء حضرت کی ان تحریروں پر بھروسہ کیا جن کا دعویٰ تھا کہ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم نہیں ہو گی بلکہ عوام کو اسلام کے نام پر دھوکہ دیا جا رہا ہے، کاش وہ اس سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح کے فرمودات کا مطالعہ کر لیتے تو اس بارے میں عوام کے ذہنوں میں دشمنانان پاکستان نے جو غلط فہمی پیدا کر دی تھی تو وہ اسے مزید پختہ کرنے کی بجائے اسے دور کرنے میں مددگار ثابت ہوتے۔

یہ صورت حال تقاضا کرتی ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کی ایک مستند سوانح عمری پہلی فرصت میں شائع کروائی جائے، ان کی تقاریر اور بیانات کے مجموعے بلاشبہ شائع ہو چکے ہیں، اگر فی الوقت ان کی مستند سوانح عمری شائع نہیں کی جا سکتی تو کم از کم ان کی ان تقاریر اور بیانات ہی کو یکجا کر کے شائع کر دیا جائے جن میں آپ نے اسلام کو بطور ایک ضابطہ حیات کے پاکستان میں نافذ کرنے کا اعلان کیا تھا، یہ پاکستان کی بھی خدمت ہو گی اور اسلام کی بھی خدمت۔

(جدوجہد قیام پاکستان، از پروفیسر رفیع اللہ شہاب مطبوعہ، مقبول اکیڈمی لاہور)

دین محمد شیخ، جسٹس

وہ گوجرانوالہ میں 1886ء میں پیدا ہوئے۔انہوں نے 1907ء میں ایف سی کالج لاہور سے ایم اے اور 1910ء میں لاء کالج سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا، اور راولپنڈی سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا، اور جلد ہی شیخ دین محمد کا شمار معروف وکلاء میں ہونے لگا۔ 1914ء میں آپ گوجرانوالہ آ گئے اور فوجداری وکیل کی حیثیت سے بڑا نام پیدا کیا۔ وکالت کے دوران گوجرانوالہ بار ایسوسی ایشن کے صدر اور دیگر کئی اداروں کے صدر و سرپرست رہے۔

4 مئی 1919ء کو جذبہ الوطنی کے مقدس جرم کی پاداش میں انہیں گرفتار کر لیا گیا۔1910ء میں میونسپل کمیٹی گوجرانوالہ کے رکن رہے، 1914ء میں نائب صدر اور 1924ء میں بلدیہ کے صدر منتخب ہوئے۔1929ء میں احرار رہنما مولوی مظہر علی اظہر کے مقابلے میں پنجاب کونسل کے رکن منتخب کیے گئے۔شیخ دین محمد 1931ء میں دوبارہ پنجاب اسمبلی کے رکن بنے۔بعد ازاں وکالت کی غرض سے لاہور آ گئے اور 1933ء میں چھ ماہ تک اسسٹنٹ لیگل ریلیمبر ینسر رہے۔

1934ء میں لاہور ہائی کورٹ کے ایڈیشنل جج اور 1935ء میں پارلیمنٹ کی جانب سے Indian Delimitation Committee کے رکن نامزد ہوئے۔ مسجد شہید گنج کے مقدمے کے سلسلے میں تینوں ججوں میں سے ایک جج مقرر ہوئے۔ 1938ء میں پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور 1939ء میں سنڈیکیٹ کے ممبر رہے۔ اسی یونیورسٹی سے شیخ دین محمد 1944ء میں سابق بہاولپور ریاست کے چیف جسٹس مقرر ہوئے۔انہیں ریڈکلف ایوارڈ کے لیے بھی منتخب کیا گیا۔اکتوبر 1948ء میں گورنر سندھ نامزد ہوئے ۔لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی کراچی آمد پر قائداعظم محمد علی جناح نے پہلی پارٹی دی۔اس میں چند منٹ تک ان سے گفتگو کی۔ 1951ء تک اسی عہدے پر رہے۔ پھر امور کشمیر کے مشیر رہے، 31 جنوری 1960ء کو گوجرانوالہ میں انتقال ہوا۔

(ماخذ: ارشد میر، صحیفہ قائداعظم نمبر، ستمبر۔دسمبر 1976ء)

دین محمد کے نام قائداعظم کا خط

6 دسمبر 1927ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی سے جسٹس دین محمد کو درج ذیل خط لکھا:

بمبئی

قائداعظم محمد علی جناحؒ دورانِ تعلیم

6 دسمبر 1927ء

ڈیئر مسٹر دین محمد!

میں اپنا وہ خط آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں جو میں نے سیکرٹری کو تحریر کیا تھا۔ یہ خط تمام اخبارات میں شائع ہو چکا ہے اور مجھے امید ہے کہ لیگ پنجاب کی ان رجعت پسند قوتوں کا شکار نہیں ہوگی، جو مفاد پرست گروہ نے پیدا کی ہیں۔ مسلم لیگ کے اجلاس کو کامیاب بنانے کا صرف یہی واحد طریقہ ہے کہ کلکتہ کو مقام اجتماع بنانے کے سلسلے میں ہز ہائی نس آغا خان کی زبردست حمایت کی جائے۔

مہربانی فرما کر اپنا ووٹ 10 تاریخ سے بیشتر سیکرٹری لیگ کو دہلی بذریعہ تار ارسال کر دیں۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

دینا جناح

قائداعظم محمد علی جناح کی اکلوتی بیٹی دینا جناح، ان کا اصل نام دین بائی ہے۔ 15 اگست 1919ء کو لندن میں پیدا ہوئی۔ بچی کے خدوخال والد سے جبکہ آنکھیں اور ہونٹ والدہ سے مشابہہ تھے۔ دینا کی پیدائش سے قائداعظم محمد علی جناح اور رتی کے تعلقات زیادہ اچھے ہوگئے۔ نومبر 1919ء کے وسط تک وہ لندن میں مقیم رہے۔ ہندوستان واپس آئے تو سیاسی گہما گہمی اور مصروفیات ان کی منتظر تھیں۔

قائداعظم محمد علی جناح سیاسی مصروفیات کی وجہ سے بیگم اور بیٹی کو کوئی توجہ نہیں دے پاتے تھے۔ دینا نے ابتدائی تعلیم بمبئی کے ایک کانونٹ سکول سے حاصل کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے دینا جناح کی پرورش کے لیے الگ گورنس سٹیلا (Stella) کو رکھا۔ اس کے ساتھ ان کی پارسی نانی بھی ان کی دیکھ بھال کرتی رہی، کیونکہ ان کی والدہ جب وہ تقریباً دس سال کی تھی وفات پا گئی تھیں۔ قائداعظم محمد علی جناح اور فاطمہ جناح سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے دینا کی زیادہ دیکھ بھال کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے تھے۔

قائداعظم کی بیٹی کی شادی 1938ء میں نیول واڈیا جو پارسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ان کے ساتھ ہوئی لیکن بعد میں نیول واڈیا نے مذہب چھوڑ کر عیسائیت (Chirstianity) اختیار کر لی تھی۔ ان کی شادی بمبئی میں لٹل گز روڈ میں واقع چرچ آف انگلینڈ میں مسیحی رسم و رواج کے مطابق ہوئی، قائداعظم محمد علی جناح اپنی بیٹی سے بہت پیار کرتے تھے، لیکن غیر مسلم سے شادی کی وجہ سے وہ ان سے ناراض ہوگئے، اور اپنا تعلق واسطہ ان سے ہمیشہ کے لیے توڑ لیا، مگر تنہائی میں وہ اکثر دینا کو یاد کیا کرتے تھے۔ دینا کے دو بچے ہیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی، بیٹے کا نام نصلی (Nusli) ہے۔ ان دونوں بچوں کی پیدائش کے بعد نیول واڈیا نے دینا کو طلاق دے دی۔

دیوان ٹراونکو

پاکستان کے قیام پر قائداعظم محمد علی جناح کی اس عظیم الشان کامیابی پر کھلے دل سے صاف الفاظ میں جس ہندوستانی غیر مسلم نے اعتراف کیا وہ ہیں دیوان ٹراونکو کے وزیراعظم سر سی پی راسا سوامی آئر۔ انہوں نے ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کو پاکستان کے قیام پر بیان دیتے ہوئے 4 جون کو فرمایا:

"جس چیز کی توقع تھی وہ ظہور پذیر ہوگئی، اور ہندوستانی اتحاد کے لیے گاندھی جی کی اپیل اکارت گئی۔ عبوری انتخابات کے سلسلے میں کانگریس نے درجہ نو آبادیات کی تحصیل وحمایت کے لیے جو مطالبہ کیا تھا پورا ہوگیا۔

مسٹر جناح کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تفصیلی طور پر انہیں تھوڑا نقصان اٹھانا پڑا ہے، مگر

اصولی اور بنیادی طور پر انہیں شاندار فائدہ نصیب ہوا۔"

دیو جی کانجی

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے دوست تھے جنہوں نے ان کی شادی کے موقع پر قاضی کا انتظام کیا تھا۔

دیویاں

1946ء کے انتخابات سے پہلے قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کا محکمہ اطلاعات اور پبلسٹی کا کام بلوچستان کے قاضی عیسیٰ خان کے سپرد کر دیا۔ آفس سیکرٹری ایک عمر رسیدہ کارکن سید شمس الحق تھے، کام بڑی محنت سے کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں مسلم لیگ کی خوب موثر پبلسٹی ہونے لگی۔ اس پر کانگریس نے بھی مسلم لیگ کی ضد میں نئی دہلی کے ہوٹل امپیریل میں اپنا شعبہ پبلسٹی قائم کر دیا۔

مسلم لیگ کا آفس پرانی دہلی میں دریا گنج میں تھا۔ کانگریس نے ایک حربہ یہ بھی آزمایا کہ اپنے شعبے میں خوبصورت دیویوں (عورتوں) کو متعین کر دیا جو دن رات وہاں موجود رہتیں۔

ایک شام قاضی محمد عیسیٰ خان قائداعظم محمد علی جناح کی ملاقات کے لیے 10 اورنگ زیب روڈ حاضر ہوئے، اور ان کے دریافت کرنے پر کہ مسلم لیگ کا محکمہ پبلسٹی کیسے چل رہا ہے۔ قاضی محمد عیسیٰ خان نے ہنستے ہوئے کہا:

"جناب محکمہ کیسے چلاؤں میرے سپرد تو بڑے میاں سید شمس الحق ہیں، اور کانگریس نے چھانٹ چھانٹ کر دیویاں جمع کر رکھی ہیں۔"

یہ سن کر قائداعظم محمد علی جناح خوب ہنسے اور فرمایا:

"اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ تمہاری پبلسٹی بے حد موثر ثابت ہو رہی ہے۔"

قاضی محمد عیسیٰ خان نے ہنستے ہوئے کہا:

"اگر اجازت ہو تو ان کے دفتر جا کر دیکھوں کہ ان کا طریقہ کار کیا ہے؟"

قائداعظم محمد علی جناح مسکرا کر کہنے لگے:

"آپ کی وجاہت ان دیویوں کو احساس کمتری میں مبتلا کر دے گی۔"

ڈ

ڈاک ٹکٹ

قائداعظم محمد علی جناح کی پہلی برسی 11 ستمبر 1949ء کے موقع پر محکمہ ڈاک حکومت پاکستان نے 6 پیسے، 3 آنے اور 10 آنے والے ڈاک کے ٹکٹوں کا ایک خاص سیٹ جاری کیا۔ ان ٹکٹوں پر پھولوں کا ڈیزائن تھا، اور قائداعظم نام، پیدائش اور انتقال کی تاریخیں اور ان کے زریں اصول یعنی یقین، محکم، تنظیم اور اتحاد درج تھے۔

ڈاک وتار کے ملازمین

قائداعظم محمد علی جناح نے 13 مارچ 1946ء کو ڈاک اور تار کے ملازمین کے متعلق اخبارات کو ایک بیان دیتے ہوئے کہا:

''ڈاک اور تار یونین کے سیکرٹری سے آج میری ملاقات ہوئی۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف والے اس پیش کش سے مطمئن نہیں جو انہیں حکومت کی طرف سے پیش کی گئی ہے، تاہم میں خوش ہوں کہ حکومت نے ادنیٰ گریڈ والوں کو فوری اضافہ دینے کا اعلان کیا ہے۔ مجھے اس پر بھی خوشی کا اظہار کرنا ہے کہ حکومت نے ایک عدالت بٹھائی ہے جو تنخواہوں کے متعلق فیصلے کرے گی کہ آیا ان میں اضافہ کی فوری ضرورت ہے یا نہیں۔
عدالت کی رپورٹ شائع ہوجانے کے بعد میں سٹاف پر بھی دباؤ ڈالوں گا۔''

ڈاکٹر آف لاز

(دیکھئے: اعزاز کی مخالفت)

ڈاکٹر جینا

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ارباب اختیار نے بارہا کوشش کی اور اس خواہش کا اظہار کیا:

''قائداعظم کو ڈاکٹر آف لاء کی ڈگری دی جائے۔''

لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے ہر بار انکار کیا اور ایک بار مسکراتے ہوئے کہا:

''بھائی میں ڈاکٹر جینا نہیں بننا چاہتا۔''

ڈان

20 اکتوبر 1942ء کو ہفت روزہ انگریزی اخبار جو عید کے دن قائداعظم محمد علی جناح کی سرپرستی اور نگرانی میں دہلی سے جاری ہوا۔ لیاقت علی خاں اس کے ڈائریکٹر تھے۔ اس کی ملکیت ایک ٹرسٹ کے ہاتھ میں تھی۔ ابتداء میں یہ ہفت روزہ تھا اور مسٹر پوتھن جوزف ایک مسیحی صحافی اس کے مدیر تھے۔ ہفت روزہ پرچے پر یہ الفاظ لکھے جاتے تھے:

''بانی محمد علی جناح زیر نگرانی نواب زادہ لیاقت علی خاں سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ۔''

بعد میں ڈان روزنامہ بنا دیا گیا۔ پوتھن جوزف کے بعد الطاف حسین اس کے مدیر مقرر ہوئے۔ 1947ء میں ڈان دہلی سے نکل کر کراچی پہنچ گیا۔ مسلم لیگ کے مقاصد کی ترجمانی میں

اس اخبار نے نمایاں اہمیت حاصل کی۔ الطاف حسین اس اخبار کے ایک عرصہ تک مدیر رہے۔

ڈان کراچی سے باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے اور اس کی پیشانی پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں:

Founded by Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah

ڈان کے پہلے شمارے 9 نومبر 1945ء کے صفحہ اول پر جو شہ سرخی شائع ہوئی وہ یہ تھی:

''جناح پاکستان کی مسلم ریاست کی تشریح کرتے ہیں۔ خبر کے مطابق پاکستان ایک ایسی جمہوریہ ہوگا جس میں بڑی صنعتیں قومی ملکیت میں ہوں گی، اور پاکستان کی مجوزہ ریاست کے پاس اتنے وسائل ہوں گے، جو اسے ایک عالمی طاقت بنانے کے لیے کافی ہوں گے اور ہندوؤں کے خلاف کوئی سماجی رکاوٹیں نہیں ہوں گی۔''

آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر ایم اے جناح آج سیاسی اعتبار سے اقتدار اعلیٰ کی حامل مسلم ریاست پاکستان کے تفصیلی طور پر خدوخال بیان کیے گئے ہیں، جسے وہ اور مسلم لیگ ہندوستان میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ان خیالات کا اظہار ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کیا۔

مسٹر جناح نے اس نکتہ پر زور دے کر کہا کہ وہ ایک شہری اور مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے بول رہے ہیں، لیکن پاکستان کو حاصل کرنے والی قوتوں کا رہنما دماغ (جناح) پاکستان کے دستور ساز اور قانون ساز اداروں کو اپنی مرضی کا تابع بنانے کی کوشش نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ وہ اب ایسا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پاکستان کے اختلافی مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر ان کے بیانات کے چند نمایاں خدوخال یہ ہیں۔

جغرافیائی لحاظ سے پاکستان میں مغربی سرحدی صوبہ، بلوچستان، سندھ اور پنجاب کے صوبے شمال مغربی ہندوستان میں شامل ہوں گے۔

ہندوستان کے مشرقی جانب پاکستان کا دوسرا جزو ہوگا جو بنگال اور آسام پر مشتمل ہوگا۔

سیاسی اعتبار سے پاکستان ایک جمہوریہ ہوگا۔''

ڈان کے حملے

ایک سالگرہ کی تقریب شیخ غلام حسین ہدایت اللہ کے گھر کراچی میں ایک دعوت طعام پر ختم ہوئی۔ دعوت شیخ غلام حسین ہدایت اللہ نے قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں ترتیب دی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد جب قائداعظم محمد علی جناح چلنے کے لیے اٹھے تو بیگم غلام حسین ہدایت اللہ نے قائداعظم محمد علی جناح کے بازو پر امام ضامن باندھ دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے پوچھا:

''یہ کس لیے ہے؟''

بیگم صاحبہ نے کہا:

''اس کی برکت سے خدا آپ کی حفاظت فرمائے گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح یہ سن کر الطاف حسین ایڈیٹر روزنامہ ڈان کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اپنا بازو دکھاتے ہوئے کہا:

''اب تو پھر میں ڈان کے حملوں سے محفوظ ہوگیا۔''

ڈان کیمبل

پاکستان کے مرکزی نظام کے بارے میں 21 نومبر 1946ء کو رائٹر کے نمائندے ڈان کیمبل سے ایک انٹرویو کے دوران قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''پاکستان کے مرکزی نظام اور اس کی واحدانیتوں کے نظام حکومت کا فیصلہ تو پاکستان کی مجلس دستور ساز کرے گی، لہٰذا پاکستان کا طرز حکومت صرف جمہوری ہوگا۔ اس کی پارلیمنٹ، اس کی وزارت (جو پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہوگی) دونوں ہی عموماً رائے دہندگان اور عوام کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ جس میں کسی ذات، نسل یا فرقہ کی تفریق نہیں کی جائے، اور عوام ہی اپنی حکومت کی پالیسی اور پروگرام کے متعلق آخری فیصلہ کریں گے۔''

ڈان وقف

25 نومبر 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم قانون کے مطابق روزنامہ ڈان کو بطور وقف رجسٹرڈ کرایا اور اپنے تمام اثاثوں، نقد رقم اور سامان کو مذکورہ وقف میں دے دیا تھا۔ اس وقف کی ملکیت دو روزنامہ اخبار منشور اور انگریزی ڈان تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے وقف پبلک وقف کے طور پر قائم کیا تھا۔ اس کے اغراض و مقاصد یہ تھے۔

❶ ان اخبارات کو بہترین انداز میں چلایا جائے، اور ان کی دیکھ بھال کی جائے۔ نیز جدید ترین مشینری نصب کی جائے، اور برصغیر کے تمام علاقوں میں پریس ایجنسی اور دوسرے ادارے قائم کیے جائیں، اور مناسب مسلمان نوجوانوں کو صحافت کے مختلف شعبوں کی تعلیم دلائی جائے۔ قائداعظم محمد علی جناح اس وقت کے واحد متولی تھے اور انہیں اپنا جانشین مقرر کرنے کا اختیار تھا۔ برصغیر کے بعد مذکورہ ٹرسٹ نے اگست 1947ء کو کراچی اور دہلی سے انگریزی ڈان نکالنا شروع کیا۔

❷ وقف کے اکاؤنٹ حبیب بنک کراچی اور الائیڈ بنک کراچی میں تھے، جو اب گرینڈ لینز بنک میں مدغم ہوگیا ہے۔ ان اکاؤنٹس کو پاکستان کے وزیراعظم لیاقت علی خاں نے قائداعظم محمد علی جناح کے اٹارنی کے طور پر آپریٹ کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد وقف کے متولی کا عہدہ خالی ہوگیا۔ 1949ء میں سندھ چیف کورٹ میں پاکستان کے ایک شہری محمد الٰہی ولد کرم الٰہی ساکن میکلوڈ روڈ کراچی نے ایک درخواست دائر کی جس میں متولی کے تقرر کی استدعا کی گئی تھی۔ اس درخواست کی سماعت کے بعد مسٹر جسٹس ویلیانی نے محترمہ فاطمہ جناح اور نواب زادہ لیاقت علی خاں کو وقف کا متولی مقرر کیا۔ ان ہر دو کی وفات کے بعد وقف نے کام بند کر دیا۔

2 مئی 1987ء کو سندھ ہائی کورٹ میں ایڈووکیٹ محمد فرید الحق نے پھر درخواست دائر کی:

''ڈان کا متولی مقرر کیا جائے۔''

چنانچہ چار افراد کے نام تجویز کیے گئے۔

① جسٹس محمد ظہور الحق۔
② محمد حیات خاں جونیجو۔
③ لیاقت ایچ مرچنٹ ایڈووکیٹ۔
④ ہائی کورٹ سندھ کا نامزد کردہ شخص۔

درخواست میں کہا گیا ہے:

''قائداعظم محمد علی جناح کے اس وقف کے پیسے سے قائداعظم پریس انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے جو وقف کے مقاصد کی شق ڈی کے عین مطابق ہوگا، کیونکہ اس کا کام نوجوانوں کو اخباری صنعت کے مختلف شعبوں کی تربیت دینا ہوگا۔''

ڈاؤننگ سٹریٹ نمبر 10

یہ وزیراعظم برطانیہ کی سرکاری رہائش گاہ ہے، 5 دسمبر 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے برطانوی وزیراعظم لارڈ ایٹلی سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی اور ان سے برصغیر کے مختلف امور پر تبادلہ خیالات کیا۔

ڈائریکٹر قائداعظم اکیڈمی (پہلے)

8 جنوری 1976ء کو کراچی یونیورسٹی میں شعبہ صحافت کے پروفیسر شریف المجاہد کو قائداعظم اکیڈمی کا ڈائریکٹر نامزد کیا گیا۔

(حالات کے لیے دیکھئے: شریف المجاہد)

ڈبل ڈے ڈارنگ (Double Day Doring)

یہ انگلستان کا ایک اشاعتی ادارہ ہے جس نے قائداعظم محمد علی جناح سے تحریک پاکستان اور ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ اور ان کی سوانح لکھنے کے سلسلے میں دس لاکھ پونڈ کے عوض ایک معاہدہ طے کیا۔ معاہدہ میں ناشر نے قائداعظم محمد علی جناح کو 2 لاکھ پونڈ ایڈوانس دینے کی شق بھی رکھی، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے یہ شق کاٹ دی، اور پیشگی رقم لینے سے انکار کر دیا۔ غالباً انہیں یہ خدشہ تھا کہ وہ کتاب نہیں لکھ سکیں گے، اور اگر وہ پیشگی رقم قبول کر لیں تو کتاب لکھنے کے پابند ہو جائیں گے۔

(مضمون شاہد حسین بخاری، تحقیق رضوان احمد مشرق میگزین اشاعت 25 دسمبر 1981ء)

ڈچ آرمی

قائداعظم محمد علی جناح نے نان پارٹی لیڈروں کی کانفرنس کو ڈچ آرمی کا نام دیا۔ قائداعظم کے نزدیک اس میں سب جنرل ہیں، مگر کسی جنرل کے پاس اپنی سپاہ نہیں۔

ڈرامائی دلیل

ایک موقع پر علی گڑھ میں قائداعظم محمد علی جناح کو تنگ کرنے کے لیے ہندو طلباء نے سوال کیا:

''ہمارے اور مسلمانوں میں آخر فرق کیا ہے؟''

قائداعظم محمد علی جناح لمحہ بھر کو رک کے، جیسے کچھ سوچ رہے ہوں، پھر کہنے لگے:

''ایک گلاس پانی منگواؤ۔''

اس پر ہندو طلباء نے خوب تالیاں بجائیں، گویا انہوں نے اپنی دانست میں قائداعظم محمد علی جناح کو لاجواب کر دیا، اور چونکہ ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ اس لیے ان کا گلا خشک ہو گیا۔ پانی آیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے چند گھونٹ پی کر گلاس ایک طرف رکھ دیا۔ اب ہال میں مکمل خاموشی تھی، پھر اچانک قائداعظم محمد علی جناح کی آواز گونجی اور انہوں نے ایک ہندو لڑکے کو بلایا اور باقی بچا ہوا پانی اسے دیتے ہوئے کہا:

''اسے پی جاؤ۔''

وہ برہمن لڑکا تھا صاف انکار کر دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''بہت اچھا بیٹھ جاؤ۔''

پھر انہوں نے ایک مسلمان لڑکے کو بلایا اور اسے وہی پانی پینے کو کہا۔ مسلمان لڑکا قائداعظم کا جھوٹا پانی فوراً خوشی خوشی پی گیا۔

اب قائداعظم محمد علی جناح نے ہندو طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے کڑک کر کہا:

''یہ ہے ہمارے اور تمہارے درمیان فرق۔''

''اس ڈرامائی دلیل پر ہندو طلبا کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو، مسلمان طلباء نے خوشی اور جوش میں خوب نعرے لگائے۔''

ڈائریکٹ ایکشن

مسلم لیگ کے ڈائریکٹ ایکشن کے زمانے کی بات ہے، قائداعظم اپنے بعض ساتھیوں کا ذکر کرتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا:

"I Know the job Hunters of My Team."

ڈریک، مسز ایف ای ایچ

قائداعظم محمد علی جناح کراچی سے پہلی بار لندن گئے تو انہوں نے پے انگ گیسٹ (معاوضہ پر رہنے والے مہمان) کے طور پر ان کے ہاں قیام کیا۔ مسز ڈریک عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ ان کی ایک بیٹی تھیں جو قائداعظم محمد علی جناح کی ہم عمر تھیں وہ قائداعظم محمد علی جناح سے بہت التفات رکھتی تھیں، لیکن قائداعظم محمد علی جناح عادتاً اس قسم کی طبیعت کے انسان نہ تھے جو خود کو معاشقوں میں ملوث کرتے، مگر وہ ہر وقت ان کا دل جیتنے کی کوشش میں رہتی تھی۔ ان پارٹیوں میں ایک ایسا کھیل بھی کھیلا جاتا جس میں کسی خاص جگہ پر چھپنے والے کے پکڑے جانے کی صورت میں بوسہ لینا پڑتا تھا۔ مس ڈریک کی ترغیبات کے باوجود قائداعظم محمد علی جناح ان کے اس کھیل میں کبھی شریک نہ ہوتے۔

ڈنشا پٹیٹ

مسٹر ڈنشا پٹیٹ پارسی تھے۔ وہ قائداعظم محمد علی جناح کے سسر پارسی تھے۔ 19 اپریل 1918ء کو ان کی بیٹی رتی کا نکاح اسلامی طریقہ پر قائداعظم محمد علی جناح سے ہوا۔ وہ اپنی بیٹی کی قائداعظم محمد علی جناح سے شادی کر کے بہت خوش تھے۔ 19 نومبر 1927ء کو بمبئی میں سائمن کمیشن کے قیام کے خلاف جو پہلا جلسہ منعقد ہوا اس کی صدارت سر ڈنشا پٹیٹ نے کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس جلسے سے خطاب فرمایا۔

گولڈ میڈل

2 مارچ 1941ء کو یہ انعام قائداعظم محمد علی جناح نے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں منعقدہ ایک پر وقار تقریب میں ان طلبا کو دیا جو ایم اے کا امتحان فرسٹ کلاس میں پاس کر چکے تھے۔

ڈوائر جنرل سر مائیکل

یہ وہ جنرل تھا جس نے جلیانوالہ باغ میں ہندوستانیوں کا قتل عام کیا۔ 15 جون 1920ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا ہوم رول لیگ کی بمبئی شاخ کے صدر کی حیثیت سے وزیر ہند کو مندرجہ ذیل تار دیا:

''ہماری لیگ سنٹر کمیٹی کی کثرت رائے کی رپورٹ کو بالکل خلاف انصاف سمجھتی ہے۔ سر مائیکل اڈوائر اور وائسرائے کی جو بے موقع و بے محل تعریف کی گئی ہے۔ اس کو بھی یہ کونسل خلاف انصاف خیال کرتی ہے۔''

ڈومینین سٹیٹس

19 جون 1929ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے دیرینہ دوست اور برطانیہ کے نئے وزیراعظم ریمزے میکڈانلڈ کے نام ایک مراسلہ میں لکھا:

''موجودہ صورت حال ایک سنگین تعطل کی حیثیت رکھتا ہے، اگر اسے جاری رہنے دیا گیا تو میرا اندازہ ہے کہ یہ صورت حال ہندوستان اور برطانیہ دونوں کے مفادات کے لیے تباہ کن ہوگی۔''

اس کے بعد انہوں نے گزشتہ چند سالوں خصوصاً سائمن کمیشن کے تقرر کے بعد کی سیاسی صورت حال پر اختصار سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

''جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے ہم کمیشن کی رپورٹ کو مسترد کر چکے ہیں۔''

یہ بات یاد دلاتے ہوئے کہ برطانیہ کے قول و قرار پر سے ہندوستان کا اعتماد اٹھ گیا ہے۔ انہوں نے مشورہ دیا:

''ہمارا کھویا ہوا اعتماد بحال کرنے کی بہترین صورت

تلاش کرنی چاہئے۔''

انہوں نے وزیراعظم کو خبردار کیا:

''ملک میں ایسا طبقہ موجود ہے جس نے کامل آزادی کو اپنی منزل ٹھہرالیا ہے، اور میں کسی مبالغہ کے بغیر آپ کو بتارہا ہوں کہ آزادی کی تحریک روز بروز مضبوط ہوتی جارہی ہے کیونکہ انڈین نیشنل کانگریس کی ہمدردیاں اس کے شامل حال ہیں۔''

ایسی تحریک کا زور توڑنے کے لیے جو اس کی نظر میں وائسرائے کی رائے کے مطابق ہندوستان کی سلامتی کے لیے کم خطرناک نہ تھی۔ انہوں نے تجویز کیا:

''ہزمیجسٹی کی حکومت کو پہلے قدم کے طور پر کسی تاخیر کے بغیر یہ اعلان کردینا چاہیے۔ برطانیہ دوٹوک الفاظ میں وعدہ کرتا ہے کہ وہ ہندوستان کو ڈومینین سٹیٹس کے ساتھ مکمل ذمہ دار حکومت عطا کردے گا۔''

ایسے اعلان پر عملدرآمد اور عملی اقدامات کے لیے انہوں نے زور دیا:

''آپ ہندوستان کے نمائندوں کو مدعو کریں۔ جو اس پوزیشن میں ہوں کہ اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے (کیونکہ سردست انڈیا میں مکمل اتفاق رائے کا حصول ناممکن ہے۔) اہل لندن کی مدد کریں تا کہ وہ کسی آئینی حل پر پہنچ سکیں۔ اس طرح وضع کردہ تجاویز کو بعدازاں پارلیمنٹ میں پیش کیا جاسکے گا۔''

جن دنوں قائداعظم محمد علی جناح کا خط ریمزے میکڈانلد کو موصول ہوا تو انہی ایام میں لارڈ اروِن لندن پہنچے۔ وہ ویج وڈبین سے ملنے سیدھا انڈیا آفس گئے اور اس کے سامنے گول میز کانفرنس بلانے نیز ہندوستان کے لیے ''ڈومینین سٹیٹس'' کے بارے میں باقاعدہ اعلان کی تجاویز پیش کیں۔ نیا سیکرٹری آف اسٹیٹ انہیں قبول کرنے کے حق میں تھا، تاہم یہ اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ ہم سائمن کمیشن کے نقش قدم پر نہ چلیں جو ان دنوں اپنی رپورٹ مرتب کررہا تھا۔ بعدازاں وائسرائے نے مذکورہ بالا دونوں تجاویز پر سائمن کمیشن سے بات چیت کی۔ لارڈ اروِن ان کا ردعمل جاننے کا خواہاں تھا۔ اروِن نے اپنی ڈائری میں نوٹ کیا:

''مجھے یہ سن کر قدرے حیرت ہوئی کہ شروع میں اس نے ڈومینین سٹیٹس سے متعلق اعلان کی تجویز پر کوئی اعتراض نہیں کیا، لہٰذا گول میز کانفرنس کے بارے میں دقت محسوس کی۔ خاص طور سے اس بنا پر کہ اس سے کمیشن کی رپورٹ پر اس کے منظرعام آنے کے بعد برا اثر پڑے گا۔ اس نے دونوں نکات پر اپنی پوزیشن بدل کر ایک بار پھر مجھے حیران کردیا۔ میرا ہمیشہ سے قیاس تھا کہ وہ لارڈ ریڈنگ سے زیادہ متاثر ہے۔ بہرحال سبب خواہ کچھ ہو آخرکار اس نے گول میز کانفرنس کی بابت اطمینان کا اظہار، اور وزیراعظم کے ساتھ خطوط کے تبادلے کے بعد اس منصوبے سے متفق ہوگیا کہ کانفرنس کے بارے میں تاثر دیا جائے گا کہ وہ کمیشن کے پیش کردہ تصور کے نتیجہ میں ہورہی ہے۔ جسے حکومت نے فوری طور پر اس لیے منظور کرلیا ہے کہ وہ برطانوی ہند اور ریاستوں کے معاملہ پرغورکرنے کی ضرورت اچھی طرح سمجھتی ہے۔''

جہاں تک سائمن کمیشن کی سرخروئی کے لیے اروِن کی تاریخی منافقت کا تعلق ہے ان دونوں تجاویز کا اصل کریڈٹ وائسرائے کو نہیں بلکہ اس کے گمنام مشیر قائداعظم محمد علی جناح کو جاتا ہے۔

سائمن کے زخم مندمل ہونے میں کچھ وقت لگا۔ ریمزے میکڈانلد نے 14 اگست کو ایک ''نجی خط'' میں جواب دیا:

''پیارے جناح!

مجھے افسوس ہے کہ ایک غلطی کے باعث آپ کا 19

جون کا لکھا ہوا خط فوری طور پر مجھے نہیں دکھایا گیا۔ میں بلا تامل یہ کہوں گا کہ میں آپ کے اس جذبہ کی قدر کرتا ہوں۔ جس جذبہ کے تحت آپ نے یہ خط لکھا ہے، اور مجھے اس میں مذکورہ تجاویز پر ممکنہ طریقے سے عملدرآمد سے بہت مسرت ہوگی۔ سائمن کمیشن کی رپورٹ کا جس کے بارے میں آپ نے بلا جھجک فرض کرلیا ہے، اس سے زیادہ کچھ مقصد نہیں تھا کہ حکومت کی رہنمائی کے لیے کچھ مشورے دیے جائیں اور حکومت کا ارادہ یہ ہے کہ جونہی وہ رپورٹ سامنے آئے تمام حقوق کی روشنی میں اس پر غور کیا جائے۔ آپ نے اپنے خط میں جو تجاویز پیش کی ہیں انہیں اس خواہش کے ساتھ زیرِ غور لایا جائے گا کہ جہاں تک حالات اجازت دیں، ان سے بہرصورت فائدہ اٹھایا جائے، تاہم یہاں میں ایک بات کہوں گا جو بار بار کہہ چکا ہوں، اور اب بھی حکومت کا پختہ ارادہ ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان کو جلد درجہ نوآبادیات مل جائے۔ آئندہ کے اقدامات کے بارے میں جلد اعلان کیا جائے گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح اس خط سے بہت خوش ہوئے اور 7 دسمبر کو بڑے پرامید لہجہ میں جواب دیا:

''اگر آپ میری تجاویز پر جن کی بابت مجھے تو جان کر مسرت ہوئی کہ آپ ان سے متفق ہیں، عمل کرتے ہیں تو اس سے ہندوستان کے لیے درخشاں مستقبل کی راہ کھل جائے گی، اور برطانیہ عظمیٰ کا نام تاریخ میں ایک ایسی قوم کے طور پر لکھا جائے گا، جو اپنے وعدوں کی پاسداری کرتی ہے۔''

اگلے ماہ لارڈ ارون نے وائسرائے کیمپ سے قائداعظم محمد علی جناح کو خط لکھا جس میں کہا گیا:

''ہز میجسٹی کی حکومت ایسے ذرائع کی تلاش میں سرگرم عمل ہے جس کی مدد سے ہندوستان کے آئینی ارتقاء کے اہم سوال پر ان تمام لوگوں کے تعاون پر غور کیا جاسکے، جو برطانوی ہند کے متعلق ذمہ داری کے ساتھ اظہار خیال کرسکتے ہیں۔ مجھے یہ کہنے کا اختیار دیا گیا ہے کہ ہز میجسٹی کی حکومت کے فیصلے کی رو سے 1917ء کے اعلان میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ ہندوستان کی آئینی ترقی کا بنیادی مسئلہ جیسا کہ وہاں سمجھا جاتا ہے۔ ڈومینین سٹیٹس کا حصول ہے۔ اس پالیسی پر پوری طرح عملدرآمد سے آخرکار ریاستوں کو ان کا مقام مل جائے گا۔ حکومت برطانیہ نے حسب ضابطہ تجویز کیا ہے کہ برطانوی ہند اور ریاستوں کے مختلف مفادات کے نمائندوں کو دعوت دی جائے اور ان کے ساتھ الگ الگ یا اکٹھے جیسا بھی حالات اجازت دیں ملاقات کی جائے اور ان سے برطانوی ہند نیز پورے ہندوستان کے مسائل کی بابت صلاح مشورہ کیا جائے۔ انہیں توقع ہے کہ اس طرح وہ پارلیمنٹ کے سامنے ایسی تجاویز پیش کرسکیں گے جن پر بڑی حد تک اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔''

اس طرح لندن میں منعقد ہونے والی تین گول میز کانفرنس کے متعلق ابتدائی قدم اٹھایا گیا۔ پیچیدہ عمل کے شروع کرانے میں قائداعظم محمد علی جناح نے وزیراعظم کے دوست نہیں بلکہ ایک مشیر کا کردار ادا کیا۔ وہ وائسرائے کے بھی کلیدی صلاح کار بن گئے تھے۔

لارڈ ارون کا یہ بیان یکم نومبر 1929ء کو ہندوستان کے تمام بڑے بڑے اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح ان دنوں بمبئی میں تھے، انہوں نے 18 دیگر افراد کے ساتھ سرچمن لال سوہن لال ستیلواد سے ان کے

چیمبرز میں ملاقات کی، اور وہاں سے لارڈ اروِن کے علان کا خیر مقدم کرتے ہوئے ایک اخباری بیان جاری کیا، جس میں کہا گیا تھا:

''یہ اعلان حکومت کے طریق کار میں بنیادی تبدیلی کا مظہر ہے۔ جس کے ذریعے نمائندگان ہند حکومت برطانیہ کے ساتھ کانفرنس میں شریک ہوکر اس امر کی کوشش کریں گے کہ ممکنہ حد تک اتفاق رائے سے تجاویز پر مشتمل کوئی ایسا آئینی مسودہ وضع کیا جائے جسے ''ڈومینین سٹیٹس'' کے حصول کی خاطر پارلیمنٹ میں پیش کیا جاسکے۔

مسز سروجنی نائیڈو، بمعہ بھولا بھائی ڈیسائی، سرہومی پی موڈی، چھاگلہ، کانجی دوار کا داس اور اس کا بھائی اس بیان پر دستخط کرنے والوں میں شامل تھے۔ ادھر دہلی میں موتی لال کی زیر صدارت ایک اجلاس ہوا جس میں کانگریس کے علاوہ مختلف پارٹیوں کے 30 لیڈروں نے ایک ''عمومی مصالحانہ پالیسی'' کی ضرورت پر زور دینے اور سیاسی قیدیوں کے لیے عام معافی کے ساتھ ساتھ گول میز کانفرنس میں کانگریس کو غالب نمائندگی دینے کا بھی مطالبہ کیا۔ لیڈروں کے اس منشور میں، جیسا کہ اس کا نام رکھا گیا، مزید کہا گیا تھا کہ گول میز کانفرنس میں اس بات پر بحث نہیں ہونی چاہئے کہ ''ڈومینین سٹیٹس'' کب دیا جائے گا، بلکہ اس میں ہندوستان کے لیے ڈومینین دستور کی اسکیم وضع کی جائے گی۔

گاندھی، جناح، موتی لال نہرو، شیخ بہادر سپرو اور ولبھ بھائی پٹیل نے 23 دسمبر 1929ء کو وائسرائے ہاؤس میں شام ساڑھے چار بجے لارڈ اروِن سے ملاقات کی، وہ اس دن صبح کے وقت لندن سے آئے تھے۔ جونہی ان کی ٹرین دہلی ریلوے اسٹیشن پر پہنچی بم کا زوردار دھماکہ ہوا۔ خوش قسمتی سے وائسرائے یا ان کے عملہ کا کوئی فرد زخمی نہیں ہوا۔ دوپہر کے بعد سب سے پہلے گاندھی نے وائسرائے کو فون کیا۔ ان کی ٹرین کو بم سے اڑانے کی جو خطرناک سازش کی گئی تھی اس پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے جان بچ جانے پر لارڈ اروِن کو مبارکباد دی، بعدازاں وائسرائے نے دریافت کیا:

''آیا میرے اعلان کی جو تعبیر وتشریح کانگریسی لیڈروں کے مشترکہ بیان میں شائع ہوئی ہے (یہ کہ گول میز کانفرنس اس بات پر غور کرنے کے لیے نہیں کہ درجہ نو آبادیات کب دیا جائے بلکہ ڈومینین کے دستور کی اسکیم وضع کرنے کے لیے ہوگی) درست ہے۔''

گاندھی نے یہ بات وضاحت سے کہی:

''جب تک اس نکتہ پر اتفاق رائے نہ ہو جائے، میرے خیال میں کسی دوسرے سوال پر غور کرنا بیکار رہوگا۔''

لارڈ اروِن نے اصرار کیا کہ ان کے بیان کے الفاظ پوزیشن کی خود وضاحت کررہے ہیں۔ کانفرنس کی غرض وغایت اس مسئلہ کو حل کرنا ہے، جو حکومت برطانیہ کے قطعی پالیسی بیان سے پیدا ہوا ہے۔

انہوں نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے جلدی میں کہا:

''اس معاملہ میں کسی بڑے کام کے ہوجانے کا امکان موجود ہے۔ اگر اس سے فائدہ نہ اٹھایا گیا تو ہاتھ سے ایک اچھا موقع نکل جانے کا امکان موجود ہے۔ بظاہر یہ کہنا ناممکن ہے کہ کانفرنس کسی خاص دستور کا مسودہ مرتب کرنے کے لیے ہورہی ہے۔''

لارڈ اروِن نے مزید وضاحت کی:

''تاہم کانفرنس کو پورا پورا موقع دیا جائے گا کہ اس کے سامنے جو تجاویز رکھی جائیں، ان پر کھل کر بحث کرسکے، کانفرنس معاملات پر بحث کرنے میں مکمل طور پر آزاد ہوگی، کسی قسم کے مباحثہ پر کوئی پابندی نہیں ہوگی، ان کے خیال میں کانفرنس میں کوئی قطعی

۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ء کو روزنامہ ڈان میں اپنی اکہترویں سالگرہ کے مبارکباد کے پیغامات
شائع ہونے پر قائداعظمؒ اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے۔

رائے شماری نہیں کرائی جائے گی، تاہم امپیریل کانفرنس کے خطوط کی پیروی کرتے ہوئے ممبران کی عام معاملہ فہمی کا ریکارڈ رکھا جائے گا۔''

''مسٹر گاندھی کے خیال میں امپیریل کانفرنس مختلف لائنوں پر ہوئی تھی۔ وہاں بحث میں حصہ لینے والی تمام جماعتیں کم وبیش ایک ہی ذہن کی تھیں۔ جبکہ انڈین کانفرنس میں ایسا نہیں ہوگا۔ بہر حال اگر انہوں نے زیادہ حجت بازی کی تو کانفرنس کسی ایسی پالیسی پر نہیں پہنچ سکے گی جو سب کے لیے ناقابل قبول ہو۔''

یہ واضح طور پر ایک الہامی اخذ کردہ نتیجہ تھا، جو بالکل درست ثابت ہوا، تقسیم ہند سے اٹھارہ برس پہلے اس کا ادراک کرتے ہوئے پیشین گوئی کردی گئی تھی کہ کانفرنس میں اور کابینہ کے اجلاسوں میں ہزاروں لاکھوں گھنٹے ضائع کیے گئے، اور لاکھوں بے مقصد الفاظ پر خواہ وہ جھلی پر لکھے ہوئے تھے یا کاغذ پر چھپے ہوئے۔ انسان کا بہت زیادہ بیش بہا وقت صرف ہوا۔

گاندھی نے اعتراف کیا:

''کانفرنس میں واقعی کوئی ووٹنگ نہیں ہوسکتی۔''

تاہم انہوں نے دوٹوک الفاظ میں کہا:

''اگر کانفرنس کے فوری نتیجہ کے طور پر ڈومینین سٹیٹس کے قیام کی بابت قیاس نہیں کیا جائے گا تو وہ اس میں شرکت نہیں کرسکیں گے۔''

انہوں نے مطالبہ کیا:

''ملک کو بلا تاخیر مکمل آزادی دی جائے۔''

انہوں نے مزید کہا:

''ہندوستان اپنے دفاعی مسائل حل کرنے کی خود صلاحیت رکھتا ہے۔''

موتی لال نہرو نے ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اس میں اضافہ کیا:

''انگریز ہندوستان کے درجہ نو آبادیات کے حصول میں حائل رکاوٹوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ اگر ہندوستان کو فوری طور پر ڈومینین کا درجہ دے دیا جائے تو کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اگرچہ ان کی مراد یہ نہیں کہ ہندوستان کے لیے ڈومینین سٹیٹس لازماً وہی ہو، جیسی کہ اس وقت ڈومینین کی کوئی مخصوص شکل موجود ہے۔''

لارڈ اروِن نے اسے ''نامعقول'' خیال کیا اور اس نکتہ پر زیادہ موثر مدد کے لیے قائداعظم محمد علی جناح اور تیج بہادر سپرو کی طرف دیکھا۔ دونوں نے نہرو اور گاندھی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ کانفرنس کے شرکاء ڈومینین سٹیٹس کی تجویز پیش کرنے میں آزاد ہوں گے۔ غوروفکر کے بعد ایسی تجاویز کی نشاندہی کرسکے گا۔ جن سے مسائل کو کم کرنے میں مدد ملے، کانفرنس کا اصل کام مکمل ڈومینین سٹیٹس دینے کی راہ میں حائل دشواریوں پر غوروخوض اور تحفظات کی بابت بحث کرنا ہے، لیکن گاندھی اور موتی لال نہرو نے اپنے اس وعدہ پر قائم رہتے ہوئے، جو انہوں نے جواہر لال نہرو دہلی مینی فیسٹو پر دستخط کنندہ کے ساتھ کیا تھا۔ دوسری کانفرنس میں شریک ہونے اور ایسے مسائل پر بحث کرنے سے انکار کردیا، جو تمام پارٹیوں کو ان کے مختلف تناظر میں قابل قبول نہ ہوں۔

موتی لال نہرو نے اپنی رائے ظاہر کی:

''کوئی بھی ہندوستانی ڈومینین سٹیٹس سے کم پر مطمئن نہیں ہوگا۔''

انہوں نے کہا:

''مجھے اس راستہ میں کوئی مشکلات نظر نہیں آتیں۔ تاہم گر کچھ دشواریاں حائل ہوئیں تو مرکزی نکتے کو تسلیم کرنے کے بعد انہیں حل کیا جاسکے گا۔ انڈیا ان سے خود نمٹ لے گا۔ اصل مقصد برطانیہ کی طرف

سے ہندوستان کو انتقال اقتدار کا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح سے ملنے والوں نے محسوس کیا کہ اس ناکام کانفرنس کے دوران ان کے رویہ میں اس سے بھی زیادہ تلخی اور غیر لچکداری پیدا ہوگئی جو رتی کی موت کے بعد دیکھنے میں آئی تھی۔ انہوں نے ایک بار پھر اپنی آرزوؤں کو کھلی چھٹی دے دی تھی کیونکہ انہوں نے جس چیز کا ''اہتمام کیا تھا'' وہ بہرحال بات چیت کے قابل معاملہ نہیں تھا۔ ریمزے میکڈانلڈ اور لارڈ اروِن نے ان سے جو وعدے کیے تھے وہ کوئی بات نہیں تھی۔ شاید پانچ سال کے اندر اندر ہندوستان ایک آزاد ڈومینین کی حیثیت سے کینیڈا اور آسٹریلیا کے برابر آجائے گا، اور یوں ساری دنیا کی ترقی میں معاون ثابت ہو گا۔ جیسا کہ قائداعظم محمد علی جناح نے وزیراعظم کو لکھا اور انہیں یہ یقین دہانی بھی کرائی کہ اس کے اعلان کا زبردست خیر مقدم کیا گیا ہے۔ اس نے حقیقتاً سب کو ایک گرہ میں جمع کر دیا ہے۔ اگرچہ وہ خود بھی گزشتہ دو ماہ سے مذاکرات میں مصروف رہے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ گاندھی اور موتی لال نہرو نے جواہر لال اور اروِن کے ساتھیوں کا ترجمان بن کر راستہ میں جو پتھریلی دیوار کھڑی کر دی تھی۔ اس سے ٹکرا کر ہر امید پاش پاش ہو جاتی تھی۔ اس سے قائداعظم محمد علی جناح کے قلم کے قلب و ذہن پر منفی اثرات کا مرتب ہونا ناگزیر تھا۔ وہ بڑے تھکے ماندے، افسردہ، مایوس، تنہا اور کبیدہ خاطر تھے وہ بخوبی سمجھتے تھے کہ جب موتی لال نے یہ کہا کہ ڈومینین سٹیٹس حاصل کرنے کی راہ میں کوئی دشواری حائل نہیں تو اس سے ان کی کیا مراد تھی۔ گاندھی زیادہ صاف گوئی سے کام لے رہے تھے، ان کا اصرار یہ تھا کہ حقیقت میں اتحاد و اتفاق کا فقدان ہے اور یہ کہ اس سے الجھن پیش آسکتی ہے۔ موتی لال تو یہ تک ماننے کو تیار نہیں تھے کہ کوئی مسلم مسئلہ موجود ہے۔ آٹھ سال کے بعد ان کے فرزند ارجمند نے جس مسلم مسئلہ کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح کا دل جانتا تھا کہ ان دونوں نے انہیں کس قدر ستایا۔

ڈونلڈ ایڈورڈز

3 اپریل 1946ء کو ڈونلڈ ایڈورڈز نے قائداعظم محمد علی جناح سے ایک انٹرویو لیا اور پاکستان کے بارے میں سوالات کیے۔ جی الانہ نے اپنی کتاب میں اس ملاقات کی تفصیل لکھی ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''ڈونلڈ ایڈورڈز نے قائداعظم سے دریافت کیا کہ دو حصوں میں منقسم پاکستان کے درمیان مواصلات کا رابطہ کس طرح قائم ہوگا؟ قائداعظم نے جواب دیا کہ جب آپ برطانیہ سے برطانوی دولت مشترکہ کے دوسرے حصوں کا سفر کرتے ہیں تو آپ کو غیر ملکی علاقے مثلاً نہر سویز سے گزرنا پڑتا ہے۔ آپس کے سمجھوتوں سے سب کچھ ہوسکتا ہے۔ شمال مشرق کے مسلم علاقوں سے شمال مغرب کے مسلم علاقوں تک جانے کے لیے ہمیں نام نہاد ہندو علاقہ کوریڈور سے گزرنا پڑتا ہے اور اس میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ آئندہ بھی اس طریق پر عمل ہوسکتا ہے۔''

ڈھاکہ

18 مارچ 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح قیام پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ کراچی سے ڈھاکہ تشریف لے گئے۔ محترمہ فاطمہ جناح بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ ہوائی اڈے پر مشرقی بنگال کے گورنر سر فریڈرک بورن، وزیراعظم خواجہ ناظم الدین اور ایریا کمانڈر محمد ایوب خاں (جو بعد میں صدر پاکستان رہے) بھی موجود تھے۔ 3/8 پنجاب رجمنٹ کے ایک دستے اور

پاکستان نیشنل گارڈز نے قائداعظم محمد علی جناح کو سلامی دی۔

ہوائی اڈے پر جن دیگر شخصیات نے قائداعظم محمد علی جناح کا استقبال کیا اس میں ڈھاکہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر اے ایس اکرم، نواب آف ڈھاکہ حبیب اللہ بہادر، ڈھاکہ کے بشپ اور مسلم لیگ کے صدر مولانا محمد اکبر خان، پاکستان مجلس دستور ساز میں کانگریس پارٹی کے لیڈر مسٹر سر شجند رچیٹر جی اور مسٹر دھریندر ناتھ دتا بھی موجود تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 21 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ میں ایک بڑے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''مشرقی بنگال پاکستان کے لیے بہت اہم ہے۔ اس خطہ ارض میں اس قدر مسلمان آباد ہیں کہ دنیا میں کسی جگہ بھی اتنے نہیں ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید کہا:

''وہ لوگ جو پاکستان کے ہندوستان کے ساتھ مل جانے کے منصوبے باندھتے ہیں وہ خواب کی دنیا میں بستے ہیں اور پاکستان کے دشمن ہیں۔ پاکستان کی حکومت ففتھ کالمسٹوں۔ پاکستان کے دشمنوں اور کمیونسٹوں کو ہرگز برداشت نہیں کرے گی۔ پاکستان میں اقلیتوں کو جو حقوق حاصل ہیں وہ ہندوستانی یونین میں بھی نہیں۔

حکومت کو توڑنا اور بنانا آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کو صرف ایک مشورہ دوں گا آپ صبر وسکون سے کام لیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 24 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''آپ لوگ اپنی تعلیم ایسے وقت میں ختم کر رہے ہیں جب آپ کا ملک آزاد ہو چکا ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ یہ سمجھیں کہ پاکستان بننے کے بعد ہماری سیاست میں ایک بنیادی تبدیلی ہوئی ہے۔ ہم اب آزاد ہیں۔ یہ حکومت ہماری حکومت ہے جو عوام کی بہتری اور ملک کی ترقی کے لیے کام کرتی ہے۔''

آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ آپ جو چاہیں کریں۔ خواہ آپ کے عمل سے حکومت اور ملک کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے۔ آج آپ میں سے ہر ایک پر خاص ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آج ضرورت ہے کہ ہم متحدہ اور منظم قوم کی طرح کام کریں تاکہ اپنے ملک کی تعمیر کر سکیں۔ آج ہم کو تنقید کی پرانی طرز بدلنی ہوگی اور ہر مسئلے پر تعمیری زاویہ نگاہ سے تنقید کرنا ہوگی تا کہ ہماری تنقید سے حکومت کو کچھ فائدہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ جیل تو ہر شخص جا سکتا ہے۔ ملک کی آزادی حاصل کرنے کے لیے قربانی بھی ہر شخص دے سکتا ہے، مگر اس کی آزادی کی حفاظت کرنا اسے برقرار رکھنا اور حکومت چلانا ہمارا فرض ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے طلباء سے یہ بھی کہا:

''مجھے افسوس ہے کہ آپ نے زبان کے جھگڑے میں بھی حصہ لیا ہے لیکن میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ پورے ملک کی صرف ایک ہی زبان ہوسکتی ہے چنانچہ اسی زبان اردو کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے طلبا سے فنی تعلیم حاصل کرنے کی تلقین بھی کی۔ 25 مارچ 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح چٹاگانگ تشریف لے گئے۔

انہوں نے 29 مارچ 1948ء کو چٹاگانگ سے واپسی پر ریڈیو پاکستان ڈھاکہ سے تقریر کی اور مشرقی پاکستان کے عوام کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا تھا۔ اسی روز قائداعظم محمد علی جناح کراچی واپس آ گئے۔

ڈھاکہ کے ہوائی اڈے پر قائداعظم محمد علی جناح کی

ملاقات محمد ایوب خاں سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا:

''تم ابھی تک سروس میں ہو۔''

ڈھاکہ ریڈیو اسٹیشن

(دیکھئے: ڈھاکہ)

ڈھاکہ یونیورسٹی

(دیکھئے: ڈھاکہ)

ڈھرفا

یہ پانیلی (ریاست گونڈل) سے دس میل کی مسافت پر ایک گاؤں کا نام ہے۔ یہاں قائداعظم محمد علی جناح کی مٹھی بائی سے شادی ہوئی۔

ڈیرہ اسماعیل خاں

قائداعظم محمد علی جناح 16 اپریل 1948ء کو پشاور سے ڈیرہ اسماعیل خان بذریعہ طیارہ پہنچے تو ہوائی اڈے پر گورنر کے علاوہ صوبہ سرحد کے وزیراعظم عبدالقیوم خاں اور قبائلی علاقہ کے پولیٹیکل ایجنٹ کرنل صاحب زادہ خورشید بھی استقبال کے لیے موجود تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح ایک کھلی کار میں ہوائی اڈے سے سرکٹ ہاؤس پہنچے تو مقامی پولیس نے انہیں گارڈ آف آنر پیش کیا، اور اس کے بعد سرحد اسمبلی کے ممبروں اور مقامی مسلم لیگ کے نمائندوں، قبائلی سرداروں، ملکوں اور افغان سرحد کے خانہ بدوشوں کے نمائندوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں شرف باریابی حاصل کی۔ اس کے علاوہ ہندو اقلیت کے دو نمائندے بھی قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں حفاظت اور سلامتی کا یقین دلایا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قبائلی سرداروں اور عوام کے نمائندوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے خوراک اور غلے کی کمی کی شکایت کی اور قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر کہا:

''آپ کا ووٹ قوم کی امانت ہے اسے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر استعمال نہ کریں۔''

ڈیرہ دون اکیڈمی

قائداعظم محمد علی جناح نے مارچ 1924ء میں اسمبلی میں بجٹ پر عام بحث کے دوران اس بات پر احتجاج کیا:

''دفاع پر ایک کثیر رقم خرچ کی جاتی ہے، مگر افواج میں ہندوستانی افسروں کی تعداد نہ ہونے کے مساوی ہے۔''

چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح کے بار بار مطالبات پر برطانوی حکومت نے ڈیرہ دون میں پہلی بار ملٹری اکیڈمی قائم کی، اور ابتدا میں اس کا انتظام و انصرام جس کمیٹی کے سپرد کیا گیا، اس کی سربراہی کا فرض قائداعظم محمد علی جناح نے انجام دیا۔

ڈیسائی بھولا بھائی

قائداعظم محمد علی جناح نے 7 فروری 1938ء کو وفاق کے قیام کے سلسلے میں ایک ترمیم پیش کی جس سے ہندوستان کی عوام تک کوئی حقیقی طاقت منتقل نہیں ہوتی۔ اس لیے اسے نافذ نہ کیا جا سکا۔ جب قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی ترامیم پیش کر کے ان پر مفصل تقریر کی تو بھولا بھائی ڈیسائی نے قائداعظم محمد علی جناح کی پہلی ترمیم پر ایک اور ترمیم پیش کی یہ ترمیم اس طرح تھی:

''اس مرحلہ پر اس اسمبلی کو کمیونل ایوارڈ کو منظور کرنے یا نا منظور کرنے کے سوال پر کسی قسم کے اظہار رائے سے احتراز کرنا چاہیے۔''

رائے شماری ہوئی تو قائداعظم محمد علی جناح کی ترمیم منظور کر لی گئی۔

ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ

قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت اکتوبر 1916ء میں صوبہ بمبئی کی صوبائی کانفرنس کا اجلاس احمد آباد میں ہوا۔ اسے آل پارٹیز کانفرنس بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس کانفرنس میں قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوستان کے سیاسی مسائل پر کھل کر اظہار خیال کیا، اور بری اور بحری افواج میں افسرانہ کیڈروں کو مکمل طور پر ہندوستانی بنانے اور ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے نفاذ کے باوجود اس پر کھلے عام نکتہ چینی کی، اور اسے انتظامیہ کے ہاتھوں میں ایک خطرناک ہتھیار قرار دیا۔

ڈیفنس رابطہ کمیٹی

3 ستمبر 1939ء کو پولینڈ پر ہٹلر کے حملے کے بارے میں لارڈ لنلتھگو کی تقریر ریڈیو سے نشر کی گئی۔ اگلے روز اس نے گاندھی کے ساتھ قریباً دو گھنٹے ملاقات کی۔ اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ ملاقات کی۔ سکندر حیات نے اس بات سے چڑ کہ وائسرائے نے اسے نہیں بلایا۔ لارڈ لنلتھگو کو ایک پیغام بھیجا، جس میں کہا گیا تھا:

''کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے، جس سے جناح اور زیادہ مغرور ہو جائے، یا اس کے ساتھ معاملہ کرنا مزید مشکل ہو جائے۔''

سکندر حیات نے یہ بات پھر کہی:

''جنگ کے معاملہ میں پنجاب اور بنگال پوری طرح حکومت کے ساتھ ہیں، جناح اور ان کے ساتھیوں کو جو جی میں آئے کہنے دو۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے سکندر حیات کے اس طرزِ عمل پر افسوس کا اظہار کیا کہ وہ اس معاملے میں لیگ کے باقی لوگوں سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور تعاون کا وعدہ کر رہے ہیں۔

انہوں نے وائسرائے کو خبردار کیا:

''اکیلے سکندر حیات اس ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکیں گے۔''

انہوں نے وائسرائے سے اپیل کی:

''آپ مسلم لیگ کو خوش کرنے کے لیے کوئی ''مثبت کام'' کریں، تاکہ جنگ میں مسلمانوں کی مدد حاصل کی جاسکے۔''

جب ان سے پوچھا گیا:

''کیا آپ چاہتے ہیں کہ کانگریس کی وزارتوں کو برطرف کر دیا جائے؟''

انہوں نے جواب دیا:

''بے شک، اس کے بغیر ان کا دماغ درست نہیں ہوگا۔ وہ ہرگز آپ کا ساتھ نہیں دیں گے۔''

4 ستمبر 1939ء کو ہونے والی اس گفتگو کے دوران قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے کو بتایا:

''مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ہندوستان کے لیے واحد سیاسی حل اس کی تقسیم میں مضمر ہے۔''

گاندھی نے ابتدا میں وائسرائے کو اپنی ذاتی ''مکمل اور غیر مشروط'' امداد کا یقین دلایا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا:

''میں کانگریس کی طرف سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا، کیونکہ نہرو یا کانگریس ورکنگ کمیٹی میری پوزیشن کی تائید نہیں کرے گی۔''

لارڈ لنلتھگو نے 11 ستمبر 1939 کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے شاہ برطانیہ کا پیغام پڑھ کر سنایا، جس میں کہا گیا تھا:

''موجودہ بین الاقوامی صورتحال تقاضا کرتی ہے کہ فیڈریشن کے بارے میں ساری تیاریاں معطل کر دی

جائیں، جبکہ اس نظریہ کو بطور ''نصب العین'' باقی رکھا جائے۔''

حقیقت میں والیانِ ریاست نے اس اسکیم کو منظور کرنے میں تامل سے کام لیا۔ ان میں سے 2/5 سے بھی کم نے 1935ء کی اسکیم میں شرکت پر آمادگی کا اظہار کیا، جس کے تحت انہیں ایوان زریں کی کل سیٹوں کا ایک تہائی اور ایوانِ بالا کی سیٹوں کا 2/5 دیا گیا تھا۔ کانگریس نے ریاستوں کو سیاسی حالات میں گھسیٹنے کی بہت زیادہ کوشش کی۔ جس چیز نے قائداعظم محمد علی جناح کی مسلم لیگ کو آتش زیرپا کر دیا۔ وہ فیڈریشن اسکیم کو ہندوراج کی نئی چال سے تعبیر کرنے لگی۔

جنگ کے آغاز کے بعد وائسرائے کو توقع تھی کہ وہ گاندھی کو کم از کم اپنی اس تجویز کی حمایت پر آمادہ کر لے گا کہ کانگریس اور لیگ کے سرکردہ سیاستدانوں نیز والیانِ ریاست پر مشتمل ایک ڈیفنس رابطہ کمیٹی بنائی جائے تا کہ وہ دورانِ جنگ حربی پالیسی مرتب کرنے میں مدد دے سکے۔ دراصل لنلتھگو نے اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح سمیت اکٹھے 52 نمایاں ہندوستانیوں کو شملہ بلایا تھا۔ اسے امید تھی کہ قائداعظم محمد علی جناح گاندھی کے ساتھ اجلاس میں شریک ہوں گے، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے گول مول جواب دے کر لاچار کر دیا۔

''میں بہت زیادہ مصروف ہوں، اور یکم اکتوبر سے پہلے نہیں آ سکتا۔''

وائسرائے لنلتھگو نے گاندھی پر واضح کیا:

''میں مسلمانوں اور والیانِ ریاست کے جائز مطالبات کو نظرانداز نہیں کر سکتا، اگر چہ مجھے فرقہ وارانہ سوچ کی تلخی کا اعتراف بھی ہے، اور یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ کانگریس اور لیگ کی پالیسیوں میں زبردست تضاد پایا جاتا ہے۔''

گاندھی نے جواب دیا:

''انگریزوں کو چاہیے کہ حصولِ اقتدار کے مسئلہ کا حل ہندوستانیوں پر چھوڑ دیں۔''

تین گھنٹے کی بے مقصد بحث کے آخر میں گاندھی نے وائسرائے سے التماس کی:

''اس معاملے میں لیگ سے کوئی بات نہ کی جائے۔''

اس موقع پر نہرو نے اپنے دوست کرشنا مینن کو لکھا:

''اس بات کا امکان ہے کہ حکومتِ برطانیہ مسلم لیگ اور والیانِ ریاست کے خلاف کانگریس کو لڑا کر اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کرے۔''

وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کے ساتھ گاندھی کی ملاقات کے اگلے روز سیکرٹری آف اسٹیٹ زٹلینڈ نے ویسٹ منسٹر میں بیان دیا:

''کانگریسی لیڈروں نے اپنے مطالبات پر زور دینے کے لیے غلط وقت کا انتخاب کیا ہے۔''

نہرو نے 29 ستمبر کو بڑی خفگی کے عالم میں اس کا جواب دیا۔ ایک بار پھر ان کا غصہ ان کے حق میں بدترین ثابت ہوا، جس سے قائداعظم کا ز کو بڑی تقویت ملی۔ نہرو نے لندن میں اپنی حامی لیبر پارٹی کی قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا، جیسا کہ بہت پہلے جناح کی طاقت کو کمتر سمجھا تھا۔ گاندھی نے لنلتھگو کو ڈپلومیسی کے ساتھ جنگی کوششوں میں ذاتی حمایت پر مبنی جو جواب دیا تھا، وہ دورانِ جنگ کانگریس کے لیے اس سے کہیں بہتر دانش مندانہ سیاسی چال ثابت ہوا۔

قائداعظم محمد علی جناح 5 اکتوبر کو وائسریگل لاج پہنچے۔ ''دوستانہ اور تعاون پذیر'' لہجہ میں لنلتھگو کا شکریہ ادا کیا۔

''آپ نے مسلمانوں کو متحد کرنے میں مدد دی ہے۔''

وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو نے جواب دیا:

''یہ مفاد عامہ کا تقاضا تھا کہ مسلمانوں کے نقطۂ نظر کو پوری طرح اور صراحت کے ساتھ بیان کیا جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کو یہ تحفظ فراہم کرنے

کا مطالبہ کیا۔
لنلتھگو نے جواب میں کہا:
''کانگریسی صوبوں میں مسلمانوں کی مشکلات کے الزامات کا مطالعہ کرنے پر مجھے ظلم و ستم کے مخصوص واقعات نہیں ملے۔''
قائداعظم محمد علی جناح کا استدلال تھا:
''ہندو مسلمانوں کی پوزیشن خراب کرنے کی ناپاک نیت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر شمال مغربی سرحدی صوبہ میں ہندی کو لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھائے جانے کی ہدایات جاری کی گئی ہیں۔''
دریں اثناء لیبر لیڈر سر اسٹیفورڈ کرپس نے اپنے 11 اکتوبر 1939ء کے مکتوب میں نہرو پر زور دیا:
''آپ فیصلہ کن کارروائی سے کم کوئی بات قبول نہ کریں، اور اس بات کا خیال رکھیں کہ کانگریس ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنے مؤقف پر ڈٹی رہے۔''
اس روز واردھا میں ورکنگ کمیٹی سے خطاب کرتے ہوئے نہرو نے کہا:
''غلام ہندوستان برطانیہ کی کوئی مدد نہیں کرسکتا، ہم اپنی حکومت کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔ جب ہم آزاد ہوں گے تو ہم جمہوری طاقتوں کی مدد کر سکیں گے۔''
گاندھی نے نہرو کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اگلے روز بیان جاری کیا، جس میں وائسرائے کے اعلان کو مایوس کن قرار دیتے ہوئے کہا گیا تھا:
''اس طویل بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ لڑاؤ اور حکومت کرو کی پرانی پالیسی کو جاری رکھا جا رہا ہے، جہاں تک میری فراست کام کرتی ہے کانگریس اس میں فریق نہیں بنے گی، نہ ہی کانگریسی ہندوستان ہٹلر کے خلاف برطانیہ کی لڑائی میں اس کا حصہ دار بن سکتا ہے۔''
قائداعظم محمد علی جناح نے کچھ نہیں کہا۔ وہ انتظار کرتے رہے (شک ہے کہ ترغیب دینے والے سانس کے ساتھ) تاکہ حریف جماعت کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہو جائے۔
ورکنگ کمیٹی کا اجلاس 22 اکتوبر کو واردھا میں ہوا، جس میں اس امر کی توثیق کی گئی:
''کانگریس برطانیہ کی کوئی ممکنہ حمایت نہیں کرسکتی، کیونکہ ایسا کرنا اس سامراجی پالیسی کی تائید کرنے کے مترادف ہوگا، جس کے خاتمہ کے لیے کانگریس نے ہمیشہ جدوجہد کی ہے۔''
اس سمت میں پہلے قدم کے طور پر کانگریسی وزارتوں سے کہا گیا:
''وہ مستعفی ہو جائیں۔''
کیا نہرو اور ان کے رفقائے کار کو یقین تھا:
''صوبائی حمایت واپس لینے سے برطانیہ کی ہندوستانی حکومت ختم ہو جائے گی؟''
یا پھر انہیں توقع تھی:
''ایسے ڈرامائی اقدام سے وہ لندن میں لیبر پارٹی کی قوت میں اضافہ کریں گے؟''
یا پھر اس اقدام کا مقصد:
''ہندوستان کے عوام کو انقلابی جدوجہد کے لیے تیار کرنا تھا؟''
تب قائداعظم محمد علی جناح نے یکم نومبر 1939ء کو نئی دہلی میں لنلتھگو، گاندھی اور راجندر پرشاد سے ملاقات کی۔ تینوں قائداعظم محمد علی جناح کی نئی رہائش گاہ 10 اورنگ زیب روڈ پر پہنچے، اور پھر قائداعظم محمد علی جناح کی کار میں وائسرائے ہاؤس گئے۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کے گھر پر ایک بار پھر سربراہی ملاقات ہوئی، جس میں نہرو شریک

نہ تھے، تاہم فرقہ وارانہ مذاکرات کا یہ دور جلد ختم ہو گیا، اور کوئی مقصد حاصل نہ ہوا۔

گاندھی نے ملاقات کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''جناب جناح صاحب مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے انگریزی حکومت کی طرف دیکھتے ہیں۔ کانگریس جو کچھ کر سکتی ہے یا مان سکتی ہے، وہ اس سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔''

5 نومبر کو کانگریسی وزارتوں نے استعفے دے دیے تو وائسرائے نے مذاکرات کی ناکامی کا اعلان کر دیا۔ اس طرح انگریز گورنروں کو من مانے آرڈیننس کے ذریعے حکومت کرنے کے اختیارات مل گئے۔

عظیم مذاکرات کنندہ

قائداعظم محمد علی جناح نے بہت پہلے مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ وطن حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، اس کے دو ٹوک اعلان کے لیے مناسب موقع کا انتظار تھا۔ وہ ایک عظیم مذاکرات کنندہ تھے، اس لیے خوب جانتے تھے کہ سیاسی و قانونی معاملات میں وقت کتنی اہمیت رکھتا ہے، نہرو کے برعکس وہ کبھی جذبات کے تحت قدم نہیں اٹھاتے تھے، اگر کوئی بات تھی تو وہ وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو اور سیکرٹری برائے سٹیٹ زٹلینڈ سے زیادہ ٹھنڈے دل و دماغ کے مالک تھے۔ اس بات سے انہیں یقیناً خوشی اور اطمینان حاصل ہوا ہوگا کہ وائسرائے، گاندھی اور کانگریس کے صدر راجندر پرشاد تینوں ان کے گھر چل کر آئے، اور ان کی کار میں بیٹھ کر وائسرائے ہاؤس گئے۔ اگر انہوں نے مذاکرات کا دروازہ بند ہی کر دیا ہوتا تو سیاسی کھیل میں اتنی بڑی کامیابی حاصل نہ کر پاتے۔

پاکستان کے لیے کھل کر میدان میں آ جانا، اور اپنے مطالبات کے حق میں چھت پر چڑھ کر نعرے لگانا بہت آسان کام ہوتا، جیسا کہ چوہدری رحمت علی نے لندن میں کیا، افسوس کہ رحمت علی کو جنہوں نے پہلی بار پاکستان کے حق میں آواز اٹھائی اور اسے کتابی شکل میں شائع کیا، انگلستان میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا۔ جہاں انہوں نے انتہائی کسمپرسی کے عالم میں موت کو گلے لگایا۔ ان کی ہڈیاں اب بھی غیر ملکی حکومت کے زیرِ تسلط علاقے میں دفن ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح بھی ایسے ہی مقدر سے دوچار ہو سکتے تھے، لیکن وہ ہر سیاسی اختیار اور موقع سے بہترین فائدہ اٹھانے کی منفرد صلاحیت کے بل پر اس سے بچ گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح کا پیامِ عید ریڈیو سے نشر ہوا۔ ان دنوں انہوں نے اپنی توجہ سب سے زیادہ اسلام اور قرآن پر مرکوز کر رکھی تھی، ماہ رمضان ختم ہونے پر یعنی عید کے دن جو 1939ء کو 13 نومبر کو منائی گئی، انہیں وائسرائے کی طرف سے اجازت دے دی گئی کہ وہ ریڈیو پر مسلمانوں کے نام اپنا پیغام نشر کرا سکیں۔ جس میں انہوں نے نوجوانوں کو بطور خاص مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اگرچہ میں اس بات سے پوری طرح آگاہ ہوں کہ میرا جسم کس قدر کمزور اور لاغر ہو گیا ہے، اس کے باوجود میں نے آگے بڑھنے کا تہیہ کر رکھا ہے کہ میرے قدم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔''

انہوں نے نوجوان ساتھیوں کو مشورہ دیا:

''آپ جان مورلے کی کتاب ''On Compromise'' کا مطالعہ کریں، جس میں مصنف نے کسی کارِ مفروضہ کو انجام دینے کا بہترین طریقہ یہ بتایا ہے کہ ''ہم راحتوں سے منہ موڑ لیں، اور محنت و مشقت کی زندگی گزاریں تو بہترین رائے اختیار کر سکتے ہیں۔''

ڈیلی ٹیلی گراف (لندن)

ڈیلی ٹیلی گراف لندن کا واحد اخبار تھا۔ جس نے قائداعظم

محمد علی جناح کی 20ویں برسی 11 ستمبر 1968ء کے موقع پر مسٹر ہیکٹر بولائتھو کا ایک مضمون شائع کیا۔ اس مضمون میں یہ لکھا گیا تھا:

''قائداعظم کی ذات راست بازی کی ایک قابل تقلید مثال تھی۔ وہ ایک بے لوث سیاست دان تھے۔''

ہیکٹر بولائتھو نے لکھا ہے:

''جب قائداعظم ایک ہفتے کے تھے تو ملکہ وکٹوریہ کو قیصرہ ہند کا لقب دیا گیا بعد میں یہی وہ شخص تھا جس نے ملکہ وکٹوریہ کے پڑپوتے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے پاکستان حاصل کیا۔ اگرچہ انہوں نے دو شادیاں کیں مگر درحقیقت وہ ہمیشہ کنوارے ہی رہے۔ وہ نہایت عمدہ اور نستعلیق انگریزی لباس پہنتے تھے اور ان کے مالی کے بقول قائداعظم کبھی پھول توڑنے کے لیے بھی نہیں جھکے تھے، انہوں نے لکھا تھا کہ پاکستان میں قائداعظم محمد علی جناح کی وہی عزت ہے جو امریکہ میں جارج واشنگٹن کی ہے۔''

ڈیلی کرانیکل

روزنامہ انقلاب لاہور کی 5 اپریل 1929ء کی اشاعت میں مذکور ہے:

''اخبار ڈیلی کرانیکل کے نمائندے سے دوران گفتگو میں آپ نے نہرو رپورٹ کے بارے میں زور دے کر فرمایا:

''مسلم قوم نہرو رپورٹ کو ہرگز منظور نہیں کرسکتی اور ایسا ہرگز نہ کرے گی۔ کسی قسم کی چال بازیاں عامۃ المسلمین سے نہرو رپورٹ کی منظوری حاصل نہیں کر سکیں۔''

ڈیلی ورکر (لندن)

20 اکتوبر 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے لندن کے مزکورہ روزنامہ کے نامہ نگار خصوصی مقیم ہندوستان کو انٹرویو دیا۔ اس انٹرویو میں انہوں نے کہا:

''برطانیہ کا حکمران طبقہ پاکستان کو بروئے کار آنے کا پہلے سے زیادہ مخالف ہے، کیونکہ میرے خیال میں ہندوستان کو آزاد کرانے کا سب سے یقینی اور زود اثر طریقہ یہی ہے کہ پاکستان کا قیام عمل میں آئے، اور اس کے لیے ہم مسلمان متحد ہو کر اپنی جدوجہد تیز تر کر دیں۔ انگریزی حکمران طبقہ جب متحدہ ہندوستان کا نام لیتا ہے تو اس سے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ برطانوی شہنشاہیت کا تسلط دائمی طور پر قائم رہے۔ برطانوی حکومت تقریباً سو سال سے ہمیں اس چکر میں گھیرے ہوئے ہے۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو غیر فطری اور مصنوعی طور پر متفق رکھنے کی کوشش کرتی رہی ہے، اور ہندوؤں کو ایک قومی وحدت کی حیثیت سے ہندوستان کی وحدتی، جمہوری اور پارلیمانی حکومت کے خواب دکھاتی رہی ہے۔ جس کا شرمندہ تعبیر ہونا ناممکن ہے۔ بہرحال اب مسلمان ان کے دستور اور حیلہ ساز کارروائیوں پر یقین نہیں کریں گے۔ ہمیں صرف ایک جداگانہ خودمختار مملکت پاکستان کے بغیر اور کچھ مطلوب نہیں۔''

ذ

ذات پات

اسلامیہ کالج کے اساتذہ اور طلبہ کے ایڈریس کے جواب میں یکم اپریل 1944ء کو "ذات پات" کے امتیاز کو مٹانے پر زور دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ ذات پات کے امتیاز کو مٹایا جائے، اور جس لعنت سے پیغمبر اسلام ﷺ نے نجات دلائی تھی اس میں دوبارہ پھنسنے کی کوشش نہ کی جائے۔"

ذات پات کا مسئلہ

قائداعظم محمد علی جناح نے 19 مارچ 1944ء کو پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن لاہور کی سالانہ کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں ذات پات کے مسئلہ پر شدید نکتہ چینی کی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے نعروں کی گونج میں اعلان کیا:

"اسلام مختلف ذاتوں میں کسی قسم کی تمیز اور امتیاز کو تسلیم نہیں کرتا، اور رسول مقبول ﷺ نے ذات پات کی تمیز کو مٹا کر عرب میں عربوں میں قومی اتحاد برپا کر دیا تھا، اور آپ ﷺ نے اس بنیاد کو اس مضبوطی سے قائم کیا کہ وہ انہیں عرب کی سرحدوں سے اتنی دور لے گئی کہ وہ ہسپانیہ اور فرانس کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔"

قائداعظم محمد علی جناح ذات پات کی لعنت کو ختم کر دینا چاہتے تھے، جس نے مسلم ہند کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا تھا۔ انہوں نے کہا:

"میں اس بات کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلم لیگ کسی کو ان طریقوں سے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلانے کی اجازت نہیں دے گی۔ ہماری جڑ بنیاد اسلام ہے، حتیٰ کہ شیعہ سنی کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ہم ایک ہیں اور ایک قوم کی حیثیت سے ہی ہمیں قدم سے قدم ملا کر چلنا ہوگا۔ صرف اسی صورت میں ہم پاکستان کو برقرار رکھ سکیں گے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے اعلان کیا:

"ذات پات کا طریقہ ہی ہند کی غلامی کا اصل ذمہ دار ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے ان لوگوں کو خبردار کیا جو ان ہتھکنڈوں کو استعمال کر رہے ہیں۔

8 ستمبر 1945ء کو عیدالفطر کے موقع پر کراچی سے تمام مسلمانانِ ہند کے نام، مسلمانانِ ہند من حیث القوم، اور ہر مسلمان کو فرداً فرداً امن، مسرت اور خوشحالی کی دعاؤں کے ساتھ عید کی مبارکباد دیتے ہوئے درج ذیل پیغام دیا:

"ماہ رمضان المبارک جو سخت قسم کی قیود، روزہ نماز، کڑی پابندیاں عائد کرتا ہے۔ ابھی ابھی تمام ہوا اور آپ اس میں سے صبر و تحمل اور اعتماد کے ساتھ سرخرو ہو کر نکلے۔ صبح عید نے جس کے آپ ذوق و شوق سے منتظر تھے، تمام مسلمان گھرانوں میں مسرت و شادمانی کی روشن اور شاندار کرنیں بکھیر دی ہیں۔

نورالامین

1974 - 1897

عظیم محب وطن رہنما نورالامین تیپراہ، ضلع میمن سنگھ، مشرقی بنگال میں پیدا ہوئے۔ 1937ء کے انتخابات کے دوران قائداعظمؒ کے ہمراہ بنگال کا دورہ کیا اور مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں بھرپور طریقے سے حصہ لیا۔ مسلم لیگ کے کہنے پر خان بہادر کا خطاب برطانیہ کی حکومت کو واپس کر دیا۔ 1942ء اور 1946ء میں دو مرتبہ بنگال کی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1946ء تا 1947ء بنگال اسمبلی کے سپیکر رہے۔ ان تمام حیثیتوں میں تحریکِ پاکستان کے لئے شب و روز کام کیا۔ تحریکِ پاکستان کے اس عظیم رہنما نے 1971ء میں مشرقی پاکستان کی زبردستی علیحدگی کو قبول نہیں کیا اور اسلام آباد میں مستقل قیام کیا۔ آپ 1972ء سے 1974ء تک پاکستان کے نائب صدر رہے آپ نے راولپنڈی میں انتقال کیا اور مزار قائدؒ کے احاطے میں دفن ہوئے۔

ماہِ رمضان میں ہم سب کے لیے ایک عظیم سبق پنہاں ہے۔
فی نفسہٖ یہ ایک عظیم ادارہ ہے۔ یہ مسلمانوں کو یہ سبق دیتا ہے کہ مسرت اور کامیابی اور کسی فریضے کی تکمیل مشکلات، محنت اور صعوبت کے بغیر نہیں ہو سکتی، اور یہ کہ ہم قربانیاں دیے بنا اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم خود کس طرح اپنی خواہشات، بھوک اور حرص و ہوس پر قابو پا سکتے ہیں، اور کس طرح ان چیزوں کی مزاحمت کر سکتے ہیں، جو اخلاقی طور پر غلط اور ناپسندیدہ ہیں۔ یہ ارفع ترین نظم وضبط ہے، بغیر کسی لچک کے اور بالخصوص ہم مسلمانانِ ہند ماہِ رمضان کے دوران جو سخت نظم طے کیا گیا ہے، اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔
آپ کے لیے میرے گزشتہ پیام عید سے اب تک دنیا اور ہند میں زبردست تبدیلیاں آئی ہیں۔ انسانی تاریخ کی سب سے زیادہ خون آشام جنگ اختتام کو پہنچی۔ میں امید کرتا ہوں کہ جمہوریت اور عدل واقعات کی قوتیں امن و امان سے آئیں گی، اور حقیقی معنوں میں کامیاب و کامران ٹھہریں گی۔ مسرت کے اس موقع پر گزشتہ بار جب میں آپ سے مخاطب ہوا تھا، اس وقت سے اب تک مسلمانوں اور مسلم لیگ نے زبردست ترقی کی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ لیگ مضبوط سے مضبوط تر ہو کر آگے بڑھ رہی ہے اور یہ کہ مسلم ذہن زیادہ سے زیادہ راہیں اور ذرائع تلاش کرنے پر مرتکز ہے، اور انہوں نے قومی تعمیر کے کاموں کا، جیسے معاشرتی، تعلیمی اور اقتصادی آغاز کر دیا ہے۔ یہ کم اہم بات نہیں ہے کہ ہمارا وطن پاکستان صنعتی تعمیر نو کے راستوں پر گامزن ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:
''ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی احکام صرف مذہبی اور اخلاقی امور تک محدود نہیں ہیں۔ گبن کے بقول: ''اطلانتک سے گنگا تک قرآن کو ایک بنیادی ضابطے کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، نہ صرف دینیات کے اعتبار سے بلکہ سول اور فوجداری ضابطوں اور ایسے قوانین کے لحاظ سے جو بنی نوع انسان کے افعال اور املاک پر اللہ تعالیٰ کے غیر مبدل قوانین کے طور پر محیط ہے۔ جہلاء کے سوا ہر شخص اس امر سے واقف ہے کہ قرآن کریم مسلمانوں کا عام ضابطہ حیات ہے۔ ایک دینی، معاشرتی، سول، تجارتی، فوجی، عدالتی، فوجداری ضابطہ ہے۔ رسوم مذہب ہی سے متعلق نہیں بلکہ روزانہ زندگی سے متعلق بھی، روح کی نجات سے لے کر جسمانی صحت تک، حقوق العباد سے لے کر فردِ واحد کے حقوق تک، اخلاقیات سے لے کر جرائم تک، اس دنیا میں سزا سے لے کر عقبیٰ میں سزا تک، ہمارے رسول ﷺ نے لازماً قرار دیا کہ ہر مسلمان کے پاس قرآن کریم کا ایک نسخہ ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنی رہنمائی خود کر سکے۔ لہٰذا اسلام محض روحانی عقائد اور نظریات یا رسم و رواج کی ادائیگی تک محدود نہیں ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور پورے مسلم معاشرے پر محیط ہے، زندگی کے ہر شعبے پر من حیث المجموع اور انفرادی طور پر جاری وساری ہے۔''
قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:
''ہم یقین رکھتے ہیں کہ حق خود ارادیت مسلمانوں کا پیدائشی حق ہے، اور ہم نے قطعی طور پر یہ طے کر لیا ہے کہ آزادی کے حصول اور وقار اور خودداری کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے اس عظیم برعظیم کے مسئلہ کا

ایک ہی حل ہے کہ ہمیں اپنے اوطان یعنی ان تمام صوبوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ پاکستان قائم کرنے کی آزادی حاصل ہو۔ ہند کے شمال مغربی اور شمال مشرقی منطقوں میں۔اس کے معنی ہیں ہندو اور مسلمان دونوں کی آزادی، بعینہٖ ہندوؤں کی باقی ماندہ ہند میں یہی صورت حال ہوگی، جس سے انہیں اس برعظیم کا تین چوتھائی حصہ مل جائے گا۔ مزید برآں ہند کا بہترین حصہ۔''

سندھ صوبائی مسلم لیگ کونسل سے 23 فروری 1947ء کو کراچی میں خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے قوم پر زور دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نقشِ پا......اسوۂ حسنہ ﷺ کی پیروی کریں۔قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''اگرچہ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے نکاتی پروگرام وضع کیا جاچکا ہے، تاہم یہ کافی نہیں ہے۔ہم ابھی خود کو اس کٹھن کام کے لیے غیر تیار پاتے ہیں جو ہمارا منتظر ہے۔ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ابھی ہمیں کافی فاصلہ طے کرنا ہے۔ہمیں (اپنی صفوں میں) اتحاد، نظم، ضبط اور یقین محکم پیدا کرنا ہے۔ ہماری عوام تعلیم یافتہ اور منظم ہونی چاہئیں، تب ہی ہم صحیح معنوں میں ایک عظیم قوم بن سکیں گے اور اقوامِ عالم میں ایک باوقار مقام حاصل کرسکیں گے۔ ہم آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں، اور اس سے بہت زیادہ حاصل کر سکتے ہیں، بشرطیکہ ہم اس راہ سے انحراف نہ کرلیں، جو عظیم ترین پیغمبر ﷺ نے ہمارے لیے متعین کی تھی۔آپ کو یہ یاد رکھنا ہوگا کہ ہم دنیا میں اپنا مقام صرف اس وجہ سے کھو بیٹھے کہ ہم نے کسی نہ کسی وجہ سے آپ ﷺ کے نقشِ پا پر چلنا چھوڑ دیا۔''

(اے پی آئی اور ینٹ پریس آف انڈیا، دی پاکستان ٹائمز 25 فروری 1947ء)

ذات پات کا بندھن

(دیکھیے: ہندو غلبہ)

ذاتی کتب خانہ

بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ساتھ نوجوان، محنتی اور جفاکش بیرسٹر محمد علی جناح کے حالات میں تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ وکیل کی حیثیت سے دور دور تک مشہور ہوجانے اور آمدنی میں اضافہ کے بعد انہوں نے اپالو ہوٹل کی سکونت ترک کردی اور اپالو بندر پر ایک شاندار فلیٹ کرائے پر لے لیا۔ انہوں نے فلیٹ کو بڑی خوش ذوقی کے ساتھ آراستہ کیا، اور اس کے لیے خاص قسم کا فرنیچر بنوایا۔

اس فلیٹ میں قائداعظم محمد علی جناح نے ایک ذاتی کتب خانہ بھی قائم کیا، جس میں ہر موضوع پر بہترین کتابیں جمع کی گئی تھیں۔

ان کے اس آراستہ مکان کو چند برسوں بعد بڑی اہمیت حاصل ہوگئی، اور ایک طرح سے بمبئی کی شہری زندگی کا مرکز بن گیا۔

ذاتی مفاد

(دیکھیے: ووٹ)

ذخائر اور وسائل

26 ستمبر 1947ء کو ولیکا ٹیکسٹائل ملز کے افتتاح کے موقع پر اپنے خطاب میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''اگر پاکستان کو دنیا کی اسٹیج پر اپنے حصے کا کردار ادا کرنا ہے، جو اس کے رقبے، آبادی اور وسائل کے شایان شان ہوتو اسے زراعت کے ساتھ ساتھ صنعت کو بھی ترقی دینی ہوگی، اور اپنی معیشت کی بنیاد صنعت پر رکھنی ہوگی، اپنی مملکت کو صنعتی بنانے سے ضروریات

زندگی کے لیے دوسرے ملکوں کی محتاجی کم ہو جائے گی ،لوگوں کو روزگار کے زیادہ مواقع فراہم ہوں گے، اور مملکت کے وسائل میں بھی اضافہ ہوگا۔ قدرت نے ہمیں صنعت کے لیے خام مواد کے بے پناہ ذخائر عطا کیے ہیں۔ اب یہ ہم پر ہے کہ ان ذخائر اور وسائل کو مملکت اور عوام کی بہبود کے لیے زیادہ سے زیادہ استعمال میں لائیں۔''

ذخیرہ شمس الحسن

(دیکھیے، شمس الحسن، سید)

ذرائع ابلاغ

قائداعظم محمد علی جناح بمبئی میں قیام کے دوران گجراتی وطن اور ڈان کا مطالعہ کرتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح چونکہ یورپ کے تعلیم یافتہ تھے۔ اس لیے وہ میڈیا اور اس کے جتنے ذرائع تھے ان کی اہمیت سے ابتداء ہی سے آگاہ تھے۔ وہ جانتے تھے ذرائع ابلاغ کو یورپ اور امریکہ کی طرح ترقی پذیر مشرقی ممالک میں بھی حکومت کا چوتھا ستون سمجھا جاتا ہے، حکومت کی پالیسیاں بنانے اور تبدیل کرنے میں خاص طور پر جمہوری ممالک میں ذرائع ابلاغ کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔

وہ اپنے ہم وطنوں پر بھی اس کی اہمیت کو واضح کرتے رہے، انہوں نے ''ڈان'' اور ''پاکستان ٹائمز'' کی طرح دیگر اخبارات اور جرائد کو جو پیغامات بھیجے وہ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ وہ ذرائع ابلاغ کو کتنا اہم سمجھتے تھے۔

دنیا پہلے سے کہیں زیادہ وسیع اور گنجان آباد ہوگئی ہے، اور جمہوریت کی ترویج کی طرح لوگوں کو اپنے اور دوسروں کے معاملات میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی پیدا ہوتی جارہی ہے۔ اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی تیز رفتاری سے لوگوں میں ذرائع ابلاغ میں دلچسپی بڑھتی رہی ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح چاہتے تھے کہ ہندوستان میں زیادہ سے زیادہ اردو اور دیگر مقامی زبانوں میں اخبارات ہوں، وہ مسلم لیگ کے حامی اخبارات کی اشاعت پر زور دیتے رہے تا کہ ملک کا انگریزی خواں طبقہ بھی لیگ کی تحریک سے آگاہ رہے۔ اخبارات کو ان کی تاسیس اور سالگروں پر ان کی فرمائش پر اکثر پیغامات بھیجا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ کالجز اور یونیورسٹیوں کے جرائد تک بھی پھیلا ہوا تھا۔

ابتداء ہی سے ان کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کا اپنا پریس ہونا چاہئے تا کہ وہ مسلم لیگ اور مسلمانوں کے خلاف غیر مسلم اخبارات کے بے جا الزامات اور پروپیگنڈے کا مقابلہ کرسکیں۔ وہ ہمیشہ سے متعدد اخبارات و جرائد کو مضامین اور پیغامات سے نوازتے رہے۔

انگریزی اخبارات کی طرح اردو اخبارات بھی ان کی مدد سے فیض یاب ہوتے رہے۔ علاوہ دیگر اخبارات اور جرائد کے منشور، ہمدرد، جنگ، انجام، نوائے وقت، زمیندار قابل ذکر ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح میڈیا کی اہمیت سے ہمیشہ آگاہ اور اس کی آزادی کے علمبردار رہے۔ انہوں نے ہمیشہ سچائی اور حق گوئی کی حمایت کی۔ خواہ وہ تحریر کی صورت میں ہو یا تقریر کی شکل میں۔

مشہور انگریز صحافی مسٹر بی جی ہارنمین (B.G. Harniman) ہندوستان میں انگریزی صحافت سے مدت دراز تک وابستہ رہے۔ خاص طور پر 1933ء سے 1945ء تک Bombay Sentinal کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ان پر ہندوستان کی آزادی کی صحافت میں بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا۔ اس مقدمہ میں خاندان کی طرف سے وکیل کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح عدالت میں پیش ہوئے، اور ان کے دلائل کی وجہ سے عدالت کو ہارنمین کو مقدمہ سے بری کرنا

پڑا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ہمیشہ صحافت کی اہمیت پر زور دیا۔انہی کے ایماء پر انگریزی کا مشہور اخبار ''ڈان'' نکالا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح خود بھی انگریزی اخبارات میں لکھتے رہے،اوران کے بیانات دیگر زبانوں کی طرح انگریزی اوراردو اخبارات کی زینت بنتے رہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے تحریک پاکستان کے سلسلہ میں انگریزی اوراردو کے متعدد اخبارات کوخوش آمدید کے پیغامات ارسال کیے،اور وہ ہمیشہ آزادی صحافت پر زور دیتے رہے۔ آزادی صحافت اورحق گوئی کو قائداعظم کتنی اہمیت دیتے تھے۔ اس کا اندازہ ایک اور واقعہ سے بھی ہوسکتا ہے جس کا ذکر عزیز بیگ نے اپنی تصنیف (Jinnah and His Times) میں کیا۔وہ لکھتے ہیں:

''1945ء میں صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی وزارت توڑ دی گئی، لندن کے ایک پندرہ روزہ جریدے ''لائٹ'' نے لکھا کہ یہ وزارت بدعنوانی کی وجہ سے توڑی گئی۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے سیکرٹری عزیز بیگ سے کہا گیا:

''قائداعظم چاہتے ہیں کہ اس خبر کو ''ڈان'' میں بھی چھاپا جائے۔''

عزیز بیگ ڈان کے اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے۔عزیز بیگ نے سوچا:

''ڈان مسلم لیگ کا ترجمان ہے،اس خبر کا چھپنا مسلم لیگ کی رسوائی کا باعث بنے گا۔''

چنانچہ وہ اسے اخبار میں شائع کرنے پر متذبذب تھے۔انہوں نے ٹیلی فون پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''یہ خبر ''ڈان'' میں ضرور چھاپی جائے۔''

یہ تھا حق گوئی اوراخبارات کی Integrity کے بارے میں قائداعظم کا معیار۔

قائداعظم محمد علی جناح نہ صرف ہمیشہ سے ذرائع ابلاغ کی اہمیت کے قائل رہے بلکہ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ ایک صحافی کو ہمیشہ سچ بولنا چاہئے،اوراخبارات کو سرکاری سرپرستی سے آزاد ہونا چاہئے۔

ذکی الدین، ڈاکٹر

قائداعظم محمد علی جناح جب علی گڑھ تشریف لائے تو انہوں نے فنڈ کے لیے اپیل کی۔ اپیل کے جواب میں ڈاکٹر ذکی الدین نے اپنی تمام ٹرافیاں اور طلائی تمغے قائداعظم محمد علی جناح کو فنڈ میں دے دیے۔

ذکی الدین 23 فروری 1909ء کو بہار کے شہر آرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد چوہدری صفی الدین کا شمار آرہ کے معززین میں ہوتا تھا۔انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے ہی قصبے میں مکمل کی اوراعلیٰ ثانوی تعلیم کے لیے پٹنہ کا ارادہ کیا۔تکمیل کے بعد علی گڑھ چلے گئے اورایم ایس سی آنرز اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لیں۔ پھراعلیٰ تعلیم کے لیے بون (جرمنی) چلے گئے اور ڈی فل کی ڈگری کے لیے Spectra of Molecules کے نام سے مقالہ پیش کیا۔علاوہ ازیں دی رائل سوسائٹی مانڈ (Mond) اور College Lub کیمبرج یونیورسٹی سے بھی اپنی تعلیمی قابلیت میں اضافہ کیا اور 3 بار طلائی تمغے حاصل کیے جن میں

International Fellowship of Humbold Found

اور کیمبرج یونیورسٹی رائل یونیورسٹی کے وظائف قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر ذکی الدین کو لارڈ ردرفورڈ، پروفیسر ایچ کیسر، سرجے

جے تھامسن، پروفیسر ڈیراک، سرکاکرافٹ اور سی وی رامن کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔1936ء میں آل انڈیا سائنس کانفرنس میں سرڈاکٹر شانتی سروپ بھٹنا گرنے اپنے صدارتی خطبے میں ڈاکٹر ذکی الدین کو خراج تحسین پیش کیا۔ انہوں نے نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ میں Low Temperature Physics پر لیکچر دیے۔

بلکہ ان کی تحقیقات برلن، نیویارک،لندن اور ہندوستان میں بھی شائع ہوئیں۔نوبل پرائز یافتہ جرمن سائنس دان جے فرینک نے اپنی کتاب Molekul Spectre Und Ihre میں ڈاکٹر ذکی الدین کی تحقیقات کا ذکر کیا ہے۔

ان تمام مصروفیات کے باوجود ڈاکٹر ذکی الدین نے تحریک پاکستان میں بھی بھر پور حصہ لیا۔ انہوں نے سائنس اکیڈمی کے قیام کے لیے بھی قائداعظم محمد علی جناح کو سفارشات پیش کیں۔

ڈاکٹر ذکی الدین انتہا کی سادہ زندگی بسر کرتے رہے اور جب 1944ء میں چھٹیاں گزارنے اپنے وطن آگرہ آئے تو علالت کی حالت میں یکم اپریل 1944ء کو انتقال کیا۔

ذوالفقار علی خان، نواب سر

20 مارچ 1927ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے جن تیس سربرآوردہ اور مختلف الخیال مسلمان رہنماؤں کی دہلی کے ویسٹرن ہوٹل میں کانفرنس بلائی اس میں نواب ذوالفقار علی خان بھی موجود تھے۔ وہ مالیر کوٹلہ کے خوانین میں سے تھے۔ ذوالفقار علی خان 1873ء میں پیدا ہوئے انگلستان میں تعلیم مکمل کی۔1905ء میں امپیریل کونسل کے رکن بنے۔ایسٹ اینڈ ویسٹ کے مدیر رہے۔ 1910ء میں پٹیالہ میں وزیراعظم رہے۔ سبکدوش ہونے کے بعد لاہور آ گئے اور انجمن حمایت اسلام کے کاموں میں بھرپور حصہ لیتے رہے۔ سائمن کمیشن کی امداد کے لیے مرکزی اسمبلی کے ارکان پر مشتمل جو کمیٹی قائم ہوئی۔ اس کے رکن تھے اور سر عبداللہ المامون سہروردی سے مل کر اختلافی نوٹ لکھا جو مسلماوں کے مطالبات کی ایک اہم دستاویز ہے۔خرابی صحت کی بنا پر ڈیرہ دون چلے گئے۔ جہاں 26 مئی 1933ء کو وفات پائی۔

ذہن اور قلم کی طاقت

قائداعظم محمد علی جناح نے 30 اکتوبر 1947 کو اپنے نشری بیان لاہور میں کہا:

> ''یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ہم نے پاکستان حاصل کرلیا ہے، اور وہ بھی کسی خونیں جنگ کے بغیر عملی طور پر امن کے ساتھ، اخلاقی اور ذہنی قوت کے بل پر اور قلم کی طاقت کی مدد سے جو تلوار کی طاقت سے کچھ کم نہیں ہے، اور یوں ہم نے ثابت کر دکھایا ہے، ہم سچے اور ہمارا مقصد بھی سچا۔
> پاکستان اب ایک قطعی اور اٹل چیز ہے۔ اسے کبھی ختم نہیں کیا جاسکتا۔ سچ یہ ہے کہ اس برصغیر کے انتہائی پیچیدہ آئینی مسئلے کا باعزت، منصفانہ اور عملی حل قیام پاکستان کے سوا اور کوئی نہ تھا۔''

ر

رابرٹ رچرڈ، پروفیسر

قائداعظم محمد علی جناح کی رہائش گاہ پر 10 جنوری 1946ء کونئی دہلی میں ایک برطانوی پارلیمانی وفد نے ان سے 11 بجے ملاقات کی ان کے قائد پروفیسر رابرٹ رچرڈ تھے وفد نے قائداعظم محمد علی جناح سے ہندوستان کے دستوری مسائل پر گفت وشنید کی اور ملاقات کے اختتام پر اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتی ہوئے وفد سے کہا:

''پاکستان کا مسئلہ نہایت صاف اور سنجیدہ ہے۔''

وفد کے ایک رکن مورس نے کہا:

''میں بہت زیادہ متاثر ہوا ہوں، اور ہندوستان کے مسائل پر نئی روشنی ڈالی گئی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے تنہا بات چیت کی۔ کوئی دوسرا مسلم لیگی لیڈر موجود نہ تھا۔

راجا صاحب محمود آباد

آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے سب سے کم عمر رکن اور مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر تھے۔ اصل نام امیر احمد خان تھا۔

راجہ صاحب محمود آباد 15 نومبر 1914ء کو مہاراجا محمود آباد محمد علی خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اردو، انگریزی اور فارسی زبان کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ان کا علمی وادبی ذوق بھی سلجھا ہوا تھا اور وہ علم وفضل کے قدر دان تھے۔ طبیعت ابتداء ہی سے سادگی کی طرف مائل تھی۔ مسلم لیگ سے مسلسل وابستہ رہے۔ شروع ہی سے یہ مقصد پیش نظر رکھا کہ جس حد تک ممکن ہو عوام کی خدمت تمام دوسری سرگرمیوں پر مقدم رہے۔ انہیں قائداعظم محمد علی جناح سے خاص لگاؤ تھا، اور ان کے ایک حکم پر اپنا سب کچھ نچھاور کردیتے۔ فضائل اخلاق میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ آزادی کے بعد پاکستان تشریف لے آئے تعلقہ داری ختم ہوگئی، پھر کچھ وقت دیگر ممالک بالخصوص عراق کی مقدس زیارتوں اور کچھ وقت کراچی میں گزارتے رہے، پھر لندن میں سکونت اختیار کی۔ لندن میں اسلامک کلچرل سنٹر کے ڈائریکٹر تھے۔ لندن میں 14 اکتوبر 1973ء کو انتقال کیا لیکن انہیں اپنی آخری آرام گاہ مشہد (ایران) میں دفن کیا گیا۔

راجا صاحب محمود آباد...... قائداعظم مراسلت

محمود آباد (اودھ)

29 مارچ 1940ء

مائی ڈیئر انکل!

میں یہ خط تمام شیعہ جماعتوں کی اس کانفرنس کے سلسلے میں تحریر کررہا ہوں، جو میں نے ملک کے شیعوں کی خواہشات اور نمائندے رائے کی روشنی میں ان کے لیے ایک واضح پالیسی وضع کرنے کی غرض سے 14 اور 15 اپریل کو بلا رہا ہوں۔ سر سلطان احمد اس کانفرنس کی صدارت کریں گے، اور متعدد ممتاز رہنماؤں کو شرکت کے لیے مدعو کیا گیا ہے۔

میں جن وجوہ اور مقاصد کے تحت یہ کانفرنس بلا رہا ہوں۔ انہیں آپ کے سامنے پیش کرنے سے پہلے آپ کی یاد دہانی

کے لیے عرض کروں گا کہ شیعوں کے سلسلے میں متعدد بار میں آپ کے سامنے اپنی رائے کا اظہار کر چکا ہوں، ممکن ہے کہ میں اپنا نقطہ نظر واضح طور پر آپ کے سامنے پیش کرنے میں کامیاب نہ ہوا ہوں۔ چنانچہ اس امید پر اپنے نقطہ نظر کا اعادہ کر رہا ہوں کہ اگر آپ مجھ سے متفق نہ بھی ہوں تو کم سے کم میری رہنمائی فرما کر مجھے مشورے سے ضرور نوازیں گے۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ شیعوں کا مستقبل واضح کرنے میں اس امر پر آپ کی رائے دوررس نتائج کی حامل ثابت ہوگی اس لیے میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ کوئی بھی رائے وضع کرنے سے پہلے آپ شیعوں کے کیس پر اچھی طرح سے غور کر لیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جب ہم ان خوفناک مسائل پر غور کرتے ہیں جن کا مسلمانوں کو سامنا ہے، اور جو یکساں طور پر شیعہ اور سنیوں کے لیے مضرت رساں ہیں تو ان سے عالمی اختلافات بہت ہی معمولی نوعیت کے نظر آتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خلیج انتہائی وسیع ہے اور ان کے مسائل انتہائی گہرے ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان شیعوں کی حیثیت محض ایک مذہبی فریق کی ہے۔ باوجود اس کے شیعوں اور سنیوں کی مثال کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی مانند ہے۔ انگلستان میں یہ دونوں فرقے یکساں ثقافت کے حامل ہیں۔ ایک زبان بولتے ہیں اور ایک ہی مذہب کے پیرو ہیں۔ لیکن عقائد اور تشریحات معمولی اختلافات کے نتیجے میں مظالم اور خوں ریزی کے ایسے دو واقعات رونما ہوئے ہیں جو کسی طرح بھی منصفانہ قرار نہیں دیے جا سکتے۔ یورپ میں فرقوں کے اس اختلاف کے نتیجے میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان سینکڑوں سال سے جنگ جاری ہے۔ اگر شیعوں کی تشفی و تسلی اور ان کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے کوئی کوشش نہیں کی گئی تو ممکن ہے کہ شیعوں اور سنیوں کے درمیان بظاہر معمولی نوعیت کے اختلافات جلد یا بدیر اسی قسم کے نتائج کا باعث ہوں۔

آج بھی جب ہم آپس میں بیٹھ کر مسلمانوں کے درمیان باہم اتحاد کی گفتگو کر رہے ہیں ہر جگہ نفرت کی آگ بھڑکائی جا رہی ہے۔ انتخابات میں فرقہ وارانہ پروپیگنڈہ جاہل عوام کے دماغ کو زہر آلود کر رہا ہے، حتیٰ کہ جو شیعہ امیدوار اس کے باوجود کامیاب ہو گئے ہیں۔ ان کو بھی سخت مخالفت کا سامنا ہے۔ یہاں تک کہ مجلس قانون ساز میں بھی شیعہ ارکان رائے دہندگان کے خوف سے آزادانہ طور پر شیعوں کے جذبات کی صحیح ترجمانی نہیں کر سکتے۔

مذہبی میدان میں دن رات ایسی قوتیں کارفرما ہیں جن کا مقصد ہمارے عقائد کو کچلنا اور اپنے مذہبی فرائض کی انجام دہی کے لیے ہمیں جو آزادی حاصل ہے، اور جس کا ہمیں حق ہے اس سے ہمیں محروم کرنا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے اطمینانی اور باہمی تنازعات ہندوستان کے چند حصوں تک محدود ہیں، لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ گزشتہ ڈیڑھ سال کے دوران میں میں نے ہر صوبے کے شیعوں کے ساتھ خط و کتابت کی ہے۔ میری فائل میں موجود خطوط اور انگریزی اردو زبان کے اخبارات میں مطبوعہ مضامین اس بات کا ثبوت ہیں کہ شیعوں کو اپنے سنی بھائیوں پر قبل ازیں جو اعتماد تھا اب کسی نہ کسی وجہ سے یہ ختم ہو گیا ہے، اور وہ اب یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی حیثیت کا تحفظ صرف اسی صورت میں ہوگا جب آئینی طور پر انہیں چند تحفظات مہیا کیے جائیں گے، لیکن یہ تحفظات اس ملک کی دیگر اقلیتوں کو عطا کردہ تحفظات سے قطعی مختلف ہوں گے۔

شیعہ نہ تو مخصوص نشستوں کے طلب گار ہوں گے، اور نہ ہی وہ کسی ایسے اقدام کے بارے میں سوچیں گے جو ان کو بقیہ مسلم برادری سے علیحدہ کرنے کا باعث ہو۔

وہ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی جدوجہد میں ساتھ دیں گے، اور آئندہ آئین میں جو تحفظات مہیا کیے جائیں گے وہی

تحفظات ان کو بھی حاصل ہوں گے، لیکن ان تحفظات کے علاوہ مسلم برادری کی حدود میں رہ کر وہ چند دیگر تحفظات کے طالب ہیں، اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، وہ (شیعہ) درج ذیل اصولوں کی بنیاد پر اپنے مطالبات مرتب کریں گے۔

◆ منتخب اداروں اور سرکاری محکموں میں شیعوں کے نمائندے ہوں گے، اور کسی ایسے معاملے میں جس سے شیعہ متاثر ہوتے ہوں عدل وانصاف کو اکثریتی حکمرانی وترجیح حاصل ہوگی۔

◆ کسی جماعت کی طرف سے شیعوں کی آزادی اور مذہبی امور کی انجام دہی میں کسی قسم کی مداخلت کی قبل از وقت روک تھام کی ضمانت دی جائے گی۔

◆ کسی جماعت کی طرف سے شیعوں کے خلاف کسی قسم کی ناانصافی کی صورت میں مزید تحفظ کے طور پر صوبوں کے گورنروں اور گورنر جنرل آف انڈیا کو شیعوں کے حق میں استعمال کرنے کے لیے خصوصی اختیارات متعین کیے جائیں گے۔

◆ تمام شیعہ اوقاف مکمل طور پر شیعوں کے کنٹرول میں ہوں گے۔

◆ اگر کوئی قانون مسلم حنفی قانون کے مطابق منظور کیا جائے تو شیعہ فقہ کو بھی ضرور ملحوظ رکھا جائے۔

میرا یہ تاثر ہے کہ جب تک ان اصولوں کو منظور نہیں کیا جاتا۔ شیعہ خود کو ملت اسلامیہ میں محفوظ باوقار حیثیت میں تصور نہیں کرسکتے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ آپ کا

امیر حیدر خاں

(بحوالہ قائداعظم خطوط کے آئینے میں از خواجہ رضی حیدر)

راجا صاحب محمود آباد

10-اورنگ زیب روڈ

8اپریل1940ء

نئی دہلی

مائی ڈیئر امیر حیدر خاں!

مجھے آپ کا خط مورخہ 29 مارچ موصول ہوا، مجھے واقعی افسوس ہے کہ آپ کا ذہن اب بھی اس سمت میں سوچ رہا ہے جس سے شیعوں کو کوئی فائدہ پہنچنے کا امکان نہیں ہے۔ میں نے شیعہ کانفرنس منعقد کرنے والوں اور رہنماؤں سے معاملات پر گفت وشنید کی ہے، اور زیر بحث مسئلہ پر آپ کے ساتھ بھی بھرپور گفتگو کی ہے۔ میرے خیال میں اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے اب بھی امید ہے کہ آپ اور دیگر ممتاز شیعہ رہنما اپنی راہ متعین کریں گے، اور شیعوں کو اس بات پر رضامند کریں گے کہ وہ پہلے مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہوجائیں، اور پھر انصاف اور دادرسی پر زور دیں۔

شیعوں کو جن معاملات سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ ان امور کے سلسلے میں سرکاری محکموں اور منتخب اداروں میں شیعوں کی کوئی آواز نہ ہونے کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔ ہم لوگ مسلم لیگ کو اس طرح منظم کریں کہ اس میں موجود ہر فرقہ اور فریق کو انصاف میسر آسکے۔

جہاں تک شیعوں کے عقائد اور مذہبی امور کی انجام دہی کی آزادی کا تعلق ہے تو یقیناً یہ بنیادی امر ہے کہ اگر مسلم لیگ کسی لائق ہوئی تو وہ ضرور یہ خیال کرے گی کہ اس کی آزادی کی پامالی نہ ہو۔

آپ کی اس بات سے میں متحیر رہ گیا کہ کسی جماعت کی طرف سے شیعوں کے ساتھ کسی قسم کی ناانصافی کی صورت میں مزید تحفظ کے طور پر صوبوں کے گورنروں اور گورنر جنرل آف انڈیا کو شیعوں کے حق میں استعمال کرنے کے لیے خصوصی اختیارات تفویض کیے جائیں۔ کیا آپ کو اس حقیقت کا احساس نہیں ہے کہ حکومت برطانیہ کا اختیار تیزی کے ساتھ ختم ہورہا ہے۔

گزشتہ ڈھائی برس کے دوران کیا اقلیتوں کو گورنروں اور گورنر جنرل کے نام نہاد خصوصی اختیارات کا تجربہ نہیں ہوا۔ مزید برآں کیا آپ کو اس کا احساس نہیں ہے کہ ہز میجسٹی کی حکومت

راجہ صاحب آف محمود آباد

1973 - 1914

قائداعظمؒ کی ہدایت پر مسلم لیگ میں شامل ہو کر تحریکِ پاکستان میں پرجوش حصہ لیا۔ 1937ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں مجلسِ استقبالیہ کے صدر تھے۔ قائداعظمؒ نے آپ کو آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا صدر نامزد کیا۔ آپ نو سال تک فیڈریشن کے صدر رہے۔ 1945ء میں مرکزی اسمبلی کے لئے قائداعظمؒ کی انتخابی مہم کے نگران تھے جو کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ عمر کے آخری ایام میں لندن کے ایک اسلامی تحقیقی ادارے کے سربراہ تھے۔

کے اعلان میں بھی برطانوی حکومت کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

جہاں تک شیعہ اوقاف کا مکمل طور پر شیعوں کے کنٹرول میں رہنے کا نقص ہے تو اس میں کسی اعتراض کی کوئی گنجائش میری سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ کے اس آخری نکتے پر کہ اگر مسلم حنفی فقہ کے مطابق کوئی قانون منظور ہو تو شیعہ فقہ کے خصوصی اصولوں کو بھی مدنظر رکھا جائے گا۔ جہاں تک تعلق ہے تو یہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شیعہ فقہ میں کیوں تبدیلی کرے گا، اور ایسا کرنا کسی اور کے مفاد میں کیسے ہوسکتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ سے اتفاق نہ کرنے کی صورت میں آپ مجھے درگزر فرمائیں گے۔ میں آپ سے ایک بار پھر اپیل کرتا ہوں کہ کسی قیمت پر خود کو مجوزہ کانفرنس سے وابستہ نہ کریں۔ شیعوں کے لیے مناسب پالیسی یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان جائیں۔ لیگ اب اس قابل ہوگئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان خواہ ان کا تعلق کسی فرقے یا فریق سے ہو عدل وانصاف کر سکے۔ واحد چیز جو اہمیت کی حامل ہے، وہ یہ ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں۔

نیک تمناؤں کے ساتھ
آپ کا شفیق
ایم۔اے جناح

راجپوت سبھا

26 مارچ 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے لاہور میں اسلامیہ کالج برائے خواتین کوپر روڈ کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے جاٹ سبھا، راجپوت سبھا وغیرہ کی نسلی تحاریک کو سخت مردود اور عرب کے دور جاہلیت کی یادگار قرار دیا اور فرمایا:

''یاد رکھو کہ ہم اول بھی مسلم ہیں اور آخر بھی، کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ نسل کو اسلام پر مقدم قرار دے۔''

راجر کلے

وہ بمبئی کے گورنر تھے۔ جن کے ذریعے وائسرائے ہند نے قائداعظم محمد علی جناح کو یہ پیغام بھیجا جس میں کہا گیا تھا:

''ڈیفنس کونسل میں لیے جانے والے ارکان (پنجاب سے سکندر حیات خاں، بنگال سے فضل الحق اور آسام سے سر محمد سعد اللہ خاں) کو عظیم مسلمان قوم کی نمائندگی کے لیے کونسل میں لیا گیا ہے، اور انگلستان میں وزیر ہند مسز ایمری نے بھی یہی اعلان کیا کہ ان حضرات کو مسلم قوم کے نمائندوں کی حیثیت سے لیا گیا ہے۔''

(ملت کا پاسباں، پروفیسر کرم حیدری)

راج کوٹ

یہ کاٹھیاواڑ کا مشہور شہر ہے۔ 22 جنوری 1940 کی دوپہر کو قائداعظم محمد علی جناح پہلی بار تین بجے یہاں تشریف لائے تو ایک جم غفیر نے ان کا استقبال کیا۔ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ اور راج کوٹ اسٹیٹ کونسل نے ان پر پھول برسائے۔ انہیں چار گھوڑوں کی بگھی پر بٹھایا گیا۔ ان کے ہمراہ ان کے ساتھی اسماعیل ابراہیم چندریگر، کاٹھیاواڑ مسلم لیگ کے صدر عثمان عیسیٰ بھائی، راج کوٹ مسلم کونسل کے صدر حاجی دادا ولی محمد میمن بھی تھے۔

شام چھ بجے پارسی بیرسٹر انہلیز یا نے قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں چائے پارٹی دی اور کہا:

''جناح صاحب اب صرف ایک قوم کے رہبر نہیں بلکہ ملک کے اقلیتی فرقوں کے بھی رہنما بن گئے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے انگریزی میں اپنی جوابی تقریر میں کہا:

''ہم اس وقت کاٹھیاواڑ میں سیاسی مقصد لے کر نہیں آئے۔ ہمارا کام لیگ پریس فنڈ جمع کرنا ہے۔ اب تک ہم سیاسی میدان میں بغیر ہتھیار کے لڑتے تھے۔ مگر اب ہتھیار جمع کرنے کے لیے رقم کی ضرورت آن پڑی ہے۔ اس غرض سے ہم دورے پر آئے ہیں۔''

بیرسٹر انہلیز یا کہتے ہیں:

''وائسرائے، مسٹر گاندھی اور میں سب مل کر ملک پر مصیبت کو ٹالیں۔ خدا کرے ایسا ہو مصیبت یہ ہے کہ یہاں تین ڈاکٹر ہیں۔ تینوں ڈاکٹروں کی تشخیص جدا ہے اور جدا نسخے بتاتے ہیں اور مریض مکمل انتہائی نازک حالات میں ہے۔ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے مسلم لیگ کو ہندوؤں سے کسی قسم کی دشمنی نہیں بلکہ مسلم لیگ تو یہ بھی نہیں چاہتی کہ ہندوؤں سے ناانصافی ہو لیگ تو یہ چاہتی ہے کہ انصاف کسی ایک قوم کو نہیں سب قوموں کو ملنا چاہیے۔ مسلم لیگ کا نصب العین یہی ہے کہ کسی بھی اقلیت کو چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتی ہو، چاہے وہ کسی ذات پات سے وابستہ ہو اسے بلا کسی امتیاز اس کے حقوق ملنے چاہئیں۔ جب تک اقلیتوں کو ان کے حقوق نہیں دیے جائیں گے تب تک یہ ناممکن ہے کہ اکثریت آرام کی نیند سے سو سکے۔

ہند کا کیا ہوگا؟ یہ میں نہیں جانتا مگر ہمارے ملک میں حالیہ مصیبت کا خاتمہ کرنے کے لیے ضرور کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔ ہند اب جاگ اٹھا ہے، اب اس میں جان پڑ گئی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم متحد ہو جائیں۔ اگر ہم متحد ہو گئے تو انگریز سرکار اور کانگریس کو ہماری آواز ماننی پڑے گی۔''

راج گوپال اچاریہ چکرووتی

وہ ہندو بھارتی قوم پرست لیڈر تھے۔ دیگر ہندو رہنماؤں کی طرح وہ بھی تعصب کا انبار تھے۔

انہوں نے 1944ء میں قائداعظم محمد علی جناح کو خط لکھا:

''گاندھی جی اور میں نے ایک فارمولا تیار کیا جس سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہم مفاہمت پیدا ہو سکتی ہے۔''

اسی فارمولے کو راج گوپال اچاریہ فارمولا کہا جاتا ہے۔

راج گوپال اچاریہ مدارس میں 1879ء میں پیدا ہوئے۔ 1900ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے بعد 1919ء میں انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت اختیار کی اور شہرت پائی۔ 1937ء تا 1939ء مدراس کے وزیراعظم رہے۔ دوسری عالمی جنگ میں برطانیہ کی امداد کے حامی تھے، انہوں نے مسلمانوں کی رضامندی کے لیے مطالبہ پاکستان کی بھی کسی قدر حمایت کی۔ برطانیہ کی مدد کے مسئلے پر اختلافات کے باعث کانگریس سے الگ ہو گئے، مگر خاتمہ جنگ پر دوبارہ کانگریس میں شامل ہو گئے۔ 1948ء تا 1950ء بھارت کے آخری گورنر جنرل رہے جس کے بعد یہ عہدہ ختم کر دیا گیا، کانگریس سے سیاسی اختلافات کی بنا پر اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور 1959ء میں علیحدگی کے بعد سوتنترا پارٹی کی بنیاد رکھی۔ وہ راجا جی کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ پاکستان سے کشیدہ تعلقات رکھنے کے مخالف اور اعتدال پسندانہ نظریات کے حامی تھے۔ کچھ عرصہ بیمار رہے۔ پھر 26 دسمبر 1972ء کو مدراس میں انتقال کر گئے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر 97 برس تھی۔

راج گوپال اچاریہ فارمولا

1. قائداعظم محمد علی جناح نے اس فارمولے کے بارے میں

فرمایا تھا:

''راج گوپال اچاریہ کے فارمولے کا مقصد ہمیں ایسا پاکستان دینا ہے جو آپس میں کٹا ہوا اور کیڑوں کا کھایا ہوا ہو۔''

2 مئی 1942ء کو یہ فارمولا 2 مئی 1942ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کی اہم شرائط یہ تھیں۔

① مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ مل کر ہندوستان کی کامل آزادی کے مطالبہ کی تصدیق کرے گی، اور عبوری دور عارضی حکومت قائم کرنے میں بھی کانگریس کا ساتھ دے گی۔

② جنگ عظیم دوم کے خاتمہ کے بعد شمال مغربی اور شمالی مشرقی ہندوستان کے ان اضلاع کے تعین اور حد بندی کے لیے جن میں مسلمانوں کی قطعی اکثریت سے ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا، اور جن علاقوں میں حد بندی ہو جائے گی وہاں بالغ رائے دہی کے اصول پر یا کسی اور قابل عمل طریقے سے استصواب کے بعد فیصلہ کیا جائے گا کہ ان علاقوں کی ہندوستان سے ایک خودمختار ریاست یا ریاستیں قائم ہوں۔

③ تمام سیاسی جماعتوں کو حق حاصل ہو گا کہ استصواب رائے عامہ سے قبل اپنے اپنے موقف کا پورا پورا پرچار کریں۔

④ الگ ہونے کی صورت میں دونوں ریاستوں میں معاہدہ ہو گا تاکہ دفاع، تجارت، مواصلات اور دوسرے معاملات کا تحفظ ہو سکے۔

⑤ انتقال آبادی برضا و رغبت ہو گا۔

⑥ یہ شرائط صرف اس صورت میں پابندی کے قابل ہوں گی جب کہ حکومت برطانیہ ہندوستان کی حکومت کا اختیار اور ذمہ داری پورے طور پر منتقل کر دے گی۔

اس فارمولے میں سب سے زیادہ کڑی شرط یہ تھی کہ قائداعظم محمد علی جناح پہلے اس فارمولے کو خود منظور کریں، اور پھر اسے مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے لائیں، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے اسے مسترد کر دیا۔

(مسلم لیگ کا کردار، از کرم حیدری)

اس سلسلے میں راج گوپال اچاریہ نے قائداعظم محمد علی جناح کو درج ذیل مکتوب روانہ کیا:

نئی دہلی

8 اپریل 1944ء

ڈیئر مسٹر جناح!

مارچ 1943ء میں میں نے گاندھی جی سے تصفیہ کے لیے بنیاد کی فراہمی پر بحث کی، اور جس کی انہوں نے کھلے دل سے منظوری دی۔ انہوں نے مجھے اس بات کا اختیار دیا کہ میں اس سلسلے میں آپ کی منظوری حاصل کروں۔ کیا میں اس قابل ہوں گا کہ آپ کو اس ضمن میں قائل کر لوں گا، چونکہ حکومت نے انہیں کسی مسئلہ پر بحث کرنے کے لیے پابندی لگا رکھی ہے، اور وہ اس کے لیے کسی قسم کی رعایت دینے کے لیے تیار نہیں۔ میں ان کی طرف سے آپ کو لکھ رہا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ ہم تصفیہ کے سلسلے میں کسی نتیجے پر پہنچیں گے۔ آپ کو پتہ ہے کہ میں کتنی شدت سے اس مسئلے کا حل چاہتا ہوں۔ مجھے اس وقت انتہائی خوشی ہوئی جب میں نے ان شرائط کی منظوری گاندھی جی سے حاصل کر لی۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ بھی اس معاملے میں میرے ساتھ بھرپور تعاون کا مظاہرہ کریں گے، اور حالات کے پیش نظر ان پر غور کریں گے۔

آپ کا مخلص

سی راج گوپال اچاریہ

4 جولائی 1944ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے سی راج گوپال اچاریہ کو ایک تار دیا اور اس میں کہا گیا تھا:

''آپ کا فارمولا ورکنگ کمیٹی کو پیش کروں گا۔''

اب اس فارمولے پر ذرا مفصل نگاہ ڈالتے ہیں۔

راج گوپال اچاریہ نے یہ فارمولا 8 اپریل 1944ء کو

قائداعظم محمد علی جناح کے ہاں بھیجا جو حسب ذیل ہے:

''انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے درمیان شرائط مناسبت کی وہ اساس جس پر گاندھی جی اور مسٹر جناح اتفاق کرتے ہیں، اور جسے علی الترتیب کانگریس اور مسلم لیگ سے منظور کرانے کی کوشش کریں گے۔''

① ''تابع شرائط مندرجہ ذیل بابت دستور آزاد ہندوستان مسلم لیگ ہندوستان کے مطالبہ آزادی کی تائید وتوثیق کرتی ہے، اور عبوری دور کے لیے ایک عارضی حکومت رائج رکھنے میں کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کرے گی۔

② اختتام جنگ کے بعد ہندوستان کے شمال مغرب اور مشرق کے ان باہمہ دگر متصل اضلاع کی حد بندی کے لیے جہاں مسلمانوں کی قطعی اکثریت ہے، ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا۔ جن علاقوں کو اس صورت سے حد بندی ہو چکے گی ان میں حق رائے دہی کے مطابق تمام باشندگان علاقہ کا استصواب عام عمل میں لایا جائے گا اور اس کے نتیجے کے مطابق ان کا مقصد ہوگا کہ آیا یہ علاقے ہندوستان سے جدا ہوتے ہیں یا نہیں۔ اگر قطعی اکثریت نے ہندوستان سے الگ ایک کامل الاقتدار ریاست قائم کرنے کی موافقت میں فیصلہ کیا تو اس کا نفاذ اس صورت سے عمل میں لایا جائے گا کہ اضلاع سرحد کے اس حق کو کوئی صدمہ نہ پہنچے کہ وہ ان دونوں میں سے جس ریاست کے ساتھ چاہیں رہنے کو ملحق کر سکتے ہیں۔

③ تمام جماعتوں کو اختیار ہوگا کہ استصواب عام سے پہلے اپنے نقطہ نگاہ کی وکالت وتبلیغ کریں۔

④ اگر جدائی عمل میں آئی تو دفاع، تجارت، رسل ورسائل نیز دیگر بنیادی مقصد کے تحفظ کے لیے باہمی معاہدات ہوں گے۔

⑤ نقل سکونت کی نوبت آئی تو کامل رضا کارانہ اساس پر ہو سکے گی۔

⑥ یہ شرائط صرف اس صورت میں قابل پابندی ہوں گے کہ جب برطانوی حکومت ہندوستان پر حکومت کرنے کے پورے اختیارات اور ذمہ داریاں منتقل کردے۔

سر کرپس تجاویز کی طرح اپنے فارمولا کے لیے راج گوپال اچاریہ کی شرط یہ تھی کہ اس میں کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی۔ یا اسے قبول کیا جائے یا مسترد کردیا جائے۔ اس فارمولے کے متعلق راج گوپال اچاریہ کا خیال تھا کہ مسلم لیگ کی قرارداد کا لب لباب ہے۔

قائداعظم کا جواب

قائداعظم محمد علی جناح اپنی ذاتی ذمہ داری پر اسے نہ مسترد کر سکتے تھے نہ قبول کر سکتے تھے۔ انہوں نے 2 جون 1944ء کو جواب دیا:

''میں اسے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے سامنے پیش کروں گا۔''

راج گوپال اچاریہ نے اس کی اجازت نہ دی، اور اعلان کردیا:

''مسٹر جناح نے میرا فارمولا مسترد کردیا۔''

راج گوپال اچاریہ نے یہ مراسلہ اور فارمولا گاندھی کی ''کامل رضا مندی'' سے بھیجا تھا۔ اس سلسلے میں نواب زادہ لیاقت علی خان کے ایک مقالہ کا حصہ اس قابل ہے کہ پیش نظر رہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''اس عرصے میں مسٹر گاندھی ایک اور اہم چال چلتے رہے وہ یہ کہ وائسرائے سے مل کر کوئی سمجھوتہ کرلیں، مسٹر جناح کو اس چال سے باخبر رکھا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ مراسلات بھی جاری رہی۔''

جناح کی تقریر

17 جولائی 1944ء کو مسلم لیگ کونسل کے اجلاس لاہور میں

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک طویل تقریر کی، اور اس تقریر میں انہوں نے راجہ فارمولا پر نہایت بصیرت افروز تبصرہ کیا۔ خاص حصے درج ذیل ہیں:

''مگر اس فارمولے میں کس دستوری اساسی کا ذکر کر رہے ہیں؟ اس کے بعد یہ مطالبہ آتا ہے کہ ہم ہندوستان کے مطالبہ آزادی کی توثیق وتائید کریں۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہم اقوام ہند کی آزادی کے خلاف ہیں۔ مسٹر گاندھی اور مسٹر راج گوپال اچاریہ دونوں جانتے ہیں کہ یہ خوامخواہ کا اشارتی الزام ہے اور اس طرح گویا مسلم لیگ پر بلا وجہ ایک ناروا اتہام لگایا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ شرط آتی ہے کہ ہم عبوری دور کے لیے ایک عارضی عبوری حکومت کی تشکیل میں کانگریس کے ساتھ تعاون کریں۔ گویا کانگریس کے غلبہ وتفوق کو تسلیم کرلیں۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ عبوری دور میں کس قسم کی عارضی جمہوری حکومت قائم کی جائے گی، اس فارمولا میں اساس کی ہیئت، نوعیت، افراد ترکیبی، اختیارات کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد ہندوستان کے شمال مغرب اور مشرق کے ملحقہ اضلاع کی حد بندی کے لیے ایک کمیشن مقرر ہوگا، اور جہاں جہاں مسلمانوں کی قطعی اکثریت ہے وہاں کے تمام باشندوں سے ضلع وار استصواب ہوگا۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ کمیشن کا تقرر کون کرے گا، اور اس کی تجاویز کا نفاذ کون کرے گا؟ واقعی حیرت ہے کہ مسٹر راج گوپال اچاریہ کیونکہ اس ڈھٹائی کے ساتھ یہ عام بیان دے سکے کہ اس فارمولے میں سب کچھ منظور کرلیا گیا ہے۔ جس کو لیگ نے اپنی قرارداد مارچ میں مطالبہ کیا تھا۔ اگرچہ یہ معاہدہ صرف کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ہونا مقصود ہے لیکن تمام پارٹیوں کو اختیار ہوگا کہ استصواب عام کے موقع پر اپنے اپنے نقطہ نظر کی وکالت کریں، پھر یہ کہ علیحدگی کی صورت میں دفاع، تجارت، رسل ورسائل اور دیگر ضروری مقاصد کے تحفظ کے لیے باہمی معاہدے ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ یہ تحفظات کس کے مقابلے میں ہوں گے، اور اس سے کیا مراد ہے؟ ان باہمی معاہدوں کی پابندی واجبی قرار دی گئی ہے، اور اس وفد کی اہمیت کو سمجھنا بہت آسان نہیں ہے۔ اب آخری دفعہ آتی ہے جس میں نہایت ہوشیاری سے کام لیا گیا ہے۔ یہ شرائط صرف اس وقت قابل پابندی ہوں گی، جب برطانیہ حکومت ہند کے پورے اختیارات اور ذمہ داریاں منتقل کردے گی، لیکن اس میں یہ نہیں بتایا گیا کہ کس کو اور کب مستقل کرے گی؟''

راج گوپال اچاریہ منصوبہ

اکتوبر 1942ء میں راج گوپال اچاریہ نے ہندوستان کے بحران کو حل کرنے کے لیے اپنا نیا منصوبہ پیش کیا۔ جس میں تجویز کیا گیا تھا:

''وائسرائے کو اس طرح کا قدم اٹھانا چاہئے کہ برطانیہ میں بحران کے وقوع پذیر ہونے کی صورت میں شاہ برطانیہ کی طرف سے اٹھایا جاتا ہے، انہیں ہندوستان کے مقبول ترین اور معقول ترین رہنماؤں کا انتخاب کرنا چاہئے، جو قومی حکومت چلانے میں ان کی مدد کریں۔ پہلے کانگریس سے پانچ افراد (خواہ ان میں سے بعض جیل میں ہوں) چنے جائیں، پھر جناح کو چاہئے کہ اپنی مرضی سے نامزد کریں۔ کمتر اقلیتوں کی نمائندگی کے لیے دیگر افراد بھی شامل کیے جائیں۔''

راج گوپال اچاریہ کو یقین تھا کہ کانگریس یا لیگ ان کے منصوبے کو اپنی قیادت سے محروم ہوئے بغیر مسترد نہیں کر سکے گی۔ بہرحال قائداعظم محمد علی جناح نے فوری طور پر اسے دوسری ہوائی اسکیموں کی طرح کی ایک اسکیم قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے لیگ کونسل سے 9 نومبر 1942ء دہلی میں خطاب کرتے ہوئے خبردار کیا:

''آپ اس پروپیگنڈے سے ہوشیار رہیں جو مسلم لیگ کو بدنام کرنے کے لیے کیا جاتا ہے، کبھی انہیں ہندوستان میں برٹش امپیریلزم کا اتحادی قرار دیا جاتا ہے اور کبھی آزادی وحریت کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والے کہا جاتا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے بتایا:

''آج کل امریکہ میں اس قسم کی مہم بڑی زوروں پر ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید کہا:

''ایسے لوگوں کے بارے میں جو ملکی حالات کی لہر کی واضح طور پر پیروی کر رہے ہیں۔ ایسا الزام نہ صرف توہین آمیز ہے بلکہ خلاف واقعہ بھی۔ آج کل پروپیگنڈہ کے ایسے مکروہ طریقے نکل آئیں ہیں کہ اچھے بھلے سمجھدار آدمیوں کو گمراہ کر دیتے ہیں۔''

وہ تمام مشکلات وخطرات سے آگاہ تھے، ہر قسم کے دباؤ کو محسوس کرتے تھے اور وقت کے گزرنے کا پوری طرح شعور رکھتے تھے۔ سلسلہ خطاب جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا:

''وقت ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح اور راج گوپال اچاریہ کی ملاقات کے دو دن بعد لارڈ لنلتھگو نے جس کی بطور وائسرائے مدت تقرری اپریل 1943ء میں ختم ہو رہی تھی ایک رپورٹ میں لندن کو مطلع کیا:

''جناح نے کوئی بات نہیں مانی بلکہ اچاریہ کو اس ملاقات نے سخت مایوس کیا۔''

راجن شاہ، مخدوم

قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ مخدوم راجن کا تعلق اس وقت قائم ہوا جب انہوں نے انڈی پینڈنٹ پارٹی قائم کی، اور وہ اس کے رکن بنے۔ وہ 1878ء میں ملتان میں سید محمد ولائت شاہ جیلانی کے ہاں پیدا ہوئے۔ چھ برس کی عمر تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ابتدائی تعلیم مکاتب ومساجد میں حاصل کی، پھر سید میر جان شاہ افغانی کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ 1903ء میں میدان سیاست میں قدم رکھا اور میونسپل کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے۔ ازاں بعد وہ 1933ء تک مسلسل اس کے رکن منتخب ہوتے رہے۔ 1913ء میں نائب صدر اور 1921ء میں بلدیہ کے پہلے غیر سرکاری صدر منتخب ہوئے، اور وفات تک اس عہدے پر فائز رہے۔ 1916ء میں رائے بہادر ہری چند کے مقابلہ میں لاہور اور ملتان ڈویژن سے لیجسلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ انہوں نے اردو زبان کی ترویج کے لیے کونسل میں قرارداد بھی پیش کی۔ 1921ء میں ملتان ڈویژن سے سنٹرل اسمبلی کے رکن بنے، اور 1936ء تک منتخب ہوتے رہے۔ مخدوم راجن شاہ قائداعظم محمد علی جناح کا بے حد احترام کرتے تھے۔ انہوں نے تحریک خلافت میں بھی حصہ لیا۔ مسجد شہید گنج کے سلسلے میں ان کے کردار کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ زندگی کے آخری تین برسوں میں ذیابیطس میں مبتلا رہے۔ 3 اپریل 1936ء کو بروز جمعتہ المبارک انتقال کیا۔

(اکابر تحریک پاکستان، محمد صادق قصوری)

راجندر پرشاد

23 جنوری 1935ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے مکان واقع دہلی میں ان سے ہندو مسلم مفاہمت کے سلسلے میں مذاکرات کیے۔ یہ بات چیت کئی روز جاری رہنے کے بعد ناکام ہوگئی۔

راجندر پرشاد بہار کے ضلع میں 1884ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کیا، پھر بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اور وکالت کے پیشے سے منسلک ہو گئے۔ 1920ء میں وکالت ترک کر کے عدم تعاون کی تحریک میں کام شروع کیا۔ متعدد بار کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ 1948ء تا 1949ء جب بھارتی آئین بنا تو یہ مجلس وضع آئین کے صدر رہے۔ گاندھی کے وفادار چیلوں میں شامل تھے۔ راجن بابو عرف تھا۔ بھارت کے جمہوریہ بننے پر 26 جنوری 1950ء کو اس کے پہلے صدر بنے اور 11 مئی 1962ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔

چند کتب کے مصنف بھی تھے۔ جن ''میں تقسیم شدہ ہندوستان'' خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ہندی کا ایک ہفتہ وار اخبار دیش بھا جاری کیا۔

راجندر پرشاد نے 5 اکتوبر 1939ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے اس بات کا تذکرہ کیا کہ حال ہی میں آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے صوبائی حکومتوں کا جو حوالہ دیا، اور جس میں کہا گیا:

''اس طرح مسلم اقلیتوں پر ہندوؤں کو فوقیت حاصل ہو جائے گی، حتیٰ کہ ان کے مذہبی حقوق اور ثقافت بھی متاثر ہوگی۔ ہمیں احساس ہے کہ یہ تمام الزامات بے بنیاد اور غلط فہمی کا نتیجہ ہیں۔''

16 اکتوبر 1939ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اس خط کے جواب میں ڈاکٹر راجندر پرشاد کو اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

''میں نے تمام معاملات کو وائسرائے اور گورنر وبل کے سامنے رکھ دیا ہے، اور اسی سے درخواست کی ہے کہ وہ جلد معاملہ کی تہہ تک پہنچیں۔ یہ معاملہ وائسرائے کے زیر غور ہے، اور ان حالات میں مزید بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔''

رازداری

ایک مرتبہ قائداعظم محمد علی جناح مسلم مجلس عاملہ کے ایک طویل اجلاس سے فارغ ہو کر گھر آئے تو بہت اچھا موڈ تھا، محترمہ فاطمہ جناح نے پوچھا:

''آج کے اجلاس میں کن مسائل پر بحث ہوتی رہی؟''

قائداعظم محمد علی جناح مسکرا کر کہنے لگے:

''تمہاری نمائندہ تو بیگم محمد علی ہیں ان سے پوچھو، میں تو مردوں کی نمائندگی کرتا ہوں۔''

محترمہ فاطمہ جناح نے کہا:

''وہ تو مجھے کچھ نہیں بتاتیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے لطف لیتے ہوئے فرمایا:

''خیر ایسا تو نہ ہونا چاہئے تھا، تاہم خوشی کی بات ہے کہ انہوں نے ایسی کوئی بات تمہیں نہیں بتائی۔''

محترمہ فاطمہ جناح نے حیرت سے کہا:

''بھلا وہ کیوں؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے مسکراتے ہوئے کہا:

''وہ اس لیے کہ عورت گفتگو شروع کر دے تو اسے خاموش کرانا مشکل ہو جاتا ہے۔''

اس ذو معنی جواب پر محترمہ فاطمہ جناح مسکرا کر خاموش ہوگئیں۔ دراصل کبھی کبھی قائداعظم محمد علی جناح سیاسی فیصلوں کا ذکر اپنی ہمشیرہ سے بھی کر دیا کرتے، مگر ساتھ ہی مسکرا کر یہ بھی

کہہ دیا کرتے:

''عورتیں راز نہیں چھپا سکتیں، تم یہ راز کس طرح چھپا کر رکھتی ہو۔''

راست اقدام

(دیکھئے، یوم راست اقدام)

راست بازی میں دُرِ یکتا

نازیہ مصطفیٰ اپنے کالم میں لکھتی ہیں:

''قائداعظم کی شخصیت ہی ایسی تھی کہ جس نے انہیں قریب سے دیکھا یا دور سے ان کے عمل کا مشاہدہ کیا، وہ بس انہی کا ہو کر رہ گیا، یہی وجہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کو صرف اپنے ہی نہیں بلکہ بیگانے بھی خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مثال کے طور پر سابق اطالوی حکمران مسولینی نے قائداعظم کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

''یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جناح جیسی تاریخ ساز شخصیت کہیں صدیوں میں جا کر پیدا ہوتی ہیں۔''

لارڈ سٹرابولگی یوں رقم طراز ہوا:

''قائداعظم نے صحیح قیادت دے کر واشنگٹن، گیری، بالڈوگ اور بسمارک سے بھی بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔''

انڈونیشیا کے سابق وزیراعظم ڈاکٹر سلطان شہریار نے لکھا:

''مقناطیسی شخصیت رکھنے والے مسٹر جناح کی جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ ان کی خود اعتمادی اور صاف گوئی ہے۔''

برطانیہ کے سابق وزیراعظم لارڈ ایٹلی نے ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا:

''قائداعظم کا بے مثل جذبہ حریت اور شبانہ روز محنت ہی وہ سرمایہ تھا جس نے پاکستان جیسے عظیم ملک کی بنیاد ڈالی۔''

سابق امریکی صدر ہینری ٹرومین نے عقیدت کے پھول کچھ یوں نچھاور کیے:

''دولت پاکستان کا معمار، دنیا میں سب سے بڑی اسلامی مملکت کا بانی اور حق بات کہنے اور منوانے والا اب اس دنیا میں دوبارہ نہیں آئے گا۔''

لارڈ ماؤنٹ بیٹن جیسے انگریز کا خراج تحسین سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے، لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا:

''مسلمانان ہند کی اکیلے ناؤ کھینچنے والا اتنا بلند کردار اور قومی لیڈر شاید ہی مسلمانوں میں دوبارہ پیدا ہو۔''

سابق برطانوی وزیراعظم سرونسٹن چرچل نے قائد اعظم کو ایک بہترین سیاستدان اور دنیا کا ذہین وفطین لیڈر قرار دیا۔ سابق وائسرائے ہند لارڈ ویول نے کہا:

''مسٹر جناح اپنے ارادوں میں اور اپنی رائے میں بے حد سخت تھے، ان کے رویے میں کوئی لچک نہیں پائی جاتی تھی، اور وہ مسلم قوم کے مخلص راہنما ہی نہیں بلکہ سچے وکیل بھی تھے۔''

مشہور فلسفی لارڈ رسل نے کہا:

''میں اپنی زندگی میں جس شخص سے سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ محمد علی جناح کی ذات تھی۔''

اور تو اور سابق بھارتی وزیراعظم جواہر لال نہرو نے ان الفاظ کی مالا پیش کی:

''میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ محمد علی جناح کسی قیمت پر خریدے نہیں جا سکتے تھے۔''

گاندھی جی نے ایک مرتبہ کہا:

''قائداعظم کی تقریر سے اندازہ لگایا ہے کہ انہیں ہندوؤں

سے کوئی پرخاش نہیں ہے، وہ ان کے ساتھ پُرامن زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں، میں جانتا ہوں کہ آپ کو مسلم عوام پر بے نظیر قابو حاصل ہے، آپ سیرت و کردار کی ان بلندیوں پر ہیں جہاں کوئی لالچ، کوئی خوف اور کوئی طعنہ آپ کو اپنی رائے سے نہیں ہٹا سکتا۔''

ماسٹر تارا سنگھ کی زبان سے نکلا:

''قائداعظم نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی غلامی سے بچالیا۔''

اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبید کر نے کہا:

''جناح صاحب کے بڑے بڑے دشمنوں کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ کسی بھی قیمت پر خریدے نہیں جا سکتے تھے، اور یہ بات ہے کہ مسٹر جناح اپنے ارادوں میں پختہ اور اپنی رائے میں سخت تھے لیکن ان کے رویہ میں کبھی کوئی لوچ نہیں دیکھا گیا۔''

قارئین کرام! قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کی اس سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہو سکتی ہے کہ علامہ عنایت اللہ المشرقی جیسے مخالفین بھی ان کی شان میں رطب اللسان ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ المشرقی نے کہا:

''محمد علی جناح کا عزم پائندہ اور محکم تھا، وہ ایک جری اور بے باک سپاہی تھے، جو مخالفین سے ٹکرانے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے تھے۔''

مولانا ابوالکلام آزاد کی زبان سے سچ کچھ یوں نکلا:

''محمد علی جناح بے حد جذباتیت کو پسند نہیں کرتے تھے، وہ ہر مسئلے کا ٹھنڈے دماغ سے جائزہ لیتے تھے اور یہی ان کی کامیابی کا سب سے بڑا راز تھا۔''

کشمیر کے رہنما شیخ عبداللہ نے کہا:

''قائداعظم کو اپنے مقصد میں جو اس قدر محیر العقل کامیابی حاصل ہوئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک سچے مسلمان تھے، انہوں نے قوم کے مفاد کی حفاظت کا فریضہ پوری تندہی سے انجام دیا اور وہ ہمیشہ انصاف و دیانت کے مسلک پر کاربند رہے۔''

جی ہاں! سچ تو یہی ہے کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ جیسا راست بازی میں در یکتا، اندر اور باہر یکساں اجلا، انگریزی زبان کا درجہ اول کا مقرر اور کمزور جسم و جاں کے ساتھ بارعب شخصیت رکھنے والا دوسرا لیڈر مسلمانان برصغیر میں دوبارہ پیدا نہیں ہوا۔ اگر پاکستان کو قائداعظم جیسا ایک لیڈر اور مل جاتا تو مملکت خداداد کو حقیقی معنوں میں ''پاکستان'' بننے سے کوئی نہ روک سکتا تھا۔

(اشاعت روزنامہ نوائے وقت، 25 دسمبر 2013ء)

راسخ العقیدہ مسلمان

قائداعظم محمد علی جناح کے پرائیویٹ سیکرٹری کے ایچ خورشید کی اہلیہ محترمہ مسز ثریا خورشید کو محترمہ فاطمہ جناح کے پرائیویٹ سیکرٹری ہونے کا شرف حاصل ہوا، اور انہوں نے مادرملت پر ایک کتاب ''محترمہ فاطمہ جناح کے شب و روز'' لکھی۔ اس کے صفحہ نمبر 168 پر تحریر ہے کہ مس فاطمہ جناح نے فرمایا:

''بچے کو بنیادی طور پر اپنے مذہب سے لگاؤ ہونا چاہیے۔ بچپن میں اس کے دل میں مذہب کی محبت اسے کبھی بھٹکنے نہ دے گی۔ اب قائداعظم کے مخالف ہمیشہ انہیں مغربی تہذیب کا دلدادہ سمجھتے تھے۔ ان کی خوش پوشی سے انگریزی بولنے کی مہارت سے غلط اندازے سے لگائے جاتے تھے، لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ قائداعظم صحیح راسخ العقیدہ مسلمان تھے، اور انہیں اپنے مذہب سے والہانہ عقیدت تھی۔ اس لیے ہندو انہیں خرید نہ سکا، اور نہ ہی انگریز کو یہ جرأت ہوئی کہ

ان کے نظریات بدل سکے۔ اس کے باوجود انہوں نے کبھی ایک مذہبی پیشوا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔"

قائداعظم محمد علی جناح ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے، اور انہوں نے پوری زندگی اسلامی تعلیمات کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ چند واقعات حاضر خدمت ہیں۔

◆ ۱ قائداعظم محمد علی جناح جب لندن میں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کر رہے تھے تو اس دوران وہ لندن کی رنگا رنگ زندگی سے متعارف ہوئے تو اسلامی اقدار نے انہیں ہر قسم کی آلودگی سے پاک رکھا۔ سعید ارشاد اپنی کتاب "قائداعظم گفتار و کردار" میں بیگم نصرت عبداللہ ہارون کے حوالے سے یہ واقعہ لکھتے ہیں:

"لندن میں کرسمس کے موقع پر طلبا وطالبات ایک کھیل کھیل رہے تھے اور کھیل کی شرط یہ تھی کہ جیتنے والے لڑکے یا لڑکی کو دوسرے ساتھیوں کی ایک ایک فرمائش پوری کرنا تھی۔ جب جناح کھیل جیت گئے اور فرمائش پوری کرنے کا وقت آیا تو ساتھیوں نے اصرار کیا کہ سرخ بالوں والی لڑکی کا ہاتھ تھام کر اس کے ساتھ رقص کیجئے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے یہ فرمائش پوری کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا:

"اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا میں اپنی بیوی کے سوا کسی عورت کا نہ ہاتھ تھاموں گا اور نہ اس کے ساتھ رقص کروں گا۔"

◆ ۲ یکم مارچ 1941ء کو قائداعظم محمد علی جناح لاہور تشریف لائے، اسلامیہ کالج گراؤنڈ میں تقریر فرمائی اور اسی شام مقامی ہوٹل میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے گارڈن پارٹی کا اہتمام کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح جونہی لان میں داخل ہوئے۔ بہت سے نوجوان فرط محبت سے آگے بڑھے، اور ایک نوجوان عقیدت سے ان کے گھٹنے چھونے لگا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس عقیدت مند کو اوپر اٹھاتے ہوئے فرمایا:

"مائی بوائے، صرف خدائے بزرگ و برتر کے سامنے جھکنا آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔"

پاس کھڑے پرنسپل خواجہ دل محمد نے کہا:

"سر یہ محبت ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اٹھا کر تین مرتبہ تاکید سے کہا:

"صرف خدائے بزرگ و برتر کے سامنے جھکنا چاہئے اور کسی کے آگے نہیں۔"

راش بہاری گھوش

آل انڈیا نیشنل کانگریس کا 23 واں سالانہ اجلاس 1907ء میں سورت میں ہوا۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ انہوں نے بھی شرکت کی یہ اس اعتدال پسند گروہ میں شامل تھے۔ جس کے رہنما گوپال کرشنا گوکھلے تھے۔ اجلاس کی صدارت بھی راش بہاری گھوش نے کی تھی۔ دسمبر 1908ء کانگریس کا 23 واں ملتوی شدہ اجلاس مدراس میں منعقد ہوا تو اس کی صدارت راش بہاری گھوش نے کی اور اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے بھی شرکت کی۔

راشدی، پیر علی محمد

مارچ 1940ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے عبداللہ ہارون کمیٹی بنائی تھی۔ پیر علی محمد راشدی اس کمیٹی کے ایک رکن تھے۔ علی محمد راشدی 5 اگست 1905ء کو مہمن گوٹھ (میر پور خاص) میں پیدا ہوئے۔ کسی باقاعدہ کالج اور سکول میں تعلیم حاصل نہ کی۔ نو برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کیے۔ سولہ برس کی عمر میں شاعری کی بدولت ان پر ہتک عزت کا مقدمہ دائر ہوا اور اس مقدمہ سے فراغت کے بعد ہمیشہ کے لیے شاعری

قائداعظم آل انڈیا مسلم لیگ کے رہنماؤں کے ساتھ

سے توبہ کرلی۔ بمبئی کرانیکل اور سندھ آبزرور کی ادارت بھی کرتے رہے۔

1935ء تا 1955ء صوبہ سندھ کے وزیر مال، وزیر صحت اور نائب وزیر اعلیٰ کے عہدوں پر کام کیا۔ مرکزی کابینہ میں وزیر اطلاعات کی حیثیت سے کام کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے حکومت میں امیر خسرو کے سات سو سالہ جشن کے سلسلے میں قائم ہونے والی کمیٹی کے رکن تھے۔

انہوں نے 1987ء میں وفات پائی۔

راشدی جناح مراسلت

25 جولائی 1939ء

ڈیئر مسٹر جناح!

مجھے سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون نے لاہور بھیجا ہے تاکہ میں مسلم لیگ کے اگلے اجلاس کے انتظامات کرنے کے سلسلے میں لاہور کے کارکنوں کی مدد کروں۔ استقبالیہ کمیٹی اس سے پہلے ہی تشکیل دی جاچکی ہے، اور اب میں ان کے لیے دفتر کا انتظام کررہا ہوں۔ ان میں سب سے ذمہ دار شخص بہت ہچکچاہٹ ظاہر کررہا ہے لیکن میں ایسے برے ماحول میں اچھے سے اچھا نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔

آپ نے اخبارات میں سر یعقوب کا بیان پڑھ ہی لیا ہوگا۔ پرسوں جب وہ لاہور سے گزر رہے تھے، اس وقت مقامی مسلمانوں نے ان کے خلاف سیاہ جھنڈے لے کر مظاہرہ کیا، وہ اس پر اتنا پریشان نظر آنے لگے کہ انہوں نے آنسو بہانا شروع کردیے۔ میں اس واقعہ کی خبر کے بارے میں مقامی اخبارات کے تراشے اور ان کی تردید بھی منسلک کررہا ہوں۔

میں عنقریب آپ کو اس کام کا ایک خاکہ بھیج دوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ پنجاب کے لیڈر مذکورہ اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے اس پر عمل کریں۔

سر عبداللہ ہارون نے ہم لوگ جو پنجاب میں کام کررہے ہیں، ان کو مشورہ دیا ہے کہ ہندوستان کے شہزادوں، اقلیتی رہنماؤں، برطانیہ میں سیاسی پارٹیوں کے نمائندگان، بیرونی مسلم ممالک میں مسلمانوں کے نمائندگان اور کچھ بیرونی اخبارات کے بڑے مالکان کو دعوت دی جائے کہ وہ اجلاس میں معزز مہمانوں کی حیثیت سے شرکت کرسکیں۔ اس تجویز کے پس پردہ یہ خیال ہے کہ اولاً کانگریس کے خلاف تمام پارٹیوں کے ساتھ گہرا رابطہ پیدا کیا جائے، اور دوم یہ کہ ان ممالک کو اس قوت سے متاثر کیا جائے جس کا مجھے یقین ہے کہ آپ کا ہاتھیوں پر جلوس اور اجلاس دونوں سے ظاہر ہوگا۔ یہ بات کانگریس کے اس اقدام کا جواب ہوگی جو انہوں نے گذشتہ اجلاس کے موقع پر مصریوں کو بلا کر کیا تھا۔ یہ پروپیگنڈے کے لحاظ سے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہوگا۔ اس سلسلے میں مجھے آپ سے قطعی احکام کی ضرورت ہے۔ اگر آپ اس تجویز سے اتفاق کرتے ہیں تو براہ کرم مجھے میرے لاہور کے پتے پر اس کے بارے میں جواب دیجئے جو اوپر درج ہے۔

نیک تمناؤں اور احترام کی ساتھ

آپ کا مخلص

علی محمد ایچ راشدی

سیکرٹری۔ فارن سب کمیٹی کل ہند مسلم لیگ

راغب احسن، علامہ

قائداعظم محمد علی جناح انہیں مسلمانوں کا عمدہ سپاہی کہتے تھے، اور ان سے اہم قومی امور میں مشورہ لیتے تھے۔ 15 جون 1946ء کو دہلی اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے علامہ راغب احسن کے بارے میں فرمایا:

''کروڑوں ہیں جو میرے اندھے مقلد ہیں۔ لاکھوں ہیں جو میری تائید کرتے ہیں۔ لاکھوں ہیں جو میرے

لیے سرگرمی سے کام کرتے ہیں، لیکن ہندوستان کے طول وعرض میں مسلم لیگیوں میں صرف ایک راغب احسن ہیں جو اسلام اور پاکستان کے اصول کی محبت میں مجھ پر بیباکی کے ساتھ تنقید کی جراُت کرتے ہیں۔ پاکستان کے نصب العین کی خاطر وہ مجھ پر سخت ترین گرفت کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ وہ مجھ کو چاہتے ہیں لیکن مجھ سے زیادہ اسلام اور پاکستان کو چاہتے ہیں۔ راغب احسن لیگ اور تحریک پاکستان کے زندہ ضمیر ہیں اور راغب احسن پر مجھے فخر ہے۔''

حسین شہید سہروردی انہیں پاکستان کا ''ٹینک فورس'' کہا کرتے تھے۔ راغب احسن ضلع گیا میں 1905ء میں خلاف کمیٹی میں شمولیت کر کے کیا وہ جیل بھی گئے۔ علی پور کی جیل میں ان کی ملاقات کلکتہ کارپوریشن کے اس وقت کے میئر محمد عثمان سے ہوئی۔ ان دونوں نے عہد کیا کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کریں گے، اور انگریزی کی حمایت کرنے کی بجائے اس کے خلاف جہاد کریں گے۔ چنانچہ رہائی کے بعد ایم اے کیا۔ سٹار آف انڈیا کے ادارہ تحریر میں شامل ہوگئے۔ جب سر شفاعت احمد نے الٰہ آباد سے انگریزی ہفت روزہ سٹار جاری کیا تو وہ اس کے ادارہ تحریر میں شامل ہوگئے۔

راغب احسن نے اپنی پوری زندگی مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور انہیں اقوام عالم میں صحیح مقام دلانے میں صرف کی۔ تقسیم سے قبل وہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے رکن تھے، جہاں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہے اور قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ مل کر انہیں انگریز کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ 1931ء میں انہوں نے آل انڈیا یوتھ لیگ کی بنیاد رکھی، اور اسی اثناء میں میثاق فکر اسلامیت واستقلال ملت کے نام سے ایک فکر انگیز دستاویز مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے مرتب کی۔ 1936ء میں کلکتہ مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے انہیں سیف الملت کا لقب دیا تھا۔ 1964ء یا 1965ء میں مادرملت محترمہ فاطمہ جناح کے صدارتی انتخاب میں مشرقی پاکستان میں بہت کام کیا۔ 1957ء میں اسلامک لاء کمیشن کے رکن بنائے گئے۔ سنٹرل اقبال کمیٹی کے نائب صدر اور سلمان ندوی اکیڈمی آف اسلام کراچی کے بنیادی ممبر تھے۔ 70 برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

راغب احسن جناح مراسلت

لعل گیبز روڈ مالابار ہل بمبئی
یکم اگست 1937ء

ڈیئر مسٹر راغب احسن!

آپ نے جو تراشہ بھیجا ہے اس کا بہت بہت شکریہ، اور میں آپ کا ممنون ہوں۔ میں آپ کا اس واسطے بھی ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے بنگال کی سرزمین کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ میں ہمیشہ ہر اس اطلاع یا مدد کا خیر مقدم کروں گا جو آپ فراہم کریں۔ کسی تعارف کی بالکل ضرورت نہیں۔

فلسطین کے متعلق جہاں تک آپ کی تجویز کا تعلق ہے جو غور وفکر چاہتی ہے، اور میں دیکھوں گا کہ اس معاملہ میں کیا کچھ کیا جاسکتا ہے۔

آپ کا مخلص
دستخط ایم اے جناح
راغب احسن ایم اے
معرفت اسٹار آف انڈیا 3-ویلزلی
پیلس کلکتہ

مالابار ہل
بمبئی
20 جنوری 1939ء

ڈیئر مسٹر احسن!

آپ کا خط محررہ 13 جنوری 1939ء کا بہت بہت شکریہ، جس کے ساتھ امرت بازار پتریکا کا تراشہ بھیجا گیا۔ جہاں تک گاندھی اور آغا خان کی ملاقات کا تعلق ہے۔ مجھے حقیقتاً اس امر کا علم نہیں کہ اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا جائے، لیکن چونکہ آپ اس معاملے سے نمٹنے کے لیے بنگال کے لیڈروں سے مشورے کر رہے ہیں اور یہ قصہ بنگال ہی سے شروع ہوا ہے۔ اس لیے دیگر لوگوں کے مقابلے میں آپ لوگ ہی اس معاملہ سے بہتر طور پر نمٹ سکتے ہیں۔

آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے

آپ کا مخلص

دستخط ایم اے جناح

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابار ہل بمبئی

11 دسمبر 1939ء

ڈیئر مسٹر راغب احسن!

مجھے آپ کے 7 اور 8 دسمبر کے خطوط ملے، اور ان کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں، اگر آپ کو مشورہ دیا جائے تو آپ کے لیے اس بات میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ آپ اس مجوزہ قرارداد میں کچھ اضافہ کریں، جو میں نے 22 تاریخ کے اجلاس کے لیے بھیجی ہے۔ درحقیقت یہ بات بار بار صاف کہی جا چکی ہے کہ مسلم لیگ وفاقی اسکیم کے خلاف ہے، اور مسلم لیگ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ کانگریسی حکومتوں والے صوبوں میں آئین ناکام ہو چکا ہے۔

مسٹر صدیق کے طرزِ عمل کے متعلق معاملہ پر احتیاط سے غور کیا جانا ہوگا۔ آپ نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا ہے مجھے اس سے بالکل اتفاق ہے۔

جہاں تک آپ کی درخواست کا تعلق ہے، جس میں آپ نے مجھ سے کہا ہے میں 29، 30 اور 31 تاریخوں کو ہونے والی تعلیمی کانفرنس میں شرکت کروں مجھے ڈر ہے کہ اپنی مصروفیات کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسا کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہوگا، لیکن آپ کی ہر کامیابی کا متمنی ہوں۔

راغب احسن! آپ کا مخلص

8-زکریا اسٹریٹ کلکتہ ایم اے جناح

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابار ہل بمبئی

12 دسمبر 1940ء

ڈیئر مسٹر راغب احسن!

مجھے ابھی ابھی آپ کا وہ خط ملا ہے جس کے ساتھ اخبار کے تراشے منسلک ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ بنگال بخوبی ہوشیار ہے، اور انہوں نے مسٹر فضل الحق کی تازہ ترین تحریک کو سمجھ لیا ہے۔ مجھے اس بات سے اتفاق ہے کہ یہ نہایت ہی غیر عاقلانہ بات ہے، اور مسلمانوں کے مفاد کے لیے مضر رساں ہے۔ اس نے پہلے ہی بڑی غلط فہمی پیدا کر دی ہے، اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم قیادت منقسم ہے حالانکہ ہم چاہتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان پوری طرح متحد طور سے مسلم لیگ کے پشت پناہ ہیں۔

ایس راغب احسن صاحب آپ کا مخلص

8-زکریا سٹریٹ کلکتہ ایم اے جناح

ایچ بی کوئن ایلزبتھ

بالمقابل جی پی او سری نگر کشمیر (غیر مطبوعہ)

13۔ جون 1944ء

ڈیئر مسٹر راغب احسن!

3 اور 5 جون کے خطوط کا شکریہ قبول کیجئے۔ میں نے وہ متعدد نکات نوٹ کر لیے ہیں جن کی آپ نے میری لیے نشاندہی کی تھی۔ مجھے امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

التفات کے ساتھ

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

راغب احسن 2/7اے حیات خاں
کین ایمرسٹ سٹریٹ کلکتہ

10 اورنگ زیب روڈ نیو دہلی

20 اپریل 1943ء

ڈیئر مسٹر راغب احسن!

مجھے آپ کا 16 اور 17 مارچ اور 15,14 اور 16 اپریل کے خطوط ملے جن کا میری طرف سے شکریہ قبول کریں۔ میں آپ کا اس لیے بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے وافر معلومات مہیا کی ہیں جن پر میں غور کر رہا ہوں۔

سید راغب احسن
8 زکریا سٹریٹ کلکتہ

آپ کا مخلص
ایم اے جناح

(بحوالہ روزنامہ جنگ کراچی 11 ستمبر 1978ء)

ریڈی منی لاج

ماتھران

2 جون 1945ء

مجھے آپ کا 24 مئی 1945ء کا خط ملا، اور میں نے ان مختلف تجویزوں کو نوٹ کر لیا ہے، جو آپ نے اس سلسلہ میں پیش کی ہیں، لیکن جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میں فی الحال مسلم لیگ کی تنظیم میں اپنی پوری سرگرمیاں انجام دینے سے معذور ہوں اور بنیادی طور پر جن معاملات کا آپ نے اپنے خط میں حوالہ دیا ہے۔ان کا تعلق مجلس عمل سے ہے، جو میرے خیال میں آج کل بنگال میں ہے۔اس نے بنگال کا دورہ کیا اور آسام کو گئی ہے۔آپ نے بعض معاملات کا ذکر کیا ہے جو بہت اہم ہیں، لیکن انہیں آخری فیصلہ کرنے سے پہلے آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے سامنے پیش کیا جانا چاہئے، لیکن میں فرض کرتا ہوں کہ آپ نے اور دیگر حضرات نے اس معاملہ پر مجلس عمل سے تبادلہ خیال کیا ہے، اور میں ان کا ردعمل معلوم کرنا چاہوں گا، بہرحال میں نے آپ کے نکات نوٹ کر لیے ہیں۔

میں یقیناً بنگال لیگ کے منشور کے مسودہ کا انتظار کروں گا۔ جس کے بارے میں سمجھتا ہوں کہ آپ تیار کر رہے ہیں، اور مجھے بھیجیں گے۔

راغب احسن صاحب
8 زکریا اسٹریٹ کلکتہ

آپ کا مخلص
دستخط ایم اے جناح

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابار ہل بمبئی (ذاتی اور پرائیویٹ)

11 ستمبر 1940ء

ڈیئر مسٹر راغب احسن!

مجھے آپ کا خط مورخہ 7 ستمبر مل گیا مجھے آپ کے صدارتی خطبہ کے تین پیکٹ مل گئے، اور میں نے ورکنگ کمیٹی کے ارکان میں وہ تقسیم کر دیے۔

ذاتی طور پر میں مسٹر راج گوپال اچاریہ کی دلیرانہ پیش کش کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، میں نہیں سمجھتا کہ اس پر سنجیدہ توجہ کی ضرورت ہے۔ جب کہ بالکل واضح ہے کہ یہ پیشکش اول تو پیشکش نہیں کیونکہ مسٹر راج گوپال اچاریہ کہتے ہیں کہ اگر یہ مسٹر ایمرے (Amery) کے لیے قابل قبول ہو تو پھر وہ کانگریس کو آمادہ کرنے کی کوشش کریں گے، پھر میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص اس کے بارے میں تجاویز کیوں پیش کرے۔ اصل میں اس کا مقصد عوام کو اور انگلستان میں پریس کو غیر ممالک جیسے امریکہ کو گمراہ کرنا ہے۔ ابھی تک کانگریس نے مسلم لیگ کو کوئی پیشکش نہیں کی، جب بھی کبھی اس کی طرف سے کوئی پیشکش موصول ہوگی تو ہم سب سے زیادہ توجہ کے ساتھ اس پر غور کریں گے۔

مشفقانہ احترام کے ساتھ

آپ کا مخلص
دستخط ایم اے جناح

راک لینڈ گیسٹ ہاؤس

یہ حیدرآباد دکن میں قائداعظم محمد علی جناح کی قیام گاہ تھی۔

راہِ جہاد

یہ 1946ء کا زمانہ تھا۔ حالات انتہائی نامساعد صورت اختیار چکے تھے۔ سیاسیات ہند نے ایک نئی کروٹ لی تھی۔ مسلمانوں کا جوش وخروش وہی تھا۔ وہ مطالبہ پاکستان اور حصول پاکستان کے لیے سردھڑ کی بازی لگانے پر تل گئے تھے۔ ایسے میں قائداعظم محمد علی جناح نے انگریزوں کی وعدہ خلافی اور کانگریس کی طرف سے مسلم لیگ کو مقابلہ کی دعوت اور مشن پلان کی نامنظوری سے پیدا ہونے والی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے مسلم لیگ کونسل کا اجلاس طلب کیا۔ اس موقع پر انہوں نے اپنے حامیوں کو بتایا:

''میں یہ بات بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ مذاکرات کے دوران تینوں فریقوں میں سے لیگ نے ایک باوقار تنظیم کے طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا۔ ہم نے نیک نیتی سے کام کیا۔ مسلم لیگ وہ واحد فریق ہے جو ان مذاکرات سے وقار اور صاف ہاتھوں کے ساتھ سامنے آیا ہے۔''

ہاتھوں کا صاف ہونا ان کے نزدیک ہمیشہ ان کے نزدیک ایک بنیادی خوبی رہی، وہ ایک ایسے سرجن کے آپریشن روم میں داخل ہونے سے پہلے قطعی تیاری کی علامت لگتے تھے جہاں ناقابل علاج مریض جراحت کے انتظار میں لیٹا ہوا ہو۔

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''انقلابی چیر پھاڑ سے کم کوئی چیز کام نہیں دے گی جبکہ برطانیہ عظمیٰ کا وفد بھی اپنے عہد سے مکر گیا۔ اس کانگریس کے سامنے جھک گیا اور بے بسی کا اظہار کیا جس میں نہ تو شائستگی ہے نہ ہی عزت کا احساس اور جرأت ہے۔''

تقریر جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا:

''یہ تمام حقائق معمولی شک وشبہ کے بغیر واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ ہندوستان کے مسائل کا واحد حل پاکستان ہے، جب تک کانگریس اور گاندھی یہ دعویٰ کرتے رہیں گے کہ وہ سارے ہندوستان کی نمائندگی کرتے ہیں، جب تک وہ ان سچے حقائق اور قطعی صداقت کا انکار کرتے رہیں گے کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد بااختیار تنظیم ہے، اور جب تک وہ اس شیطانی حلقہ میں اسیر رہیں گے نہ مفاہمت ہوسکتی ہے اور نہ آزادی مل سکتی ہے۔ اب مسٹر گاندھی ایک عالمگیر مشیر کی حیثیت سے بولتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کانگریس اہل ہند کے لیے ٹرسٹی کا درجہ رکھتی ہے۔ ہمیں ایک ایسے ٹرسٹی کا خاصہ تجربہ ہے جو گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے یہاں موجود ہے۔ ہم کانگریس کو اپنا امین (ٹرسٹی) نہیں بنانا چاہتے۔ اب ہم بالغ ہوگئے ہیں۔ مسلمانوں کی واحد ٹرسٹی مسلمان قوم ہے۔''

اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے کرپس پر الزام لگایا:

''اس نے دارالعوام میں بحث کے دوران مشن کے متعلق سادہ تعریفات سے صاف بچ نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے الفاظ کی جادوگری کا سہارا لیا اور ایوان کو گمراہ کیا۔''

اس پر اضافہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنے اس چرکے کا ذکر کیا جو شاید ان کے نزدیک سب زخموں سے گہرا تھا۔

''مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ سر اسٹیفورڈ کرپس نے اپنی قانونی صلاحیت کی قدرومنزلت کم کرلی ہے۔''

لارڈ پیتھک کے متعلق جس نے دارالامراء میں مطلع کیا تھا:

''جناح کو مسلمانوں کی نمائندگی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔''

انہوں نے بہ آواز بلند کہا:

''میں کوئی بنیا نہیں ہوں۔ میں تیل کے لیے مراعات کا مطالبہ نہیں کر رہا۔ نہ ہی بنیے کی طرح چیزوں کی قیمت کے بارے میں حجت اور مول تول کر رہا ہوں۔''

اپنے آباؤ اجداد اور تاجر قوم کے کاروبار کو انہوں نے جس شدت سے مسترد کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذاکرات کا خاتمہ کے بعد وہ خود کو کس قدر فریب خوردہ سمجھ رہے تھے۔ کٹر مسلمانوں کے سامنے، جن کے لیے تجارت، بیوپار اور سود اس طرح قابل نفرت تھے، جیسے سور کا گوشت اور شراب۔ انہوں نے فخر کے ساتھ خود کو مول تول کرنے والے بنیا کا اس طرح مخالف ظاہر کیا جیسے مستند سنی ملا کرتے ہیں۔ برطانیہ کے قانون عامہ پر ان کا یقین جس نے اب تک کرپس، لارنس، ریمزے میکڈانلڈ، مورلے اور گلیڈ سٹون سے ان کا تعلق قائم کر رکھا تھا۔ وہ پارہ پارہ ہو گیا۔ ذاتی مفاد کا سیل رواں جو شملہ کی ہمالیاتی بلندیوں سے بہتا ہوا آیا، ان کے اعتماد کو بہا کر لے گیا اور وہ ان سب سے بری طرح بدظن ہو گئے۔

رائٹر

22 مئی 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے گلوب رائٹر کے نامہ نگار ڈون کیمبل مقیم ہندوستان کو ایک انٹرویو دیا تھا۔ اس انٹرویو میں انہوں نے کہا:

''پاکستان کے مجوزہ دونوں بازوؤں یعنی مشرقی اور مغربی پاکستان کو ملانے کے لیے ہندوستان کی سرزمین پر ایک گزرگاہ دی جائے۔''

رائل ایئر فورس

انگریزوں کے لیے ہندوستان کو نوآبادی کے طور پر برقرار رکھنا بڑا اہم تھا، اور اس کی سلامتی کو اولین حیثیت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ شمال مغربی علاقوں کے سرکش قبائل کو بھی خاموش رکھنا، اور افغانستان کی غیر جانبداری کو بھی برقرار رکھنا نیز پہلی عالمی جنگ کے دوران نہ صرف رائل ایئر فوس کی آمد ہوئی بلکہ اس جنگ نے ہندوستان کے عوام میں جنگ میں شرکت کا احساس و شعور بیدار کر دیا، اور وہاں کے رہنماؤں جن میں قائداعظم محمد علی جناح اور پنڈت نہرو سرفہرست تھے۔ ایک نیا مطالبہ پیش کیا اور وہ یہ تھا:

''ہندوستان کے دفاع کی ذمہ داری ہندوستانی عوام کا حق ہے، اور ہندوستانی باشندوں پر مشتمل افسروں کی ایک کور قائم ہونی چاہئے۔''

اگرچہ 1914ء میں اس کام کا آغاز رائل فلائنگ کور کی تشکیل سے ہو چکا تھا، اور پھر ہندوستان میں رائل ایئر فورس بھی آ گئی، جس نے سیتاپور میں مرکزی تربیت گاہ پرواز کی داغ بیل ڈال دی۔ فلائنگ کور کو سرحد اور بلوچستان کے قبائل کے خلاف استعمال کیا گیا۔

تاہم 1925ء میں حکومت ہند نے اس وقت کے چیف آف جنرل سٹاف سر اینڈ رلوکین کی زیر صدارت ایک کمیٹی تشکیل دی تا کہ ہندوستانی باشندوں کو بری فوج کے افسروں کی کور کے باقاعدہ اراکین کے طور پر لیے جانے کے سوال کو زیر غور لا جا سکے۔ کمیٹی نے بھارتی فوج کے فضائی بازو کے قیام کی بھی سفارش کی، اور 1928ء میں حکومت ہند نے اصولی طور پر ایک علیحدہ فضائی فوج کی ضرورت کو محسوس کر لیا۔

رائل پاکستان ایئر فورس کالج

(دیکھئے: رسالپور)

راؤ بہادر شرما

جب امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں 1919ء میں رولٹ بل پر بحث ہوئی تو انہوں نے دوران بحث 13 مارچ کو یہ وضاحت طلب کی:

بل کی شق نمبر 2 میں انقلابی تحریک کا جو لفظ استعمال ہوا ہے، اس پر سر جارج لائڈ لیس نے کہا کہ انقلابی اور نارکسٹ کے لفظ بل میں لغوی معنی میں استعمال کیے گئے ہیں اور اسی وجہ سے ان الفاظ کی تشریح بل کے ساتھ منسلک نہیں کی گئی، قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی ترمیم کی حمایت کرتے ہوئے کہا:

''کونسل کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ تمام ایسی خامیوں کی نشاندہی کرے جن کو سلیکٹ کمیٹی نے نظر انداز کر دیا ہے۔''

راؤ، بی این

وہ بین الاقوامی عدالت کے جج اور کشمیر کے وزیراعظم تھے، انہوں نے 3 جولائی 1944 کو قائداعظم محمد علی جناح کے دورہ کشمیر کے دوران سری نگر کے سرکاری گیسٹ ہاؤس نمبر 4 میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔

بی این راؤ 1887ء میں پیدا ہوئے۔ مدراس اور کیمبرج میں تعلیم حاصل کی۔ 1910ء میں انڈین سول سروس میں شامل ہوئے۔

1919ء تا 1920ء مرشد آباد کے ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج رہے۔ 1925ء تا 1933ء آسام کے سیکرٹری قانون اور کمشنر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، اس کے بعد 1944ء میں سبکدوش ہوئے۔ اسی سال انہیں کشمیر کا وزیراعظم مقرر کیا گیا۔ اقوام متحدہ میں بھارت کے مستقل مندوب بھی رہے۔ 1953ء میں ان کا تقرر بین الاقوامی عدالت کے جج کی حیثیت سے ہوا۔ ان کا انتقال دسمبر 1953ء میں ہوا۔

رپن لارڈ

2 اگست 1909ء کو انجمن اسلام بمبئی کے زیر اہتمام مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے جو جلسہ منعقد ہوا، اس میں شیخ فتح علی نے ایک قرارداد پیش کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس قرارداد کی حمایت کی۔ یہ قرارداد لارڈ رپن کی وفات کے سلسلے میں پیش کی گئی۔

رتن بائی

قائداعظم محمد علی جناح کی اہلیہ تھیں۔ قائداعظم محمد علی جناح سے شادی کے وقت ان کی عمر اٹھارہ برس تھی وہ پارسی رہنما سر ڈنشا پیٹ کی صاحبزادی تھیں۔ اس وقت قائداعظم محمد علی جناح کی عمر 41 برس تھی۔

جی الانہ نے اپنی انگریزی کتاب "A Story of Nation" میں ان کے بارے میں یہ تاثرات پیش کیے:

''مسز جناح بڑے رکھ رکھاؤ کی مالک اور سلیقہ شعار خاتون تھیں۔ خوش پوشا کی ان کی کمزوری تھی۔ ان کا شمار بمبئی کی خوش لباس خواتین میں ہوتا تھا۔ ان کے لباس ہارن بی روڈ پر یونیورسٹی کی عمارت کے سامنے ایک دکان میں تیار ہوتے تھے، جو ایک یورپی ماہر ملبوسات ایملے ونڈ گرودون کی ملکیت تھی۔''

20 فروری 1929ء کو رتن بائی کا انتقال ہوا۔ اس وقت قائداعظم محمد علی جناح لندن میں تھے۔ وفات کے وقت ان کی عمر 29 برس تھی۔

رتن بائی سے شادی قائداعظم محمد علی جناح کے بنگلے پر 19 اپریل 1918ء کو طے پائی، اور حق مہر ایک ہزار ایک روپے مقرر کیا گیا تاہم قائداعظم محمد علی جناح نے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے رتن بائی کو شادی پر بطور تحفہ دیے۔

(نیز دیکھئے شادی: دوسری)

رتی جناح

(دیکھئے: شادی، دوسری)

رٹز ہوٹل (لندن)

قائداعظم محمد علی جناح 1931ء میں جب گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے اپنی بہن محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ لندن تشریف لے گئے تو انہوں نے رٹز ہوٹل میں قیام فرمایا۔ گول میز کانفرنس کے اختتام کے بعد کچھ عرصہ تک وہ اسی ہوٹل میں مقیم رہے، لیکن بعد ازاں مکان تلاش کرلیا اور وہیں رہائش اختیار کرلی۔

رجعت پسندوں کا ٹولہ

11 اکتوبر 1936ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے دہلی دروازہ لاہور کے باغ میں ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے یونینسٹ پارٹی پر کڑی نکتہ چینی کی، اس موقع پر انہوں نے یونینسٹ پارٹی کو رجعت پسندوں کا ٹولہ قرار دیا اور کہا:

''اس کی پشت پر ضمیر فروش پریس کا پروپیگنڈہ، حکومت کا چشم التفات اور لاعلم رائے دہندوں کے ووٹ ہیں۔''

رجمنٹ کی خصوصیات

15 اپریل 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے پشاور کے ہوائی اڈے پر 15-2 پنجاب رجمنٹ کو خصوصی علم عطا فرمائے۔ اس شاندار تقریب میں قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''مجھے فخر ہے کہ مجھے آپ کو علم دینے کا موقع ملا۔ آپ جیسی پلٹن بنانے کے لیے اعلیٰ نظم وضبط، وفاداری، بے غرضی اور بے لوث جذبہ خدمت اور صبر واستقلال کی خوبیاں درکار ہیں۔

میدان جنگ میں آپ نے جو شاندار کارنامے سرانجام دیے ہیں اس کی تعریف کرنا میرا کام نہیں۔ حقائق اور تاریخ میں آپ کے کارنامے جگمگا رہے ہیں، لیکن صرف میدان جنگ میں فتوحات حاصل کرلینا کافی نہیں۔ آپ کے سامنے زمانہ امن ہے۔ آپ نے پاکستان کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردی ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ مظلوم کی حمایت کر کے اسلام کا بول بالا کریں۔ باتوں سے زیادہ ٹھوس کام کریں، اور مجھے امید ہے کہ ضرورت پڑنے پر آپ اپنے ملک وقوم کی حفاظت کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے، اور مجھے یقین ہے کہ خداوند کریم آپ کی مدد کرے گا، اور پاکستان کا جھنڈا ہمیشہ دنیا میں سربلند رہے گا۔''

رجمنٹل کلر

قیام پاکستان کے قائداعظم محمد علی جناح نے سب سے پہلا رجمنٹل کلر پنجاب رجمنٹ کی بٹالین کو 15 اپریل 1948ء کو اپنے دورہ سرحد کے دوران پشاور میں دیا۔ یہ پرچم اب راولپنڈی کے پاکستان آرمی میوزیم میں محفوظ ہے۔

رحمٰن بہاری، ڈاکٹر

وہ نواب صاحب بھوپال کے خصوصی معالج تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی صحت 1944ء میں جب بہت زیادہ خراب ہوگئی تو ڈاکٹر رحمٰن نے قائداعظم محمد علی جناح کا علاج کیا۔

رحم کی اپیل مسترد

اس ملعون ہندو مصنف نے چمپا پتی کی لکھی ہوئی رسول اللہ ﷺ کی شان مبارک میں گستاخی کرتے ہوئے کتاب شائع کی۔ اس سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا۔ چنانچہ علم الدین نے عشق رسول (ﷺ) کے جذبہ سے سرشار ہو کر اس گستاخ راجپال لعین کو قتل کر دیا۔ لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ چلا۔ قائداعظم محمد علی جناح اس مقدمے میں مسلمانوں کی طرف سے وکیل تھے۔ 15 جولائی 1929ء کو قائداعظم محمد علی جناح جسٹس براڈوے اور جسٹس جانسٹن کے روبرو عدالت میں پیش ہوئے، اور انتہائی قابلیت کے ساتھ غازی علم الدین شہید کی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی جرح میں کہا:

''راجپال نے ایسی کتاب شائع کی ہے جسے عدالت عالیہ نے بھی نفاق انگیز اور شرانگیز قرار دیا ہے۔ ملزم نے اسے پڑھا اور بھڑک اٹھا۔ ملزم نے کسی لغو اور ذلیل خواہش کے تحت یہ ارتکاب نہیں کیا بلکہ ایک کتاب سے غیرت کھا کر ایسا کیا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے یہ دلیل بھی دی:

''راج پال مقدمے میں جو گواہ پیش کیے گئے وہ دونوں راج پال کے ملازم تھے، اور ان دونوں کے بیانات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔''

آخر میں انہوں نے کہا:

''ملزم نوجوان ہے۔ راج پال نے بدنام کتاب شائع کر کے مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کیا تھا۔ اس لیے نوجوان علم الدین کو سزائے موت نہ دی جائے اور اس پر رحم کیا جائے۔''

لیکن انگریز کے ہاں انصاف کہاں تھا؟ چنانچہ اس عدالت نے علم الدین کو پھانسی کی سزا دی۔

علم الدین کا جنازہ دیدنی تھا۔ سارا لاہور امڈ آیا تھا۔ علامہ اقبال بہ نفسِ نفیس جنازہ میں شریک ہوئے اور فرمایا:

''ایک ترکھان کا بیٹا ہم سب سے بازی لے گیا۔''

رحمت بی

قائداعظم کی ہمشیرہ تھیں، 1896ء میں ان کی شادی کلکتہ کے ایک تاجر خلیل بھائی سے طے پائی۔

رحمتہ اللعالمین (ﷺ)

یہ قائداعظم محمد علی جناح کا وہ پمفلٹ ہے، جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ پر لکھا۔ اسے لاہور کے وکیل سید سرور شاہ گیلانی (علیگ) نے دفتر تنظیم مساجد محلّہ مصری شاہ لاہور سے طبع کیا۔ اس پمفلٹ کی اصل کاپی سنٹرل لائبریری بہاولپور میں محفوظ ہے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ نادر تقریر جامعہ کراچی کے اخبار جامع (جسے طلبہ مرتب کرتے ہیں) 1986ء میں شائع کی۔ جسے انہوں نے جناب علی حیدر ملک کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا۔ ان کی تقریر کے الفاظ یہ ہیں:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے بڑے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ بائبل اور تورات کے بیان کے مطابق پھر ان کے ہاں 12 لڑکے پیدا ہوئے۔ جن میں سے ایک کا نام قیدار تھا جن کی اولاد عرب کے صوبہ حجاز میں آباد ہوئی۔ اہل عرب قیدار کی اولاد ہیں۔ تمام مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ حضور ﷺ آقائے عرب و عجم کا سلسلہ نسب عدنان سے ملتا ہے، جو چالیسویں پشت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جا کر ملتا ہے، اور اس حقیقت سے آج تک کسی نے انکار نہیں کیا۔ حضور ﷺ کا سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

سے ملتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نویں پشت میں نضر بن کنانہ کا نام ملتا ہے۔ جو قریش مکہ کے مورث اعلیٰ تھے۔ گویا شرافت اور وجاہت کے اعتبار سے بھی حضور ﷺ کا خاندان معزز اور باوقار تھا۔ جغرافیہ کا ایک مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ جزیرۃ العرب ایشیا، یورپ اور افریقہ آپس میں ملتے ہیں۔ آفتاب اسلام کی ضیاباریوں سے پہلے بیشتر دنیا جہالت اور خود شناسی کی تاریکیوں میں روپوش تھی، اور عرب کی حالت کا تو پوچھنا ہی کیا؟ وہاں پر لوگوں کا جدا جدا اور مختلف مذاہب پر اعتماد تھا، لیکن بت پرستی سب سے مشترکہ چیز تھی حتیٰ کہ کعبہ مقدس میں بھی ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور مریم صدیقہ علیہا السلام کے بتوں کی بے تحاشہ پرستش ہوتی تھی۔

عہد جہالت

عرب لوگوں کی زندگی کا دارومدار تیغ آزمائی پر تھا، اور چونکہ وہ ایسی فضا میں پلتے تھے، اس لیے خونخواری اور سفاکی ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ ان کے دن رات کے چوبیس گھنٹے باہمی جنگ وقتال میں صرف ہوتے تھے، اور ذرا سی بات پر تلوار میان سے تڑپ کر نکلتی تھی اور حرم بھر میں کشتوں کے پشتے لگ جاتے تھے۔ ان حالات میں انسانی خون کی پاکیزگی کا کیسے خیال آسکتا تھا، اس کے علاوہ لڑکیوں کو زندہ درگور کردینا۔ شراب اور عیاشی کی گود میں زندگی بسر کرنا، ایسے واقعات ہیں جن پر تاریخ عالم کے اوراق گواہ ہیں۔

ولادت قدسی

یہ قانون قدرت ہے کہ جب موسم خزاں میں درختوں کے پتے خشک ہوکر جھڑ جاتے ہیں تو بہار کی دلفریب ہوائیں بھی بہت دور پیچھے نہیں ہوتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ مردہ درختوں کے جسم سے لہلہاتی ہوئی کونپلیں پھوٹتی ہیں، اور قدرت پھر ایک دفعہ دلفریب دلہن کی طرح حسن کی آرائشوں سے مالا مال ہوجاتی ہے۔

طلوع اسلام

اس طرح جب عرب گمراہی کی ضلالتوں میں ٹھوکریں کھا رہا تھے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم نے ایک ایسے سورج کا طلوع کیا جس کی درخشانی اور تابانی نے تاریک ترین راہ گزاروں کو بھی بقعہ نور بنا دیا یعنی 22 اپریل 571ء کو مکہ میں آفتاب رسالت کا طلوع ہوا۔
جوانی کے آغاز تک آپ ﷺ گلہ بانی کا کام کیا کرتے تھے گویا اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ آپ ﷺ جس طرح بھیڑ بکریوں کو درندوں اور خونخوار جانوروں سے محفوظ رکھتے ہیں، اسی طرح آپ ﷺ انسانیت کے گلہ کے بھی داعی ہیں۔
14 سال کہ عمر میں آپ ﷺ ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ شام کو بغرض تجارت تشریف لے گئے، اور اس کے چند سال بعد سرزمین عرب میں قریش اور بنی قیس میں خوفناک جنگ شروع ہوگئی۔
حضور فخر دو عالم ﷺ نے اس خونریزی کو دیکھا، اور آپ ﷺ کے حساس دل پر گہرا اثر ہوا اور آپ ﷺ نے حق وصداقت کو بلند رکھنے اور امن عامہ کی حفاظت کا تہیہ کرلیا، اور بالآخر آپ ﷺ فریقین میں صلح و صفائی کرانے میں کامیاب ہوگئے۔ تاریخ میں اس صلح کو حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس کی رو سے کمزوروں اور مظلوموں کی امداد اور حفاظت کا عہد کیا گیا۔

سید سلیمان ندوی

1953 - 1884

دار العلوم ندوۃ العلماء سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسی ادارے سے درس و تدریس سے منسلک ہو گئے۔ ندوہ کے ماہوار رسالے ندوح الندوہ کی ادارت سنبھالی۔ 1912ء میں 'الہلال' سے منسلک ہو گئے اور ادارہ دار المصنفین اعظم گڑھ سے ماہنامہ 'معارف' جاری کیا۔ 1950ء میں اپنی ساری املاک ہندوستان میں چھوڑ کر پاکستان آ گئے۔ پاکستان دستور ساز اسمبلی کے ادارہ تعلیمات اسلامیہ کے بورڈ کے باضابطہ صدر بنے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ علامہ شبلی نعمانی کی نامکمل رہ جانے والی سیرت النبی ﷺ کی تکمیل ہے۔

آپ ﷺ جس وقت سن بلوغت کو پہنچے تو آپ ﷺ نے اپنے آباؤاجداد کی اقتداء میں تجارت شروع کردی۔ آپ ﷺ کی دیانت، صداقت، خلوص اور ایمانداری سے حضرت خدیجہ ؓ اس قدر متاثر ہوئیں کہ انہوں نے آپ ﷺ کو معمول سے دگنا حصہ دینے پر اصرار کیا۔

اصحاب فیل کا واقعہ

یہاں پر تفصیل کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت کے تمام واقعات رقم کرنے کی گنجائش نہیں، لیکن ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ ﷺ کی ولادت کے سال یمن کے عیسائی حاکم ابرہہ نے اپنے دارالخلافہ میں ایک عظیم الشان گرجا اس ارادے سے تعمیر کیا کہ خلق خدا کا اژدھام کعبہ کی بجائے اس گرجا میں ہو، تاکہ کعبہ میں روحانی اور دنیاوی عظمت کا قصر رفیع زمین پر آرہے۔ دراصل اس عزائم مشومہ کی تہہ میں تثلیث کو کامرانی اور کامیابی سے ہمکنار دیکھنا مقصود تھا۔ چنانچہ اس ناپاک مقصد کی تکمیل کے ارادے سے کعبہ پر ایک جرار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا، اور مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ٹھہر گیا، اور اہل مکہ کو اپنے ارادے سے آگاہ کرنے کے لیے ایلچی روانہ کردیا۔ اسی اثناء میں ابرہہ کے سپاہیوں نے عبدالمطلب کے بہت سے اونٹوں کو قبضہ میں لے لیا۔ حضرت عبدالمطلب اس سلسلے میں اس کے پاس چل کر آئے۔ ابرہہ ان کی عظمت وجلالت دیکھ کر سخت متحیر ہوا، اور ان کی تشریف آوری کا سبب دریافت کیا اس کا خیال تھا کہ عبدالمطلب کعبہ پر حملہ نہ کرنے کی درخواست کریں گے، مگر انہوں نے اپنے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اس پر ابرہہ نے متعجب ہوکر پوچھا:

''آپ کو اپنے اونٹوں کی تو بہت فکر ہے، مگر کعبہ کے متعلق جس کو میں گرانے آیا ہوں، آپ کو کوئی فکر نہیں۔''

حضرت عبدالمطلب نے بلا جھجک جواب دیا:

''کعبہ کا مالک خود اپنے گھر کی حفاظت پر قادر ہے، اور وہی اس کا بندوبست کرے گا۔''

ازبسکہ قریش ابرہہ کے قشون قاہرہ کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھے، اس لیے وہ گردونواح کی پہاڑیوں میں روپوش ہوگئے۔ عبدالمطلب مکہ کو چھوڑنے سے پہلے کعبہ میں گئے، اور اس کی چادر کو تھام کر یوں گویا ہوئے:

''اے اللہ یہ تیرا گھر ہے ہم اس کی حفاظت سے عاجز ہیں تو اپنے گھر کا خود نگہبان ہو۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے رخصت ہوگئے، اور مورخین کا اتفاق ہے کہ ابرہہ کی فوج پر اتنی زبردست تباہی آئی کہ اس کے لشکر کا کثیر حصہ تباہ و برباد ہوگیا۔ باقی ماندہ بے سروسامانی میں تتر بتر ہوگیا۔ قرآن حکیم میں بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

صحرائی تربیت

عرب شرفا میں دستور تھا کہ مائیں اپنے بچوں کو چھاتیوں سے دودھ پلانے کی بجائے انہیں دیہات کی تندرست عورتوں کے سپرد کردیتی تھیں۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے چند دن بعد تک آپ ﷺ کو دودھ پلایا، اور اس کے بعد چند دن ثویبہ نے جوابولہب کی لونڈی تھیں۔ آپ ﷺ کو دودھ پلایا بعد ازاں آپ ﷺ حلیمہ سعدیہ کی تحویل میں دے دیے گئے دو سال بعد آپ ﷺ پھر اپنی والدہ محترمہ کے

پاس تشریف لے گئے، لیکن فوراً ہی پھر دیہات میں بھیج دیے گئے کیوں کہ مکہ میں وباء پھیلی ہوئی تھی۔ اب چھ سال تک مائی حلیمہ کے گھوارہ میں پرورش پاتے رہے، اور اس کے بعد تشریف لے گئے۔ اس دوران میں آپ ﷺ کی والدہ محترمہ مدینہ منورہ کی طرف اپنے خاوند کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کر رہی تھیں کہ راستہ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی خبر گیری کا بار آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے اپنے ذمہ لے لیا۔ بچپن سے ہی آنحضرت ﷺ میں محبت، امانت اور صداقت کے جوہر نمایاں تھے۔ جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی امانت اور دیانت سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ انہوں نے خود آپ ﷺ کے حبالہ عقد میں آنے کی خواہش ظاہر کی، حالانکہ اس سے بیشتر عرب کے بڑے بڑے سردار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش ظاہر کر چکے تھے۔ جسے آپ رضی اللہ عنہا نے رد کر دیا تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

شادی کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر 25 سال تھی، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے پندرہ سال بڑی تھیں، لیکن عمر میں اس تفاوت کے باوجود ان کی آپس میں بے حد محبت تھی حالانکہ اس وقت ہر شخص کو اجازت تھی کہ وہ جتنی عورتوں سے چاہے شادی کرلے۔ حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی وہ لوگ جو کور باطنی سے حضور ﷺ کی شادیوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں، وہ خدارا بتائیں کہ ایک شخص جو عین شباب کے عالم میں ایک چالیس سالہ بیوہ سے شادی کرتا ہے، اور اس کی زندگی میں دوسرے نکاح کا خیال تک دل میں نہیں لاتا کیا اس کے متعلق بد باطن سے بد باطن شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ اس کے بعد کی شادیوں میں دنیاوی دلچسپیوں کو دخل حاصل تھا۔ شادی کے پندرہ سال بعد منصب نبوت عطا ہوا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کوئی اور شخص آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک کی عمیق ترین گہرائیوں سے واقف نہیں تھا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی زندگی کے ہر ایک پہلو کو خلوتوں میں باریک نگاہوں سے دیکھا تھا، اور جس وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اپنے منصب نبوت کا ذکر کیا، وہ آپ ﷺ کی دیانت کو جانتے ہوئے فوراً آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں۔

صلح وامن کا داعی

شادی کے کچھ عرصہ بعد مکہ میں ایک واقعہ پیش آیا جس سے لوگوں پر آپ ﷺ کی معاملہ فہمی اور اصابت رائے کی دھاک بیٹھ گئی اس زمانہ میں قریش کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے، اور جس وقت سنگ اسود کو اس کی اصلی جگہ رکھنے کا سوال درپیش ہوا تو ہر قبیلہ اپنا حق مقدم سمجھتا تھا کہ وہ سنگ اسود کو اس کی اصلی جگہ نصب کرے۔ اس قبائلی نزاع کے نتائج سخت خوفناک معلوم ہوتے تھے، بالآخر یہ طے ہوا کہ جو شخص علی الصبح سب سے پہلے کعبہ کی چار دیواری میں داخل ہو، وہ اس جھگڑے کو جس طرح چاہے چکا دے۔ خوبی قسمت سے سب سے پہلے جو شخص کعبہ کی چار دیواری میں داخل ہوا وہ حضرت محمد ﷺ تھے۔ اس سے سب

بہت خوش ہوئے، اگر آپ ﷺ چاہتے تو خود سنگ اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ نصب کر دیتے، مگر آپ ﷺ نے اپنی چادر کندھوں سے اتار کر زمین پر بچھا دی، اور تمام قبیلوں کو چادر کے کونے پکڑنے کو کہا، اور خود بعد میں اسے اٹھا کر اپنی جگہ نصب کر دیا، اور اس طرح ملک عرب کو ایک بہت بڑی خانہ جنگی سے نجات مل گئی۔ اس واقعہ سے آنحضرت ﷺ کی معاملہ فہمی، وسعت خیال اور بے مثل رواداری کا ثبوت ملتا ہے۔

سیرت اور اخلاق کا معجزہ

حضور ﷺ کی زندگی کا یوں تو ہر پہلو ہی قابل تقلید ہے تاہم ان کی زندگی کے دو پہلو بہت زیادہ جاذب نظر ہیں۔ پہلے تو یہ کہ آپ ﷺ امی محض تھے، لیکن خدا کی قدرت ہے کہ اسی امی نے علم و حکمت، تمدن، معاشرت کا وہ عظیم الشان مینار تعمیر کیا جس کی روشنی نے جہالتوں اور تاریکیوں کے تمام پردے چاک کر دیے۔ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی عمر عزیز کے چالیس سال ایسے ماحول میں بسر کیے، جس میں شراب خوری، بت پرستی اور عیاشی کا دور دورہ تھا، لیکن آپ ﷺ کا دامن ان آلائشوں سے ہمیشہ پاک رہا۔ آپ ﷺ کے بدترین دشمن کو بھی آپ ﷺ کی اخلاقی زندگی میں عیب جوئی کا حوصلہ نہیں ہوا۔ منصب نبوت پر فائز ہونے سے پیشتر آپ ﷺ کی زندگی سراسر معجزہ تھی، اور وہ شخص جس نے حضور ﷺ کی زندگی کا بہ نظر تعمق مطالعہ کیا ہے ابو طالب کی طرح یہ رائے دینے پر مجبور ہوگا:

''میں نے محمد ﷺ کو کبھی جھوٹی بات کہتے نہیں سنا، اس کے لب کبھی غیر مہذب اور ناپسندیدہ الفاظ سے آشنا نہیں ہوئے، اور وہ آج تک کسی غیر پسندیدہ مجلس میں نہیں بیٹھا۔''

حضرت محمد ﷺ کی زندگی ضبط نفس، پاکیزگی اور صداقت کا نمونہ تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی ضروریات کو اپنے خاندان کی ضروریات پر کبھی بھی مقدم نہ جانا۔ آپ ﷺ کا خاندان عرب بھر میں موقر و معزز تھا۔ جب کبھی قریش آپ ﷺ پر معترض ہوتے اور مخالفت کرتے تھے تو آپ ﷺ انہیں برملا کہا کرتے تھے:

''اے قریش! میری زندگی کا ایک ایک لمحہ تمہارے سامنے بسر ہوا ہے مجھے بتاؤ تو سہی کہ کیا تم نے اس عرصہ میں مجھ میں کوئی نقص دیکھا۔''

یہ چیلنج آج بھی اسی طرح مشرق و مغرب میں گونج رہا ہے اور حضور ﷺ کے بدترین دشمن کو بھی یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ آپ ﷺ کی زندگی کے کسی ایک واقعہ پر بھی حرف گیری کر سکے۔

بچپن میں ہی لوگ حضور ﷺ کی شخصیت سے اس قدر متاثر تھے کہ وہ آپ ﷺ کو ''الامین'' کے معزز خطاب سے مخاطب کیا کرتے تھے۔ ''الامین'' کا مفہوم محض روپیہ پیسہ میں امانت تک ہی محدود نہیں بلکہ صداقت کے ہمہ گیر مفہوم کے مترادف ہے۔

انقلابِ عظیم

اسلام کے فاتحانہ سیلاب میں دنیا کی توہم پرستیاں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں، اور جس جگہ بت پرستی اور شرک و طغیان کی خاردار جھاڑیاں تھیں وہاں گلشن توحید لہلہانے لگا۔ اسلام دنیا میں پاکیزہ تہذیب کا درخشاں باب ہے۔ ایک یتیم جس کی مخالفت میں طاغونی طاقتوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا

دیا۔ جس کو گھر سے بے وطن کیا گیا، اور جسے طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ بالآخر عزم الامور کے طفیل ایک وحشی قوم کو فتح ونصرت کی بلندیوں تک پہنچانے میں بے مثل طور پر کامیاب ہوا، اور جو لوگ سیاسی، معاشی، عمرانی تاریکیوں کے گڑھوں میں گرے ہوئے تھے وہی پاکیزگی، توحید، حریت، صداقت اور شجاعت میں ضرب المثل ہوگئے۔ ایک ربع صدی میں ایسے زبردست انقلاب کو پیدا کرنا تاریخ کا ایک اہم ترین واقعہ ہے۔ آنحضرت ﷺ ایک ہی وقت میں مصلح اعظم، کمانڈر انچیف، حاکم اور قوموں کی زندگی میں انقلاب پیدا کرنے والے تھے۔ ازبس کہ انسانیت کے جہاں تک بنیادی اصولوں کا تعلق ہے اس چرخ نیلوفری کے نیچے ہر جگہ ایک جیسی ہے۔ اس لیے زندگی کے تمام مسائل کم وبیش ہر ایک جگہ یکساں ہوتے ہیں جس طرح آج سے ساڑھے تیرہ سو سال بیشتر چند الٰہی قوانین کی تاثیر نے عربوں کی مردہ قوم کو از سرنو زندگی کے بلند ترین مقام پر پہنچا دیا تھا۔ اسی طرح آج ان قوانین کی برکت سے غلام ہندوستان کی قسمت بدلی جاسکتی ہے۔ اسلامی قوانین سے آج بھی صرف ہندوستان ہی کے نہیں بلکہ دنیا بھر کے مصائب کو حل کیا جاسکتا ہے۔

حضور ﷺ کی تعلیم نے ایک ایسے سیاسی مذہب کی بنیاد رکھی، جس نے دہلی سے غرناطہ تک زندگی کے ہر شعبہ میں ایک خوشگوار انقلاب پیدا کردیا، اور روحانی، دماغی، سوشل، سیاسی اور اقتصادی پستیوں کو چشم زدن میں رفعت سے آشنا کردیا۔ آج بھی ہمیں حضور ﷺ کی تعلیم پکار پکار کر اپنی طرف بلا رہی ہے۔ کاش کہ ہم اس آواز کو سن سکیں۔''

(بحوالہ ہفت روزہ تکبیر 3 نومبر 1988ء کراچی)

رحیم، جے اے

1931ء میں قائداعظم محمد علی جناح جب گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن تشریف لے گئے تو مسٹر جے اے رحیم نے کیمبرج مسلم ایسوسی ایشن کے صدر کی حیثیت سے کیمبرج میں قائداعظم محمد علی جناح کو جلسے سے خطاب کرنے کی دعوت دی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے دعوت قبول کرلی۔ چنانچہ 6 جون 1931ء کو جلسہ منعقد ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ایک گھنٹہ تک جلسے سے خطاب فرمایا اس موقع پر انہوں نے مصر کے زاغلول پاشا کا ایک واقعہ بھی سنایا۔

زرمک

یہ اس بحری جہاز کا نام ہے۔ جس کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح 26 اکتوبر 1928ء کو انگلستان میں تعطیلات گزارنے کے بعد بمبئی پہنچے۔

رسال پور اکیڈمی

یہ پاک فضائیہ کے افسروں کو تربیت دینے کا اعلیٰ ترین ادارہ ہے۔ اس کی قدیم عمارات 1913ء میں تعمیر کی گئیں۔ 15 ستمبر 1947ء کو پرواز کی تربیت دینے والا پہلا سکول قائم کیا گیا۔ پہلا تربیتی طیارہ 22 ستمبر کو اڑا۔ 13 اپریل 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے رسال پور میں پاک فضائیہ کے افسروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> ''رائل پاک ایئر فورس کے پہلے یونٹ کا دورہ کرتے ہوئے مجھے انتہائی خوشی محسوس ہورہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مضبوط ہوائی فوج کے بغیر کوئی بھی ملک حملہ آور کے رحم وکرم ہوتا ہے۔ پاکستان کو اپنی فضائیہ جلد از جلد منظم کرلینی چاہئے۔ یہ ایک ایسی

کارگر فضائیہ ہو جو کسی سے پیچھے نہ رہے، اور پاکستان کے دفاع میں بری فوج اور بحریہ کے شانہ بشانہ سرگرم عمل ہو۔

دوسرے ممالک فضائی امور میں جو ترقی کر رہے ہیں۔ ان سے میں اچھی طرح واقف ہوں، اور میری حکومت نے پاک فضائیہ کو ان کی صف میں لا کھڑا کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے۔ گو رائل پاک فضائیہ نے اپنا سفر خیرسگالی اور عزم کے علاوہ مختصر اثاثے سے شروع کیا ہے، لیکن اس کے مستقبل کی صورت میں نقوش واضح ہو چکے ہیں، اور اس کی عمدہ مثال یہ سکول ہے جو صرف سات ماہ قبل وجود میں آیا تھا۔

مجھے علم ہے کہ آپ کے پاس عملے کی کمی ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ بھرتی تیزی سی کی جا رہی ہے، اور اچھی صلاحیتوں کے حامل افراد سامنے آ رہے ہیں۔ اس دوران افراد کی کمی کو پورا کرنے کے لیے رائل ایئر فورس کے رضا کار خود کو پیش کر رہے ہیں ہم ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کے پاس طیارے اور ساز وسامان بہت کم ہے، لیکن ضروری ساز وسامان حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اور جدید طیاروں کے لیے آرڈر دیے جا چکے ہیں۔

لیکن طیاروں اور ملازمین کی تعداد خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو سب سے اہم چیز فضائیہ کے اندر باہمی رفاقت کا جذبہ اور ایک مجموعی نظم وضبط ہے۔ میں آپ سے تاکید کرتا ہوں کہ آپ یاد رکھیں کہ صرف تنظیم اور خود اعتمادی سے ہی رائل پاک فضائیہ پاکستان کی شایان شان بن سکتی ہے۔ اس سکول کی ترقی کے بارے میں جان کر مجھے مسرت ہوئی ہے، اور آپ کے فضائی کمانڈر کی خواہش کے مطابق میں آج سے اس کو دی رائل پاکستان ایئر فورس کالج کا نام دیتا ہوں۔ میں آپ سب کا شکر گزار ہوں اور میری دلی تمنا ہے کہ کامیابی آپ کے اور آپ کے سکول کے قدم چومے۔"

رسل روڈ

یہ کنسنگٹن کے علاقے میں اولمپیا کے قریب واقع سڑک ہے، اس سڑک پر وہ مکان واقع ہے جس پر گول نیلی تختی لگی ہوئی ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اسی مکان میں اپنا زمانہ طالب یہیں علمی گزارا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس جگہ کا انتخاب اس لیے کیا کہ اس مکان کے سامنے اولمپیا کا ریلوے اسٹیشن ہے، اور اس کے ساتھ ہی وہ ہال ہے جہاں اکثر نمائشیں لگتی ہیں۔ اس کے قریب ہی نظام حیدرآباد دکن کا پیلس ہے۔ اسی علاقے میں شہزادی مارگریٹ تھیچر کی رہائش تھی۔

اس مکان کا قائداعظم محمد علی جناح کی سوانح کے مرتب ہیکٹر بولائتھو نے برٹش میوزیم لائبریری کے اس فارم سے پتہ چلایا جو قائداعظم محمد علی جناح نے لائبریری کا ممبر بنتے وقت بھرا تھا۔ جب اس مکان کا پتہ چلا تو برطانوی حکومت نے یہاں ایک نیلی تختی نصب کر دی جس پر یہ تحریر ہے:

"قائداعظم محمد علی جناح بانی پاکستان نے جہاں 1895ء میں قیام کیا تھا۔"

یہ تختی کنسنگٹن کے میئر نے نصب کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت

(دیکھئے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت)

رشوت

◆ لارڈ ریڈنگ جب وائسرائے ہو کر ہندوستان آئے تو

قائداعظم محمد علی جناح کی قابلیتوں کے بے حد معترف تھے۔ انہوں نے چاہا کہ کسی طرح اس مردِ آزاد کو حکومت برطانیہ کے دعا گوؤں میں شامل کرلیا جائے، چنانچہ انہوں نے بے حد کوشش کی کہ وہ قائداعظم کو ہائی کورٹ کے جج کا عہدہ قبول کرنے پر آمادہ کرسکیں، پھر انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنی ایگزیکٹو کونسل میں لاء ممبر کی حیثیت سے (جو حقیقتاً وزارت کا منصب تھا) لینا چاہا، لیکن قائداعظم نے اس پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا۔ ایک اور موقع پر لارڈ ریڈنگ نے اشارۃً کہا:

''کیا خطابات پانے والوں کی فہرست میں آپ کا نام شامل کیا جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح جواب دیا:

''میں سر محمد علی جناح کہلوانے پر صرف مسٹر جناح کہلانے کو ترجیح دوں گا۔''

◆ 1915ء کے ایک ایکٹ کے تحت ملک کو فیڈریشن کی پیشکش ہوئی تو اس وقت ہندوستانی لیڈروں میں قائداعظم محمد علی جناح ہی ایک ایسے رہنما تھے جنہوں نے اسے قبول کرنے سے نکار کردیا۔

اس پر وزیراعظم برطانیہ لارڈ ریمزے میکڈانلڈ نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک پرائیویٹ گفتگو کے لیے بلایا اور انہیں یہ کہہ کر خریدنے کی کوشش کی گئی:

''اگر سنہا ایک صوبے کا گورنر بن سکتا ہے تو دوسرا کیوں نہیں بن سکتا، اگر سنہا لارڈ کا خطاب حاصل کرسکتا ہے تو دوسرا کیوں نہیں کرسکتا۔''

گویا ارشاد فرمایا جارہا تھا کہ اگر آپ فیڈریشن کی مخالفت ترک کردیں تو ہم آپ کو لارڈ کا خطاب دے کر کسی صوبے کا گورنر بنادیں گے۔

اس پر قائداعظم محمد علی جناح لارڈ ریمزے کے کمرے سے بغیر کسی تمہید کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ بات برطانوی وزیراعظم کے لیے تعجب انگیز تھی، اور وہ حیران ہوکر قائداعظم محمد علی جناح کے ہمراہ دروازے تک آیا، اور جب اس نے الوداع کہنے کے لیے مصافحہ کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو قائداعظم محمد علی جناح نے ہاتھ ملانے سے انکار کردیا۔ اب تو برطانوی وزیراعظم مارے خجالت کے پسینے سے شرابور ہوگیا۔ اس نے پوچھا:

''آخر کیوں؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے سنجیدگی سے جواب دیا:

''اب میں آئندہ آپ سے کبھی نہیں ملوں گا، آپ کے خیال میں میں کوئی بکاؤ مال ہوں۔''

رشید احمد خان

1940ء میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو رشید احمد خان نے قائداعظم محمد علی جناح سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

''ہم تو آپ کو لیڈر مان چکے ہیں۔ اب آپ جو کہیں گے تسلیم کریں گے۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے بہت ڈانٹ کر کہا:

''آپ لوگ تمام ہندوستان سے اس لیے آئے ہیں کہ اپنی اپنی رائے دیں نہ کہ اس لیے کہ جو میں کہوں اس کو آنکھیں بند کرکے منظور کرلیں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اپنی رائے اخبارات میں شائع کرا دیتا اور آپ اسے منظور کرلیتے۔''

(نامہ اعمال صفحہ 780 نواب سر یامین خان)

رشید احمد مولائی

وہ آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کے رکن اور مسلم لیگ ضلع مونگھیر کے صدر تھے، رشید احمد مولائی قائداعظم محمد علی جناح کو بہار میں مسلم لیگ کی تنظیم کے قیام کے لیے پٹنہ میں مدعو

کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو خط لکھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں یہ جواب دیا:

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابار۔ بمبئی

28 مئی 1937ء

ڈیئر سر!

مجھے آپ کا 18 مئی کا خط ملا جس کا بہت بہت شکریہ۔ میں ان مشوروں کے لیے بھی ممنون ہوں جو آپ نے اپنے خط میں دیے ہیں۔ میں یقیناً آپ کے صوبے میں آنے کی کوشش کروں گا بشرطیکہ وہاں کی مختلف جماعتوں میں اتحاد کی خواہش موجود ہو، کیوں کہ آپ کے صوبے کے بارے میں جو کچھ معلومات میں نے حاصل کی ہیں۔ اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہاں مختلف گروپ ہیں، اور اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ آپ میں سے کوئی اس مسلمہ پالیسی پر یقین کرے جس کو آل انڈیا مسلم لیگ آگے بڑھا رہی ہے تا کہ آپ کے صوبے میں بھی ڈسٹرکٹ لیگ اور پراونشل لیگ قائم ہوسکیں، اور ان کے ذریعہ عوام سے رابطہ قائم کریں اور انہیں بتائیں کہ ہمارا مقصد کیا ہے اور ہم کیا چاہتے ہیں۔ نیز مجھے یقین ہے کہ ایسا کرنے سے آپ اپنے عوام کا ہر ممکن تعاون حاصل کرسکیں گے بشرطیکہ آپ اس سلسلے میں صحیح اور دیانتدارانہ کوشش کریں۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

بعد ازاں قائداعظم محمد علی جناح نے صوبہ بہار کا مفصل دورہ کیا اور وہاں کے سرکردہ رہنماؤں سے ملاقات کرکے انہیں مسلم لیگ میں شامل کیا۔

رضیہ اعظم علی بیگ

تحریک پاکستان کی مجاہدہ تھیں۔ قائداعظم محمد علی جناح 1942ء میں جب جالندھر تشریف لے گئے تو رضیہ برلاس نے اپنی انگلی چبھو کر اس سے نکلنے والے خون سے اس اعلان پر دستخط کیے تھے جس میں پاکستان کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

انہوں نے 1940ء کے تیسرے عشرے کے اوائل میں پنجاب یونیورسٹی سے گریجوایشن کی، اور مسلم ویمنز ایجوکیشن انسٹی ٹیوشن علی گڑھ میں سوکس کی لیکچرار مقرر ہوئیں، اور گرلز ہوسٹل کی وارڈن بھی۔ ان کی پرنسپل نے انہیں فزیکل ایجوکیشن میں سٹیفکیٹ حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ جو انہوں نے 1945ء میں کلکتہ سے حاصل کیا، اور اپنے کالج کو منظم کیا۔ 1946ء میں انہیں سینٹ جان سارجنٹ سکیم کے تحت وظیفہ دیا گیا۔ پاکستان میں وہ پی سی سی کی تاحیات رکن رہیں۔ چنانچہ پنجاب اور سندھ کے مختلف کالجوں میں عورتوں کے کرکٹ میچ ہونے لگے۔

1979ء میں کرکٹ ایسوسی ایشن کے قیام کے بعد پہلا کرکٹ ٹورنامنٹ اس سال کے اواخر میں لاہور کالج برائے خواتین میں ہوا۔ 1974ء میں گورنر پنجاب نے انہیں پریمیئر آنر گولڈ میڈل عطا کیا۔ انہیں بیک وقت 73-1972ء میں انٹر یونیورسٹی سپورٹس بورڈ کا سیکرٹری اور پنجاب سپورٹس بورڈ کا رکن بھی نامزد کیا گیا۔ وہ انٹرنیشنل ٹریک اینڈ فیلڈ کوچز آرگنائزیشن کی رکن بھی بنائی گئیں اور یہ واحد پاکستانی خاتون تھیں جنہیں یہ اعزاز ملا۔ جاپان میں ہاکی کے بین الاقوامی کھیلوں میں پاکستان ویمنز ہاکی ٹیم بھی ان کی قیادت میں 1980ء میں گئی۔

پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے ہائی سارن کے نام پر ٹرافی دینے کا اعلان کیا۔ 21 جنوری 1986ء کو ان کا انتقال ہوا۔

رعنا، لیاقت علی خان

قائداعظم محمد علی جناح جب کبھی دہلی تشریف لے جاتے تو وہ گل رعنا میں قیام فرماتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح جب کشمیر گئے تو انہوں نے انہیں وہاں بھی بلایا تھا گویا قائداعظم

بیگم رعنا لیاقت علی خان

1995 - 1910

لکھنؤ یونیورسٹی سے سیاسیات میں ایم اے کیا۔ 1933ء میں آپ کی شادی نوابزادہ لیاقت علی خان سے ہوئی۔ شادی کے بعد اپنے خاوند کے ساتھ انگلستان کے دورے کے موقع پر قائداعظم محمد علی جناحؒ سے ملاقات کی اور انہیں برصغیر واپس آ کر مسلمانوں کی راہنمائی کرنے پر زور دیا۔ نوابزادہ لیاقت علی خان کی سیکرٹری شپ کے دوران ان کی معاونت کی۔ اس طرح انہوں نے مسلم لیگ کی نشر و اشاعت کے لیے بہت کام کیا۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات کے موقع پر انہیں مطالبہ پاکستان کی افادیت سے آگاہ کیا۔ قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آبادکاری کے لیے تعمیری کردار ادا کیا' جس میں مغوی خواتین کی بازیابی اور روزگار کی فراہمی جیسی اہم خدمات شامل تھیں۔ آپ نے پاکستان کاٹیج انڈسٹریز ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح تعلیم بالغاں کے کئی مراکز قائم کیے۔ اکتوبر 1951ء میں اپنے خاوند کی شہادت کے بعد بڑی ہمت اور دلیری سے حالات کا مقابلہ کیا۔ 1954ء میں ہالینڈ میں سفیر مقرر ہوئیں۔ یہ اعزاز پاکستان کی کسی خاتون کو پہلی مرتبہ نصیب ہوا۔ 1961ء میں آپ کو اٹلی اور تیونس میں سفیر مقرر کیا گیا۔ 1973ء سے 1974ء تک سندھ کی گورنر رہیں۔

محمد علی جناح کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت خاندانی سی تھی۔

وہ 1910ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئیں۔ وہیں سے بی اے کیا۔ ایم اے کا امتحان کلکتہ یونیورسٹی سے پاس کیا۔ قیام پاکستان سے قبل اندر اپراستھا کالج دہلی میں اکنامکس کی استاد رہیں۔ قیام پاکستان کے بعد اپوا اور اسی قسم کی دیگر تنظیمیں قائم کیں۔ 1953ء میں بین الاقوامی ادارہ محنت کی کمیٹی میں ماہرین کی جماعت کی قیادت کی اور مختلف ممالک میں سفارتی خدمات انجام دیں۔ 1973ء تا 1974ء صوبہ سندھ کی گورنر رہیں۔ متعدد ایوارڈ ملے۔ 1990ء میں انتقال ہوا۔

رفیق صابر مزنگوی

جولائی 1943ء میں رفیق صابر فرنگوی نے قائداعظم محمد علی جناح پر قاتلانہ حملہ کیا تھا جس میں وہ بال بال بچ گئے۔ اسے خاکسار تحریک کا رکن بتایا گیا، لیکن جریدہ بحر العمل لکھنؤ نے 30 جون 1944ء کو لکھا:

"پنجاب پولیس کا ایک سپیشل سٹاف قائداعظم کے حملہ آور رفیق صابر مزنگوی کے متعلق تحقیقات کر کے 15 اگست 1943ء کو واپس آ گیا ہے۔ باخبر حلقوں سے معلوم ہوا ہے کہ حملہ آور کا نام محمد صادق تھا۔ صابر اس کا تخلص ہے۔ رفیق کا مریڈ کا ترجمہ ہے۔ وہ رفیق صابر کے نام سے مشہور ہے۔ پہلے وہ مجلس احرار میں شامل تھا، پھر اتحاد ملت کا ممبر بن کر نیلی پوش بن گیا محترم ظفر علی خان صاحب نے اس کی کارکردگی سے خوش ہو کر کامریڈ کا خطاب دیا تھا۔ جس کا ترجمہ رفیق کیا گیا ہے۔ محترم ظفر علی خان صاحب مسلم لیگ میں شامل ہوئے تو یہ شخص بھی ان کے ہمراہ مسلم لیگ میں شامل ہو گیا، اور اس نے باضابطہ طور پر مسلم لیگ کا کام شروع کر دیا۔ اس اثناء میں مسلم لیگ مزنگ کا پروپیگنڈہ سیکرٹری بھی مقرر کیا گیا۔"

(نیز دیکھئے یوم تشکر)

4 اکتوبر 1943ء کو بمبئی ہائی کورٹ کا فیصلہ منظر عام پر آنے کے بعد روزنامہ زمیندار لاہور نے 7 نومبر 1943ء کی اشاعت میں لکھا:

"جسٹس بلیگڈن کے فیصلے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بعض عجلت پسند اخبارات جرم بے گناہی پر بھی خاکسار تحریک کو قابل مواخذہ سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی غلط فہمیوں اور حقیقت فراموشی و بے تدبیری سے مسلمانوں کی دو عظیم الشان جماعتوں خاکسار تحریک اور مسلم لیگ کو افتراق میں مبتلا کرنے کا تہیہ کیا تھا۔ اب یہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ چکی ہے، اور اصول صحافت، اسلامی مفاد اور مومنانہ شان کا تقاضا یہ ہے کہ اس قسم کے تمام اخبارات جو صابر کی مذموم حرکت کا رشتہ خاکسارانہ سازش سے باندھ رہے تھے۔ اپنے کیے پر پشیمان ہوں، ورنہ یہ حقیقت زیادہ بے نقاب ہو جائے گی کہ یہ کاغذی شخصیتیں نفاق وافتراق کے خنجر سے اسلامی اخوت کا سینہ چاک کرنا چاہتی ہیں، اور خاکساروں سے اگلے وقتوں کا انتقام لینے کے لیے اسلامی مفاد کو کند چھری سے ذبح کیا جا رہا ہے۔"

رکنیت دستور ساز اسمبلی پاکستان

30 جون 1947ء کو سنٹرل پارلیمانی بورڈ نے نئی دہلی میں مندرجہ ذیل اصحاب کو مغربی پنجاب سے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے لیے رکن نامزد کیا۔ ان میں قائداعظم محمد علی جناح بھی شامل تھے۔

رکنیت کانگریس

1905ء سے 1920ء تک قائداعظم محمد علی جناح کانگریس کے رکن رہے۔

رکنیت مرکزی اسمبلی

قائداعظم محمد علی جناح نے حصول پاکستان کے سلسلے میں جس تحریک کا آغاز کر رکھا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ مرکزی اسمبلی کی رکنیت اختیار کر کے پاکستان کے قیام کے مقاصد کو اسمبلی کے ارکان پر واضح کریں چنانچہ 4 دسمبر 1945ء کو مرکزی اسمبلی کے انتخابات منعقد ہوئے جس میں قائداعظم محمد علی جناح کو 3602 ووٹ جبکہ ان کے مدمقابل کانگریسی رہنما حسین بھائی لال جی کو صرف 65 ووٹ ملے۔

اس سے قبل قائداعظم محمد علی جناح دسمبر 1909ء میں مرکزی اسمبلی کے رکن بنے۔ ازاں بعد 1913ء میں انہیں پھر کونسل کا رکن نامزد کر لیا گیا۔ بمبئی سے 1916ء میں ایک مرتبہ پھر وہ امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ 14 نومبر 1923ء کو بھی قائداعظم محمد علی جناح بلا مقابلہ مرکزی اسمبلی کے رکن بنے۔

رکنیت مسلم لیگ

قائداعظم محمد علی جناح 1909ء میں منٹو مارلے اصلاحات کے نفاذ کے وقت مسلم حلقے سے مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رکن بن چکے تھے، اور انہوں نے ہندوستانیوں کے مسائل اسمبلی میں پیش کر کے اپنی قابلیت کا سکہ جما لیا تھا۔ وہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کے اجلاسوں میں شرکت کرتے۔ قائداعظم محمد علی جناح کانگریس کے تو باقاعدہ رکن تھے لیکن مسلم لیگ کے رکن نہیں بنے تھے۔ اس ضمن میں مولانا محمد علی جوہر کی خدمات حاصل کی گئیں۔ چنانچہ جب مولانا محمد علی جوہر کانپور کی مسجد کے سلسلے میں لندن گئے تو وہاں ان کی ملاقات قائداعظم محمد علی جناح سے ہوئی۔ اس ملاقات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مولانا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسین نے قائداعظم محمد علی جناح کو مسلم لیگ کا رکن بننے کی دعوت دی، اور 1913ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کا رکن بننا منظور کر لیا۔ 31 دسمبر 1913ء کو مسلم لیگ کا جو ساتواں اجلاس بمقام آگرہ منعقد ہوا، اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے نہ صرف شرکت کی بلکہ اس اجلاس میں تقریر بھی کی۔

رمضان المبارک

جارج ششم شاہ انگلستان کے زمانہ میں ہندوستان کے لیے مزید اصلاحات کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح لندن تشریف لے گئے۔ ابھی مذاکرات جاری تھے کہ قصر بکنگھم سے ظہرانے کی دعوت موصول ہوئی۔

اس زمانے میں قصر بکنگھم کی دعوت ایک اعزاز ہی نہیں بلکہ ایک یادگار واقعہ ہوتا تھا، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے یہ کہہ کر دعوت میں شرکت سے معذرت کر لی:

> ''آج کل رمضان المبارک کا مقدس مہینہ ہے اور اس میں مسلمان روزے رکھتے ہیں۔''

رنگیلا رسول

(دیکھیے: راجپال)

رواداری اور حسن سلوک

مجلس دستور ساز پاکستان کے اختتامی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کراچی سے 14 اگست 1947ء کو فرمایا:

"میں زور دے کر کہنا چاہتا ہوں کہ ہم اس جذبے کو سراہتے ہیں، جس کے تحت اس وقت سرکاری ملازمت اور مسلم افواج میں موجود اور دیگر اصحاب نے عبوری طور پر بطیب خاطر اور بغیر کسی رد و کد کے لیے پاکستان کے لیے اپنی خدمات کی رضاکارانہ طور پر پیش کیں۔ بحیثیت خادمان پاکستان ہم انہیں خوشیاں فراہم کریں گے، اور ان کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا جائے گا جو اپنی قومیت والوں سے ہوگا، عظیم شہنشاہ اکبر نے تمام غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس کی ابتدا آج سے تیرہ سو سال پہلے ہی ہمارے پیغمبرﷺ نے کردی تھی۔ آپﷺ نے زبان سے ہی نہیں بلکہ عمل سے یہود و نصاریٰ پر فتح حاصل کرنے کے بعد نہایت اچھا سلوک کیا۔ ان کے ساتھ رواداری برتی، اور ان کے عقائد کا احترام کیا۔ مسلمان جہاں کہیں بھی حکمران رہے ایسے ہی رہے۔ ان کی تاریخ دیکھی جائے تو وہ ایسے ہی انسانیت نواز اور عظیم المرتبت اصولوں کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ جن کی ہم سب کو تقلید کرنی چاہیے۔
آخر میں میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے پاکستان کے بارے میں نیک تمناؤں کا اظہار کیا، اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب ہم بھی اپنے ہمسائیوں اور دنیا کی اقوام کے ساتھ دوستی کے جذبہ کی کمی محسوس نہیں کریں گے۔"

روداد ماؤنٹ بیٹن جناح ملاقات

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 311 کا متن

وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے مسٹر جناح کی ملاقات کی روداد

خفیہ

23 جون 1947ء

وائسرائے نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ وہ ذاتی بنیاد پر نہیں بلکہ وہ اس معاملے میں مسٹر جناح کی رائے لینا چاہتے ہیں کہ پاکستان کے گورنر جنرل کے لیے ان کے ذہن میں کون سا نام ہے۔ نیز پاکستان کے صوبائی گورنروں کے لیے وہ کون سے نام سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ دونوں نوآبادیوں کے لیے مشترکہ گورنر جنرل خصوصاً ایسے دور میں جبکہ ہر چیز تقسیم ہونا ہے، بٹوارہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہرگز یہ اپنی ذات کو سامنے رکھ کر نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ اس معاملے میں دونوں حکومتیں آزاد ہیں جو چاہیں فیصلہ کریں۔ وائسرائے نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ بل میں ایک شق ایسی ہے۔ جن کے لیے اس امر کی ضرورت ہے کہ بل پارلیمنٹ میں پیش ہونے سے پہلے اس کی وضاحت ہوجائے۔ مسٹر جناح نے جواب میں کہا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں مسودہ دیکھنے کے لیے دیا جائے گا۔ وائسرائے نے کہا کہ حکومت برطانیہ سے اس مسئلے پر کافی کشمکش جاری ہے۔ حکومت کا موقف یہ ہے کہ کوئی مسودہ قانون پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہونے سے پہلے حکومت سے باہر نہیں دیکھا جاسکتا، کیونکہ یہ پارلیمانی طریقہ کے خلاف ہے، تاہم انہوں نے حکومت سے کافی سخت لڑائی کرکے کامیابی حاصل کرلی ہے، اور وہ خوشی سے مسٹر جناح کو مسودہ دیکھنے کا موقع فراہم کریں گے، تاہم وہ اس کی کاپی ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ گورنر جنرل کے سوال کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جو فیصلہ بھی کیا جائے گا اس بنا پر نہیں کہ وہ وائسرائے کو نہیں چاہتے، کیونکہ ان کی ذات پر تو انہیں کھلا اعتماد اور بھروسہ ہے، مگر ان کی زندگی کا اہم اصول یہ رہا ہے کہ وہ اپنے مفادات کو اولیت دیتے ہیں۔ ان کی زندگی میں ایسے کئی

مواقع آئے جب انہوں نے اپنی عزیز ترین ہستیوں کو بھی قربان کردیا۔ انہوں نے بات ختم کرتے ہوئے کہا کہ وہ تین دن میں وائسرائے کو فیصلے سے آگاہ کردیں گے۔

2- حد بندی کمیشن

مسٹر جناح نے کہا کہ کانگریس کی طرف سے پیش کردہ شرائطِ عمل انہوں نے قبول کرلی ہیں، اوروہ کمیشن میں مسلم لیگ کی طرف سے نامزد کردہ ناموں سے وائسرائے کو ایک دن میں مطلع کردیں گے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ فریقین حد بندی کمیشن کے سربراہوں پر متفق نہیں ہوسکیں گے۔ اس لیے ان کی تجویز ہے کہ برطانیہ کی بار کے کئی ممتاز اراکین کو دونوں کمیشنوں کا خودمختار چیئرمین نامزد کردیا جائے، جس کا فیصلہ آخری ہو۔ حقیقت میں اسے ایمپائر کا رول ادا کرنا چاہئے۔ یہ تجویز کیا گیا کہ چونکہ مسٹر جناح کی رائے ثالثی ٹیوبونل ابھی کچھ عرصہ تک کام نہیں کرسکے گا۔ ابھی تک ٹربیونل کی تشکیل پر کانگریس کا اتفاق رائے نہیں ہوسکا۔ اس ٹربیونل کا چیئرمین انگلینڈ سے نامزد کیا جائے گا، اور جس کسی کو بھی نامزد کیا جائے وہ ٹربیونل کا کام شروع ہونے سے پہلے وہ دونوں حد بندی کمیشنوں کے چیئرمین کی ذمہ داری سنبھالے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ یہ کام زیادہ وقت لے گا۔ وائسرائے نے مسٹر جناح کو اعتماد میں لیتے ہوئے بتایا کہ ثالثی ٹربیونل کے چیئرمین کے لیے جو نام تجویز کیا گیا ہے وہ سرسرل ریڈکلف ہیں۔ مسٹر جناح نے جہاں اس معاملے میں رائے کے لیے آیا سرسرل چیئرمین کے لیے مناسب رہیں گے یا نہیں اور ان کا نت مانگا۔ وہاں یہ بتایا کہ وہ سرسرل ریڈکلف کو جانتے ہیں اور یہ کہ بار میں وہ اعلیٰ شہرت رکھتے ہیں۔

3- بنگال

مسٹر جناح نے قدرے گرمی سے گورنر کے گورنر راج نافذ کرنے کے حق کو چیلنج کیا۔ وائسرائے نے کہا کہ وہ متبادل تجویز بھی پیش کرسکتے ہیں۔ (الف) مخلوط حکومت (ب) علاقائی وزراء۔ مسٹر جناح نے دونوں میں سے کسی سے اتفاق نہیں کیا۔ اس پر وائسرائے نے تجویز کیا کہ وہ موجودہ حکومت کو اس شرط پر کام کرتے رہنے کی اجازت دے سکتے ہیں کہ مغربی بنگال کے لیے ایک شیڈول کابینہ بنائی جائے۔ جسے موجودہ حکومت کے ہر ایسے اقدام کو مسترد کرنے کا اختیار ہو، جو مغربی بنگال سے متعلق ہو۔ مسٹر جناح نے اس سے اتفاق کیا۔ اس پر وائسرائے نے کہا کہ وہ مرکز کے لیے بھی ذہن میں ایسا ہی منصوبہ رکھتے ہیں۔ مسٹر جناح نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

4- برطانوی بلوچستان

وائسرائے نے کہا کہ مسٹر جناح نے بلوچستان کی رائے لینے کے لیے تین تجاویز پیش کی ہیں۔ انہوں نے اس پر کافی غور کیا ہے۔ تینوں تجویزوں پر عملدرآمد کے لیے کافی وقت کی ضرورت ہے، جس سے تاخیر ہوگی، لہٰذا انہوں نے مسٹر جناح سے پوچھا کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ مسٹر جناح نے کہا اس معاملے میں وہ زیادہ شدت نہیں۔ اس لیے وہ معاملہ وائسرائے کے سپرد کرتے ہیں۔

5- سرالیون جنکنز

مسٹر جناح نے کہا کہ ان کے خیال میں سرالیون نرم رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ انہیں مضبوط اور سخت رویے کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر انہیں امن امان کی بحالی کے لیے پختہ عزم کا اعلان کرتے ہوئے کہنا چاہئے کہ وہ ہر فسادات اور ہنگاموں کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور آئندہ کوئی نرمی نہیں دکھائی جائے گی۔ وائسرائے نے اتفاق کیا کہ ان خطوط پر سرالیون کا بیان مفید ہوسکتا ہے۔

6- فوج کی تقسیم

مسٹر جناح نے پھر اس امر کی طرف رجوع کیا کہ 15 اگست تک پاکستان کی الگ فوج چاہتے ہیں اس وقت تک لازماً ایک الگ کمانڈر انچیف ہونا چاہئے جو پاکستان کے احکامات لے۔ وائسرائے نے اس سے اتفاق کیا مگر کہا کہ انتظامی طور پر دونوں فوجوں کو فیلڈ مارشل کار آرکنلک کے تحت میں رہنا چاہئے۔ مسٹر جناح نے اس کی معقولیت کی تائید کی مگر کہا کہ مسلمانوں کو کا آرکنلک پر اعتبار نہیں وہ اس کی جگہ کسی اور کو ترجیح دیں گے۔ وائسرائے نے اس نقطہ نظر کو رد کرتے ہوئے کہا کہ انڈین آرمی میں آرکنلک سے زیادہ قابل احترام یا قابل اعتماد اور کوئی نہیں۔

7- دستور ساز اسمبلی

مسٹر جناح نے پوچھا کہ ان کی رائے میں پاکستان دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس کراچی یا دہلی میں سے کہاں ہونا چاہئے۔ وائسرائے نے کہا کہ ان کی رائے میں دہلی میں زیادہ باسہولت ہوگا۔ مسٹر جناح نے کہا کہ پہلا اجلاس وسط جولائی میں ہوگا۔ پتہ نہیں کانگریس اسمبلی چیمبر استعمال کرنے کی اجازت دے گی یا نہیں۔ (ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا)

روداد وائسرائے جناح ملاقات

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 82 کا متن۔

وائسرائے سے مسٹر جناح کی ملاقات کی روداد

12 جولائی 1947ء

میں نے عبوری حکومت کی تشکیل کے بارے میں اس سے بات کی اور اعلامیہ کے مسودہ کی کاپی اسے دی۔ کسی خاص اظہارِ تشکر کے بغیر اس نے اپنے معمول کے مطابق جواب دیا ''میں اپنے لوگوں کے ساتھ اس پر غور کروں گا۔'' میں نے واضح کیا کہ اس کا واحد متبادل وہ سکیم ہے۔ جس کا پہلے میں ذکر کر چکا ہوں کہ سارے محکمے کانگریس کے حوالے کردوں اور مسلم لیگ کو محض ''شیڈڈ کابینہ'' کی حیثیت دی جائے۔ اس نے کہا کہ اس نے مسلم لیگی ارکان کابینہ کے اس پر غور کیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی حال میں تعاون نہیں کریں گے۔ یا ایسی کوئی سکیم قبول نہیں کریں گے۔ میں نے ان پر واضح کردیا کہ وہ کس قدر خوش قسمت ہیں کہ میں ایک متبادل راہ نکالنے میں کامیاب ہوگیا ہوں کیونکہ مسودہ قانون کی دفعہ نمبر 9 کے تحت یہ میرے اختیار میں ہے کہ میں اپنی مرضی کی سکیم لاگو کردوں۔ اسے روکنا ان کے اختیار میں نہیں۔ میں نے حیدر آباد وفد کے ساتھ ملاقات کا احوال اسے بتایا اور جن خطوط پر کام کر رہا ہوں اس سے اسے آگاہ کیا۔ اس نے کہا کہ اگر کانگریس نے حیدر آباد پر کوئی دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تو ہندوستان کا ہر مسلمان، ہاں دس کروڑ مسلمان فرد واحد کی طرح ہندوستان کے اس قدیم ترین حکمران گھرانے کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

میں نے کہا کہ نظام کو کسی سطح مداخلت کا خدشہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اگر وہ کانگریس کے ساتھ کوئی چال نہیں چلے گا تو کانگریس بھی ایسا نہیں کرے گی۔ انجام کار یہ گھرانہ اندر سے ہی ختم ہوجائے گا اور دس کروڑ مسلمانوں کو اسے بچانے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔

ریاستوں کے بارے میں دونوں مملکتیں کیا پالیسی اختیار کریں اس پر گفتگو ہوئی اور خان آف قلات کو 19 جولائی کو ملاقات کے لیے بلانے پر اس کی رضا مندی حاصل کی تا کہ اس کے سامنے پاکستان سے دفاع، امور خانہ اور مواصلات کی بنا پر الحاق کی تجویز رکھوں۔

اس نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس تجویز پر غور

کریں گے، اور میری ملاقات کے بعد وہ بخوشی خان آف قلات سے ملاقات کریں گے۔ میں نے اسے بتایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں سردار نشتر سے اگلے ہفتے بات کروں کہ میں ریاستوں سے مذاکرات میں پاکستان کی خواہش کے مطابق کون سی لائن اختیار کروں۔

تب مسٹر جناح نے مجھے اطلاع دی کہ وہ سردار نشتر کو بلوچستان کا گورنر مقرر کرنا چاہتے ہیں تب میں نے مشورہ دیا کہ ایسا اقدام اٹھانے سے پہلے سر کانرڈ کارفیلڈ سے ضرور بات کرلیں اور ان کے ساتھ مل کر اس امر کا جائزہ لیں کہ آیا صوبہ سرحد کے پٹھان کو بلوچستان کے بلوچ قبائل قبول کریں گے۔ نیز متبادل کے طور پر یہ بھی طے کرلیں کہ کون سے انگریز پولیٹیکل افسر کو لگایا جائے۔ میں نے وفد ہند کی ٹیلی گرام 8962 کی نقل فراہم کی جس پر سر جارج کننگھم کے گورنر سرحد کی تقرر کی مشروط منظور دی گئی تھی۔ میں نے کہا کہ وہ جتنی جلد ہو سکے مجھے ان شرائط کی قبولیت کے بارے میں آگاہ کردیں۔

میں نے انہیں مطلع کیا کہ دفتر خارجہ نے لارڈ کلرن سے مذاکرات کی اجازت دے دی ہے اور میں نے انہیں بذریعہ ٹیلی گرام سنگاپور دعوت بھیجی ہے کہ وہ میرے پاس دہلی پہنچیں تاکہ مشرقی بنگال اور سلہٹ کی گورنری کے لیے مسٹر جناح سے مذاکرات کیے جائیں۔

اس کے بعد میں نے وائس ایڈمرل مائکس کا جولائی کا لکھا ہوا خط مسٹر جناح کو دیا۔ جو رائل پاکستان نیوی کے فلیگ آفیسر سے متعلق تھا۔ میں نے مسٹر جناح سے کہا کہ وہ ایڈمرل سائکس کو بلائیں اور ان سے بات کریں، اور اگر ضرورت ہو تو دو افسران کو بھی طلب کرلیں۔ میں نے پوچھا کہ آیا پاکستان نے ڈومینین فلیگ کے بارے میں فیصلہ کرلیا ہے تو اس نے کہا کہ اسے افسوس ہے کہ مسلم لیگ کے جھنڈے کے اوپر کے کونے میں یونین جیک کی شبیہہ کے لیے ایک مسلم لیگ نے بھی حمایت نہیں کی۔ اس نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ ہلال کے ساتھ عیسائی صلیب کا نشان بنانے سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوں گے۔ میں نے بتایا کہ جہاں تک بحریہ کا تعلق ہے میرا خیال ہے انہیں برٹش کامن ویلتھ کے سفید نشان کا پرچم لہرانا ہوگا، تاہم وہ پاکستانی پرچم بھی لہرا سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ دولت مشترکہ کے ممالک کی سبھی بحریہ اس صورت پر عمل کرتی ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ اس کی تائید کریں گے تاکہ میں ایڈمرل مائکس کو فوری ہدایات جاری کردوں۔ اس نے جواب دیا ''یقیناً'' اس کے بعد اس نے جی سی ایم جی کے اعزاز کا مسئلہ اٹھایا اور کہا کہ مجھے اپنی جماعت کے اراکین میں اس کی مخالفت کی قوت پر سخت حیرت ہوئی ہے۔ اس نے بات کی کہ حال ہی میں مسلم لیگ نے قرارداد پاس کی ہے، جس سے کسی قسم کے برطانوی اعزاز قبول کرنے سے منع کردیا گیا ہے۔

اور ان کے اتحاد کا خیال ہے کہ برطانوی اعزاز قبول کر کے وہ خود کو انتہائی قابل مدافعت صورت میں پھنسا لیں گے وہ مجھے یہ بتانا چاہتے تھے کہ انہیں اس کا کس قدر افسوس ہے اور یہ کہ عنقریب وہ وقت آئے گا جب وہ اپنی جماعت اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں تبدیلی لانے میں کامیاب ہوجائیں گے کہ وہ برطانوی اعزازات قبول کرنے میں خفت محسوس نہیں کریں گے۔ میں نے کہا کہ میں اس مسئلے پر پھر ایک بات کروں گا جہاں کہیں بھی میں ہوا اس نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ان چھوٹی موٹی باتوں مثلاً گورنر جنرل کا مسئلہ، برطانوی اعزازات کی قبولیت، پرچم وغیرہ کے باوجود پاکستان دولت مشترکہ کا مستقل ممبر رہنا چاہتا ہے۔ جس کے دوسرے رکن ممالک سے دوستانہ تعلقات سال بہ سال بہتر ہوتے جائیں۔ یہاں تک کہ تمام تلخیاں ختم ہوجائیں گی اور وہ خود کو خاندان برطانیہ کا فرد محسوس کرنے لگیں گے۔

میں نے پی ایس وی کی گورنر پنجاب سے ملاقات کی بنا پر تیار کردہ رپورٹ کی روشنی میں اس سے بات کی اور اس پر زور دیا کہ وہ حد بندی کے بارے میں مشکلات پر سکھوں سے براہ راست مذاکرات سے طے کریں وہ زیادہ پرامید نہیں تھے۔ تاہم انہوں نے کہا کہ وہ گیانی کرتار سنگھ سے ملاقات کے وعدے پر قائم ہیں۔ میں نے گیانی کرتار سنگھ سے ان کی ملاقات کا انتظام کرانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔

آخر میں صوبہ سرحد کا ذکر آیا۔ مسٹر جناح بہت خوش تھے۔ اس نے واضح کیا کہ جہاں گزشتہ انتخابات میں 62 فیصد نے ووٹنگ میں حصہ لیا اور یہ کہ ڈاکٹر خان صاحب نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ 31 فیصد سے اوپر مسلم لیگ کی کامیابی سمجھی جائے گی۔ انہیں یقین ہے کہ انہیں 75 فیصد ووٹ ملیں گے۔ مسٹر جناح نے کہا کہ ابھی انہوں نے معاملے پر غور نہیں کیا، مگر وزارت کی برطرفی اور گورنر راج کے قیام کی تائید کی۔ میں گورنر راج کے سخت خلاف ہوں، کیونکہ اپنی حکومت کے آخری چار ہفتوں میں انگریزوں سے زیادتی کرانے کے مترادف ہے۔ مسٹر جناح نے پوچھا کہ پھر میں مسلم لیگ حکومت قائم کرنے کے لیے تیار ہوں اور میری ہاں پر اس نے کہا کہ ''مگر ہم وزارت کیسے بنا سکتے ہیں جبکہ اسمبلی میں بھاری اکثریت نہیں؟''

میں نے کہا کہ صوبائی اسمبلی کا اجلاس نہیں ہو رہا اور نہ ہی مستقبل قریب میں بلائے جانے کا امکان ہے، اور 15 اگست کے بعد معاملہ دستور ساز اسمبلی کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔ جو پوری مملکت کا مقننہ کا رتبہ حاصل کر لے گی۔ آخر میں کہ میں ڈاکٹر خان صاحب وزارت کو برطرف کرنے پر تیار نہیں۔ یا تو وہ خود مستعفی ہوں اور یا ایگزیکٹو کونسل پاکستان سفارش کرے۔ میں نے واضح کیا کہ یہ مسٹر جناح کے لیے کتنی خوش قسمتی کی بات ہے کہ میں 18 جولائی کو اس قسم کی عبوری حکومت بنانے والا ہوں، بصورت دیگر ڈاکٹر خان صاحب حکومت 15 اگست تک برسر اقتدار رہتی۔

آخر میں بادشاہ سلامت کے دستخطوں کی بات چلی۔ میں نے کہا بٹوارہ کونسل میں آپ کا رویہ قابل قدر نہیں تھا۔ انہوں نے اس تجویز کی مخالفت کی کہ بادشاہ سلامت اب ''جارج آر I'' دستخط کریں، کیونکہ ''شہنشاہ ہندوستان'' کا خطاب ختم ہو گیا ہے اور یہ کہ کانگریس نے نجی طور پر رضامندی دے دی ہے۔ مسٹر جناح نے کہا کہ وہ بادشاہ سلامت کو یہ بتانے والے آخری آدمی ہوں گے کہ وہ کس طرح دستخط کریں، اور اگر بادشاہ سلامت اپنے دستخط ''جارج آر 1'' کرنا پسند کریں۔ پاکستان اس پر اعتراض نہیں کرے گا، اور میرے خیال میں اس پر مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ بعد میں ہم دونوں اس پر متفق ہو گئے کہ میٹنگ کی کارروائی منگواؤں اور کانگریسی لیڈروں کو جو طے ہوا بتاؤں اور یہ تجویز کروں کہ وہ بھی اس معاملے میں بادشاہ سلامت پر چھوڑ دیں کہ وہ جس طرح پسند کریں دستخط کرتے رہیں۔ (ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا)

روزنامچہ دسمبر

یہ قائداعظم محمد علی جناح کی ابتدائی زندگی اور جوانی کے دوست ایم سی چھاگلہ کی خودنوشت ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح اور ان کی اہلیہ رتی جناح کے بارے میں ان الفاظ میں اعتراف کیا:

> ''میں جناح کے بارے میں نہایت دیانتداری کے ساتھ یہ ضرور کہوں گا کہ کسی خاوند نے اپنی بیوی کے ساتھ ایسا فیاضانہ سلوک نہ کیا ہوگا جتنا جناح نے کیا۔ انہوں نے حیرت انگیز طریق سے ان کے ساتھ شاہانہ سلوک کیا۔ انہوں نے ان کی نہایت آرام دہ مصرفانہ زندگی کے تمام مصارف خوش دلی سے برداشت کیے۔''

روح اسلام

قائداعظم محمد علی جناح نے 13 نومبر 1939ء کو پیام عید میں کہا:

''یاد رکھو! رسول پاک ﷺ کے نزدیک کوئی عمل خدمت خلق اور رواداری سے زیادہ دیانت دارانہ اور مستحسن نہیں۔ ہماری سماجی کامرانیاں اور سیاسی آزادیاں اس پر منحصر ہیں۔ یہی زندگی کا اصل مفہوم ہے۔ یہ حقیقت عظمیٰ ہے، یہی روح اسلام ہے بلکہ عین اسلام ہے۔''

روحانی قائد ﷺ

عید میلادالنبی ﷺ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کراچی میں 25 جنوری 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''آج ہم کروڑوں انسانوں کے قائد اور عظیم ترین انسانوں کے ممدوح کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ جو ایک بزرگ ترین معلم، مدبر اور قانون ساز تھے، اور اس کے ساتھ ساتھ ایک حکمران بھی۔

اسلام صرف چند رسوم، روایات اور مذہبی اصولوں کا نام نہیں بلکہ مسلمانوں کے سیاسی، اقتصادی ودیگر مسائل کی رہبری کے لیے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اسلام کی بنیاد صرف ایک خدا پر ہے۔ انسان انسان میں فرق نہیں۔ مساوات آزادی اور بھائی چارہ اسلام کے مخصوص اصول ہیں۔

حضور ﷺ کی زندگی اس زمانے کے لحاظ سے نہایت سادہ تھی۔ کاروبار سے لے کر حکمرانی تک ہر معاملہ میں انہیں کامیابی حاصل ہوئی، اور سچی بات تو یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ جیسا عظیم انسان دنیا نے کبھی پیدا نہیں کیا۔ انہوں نے تیرہ سو سال پہلے ہی جمہوریت کی بنیاد رکھ دی تھی۔''

روشن اصول

قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے 14 اگست 1947ء کو فرمایا:

''ہم پاکستان کی تمام اقوام کی مسرتوں کے لیے پوری کوشش کریں گے۔ شہنشاہ اکبر کی رواداری کوئی بہت پرانا قصہ نہیں ہے۔ ہمارے رسول اکرم ﷺ کا برتاؤ یہودیوں اور عیسائیوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد رواداری کا اعلیٰ ترین نمونہ تھا۔ مسلمانوں کی تاریخ ان شاندار اور روشن اصولوں سے بھری پڑی ہے۔ ہمیں ان ہی روشن اصولوں پر عمل کرنا ہے۔''

روشن تھیٹر

30-31 مارچ 1929ء آل انڈیا مسلم لیگ کا ملتوی شدہ سالانہ اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت دہلی کے مشہور روشن تھیٹر میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں ضمیمہ کے طور پر قائداعظم محمد علی جناح کے چودہ نکات بھی شامل کر لیے گئے۔

اس قرارداد میں کہا گیا تھا:

''جب تک قائداعظم محمد علی جناح کے چودہ نکات منظور نہیں کر لیے جاتے۔ اس وقت تک مسلمانوں کے لیے کوئی دستور حکومت قابل قبول نہیں ہوگا۔''

رولٹ ایکٹ

جب رولٹ ایکٹ کا مسودہ قانون ساز اسمبلی میں پیش کیا گیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے اس کی سخت مخالفت کی اور

وائسرائے ہند کو لکھا:

''حکومت ہند اور آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ ایسا قانون منظور کریں جو مسلمہ طور پر مکروہ اور ظالمانہ ہے اس میں انصاف کے بنیادی اصولوں کی بیخ کنی کی گئی ہے اور عوام کے آئینی حقوق کو سلب کیا گیا ہے۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ ان حالات میں قانون ساز اسمبلی کا رکن رہ کر عوام کے لیے مفید ثابت نہیں ہوسکتا۔ میری رائے میں جو حکومت زمانہ امن میں ایسے قانون منظور کرتی ہے، وہ مہذب حکومت کہلانے کا کوئی حق نہیں رکھتی، تاہم مجھے امید ہے کہ وزیر امور ہند تاج دار برطانیہ کو مشورہ دیں گے کہ وہ اس کالے قانون کو مسترد کردیں۔'' (دیکھئے: انقلابی جرائم)

رولٹ ایکٹ کے خلاف استعفیٰ

رولٹ ایکٹ کے خلاف قائداعظم محمد علی جناح نے بطور احتجاج استعفیٰ دے دیا، اور اس ضمن میں وائسرائے کو یہ خط لکھا:

28 مارچ 1919ء

ماؤنٹ پلیزنٹ مالابارہل بمبئی

یور ایکسی لینسی!

حکومت ہند نے جو رولٹ بل منظور کیا ہے اور عوام کی رائے کے خلاف یور ایکسی لینسی نے بطور گورنر جنرل اس کی جو توثیق کی ہے۔ اس سے عوام کا برطانوی انصاف کے نام پر انصاف کے بنیادی اصول کو بیخ دین سے اکھاڑ پھینکا گیا ہے۔ عوام کے آئینی حقوق کو تہہ و بالا کردیا گیا ہے۔ بالخصوص اس حالت میں جب کہ مملکت کو کسی قسم کا کوئی بیرونی خطرہ لاحق نہیں۔ نااہل انتظامیہ جو نہ تو عوام کے سامنے جواب دہ ہے، اور نہ ہی اس کا حقیقی عوامی رائے سے کوئی واسطہ ہے۔ اس کی صرف ایک ہی دلیل ہے کہ اگر ایسے اختیارات حاصل کرلیے گئے تو اس کا غلط استعمال نہیں کیا جائے گا۔

اس لیے میں اس بل کو جس طرح منظور کیا گیا ہے اس کے خلاف بطور احتجاج لیجسلیٹو کونسل کی رکنیت سے استعفیٰ پیش کرتا ہوں۔

میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں نہ تو اپنے عوام کے لیے موجودہ حالات میں کونسل میں کچھ مفید ثابت ہوسکتا ہوں، اور نہ اس کی رکنیت آبرومندانہ رہی ہے، اور نہ ہی حکومت کے ساتھ تعاون کی کوئی صورت باقی رہ گئی ہے۔ اس لیے کہ اس قانون کے ذریعے کونسل میں عوام کے منتخب نمائندوں کی رائے کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا گیا ہے، اور نہ ہی کونسل چیمبر کے باہر عوام کے جذبات و احساسات کا کوئی لحاظ رکھا گیا ہے۔ میری رائے میں کوئی حکومت جو زمانہ امن میں ایسے قانون کو منظور کرتی ہے۔ اس امر کا دعویٰ نہیں کرسکتی کہ وہ ایک مہذب حکومت ہے۔ مجھے اب بھی امید ہے کہ وزیر ہند مسٹر مانٹیگو ہز میجسٹی کو اس کالے قانون کے خلاف رائے دیں گے کہ یہ کالا قانون نافذ العمل نہ ہو۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

رومال

قائداعظم محمد علی جناح کے ایک دوست اے بی اکرم کہتے ہیں:

''ایک روز میرے پاس رومال نہ تھا، اور مجھے زکام بھی تھا، قائداعظم نے مجھے اپنا ایک صاف رومال استعمال کے لیے دے دیا۔ گھر واپس آکر میں نے اسے دھوبی سے دھلوایا اور اگلے دن قائداعظم کو واپس کرنا چاہا تو بڑے مزے سے کہنے لگے:

''اسے اب اپنے پاس ہی رکھو، میں کوئی تمہارا نوکر ہوں جو اسے اٹھائے پھروں۔'' (محمد علی جناح)

رہائش گاہ

قائداعظم محمد علی جناح کا طرز زندگی شاہانہ انداز لیے ہوئے تھا۔ بچپن میں بھی قائداعظم محمد علی جناح کے والدین نے ان کی تمام ضروریات کا خیال رکھا۔ صرف جوانی کے ایام ان کے تنگی میں بسر ہوئے، اوران تنگدست ایام کو بہتر بنانے کے لیے انہوں نے اپنے والد کا کچھ عرصہ ہاتھ بٹایا، پھر جب وہ لاء کر کے آئے تو تب بھی وہ معاشی طور پر مضبوط نہیں تھے، لیکن جلد ہی انہوں نے اپنی محنت سے نہ صرف مقام وعزت اور بلند مرتبہ پیدا کرلیا بلکہ معاشی طور پر مضبوط بھی ہوگئے اور انہوں نے اپنا طرز زندگی اعلیٰ معیار کا کرلیا۔

برصغیر کے مسلمانوں کی تحریک آزادی کے آخری ایام میں قائداعظم محمد علی جناح نئی دہلی کے اورنگ زیب روڈ بنگلہ نمبر 10 میں رہائش پذیر تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ان کا ارادہ کراچی میں قیام کا تھا۔ اگرچہ کراچی میں ان کی آبادئی جائیداد موجود تھی، مگر انہیں ایسے گھر کی ضرورت تھی جہاں وہ استحکام پاکستان کی کوششوں کو پروان چڑھا سکیں، بلکہ ان کی خواہش تھی کہ وہ گھر غیر ملکی مہمان کی آمد کے حوالے سے بھی شایان شان ہو۔ آخر ان کی نظر فلیگ اسٹاف ہاؤس پر پڑی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس عمارت کا سودا قیام پاکستان سے چار سال قبل 16 اگست 1943ء کو کیا، اور انہوں نے اس کی قیمت ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے ادا کی، جو اس وقت کے حساب سے بڑی خطیر رقم تھی۔ اس رقم سے اس عمارت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ دس ہزار دو سوا کتالیس مربع گز پر پھیلے پلاٹ پر تعمیر کی گئی، یہ عمارت کچھ زیادہ بڑی نہیں، اس کے گراؤنڈ فلور پر تین اور بالائی منزل پر بھی تین ہی کمرے تعمیر کیے گئے۔

وہاں ایک انیکسی بھی ہے جسے اب آڈیٹوریم اور نمائش گاہ کے طور پر استعمال میں لایا جاتا ہے۔ قائداعظم ہاؤس کے وسیع احاطہ میں 18 مزید کمرے موجود ہیں جو ملازمین کی رہائش گاہیں رہی ہوں گی۔

گاڑی کھڑی کرنے کے لیے 4 گیراج اور محافظ عملہ کے لیے تین گارڈ روم بھی ہیں۔ ایک باورچی خانہ جسے اب قائداعظم ہاؤس میوزیم کے انچارج کے دفتر میں بدل دیا گیا ہے۔

عمارت میں لکڑی اور ٹائلوں کا استعمال خوبصورتی سے کیا گیا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح تقسیم ہند کے بعد اس گھر میں منتقل ہونا چاہتے تھے، لیکن گورنر جنرل کی ذمہ داریوں کی وجہ سے اس گھر میں قیام کا خواب ادھورا رہ گیا۔ 1943ء میں جب اس عمارت کی ملکیت کے حقوق قائداعظم محمد علی جناح کے نام ہوگئے تو پھر انگریز کرایہ دار 1947ء تک انہیں کرایہ ادا کرتا رہا۔ اس کے دستاویزی شواہد موجود ہیں۔

شاید اسی کی وجہ سے اس کا نام فلیگ اسٹاف ہاؤس پڑا ہوگا۔ تاریخ کے مطالعہ سے قائداعظم محمد علی جناح کے یہاں رہنے کے شواہد نہیں ملتے، لیکن بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ متعدد بار یہاں آئے۔ جبکہ قائداعظم اپنی بہن محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ گورنر جنرل ہاؤس موجودہ گورنر سندھ ہاؤس میں رہائش پذیر تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد محترمہ فاطمہ جناح 13 دسمبر 1948ء کو اس گھر میں منتقل ہوئیں۔ وہ سولہ سال تک یہاں قیام پذیر رہیں۔ 1964ء میں وہ اپنے قصر ''قصر فاطمہ'' مہتہ پیلس میں منتقل ہوئیں۔

رہائش گاہ لندن

قائداعظم محمد علی جناح لندن میں 35 رسل روڈ پر بھی رہائش رکھتے تھے۔ وہ فروری 1895ء میں لندن میں دوران تعلیم اس مکان میں مقیم رہے۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ بانیان مسلم لیگ کے ہمراہ

حکومت برطانیہ نے قائداعظم محمد علی جناح کی اس تاریخی یادگار کو محفوظ کرنے کے لیے 22 جون 1955ء کو یادگاری تختی نصب کر دی۔

رہبر اپنا قائداعظم

سرور انبالوی نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں منظوم نذرانہ عقیدت پیش کیا:

رہبر اپنا قائد اعظم
جس سے اونچا قوم کا پرچم
فہم و فراست میں لاثانی
عظمت اس کی جہاں نے مانی
دیپ جلائے اس نے ایسے
کوہ و دمن ہیں روشن جن سے
جگ مگ جگ مگ اس سے گلیاں
اس سے ہوا ہے درد کا درماں
طوق غلامی اس نے توڑا
بازو اس نے عدو کا مروڑا
قول کا سچا دھن کا پکا
اس نے بھرم ہر بات کا رکھا
قوم کو لے کر آگے بڑھا ہے
آج بھی وہ ذہنوں میں بسا ہے
اس سے وطن آزاد ہوا ہے
اجڑا چمن آباد ہوا ہے
قائداعظم محسن اپنا!
جس سے ہمارا سر ہے اونچا
اس کی امانت پاکستان ہے
اس کا ہم پر یہ احسان ہے
ہم پر بھی کچھ قرض ہے یارو
قرض اتاریں مل کر آؤ
اپنے لہو سے دیپ جلائیں
آؤ وطن کی شان بڑھائیں

رہبر فرزانہ

یہ بڑی تقطیع کے 192 صفحات پر مشتمل کتاب ہے اس کتاب کو دسمبر 1976ء میں پروفیسر یوسف عزیز ایم اے اردو، فارسی علوم بی ایڈ گورنمنٹ کالج فیصل آباد نے مرتب اور مجید بک ڈپو لاہور فیصل آباد نے شائع کیا۔

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے:

حصہ اول میں جناح گاندھی مذاکرات (ستمبر 1944ء) مراسلت کا متن اور دیگر متعلقہ دستاویزات اور حصہ دوم میں قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت اور افکار پر فکر انگیز مقالات سپرد قلم کیے گئے ہیں۔

مرتب نے اس کتاب کو مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے نام منسوب کیا ہے۔ کتاب نواب زادہ لیاقت علی خان کے پیش لفظ کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ جو انہوں نے 25 نومبر 1944ء کو گاندھی جناح مراسلت نامی کتابچے کے لیے لکھا تھا۔

رہنمائی اور مشورہ

پرائیویٹ سیکرٹری بننے سے قبل مطلوب الحسن سید لکھنؤ سیشن کے رضا کار کور کے ممبر کی حیثیت میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کر چکے تھے۔ بمبئی میں بھی ملاقات ہو چکی تھی۔ جس میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے درخواست کی تھی:

''سر لکھنؤ سے تلاش روزگار کے لیے آیا ہوں، آپ کی رہنمائی اور مشورہ چاہیے، کیا کروں؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں تمہیں کیا مشورہ دے سکتا ہوں، جوان آدمی ہو،

پڑھے لکھے ہو، ہاتھ پاؤں سلامت ہیں، دنیا وسیع ہے، اپنا راستہ خود نکالو۔''
مطلوب الحسن سید کہتے ہیں:
''قائداعظم کے مشورے سے دل کو اس قدر اطمینان ہوا کہ مجھے یقین ہوگیا کہ کوئی نہ کوئی اچھی بات ہو کر رہے گی۔''
پھر وہ قائداعظم کے سیکرٹری ہو گئے۔
اس کے تین چار ماہ بعد مطلوب الحسن سید نے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنے مشورے والی ملاقات یاد دلائی اور کہا:
''سر قدرت کا عجیب نظام ہے، جو راستہ نکلا وہ آپ ہی کے گھر کا تھا۔''
یہ سن کر قائداعظم محمد علی جناح بہت ہنسے اور کہنے لگے:
''یہ تمہاری اپنی ہمت تھی۔''

رہنمائی کی صلاحیت

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بار کہا تھا:
''مسلم عوام میں کوئی کمی یا خرابی نہیں ہے، وہ یقیناً ایک منظم اور باضابطہ قوم ہیں، لیکن ہمارے لیڈر ان میں بدنظمی پیدا کر دیتے ہیں۔ اگر یہ لیڈر انہیں منظم کرنا چاہیں تو یہ سادہ دل عوام ان کی ضرور پیروی کریں گے۔ اگر لیڈر میں قوم کی رہنمائی کی صلاحیت ہو تو عوام یقیناً ان کی قیادت قبول کرتے ہیں۔''

ریاستیں

(دیکھئے: گورنر جنرل، قائداعظم)

ریاض احمد، ڈاکٹر

قائداعظم محمد علی جناح پر پی ایچ ڈی کرنے والے پہلے پاکستانی، وہ 16 اپریل 1942ء راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے گارڈن کالج راولپنڈی اور قائداعظم یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ 1967ء میں پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ اس اعتبار سے وہ پہلے پاکستانی ہیں جنہوں نے قائداعظم محمد علی جناح پر مقالہ لکھ کر کسی پاکستانی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ 1969ء میں گورنمنٹ کالج راولپنڈی میں بطور استاد ان کا تقرر ہوا۔ راولپنڈی ریجن کے مختلف کالجز میں پڑھانے کے بعد 1976ء میں قائداعظم یونیورسٹی میں آ گئے۔ تصانیف میں

تحریک پاکستان (اردو 1972ء)

Iqbal's Letter to Quaid-e-Azam (1976)

Constitution and Political Development in Pakistan (1981)

مجسٹریٹ 1984ء

Quaid-e-Azam Mohammad Ali Jinnah Foremative Years (1892-1920)

قائداعظم ایز امن ایڈووکیٹ اے کرونالوجی (1981ء)

ریاض علی شاہ

قائداعظم محمد علی جناح کے معالج تھے اور لاہور کے رہائشی تھے۔ وہ آخری ایام میں قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ رہے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی بیماری کے بارے میں ایک مضمون بھی شائع کرایا۔ علاوہ ازیں ایک کتاب بھی تحریر کی۔

ریڈکلف ایوارڈ

پاکستان اور ہندوستان کی سرحدوں کے تعین کے لیے دو کمیشنوں کی تقرری کے لیے 27 جون 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خان، جواہر لال نہرو، سردار ولبھ بھائی

پٹیل اور سردار بلدیو سنگھ کی ماؤنٹ بیٹن سے میٹنگ ہوئی جس میں یہ طے ہوا کہ دو کمیشن ہوں گے۔ ہر کمیشن کا ایک چیئرمین اور چار ممبر ہوں گے، جن میں سے دو کانگریس نامزد کرے گی اور دو مسلم لیگ۔ جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ کانگریس کے نمائندوں کے طور پر اور جسٹس دین محمد اور جسٹس محمد منیر مسلم لیگ کے نمائندوں کی حیثیت سے پنجاب کمیشن کے ممبرز نامزد ہوئے۔ جسٹس سی-سی- بسواس، جسٹس بی، کے، مکر جی، جسٹس ابو صالح محمد اکرم اور جسٹس ایس، اے، رحمٰن بنگال کمیشن کے ممبرز مقرر ہوئے۔ 3 جون کے پلان کے مطابق، اس کمیشن کو دوسرے عوامل کا خیال رکھتے ہوئے مسلم اور غیر مسلم اکثریت کے متصلہ علاقوں کی بنیاد پر پنجاب اور بنگال کے دونوں حصوں کی سرحدوں کا تعین کرنا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح چاہتے تھے کہ برطانیہ کے تین لاء لارڈز سرحدیں تعین کرنے والے کمیشنوں کے غیر جانبدار ارکان ہوں، لیکن یہ بتایا گیا کہ وہ اتنے بوڑھے ہیں کہ ہندوستان کی گرمی برداشت نہیں کر سکیں گے۔ چوہدری محمد علی لکھتے ہیں:

> ''اگر دو مہینوں کے اندر انتقال اقتدار کا فیصلہ نہ ہوتا تو
> قائداعظم اپنی تجویز پر ضرور اصرار کرتے۔''

ایک تجویز یہ بھی تھی کہ حد بندی کا کام اقوام متحدہ کے سپرد کر دیا جائے لیکن نہرو نے اعتراض کیا کہ اس میں بہت دیر لگ جائے گی۔ ماؤنٹ بیٹن کے کہنے پر برطانیہ کے بیرسٹر سر سیرل ریڈکلف (Cyril Radkeliffe) متفقہ طور پر دونوں کمیشنوں کے چیئرمین مقرر ہوئے۔ کیمبل جانسن کا کہنا: جناح نے ریڈکلف کا نام تجویز کیا تھا صحیح نہیں کیونکہ 23 جون 1947ء کو جناح سے ملاقات کے دوران ماؤنٹ بیٹن نے انہیں بتایا:

> ''چیئرمین کے لیے ریڈکلف کا نام تجویز کیا گیا ہے۔''

ریڈکلف کبھی بھی انڈیا نہیں آئے تھے۔ وہ 8 جولائی 1947ء کو دہلی پہنچے اور انہوں نے پانچ ہفتوں کے اندر اندر سرحدوں کا تعین کر دیا، لیکن اس طرح سے کہ نہ صرف ایک کروڑ سے زائد انسان ان سرحدوں کے پار پناہ گزیں ہوئے اور دو لاکھ کے قریب قتل ہوئے بلکہ کشمیر کا مسئلہ بھی پیدا ہو گیا جو پاکستان کی تمام کوششوں کے باوجود 66 سال گزرنے کے بعد بھی حل نہیں ہو سکا۔ اس مسئلے کی وجہ سے برصغیر میں آج تک امن قائم نہیں ہو سکا، اور دونوں ملکوں کے بجٹ کا کافی حصہ فوجی اخراجات کی نظر ہوتا رہا اور ہو رہا ہے۔

46-1945ء کے انتخابات کے نتائج آنے کے بعد انگریزوں اور ہندوؤں کو بھی یہ احساس ہو رہا تھا کہ شاید ہندوستان کو تقسیم کرنا ہی پڑے، چنانچہ لارڈ ویول کے دور ہی میں تقسیم ہند کی صورت میں اہم امور پر غور ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وی، پی، مینن سردار ولبھ بھائی پٹیل کے ایک متعصب پیروکار تھے۔ وہ وائسرائے کے ریفارمز کمشنر کے طور پر اہم رول ادا کر رہے تھے اور نہ صرف وائسرائے بلکہ اس کے تمام سٹاف کے ذہن بھی اپنی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش میں مسلسل لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ 23 جنوری 1946ء کو وہ جارج ایبل (George Abell) (وائسرائے کے ڈپٹی پرائیویٹ سیکرٹری جو دسمبر 1946ء سے وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری ہو گئے) کے نام ایک ''انتہائی خفیہ'' خط میں لکھتے ہیں:

> ''میں اپنا اور سر بی، این، راؤ (Rau) (گورنر جنرل کے سیکرٹریٹ (ریفارمز) میں آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی) کا مشترکہ نوٹ منسلک کر رہا ہوں۔ اس نوٹ میں اور باتوں کے علاوہ وہ دونوں یہ تجویز کرتے ہیں کہ مغربی منطقے کے بارے میں سکھوں کا اعتراض ایک حد تک دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تقسیم ہند کی صورت

میں امرتسر اور گورداسپور کے اضلاع پاکستان میں شامل نہ کیے جائیں کیونکہ ان دونوں اضلاع کا ایک ٹھوس بلاک ہے، اور ان دونوں کی مجموعی آبادی میں مسلمان 50 فیصد سے ذرا کم ہیں یعنی کسی ایک ضلع کی آبادی نہیں بلکہ دو اضلاع کی آبادی کو ملا کر گورداسپور کو پاکستان سے باہر رکھنے کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مقصد صرف ایک ہے کہ کشمیر کے لیے ہندوستان کو سڑک کا راستہ مل جائے۔''

چنانچہ 6 فروری 1946ء کو لارڈ ویول نے پیتھک لارنس کو ایک ''انتہائی خفیہ'' خط لکھا:

''حد بندی کے تحت پنجاب میں مسلم اکثریت کا صرف ایک ضلع جو پاکستان میں نہیں جا سکے گا، وہ گورداسپور ہے جس کی 51 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ جغرافیائی وجوہات سے اسے امرتسر کے ساتھ رہنا چاہیے، اور سکھوں کا مقدس شہر ہونے کی وجہ سے امرتسر کو پاکستان سے باہر رہنا چاہیے۔ یہ جغرافیائی وجوہات لارڈ ویول کے دماغ کے کسی کونے کے سوا کہیں اور موجود نہیں تھیں۔''

ان حوالوں سے بالکل واضح ہے کہ 1946ء کے انتخابات کے بعد جب تقسیم ہند ناگزیر دکھائی دے رہی تھی تو ہندوؤں کے ساتھ ساتھ انگریزوں نے بھی ان خطوط پر سوچنا شروع کر دیا تھا کہ ہندوستان کو ریاست جموں و کشمیر تک پہنچنے کے لیے راستہ ملنا چاہیے، چاہے اس سلسلے میں کتنی ہی دھاندلی کرنا پڑے، اور یہ دھاندلی انہوں نے کر کے چھوڑی۔ ریڈکلف نے آخرکار پاکستان اور ہندوستان کے درمیان سرحد کی لکیر وہیں کھینچ دی جہاں انگریز، ہندو سازش سے ڈیڑھ سال پہلے ہی فیصلہ کر لیا گیا تھا۔

یہ بھی یاد رہے کہ ایک سال سے زیادہ مدت کے بعد 7 مارچ 1947ء کو پنجاب کے گورنر سر ایون جنکنز (Evan Jankins) نے ''پنجاب کا مسئلہ'' کے عنوان سے ایک نوٹ وائسرائے ویول کو بھیجا۔ اس میں یہ کہا گیا تھا:

''گورداسپور میں مسلمان 590,000 اور غیر مسلم 560,000 ہیں، لیکن ہم تحصیل وار جائزہ لیں تو پٹھان کوٹ کی تحصیل میں غیر مسلم غالب اکثریت میں ہیں جبکہ باقی تین تحصیلوں میں مسلمان معمولی اکثریت میں ہیں۔''

ہم (بحث کی خاطر) فرض کرتے ہیں کہ گورداسپور اور امرتسر غیر مسلم ریاست میں ہوں گے، اور لاہور، سیالکوٹ، گوجرانوالہ اور شیخوپورہ مسلمان ریاست میں یعنی کوئی جواز نہ ملنے پر (بحث کی خاطر) فرض کرتے ہوئے وائسرائے سے یہ سفارش کر دی کہ گورداسپور کو ہندوستان ہی میں ہونا چاہیے۔ ادھر لارڈ ویول کی پہلے ہی سے یہی سوچ تھی، اور ماؤنٹ بیٹن نے بھی اسی کو انگریز، ہندو مفاد میں ضروری سمجھا۔ چنانچہ 4 جون 1947ء کو جب ماؤنٹ بیٹن سے ان کی پریس کانفرنس میں یہ سوال پوچھا گیا کہ آپ نے اپنی 3 جون کی نشری تقریر میں کیونکر کہا تھا کہ سرحدوں کا حتمی تعین ایک سرحدی کمیشن کرے گا، اور مستقل سرحدیں یقیناً وہ نہیں ہوں گی جو عارضی طور پر اختیار کی گئی ہیں تو انہوں نے فوری طور پر جواب دیا:

''میں نے یہ بات محض اس وجہ سے کی تھی کہ میرے خیال میں پنجاب کے ضلع گورداسپور میں مسلم آبادی 50.4 فیصد اور غیر مسلم آبادی 49.6 فیصد ہے۔ یہ قرین قیاس نہیں کہ صرف 0.8 فیصد کے فرق سے سرحدی کمیشن سارے ضلع کو مسلم اکثریتی علاقوں میں شامل کر دے۔ درحقیقت، اس ضلع میں مسلم آبادی 51.4 فیصد تھی لیکن یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں۔ اہم بات تو یہ ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نے ضلع گورداسپور کی آبادی کے اعداد و شمار کا بطور خاص مطالعہ کیا تھا، اور اس کی تقسیم پر زور دیا

تھا۔ ماؤنٹ بیٹن کی طرف سے سرحدی کمیشن پر اثر انداز ہونے کی یہ کھلم کھلا کوشش تھی۔

9 اگست 1947ء کو چوہدری محمد علی ایک دن کے لیے دہلی سے کراچی آئے کیونکہ انہوں نے قومی قرضے کے بارے میں ہندوستان کی تجاویز پر لیاقت علی خاں سے مشورہ کرنا تھا۔ لیاقت علی خاں نے انہیں کہا:

''وہ دہلی میں لارڈ اسمے سے مل کر انہیں قائداعظم کی طرف سے یہ بتا دیں کہ انہیں پنجاب کی سرحدوں خاص طور پر ضلع گورداسپور کے بارے میں فیصلے کے متعلق تشویشناک اطلاعات موصول ہوئی ہیں، اور اگر سرحدیں ویسے ہی متعین کی گئیں جیسے کہ ہمیں اطلاعات مل رہی ہیں تو یہ اقدام پاکستان اور برطانیہ کے تعلقات پر بہت زیادہ اثر انداز ہوگا۔ یہ برطانیہ کی عزت اور وقار کا معاملہ ہے۔''

چوہدری محمد علی دہلی واپسی پر ہوائی اڈے سے سیدھے وائسرائے ہاؤس پہنچے جہاں لارڈ اسمے بھی کام کرتے تھے۔ انہیں پتہ چلا کہ اسمے اور ریڈکلف بند کمرے میں بات چیت کر رہے ہیں۔ محمد علی انتظار کرتے رہے۔ ایک گھنٹے بعد وہ فارغ ہوئے تو محمد علی، اسمے سے ملے اور اس کو ساری بات بتائی۔ لارڈ اسمے نے اپنی اور ماؤنٹ بیٹن کی غیر جانبداری کا اظہار کیا اور کہا:

''ریڈکلف سے تو اس سلسلے میں کبھی بات ہی نہیں ہوئی۔''

جب انہوں نے اسمے کو تفاصیل سے آگاہ کیا تو انہوں نے کہا:

''آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ محمد علی کہتے ہیں کہ ان کے کمرے میں ایک نقشہ لٹکا ہوا تھا اور اس پر پنسل سے ایک لکیر کھینچی ہوئی تھی۔ میں نے انہیں بتایا کہ یہ لکیر تو وہی سرحد ظاہر کر رہی ہے جس کے بارے میں ہمیں رپورٹ ملی ہے۔ یہ سن کر اسمے کا چہرہ پیلا پڑ گیا اور وہ گھبرا کر کہنے لگے کہ میرے نقشے کو کون چھیڑتا رہا ہے؟ فائنل ایوارڈ اور اس لکیر میں اتنا فرق تھا کہ فیروزپور اور زیرہ کی تحصیلیں بھی ہندوستان کو دے دی گئیں۔''

ریڈکلف ایوارڈ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''ہندوستان کی تقسیم اب قطعی اور ناقابل تنسیخ طور پر موثر ہوگئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عظیم آزاد مسلم مملکت کی تشکیل میں ہمیں ناانصافیاں برداشت کرنا پڑی ہیں۔ (ہماری سرحدوں کو) ہر ممکن حد تک سکیڑ دیا گیا ہے، اور سرحدی کمیشن کا ایوارڈ ہمارے لیے تازہ ترین دھچکا ہے۔ یہ ایک غیر منصفانہ، ناقابل فہم اور خلاف عقل ایوارڈ ہے۔ یہ فیصلہ غلط، غیر منصفانہ اور خلاف عقل ہی سہی، یہ عدالتی نہیں بلکہ سیاسی ایوارڈ ہی سہی، لیکن ہم نے اسے تسلیم کرنے کا عہد کیا ہوا ہے اور ہم اس کے پابند ہیں۔ ایک باعزت قوم کی طرح ہمیں اس کی پابندی کرنی ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی سہی ہمیں اس ایک مزید ضرب کو استقامت، ہمت اور امید کے ساتھ برداشت کر لینا چاہیے۔''

تقسیم ہند کے بعد، دولت مشترکہ کے سیکرٹری فلپ نوئل بیکر (Philip Noel Baker) نے (جنہیں بعد میں نوبل پرائز برائے امن ملا) 27 فروری 1948ء کو وزیراعظم ایٹلی کو لکھا:

''یہ خیال کرنے کی وجہ ہے کہ سر سیرل ریڈکلف نے اپنا سرحدی ایوارڈ آخری لمحے میں بدلا تاکہ مغربی پنجاب کی ابتدائی سرحد بندی میں سے جس میں گورداسپور بھی شامل تھا بعض اہم علاقے مشرقی پنجاب میں شامل کر دے، لیکن ہمیں اس بات کا کوئی

علم نہیں کہ یہ ماؤنٹ بیٹن کے مشورے پر کیا گیا۔ ریڈکلف نے کبھی بھی اس بات کی تردید نہیں کی کہ انہوں نے اپنا ایوارڈ بدلا۔''

لیجئے اب تو برطانوی حکومت کے ایک نہایت اعلیٰ نمائندے خود ہی تسلیم کرتے ہیں کہ ریڈکلف ایوارڈ میں رد و بدل کیا گیا تا کہ گورداسپور کو مغربی پنجاب کی بجائے مشرقی پنجاب میں شامل کر دیا جائے، البتہ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایوارڈ میں یہ تبدیلی کس کے اشارے یا ہدایت پر ہوئی۔

برطانوی دفتر خارجہ کے ٹی، ایس، ٹل (Tull) بھی لکھتے ہیں:

''یہ خیال کرنے کے لیے کہ ریڈکلف ایوارڈ بدلا گیا، بہت سی وجوہ ہیں۔''

24 فروری 1992ء کو کرسٹوفر بوماؤنٹ (Christofer Beaument) نے ڈیلی ٹیلیگراف کو بتایا:

''ماؤنٹ بیٹن نے مداخلت کی اور ریڈکلف دباؤ میں آ گئے۔ ایک خاص لیخ پر بہت زیادہ سیاسی مصلحت کی بنا پر وہ ماؤنٹ بیٹن اور اسمے کے سامنے جھک گئے اور فیروزپور اور زیرہ کو پاکستان سے بھارت میں شامل کرتے ہوئے سرحدی لکیر کو بدل دیا۔''

ان سارے واقعات سے آپ خود ہی اندازہ کر لیجئے کہ ریڈکلف، ماؤنٹ بیٹن اور ان کے ساتھی اس بددیانتی میں کس حد تک ملوث تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے لوگ جس قوم کے بھی افراد ہوں، اس کے لیے باعث ننگ و عار ہیں۔

15 جنوری 1950ء کو سردار ولبھ بھائی پٹیل نے کلکتہ میں اپنی پبلک تقریر میں کہا:

''ہم نے اس شرط پر تقسیم قبول کی تھی کہ کلکتہ ہمیں ملے گا۔'' اگر یہ سچ ہے تو کیا یہ فیصلہ برطانوی حکومت کی مرضی کے بغیر ہو سکتا تھا؟

سعد خیری لکھتے ہیں:

''تقریباً دو صدی پیشتر، ہندوستان میں برطانوی ایمپائر کے بانی کلائیو اور ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل ہیسٹنگز پر جن الزامات کی بنیاد پر مقدمہ چلایا گیا، جو ماؤنٹ بیٹن کے جرائم سے کہیں کم تھے، لیکن اب برطانیہ میں کوئی ایڈمنڈ برک (Burke) ایسا رہنما نہیں تھا، جو انصاف کے لیے ڈٹ جائے۔ اگر برطانیہ میں اب بھی وہی پرانی اخلاقی قدریں رائج ہوتیں تو اپنے جرائم کی سزا میں پھانسی کا پھندا ماؤنٹ بیٹن کا مقدر بن چکا ہوتا۔''

یہ بات ریڈکلف کے لیے بھی اتنی ہی درست ہے۔ دراصل جب قومیں انحطاط پذیر ہوں تو اخلاقی قدریں بھی دم توڑ دیتی ہیں۔

(قائداعظم محمد علی جناح، از محمد سلیم مطبوعہ قومی پبلشرز، لاہور)

(دیکھئے: باؤنڈری کمیشن)

ریڈنگ لارڈ

ان کا تقرر 1921ء میں ہندوستان کے وائسرائے کی حیثیت سے ہوا۔ 31 جنوری 1924ء کو دہلی مرکزی قانون ساز اسمبلی کا جو اجلاس شروع ہوا، اس کا افتتاح لارڈ ریڈنگ نے کیا۔ 24 مارچ 1925ء کو لارڈ ریڈنگ نے ایوان کو ایک پیغام بھیجا جس میں کہا گیا تھا:

''وہ بنگال کرمنل لاء امنڈمنٹ سپلیمنٹری بل کو منظور کر لے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے حکومتی پالیسی کی شدید مذمت کرتے ہوئے ایوان سے مسترد کرنے کی اپیل کی۔ 1926ء میں لارڈ ارون کو وائسرائے ہند مقرر کیا گیا۔

وہ 1860ء میں پیدا ہوئے۔ وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد اٹارنی جنرل کی حیثیت سے ان کا تقرر رہا۔ 1913ء تا

1921ء انگلستان کے لارڈ چیف جسٹس اور 1921ء تا 1926ء وائسرائے ہند کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔
سخت گیر ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں سیاسی شورشوں کو دبائے رکھا۔ لارڈ ریڈنگ کا انتقال 1935ء میں ہوا۔

ریڈیو بمبئی

زیڈ اے بخاری پاکستان کی ایک نامور شخصیت تھے۔ انگریزی دور حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ریڈیو پاکستان کے پہلے ڈائریکٹر جنرل مقرر کیے گئے۔ انہیں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کا شرف بھی حاصل رہا۔ ذیل میں قائداعظم محمد علی جناح کی ایمان کی پختگی کے سلسلے میں ایک حیرت انگیز واقعہ پیش خدمت ہے:
''جب زیڈ اے بخاری بمبئی میں آ کر اسٹیشن ڈائریکٹر تعینات ہوئے تو ریڈیو کو زیادہ سے زیادہ مقبول بنانے کے لیے انہوں نے ایک نئی طرز ایجاد کی۔ وہ یہ کہ بڑے بڑے عمالِ حکومت کے علاوہ انہوں نے بڑی بڑی علمی شخصیات سر چمن لال سیتل، رستم اور مسٹر ہومی مودی کے علاوہ سیاسی شخصیات کو بھی مدعو کرنا شروع کر دیا۔
دیگر لیڈروں کے علاوہ جواہر لال نہرو وغیرہ بھی آل انڈیا ریڈیو پر آ کر تقاریر کرتے رہے۔
اب ان کی کوشش تھی کہ قائداعظم محمد علی جناح کو بھی ریڈیو اسٹیشن لایا جائے۔ اس کے لیے انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ اس سے قائداعظم محمد علی جناح کی اللہ کی حفاظت پر ایمان کی پختگی، صداقت کی قوت اور عوام سے ان کی محبت کی جھلک اعلیٰ انداز میں نظر آتی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:
''جناب چندریگر بمبئی مسلم لیگ کے اہم لیڈر تھے۔ میں نے ان سے بھی تقریر نشر کرنے کے لیے کہا مگر ان کا کہنا تھا کہ مسلم لیگ کی طرف سے صرف قائداعظم ہی ریڈیو پر تقریر کر سکتے ہیں۔ تم انہی کے پاس جاؤ۔ ادھر مجھے خوب معلوم تھا کہ اگر بے موقع بات ہوئی اور قائداعظم نے براڈ کاسٹ کرنے سے انکار کر دیا تو معاملہ ہمیشہ کے لیے بگڑ جائے گا۔
خیر اللہ نے میری مدد کی۔ نومبر 1939ء کا ذکر ہے کہ رمضان کی آخری تاریخوں میں دہلی میں تمام سیاسی جماعتوں کا ایک اجتماع ہوا جس میں شرکت کے لیے قائداعظم بھی تشریف لے گئے۔ اسی اجتماع کی خبریں اخباروں میں چھپتی رہتی تھیں جن سے معلوم ہوا تھا کہ قائداعظم نے ملک کے مختلف مسائل پر مسلمانوں کے نقطہ نظر پر کئی خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ اس اجتماع کے بعد قائداعظم بمبئی لوٹے تو معلوم ہوا کہ کامیاب واپس آئے ہیں، میں نے سوچا کہ وہ یقیناً خوش ہوں گے اور کیا عجب کہ اس خوشی کے موقع پر وہ ہماری درخواست منظور کر لیں۔ خاص طور پر یہ بات بھی تھی کہ اگلے ہی روز میری خواہش تھی کہ عید کی شام وہ تقریر نشر فرمائیں۔
چنانچہ میں اس روز ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا۔ اب کیا بتاؤں؟ کیا کیا الفاظ استعمال کیے۔ قائداعظم کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت ذرا مشکل ہی سے ہوتی تھی۔ خدا معلوم میں نے کیا کہا، لیکن خدا ان پر رحمت کرے۔ میری درخواست قبول فرمائی۔
قائداعظم عید کی نماز کے لیے تشریف لے گئے تو مجھے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ سارا شہر عیدگاہ میں جمع ہو گیا تھا۔ اس مجمع میں اعلان ہوا کہ شام کو قائداعظم بمبئی ریڈیو اسٹیشن سے تقریر فرمائیں

گے۔ شام قریب آئی تو ریڈیو اسٹیشن کے آس پاس کی تمام سڑکوں پر لوگوں کا ہجوم ہوگیا۔ اب میں بہت ڈرا کہ اگر خدانخواستہ کوئی دشمن ہجوم میں گھس کر قائداعظم کی گاڑی پر بم پھینک دے تو کیا ہوگا؟

یہ سوچ کر قائداعظم کے درِ دولت پر پہنچا، اور ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے دیدار کے لیے بہت لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ وہ یہ سن کر خاموش رہے، گاڑی میں بیٹھے تو میں نے عرض کیا کہ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ رُک کر فرمایا: ''ڈر کس بات کا؟'' میں نے عرض کیا اتنے بڑے مجمع میں کیا معلوم کوئی دشمن بھی ہو...... اور وہ میرا فقرہ قائداعظم کی بے نیازانہ مسکراہٹ میں گم ہوگیا۔ (گویا توکل علی اللہ پر ایمان کا اظہار تھا۔)

جب قائداعظم کی سواری کوائنز روڈ پر پہنچی تو لوگوں کے بے پناہ ہجوم کے باعث گاڑی کا آگے بڑھنا دشوار ہوگیا۔ وہ آہستہ آہستہ بڑھتی گئی، اور بڑھتی بڑھتی ریڈیو کے پھاٹک میں داخل ہوگئی۔ لوگ اندر آنے لگے تو میں بہت گھبرایا۔ میری گھبراہٹ دیکھ کر قائداعظم نے فرمایا: ان سے کہو اندر نہ آئیں۔

ان کا یہ فرمان سن کر میں سکتہ میں آگیا۔ میں کیا اور میری آواز کیا، اور میری حیثیت کیا کہ میں کیا کہوں، اور میرے کہنے پر ہجوم احاطہ کے اندر آنے سے باز رہے، مگر قائداعظم کا فرمان کیونکر ٹالتا؟ گاڑی سے باہر نکلا اور احاطہ کی دیوار پر کھڑے ہوکر میں نے کہا کہ قائداعظم کے حکم کے مطابق آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ احاطہ کے اندر تشریف نہ لائیں۔ یہ قائداعظم کے نام کی برکت تھی کہ میری آواز میں تاثیر پیدا ہوگئی، اور آگے بڑھتے ہوئے لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ جیسے سمندر کی لہر ساحل تک آکر پلٹ جائے۔ اسٹوڈیو چوتھی منزل پر تھا، میں قائداعظم کے ساتھ لفٹ میں سوار ہوا، لفٹ چلانے کے لیے میں نے اپنا ایک خاص آدمی متعین کر رکھا تھا، کیونکہ مجھے کسی پر بھروسہ نہ تھا۔ قائداعظم کی تقریر شروع ہوئی۔ ان کی آواز تھی کہ ''صورِ اسرافیل۔'' لہجہ تھا کہ ''صداقت کے سمندر کی لہریں'' الفاظ تھے کہ ترستی زمین پر ''رحمتِ باراں۔'' جب میں نے قائداعظم کی تقریر سنی مبہوت ہوگیا۔ ہندو اخبار ہندوستان ٹائمز نے اس تقریر پر متواتر تین اداریے لکھے۔ مدراس، کلکتہ، بمبئی، دہلی، لاہور غرض کوئی بڑا مرکزی کا ایسا نہ تھا، جہاں قائداعظم کی تقریر موضوعِ سخن نہ رہی ہو۔ تقریر کر کے اسٹوڈیو سے باہر نکلے تو فدائی ٹوٹ پڑے۔ قائداعظم کو اور ان کے طفیل مجھے اتنے ہار پہنائے گئے کہ کچھ عرض نہیں کرسکتا۔''

(قائداعظم کی شخصیت کا روحانی پہلو، صفحہ ۹۰ تا ۹۳)

ریڈیو پاکستان

(دیکھئے: پہلا خطاب)

ریفرنڈم

پاکستان کے قیام سے قبل پاکستان کو مسلم اکثریتی صوبوں سے محروم کرنے کے لیے بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا مسئلہ کھڑا کرنے کے علاوہ 96 فیصد مسلم اکثریت والے صوبہ سرحد میں بھی ریفرنڈم لازمی قرار دیا گیا، اور اس کا جواز یہ پیش کیا گیا:

''وہاں کانگریس کی حکومت قائم ہے، لہٰذا وہاں کے باشندوں کی مرضی معلوم کی جائے کہ زیادہ لوگ پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں یا بھارت سے۔''

قائداعظم محمد علی جناح سے بغض رکھنے کی بنا پر صوبہ سرحد کی

کانگریس حکومت، خان عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خاں صاحب نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ اس صوبے کو پاکستان میں شامل نہ کیا جائے۔ وزیراعلیٰ سرحد ڈاکٹر خاں صاحب نے اس ضمن میں یہ مطالبہ پیش کیا:

''صوبے میں ریفرنڈم کرایا جائے اور عوام سے یہ رائے لی جائے کہ وہ آزاد پختونستان چاہتے ہیں۔''

اس مطالبے کی پذیرائی اس بنا پر نہ ہو سکی کہ پنڈت نہرو نے 4 جون 1947ء کو صاف صاف کہہ دیا تھا:

''کسی صوبہ کو آزادی کا حق نہیں دیا جائے گا۔''

لہٰذا پختونستان کا مطالبہ تو اپنی موت آپ ہی مرگیا۔

دوسری طرف کابل نے یہ راگ الاپنا شروع کردیا:

''یہ صوبہ افغانستان کا حصہ ہے اسے افغانستان کو واپس کیا جائے۔''

سرحدی گاندھی عبدالغفار خاں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے عزائم کی تکمیل نہیں ہو رہی تو انہوں نے پاکستان کو تسلیم کرنے کے لیے تین مطالبات پیش کر دیے۔

1. صوبہ سرحد کو مکمل خودمختاری دی جائے۔
2. مغربی پنجاب کے علاقوں کو قبائلی علاقوں میں شامل کیا جائے۔
3. صوبے کے عوام کو اختیار دیا جائے کہ وہ قیام پاکستان کے بعد جب بھی چاہیں، اس سے علیحدگی اختیار لیں۔

خان عبدالغفار خاں نے اپنے مطالبات تسلیم کرانے کی غرض سے مسٹر گاندھی کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کا پروگرام بھی بنایا، لیکن جب انہیں سرحدی گاندھی کے عزائم کا پتہ چلا تو انہوں نے ملنے سے انکار کردیا۔

سرحدی گاندھی جب اپنے مطالبات منظور کروانے میں ناکام رہے تو انہوں نے صوبے میں قتل وغارت کا بازار گرم کرنے کا پروگرام بنایا چنانچہ ان کے بھائی ڈاکٹر خاں کا (جو صوبے کے وزیراعلیٰ تھے) نے اپنے آدمیوں کو اسلحہ کے چھ ہزار لائسنس جاری کردیے، اور یہ اعلان کیا:

''کانگریس صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں حصہ نہیں لے گی۔''

صوبہ سرحد کے گورنر سراولاف کیرو ریفرنڈم کے حق میں تھے، چنانچہ انہیں مٹانے کے منصوبے بنائے گئے۔ دریں اثنا مسلم لیگ نے مطالبہ کیا:

''ریفرنڈم سے قبل صوبے کی کانگریسی وزارت کو اقتدار سے الگ کیا جائے اور صوبے میں دفعہ 93 کے تحت گورنر راج کا نفاذ عمل میں لایا جائے۔''

لیکن مسلم لیگ کی اس سنجیدہ تجویز کو تسلیم کرنے کی بجائے گورنر کیرو کی جگہ پر لاکہارٹ کو نیا گورنر مقرر کیا گیا۔ شدید مخالفت کے باوجود 6 اور 7 جولائی 1947ء کو صوبہ سرحد میں ریفرنڈم ہوا جس میں عوام نے پاکستان کا بھاری اکثریت سے ساتھ دیا اور کل رائے دہندگان میں سے 49-50 فی صد لوگوں نے ریفرنڈم میں حصہ لیا۔

ریفرنڈم میں پاکستان کے حق میں 2,89,244 ووٹ جب کہ ہندوستان کے حق میں صرف تین ہزار ووٹ آئے۔ ریفرنڈم کو کامیاب بنانے کے لیے خاں عبدالقیوم خاں، خاں فدا محمد خاں، پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب زکوڑی شریف، ارباب سکندر خاں، خلیل سردار بہادر خاں اور دیگر مسلم لیگی رہنماؤں نے اہم کردار ادا کیا۔

پروفیسر ایل ایف رش بروک ویلمز اپنی کتاب Pakistan Under Chalange میں لکھتے ہیں:

''صوبہ سرحد میں شامل اضلاع میں اس باضابطہ استصواب کے علاوہ قبائل پٹی میں ایک اور استصواب ہوا تھا، جس میں قبائل نے رضاکارانہ طور پر پاکستان میں شامل رہنے کے حق میں رائے دی۔''

اسی طرح مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) کے علاقے

سلہٹ میں 9 جون 1947ء کو ریفرنڈم کا اعلان ہوا تو مسلم لیگی رہنماؤں جن میں مولانا عبدالحمید خاں بھاشانی، مولانا فضل الحق، مولوی عبداللہ نورالحق، مسٹر فضل القادر چودھری، محمود علی اور خان عبدالصبور خان شامل ہیں، انہوں نے پاکستان کے حق میں فضا ہموار کرنے اور ریفرنڈم کو کامیاب بنانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ جولائی 1947ء میں سلہٹ میں تاریخی ریفرنڈم ہوا اور سلہٹ کے عوام نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیے نتائج کا اعلان 16 جولائی 1947ء کو ہوا۔

ریفرنڈم کی درخواست

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 494 کا متن۔

برطانوی کابینہ کمیٹی برائے ہندوستان و برما کی 26ویں میٹنگ۔

(اقتباس)

مورخہ 20 مئی 1947ء

کارروائی نمبر 4

مسٹر جناح کی پنجاب اور بنگال میں ریفرنڈم کی درخواست

وسکاؤنٹ ماؤنٹ بیٹن نے مسٹر جناح کی پنجاب اور بنگال میں ریفرنڈم کی درخواست کا حوالہ دیا جو انہوں نے 17 مئی کے خط میں کی کہ ان صوبوں کے عوام کی خواہش معلوم کرنے کے لیے آیا وہ بٹوارہ چاہتے ہیں یا نہیں۔ ریفرنڈم کرایا جائے۔ وائسرائے اسے منظور کرنے کی پوزیشن میں خود کو نہیں پاتے، ان کی رائے میں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ الٹا یہ محض تاخیر کا باعث ہوگی، تاہم اس نے مسٹر جناح سے وعدہ کیا کہ وہ معاملہ کابینہ کے سامنے پیش کرے گا۔

کمیٹی اس پر متفق ہے کہ مسٹر جناح کو آگاہ کر دیا جائے کہ اس کی پنجاب اور بنگال میں ریفرنڈم کی تجویز حکومت برطانیہ کے لیے قابل قبول نہیں۔

کارروائی نمبر 5

وسکاؤنٹ ماؤنٹ بیٹن نے کمیٹی کو بتایا کہ ہندوستان نے حد بندی میں ردو بدل کے لیے بعض اہم ترین تجاویز بھیجی ہیں۔ اپنے 17 مئی کے نوٹ میں مسٹر جناح نے تجویز کیا کہ بنگال کی تقسیم کی صورت میں صوبہ بہار کے حلقے کے ایسے علاقے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، اور جو مشرقی بنگال سے ملحق ہیں وہ مشرقی بنگال میں شامل کر دیے جائیں۔ پنڈت نہرو نے سندھ کا ایک تھوڑا حصہ ریاست جودھپور میں شامل کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔ سردار پٹیل کچھ کا ایک حصہ بمبئی پریذیڈنسی میں شامل کرانا چاہتے ہیں۔ ان تجاویز کو ماننے سے بے شمار ایسی تجویزوں کا دروازہ کھل جائے گا۔ ان سے یہ سوال بھی سامنے آتا ہے کہ آیا برطانوی ہند کا علاقہ کسی ریاست کو منتقل کیا جا سکتا ہے؟

کمیٹی کی رائے میں یہ ایسے امور ہیں کہ اس مرحلے پر ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائے۔ حد بندی میں اس قسم کے ردو بدل انتقال اقتدار سے بعد کے معاملات ہیں، جن کا فیصلہ تو فریقین باہمی سمجھوتے سے کریں، یا ان کا تصفیہ باؤنڈری کمیشن کرے۔ (ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا)

ری کنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ ان اسلامؒ

یہ ڈاکٹر علامہ اقبال کے مشہور خطبات ہیں، انہیں قائداعظم محمد علی جناح بڑے شوق سے پڑھا کرتے تھے۔ علامہ اقبال کے خطبات کا مجموعہ سات خطبوں پر مشتمل تھا۔ ان میں سے علامہ اقبال نے 1928ء میں تین حیدرآباد اور مدراس میں پڑھے۔ تین 1929ء میں علی گڑھ اور ایک خطبہ 1928ء میں ارسطاطلین سوسائٹی لندن کے لیے لکھا۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ ''آل انڈیا ریڈیو'' پر عوام سے خطاب کر رہے ہیں

ریمزے میکڈانلڈ

وزیراعظم انگلستان تھے جب قائداعظم محمد علی جناح گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے اور کانفرنس میں اپنی قابلیت کا لوہا منوایا تو اس وقت انگلستان کے وزیراعظم ریمزے میکڈانلڈ تھے۔انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنے ہاں بلایا اور برصغیر میں آئینی اصلاحات سے پیدا شدہ صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔اس نے اپنی گفتگو کا آغاز ان الفاظ سے کیا:

''آپ جانتے ہیں کہ نئی آئینی اصلاحات نافذ ہونے والی ہیں۔ہمیں صوبائی گورنروں، وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ارکان اور اسی طرح کے مناصب کے لیے قابل آدمیوں کی ضرورت ہے۔''

وزیراعظم برطانیہ ابھی اپنی بات مکمل نہ کرنے پائے تھے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''مسٹر میکڈانلڈ! کیا آپ مجھے رشوت دینے کی کوشش کررہے ہیں۔''

جیسا کہ توقع کی جاسکتی تھی اس ملاقات کا وہیں خاتمہ ہوگیا۔

ریواز ہوسٹل سوسائٹی (لاہور)

قائداعظم محمد علی جناح کو 1943ء میں اس سوسائٹی کی جانب سے ان کے اعزاز میں دی جانے والی چائے کی دعوت کا مختصر یادگاری نوٹ حسب ذیل ہے:

''قائداعظم محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ کو ریواز ہوسٹل سوسائٹی نے قیام لاہور کے دوران چائے کی دعوت دی تھی۔ان کے نومبر 1942ء کے دورے کے دوران پنجاب کے دوسو سے زائد افراد کو چائے پر مدعو کیا گیا تھا۔قائداعظم نے مسٹر ظہور عالم شہید کے سپاسنامے کے جواب میں مختصر تقریر بھی کی۔ قائداعظم نے اپنی مختصر تقریر میں طالب علموں کے مخلصانہ جذبہ حریت اور تحریک پاکستان میں ان کے گہرے لگاؤ کو بے حد سراہا تھا، اور طالب علموں کو نصیحت کی کہ وہ قوم کا اصل سرمایہ ہیں، اور یہ کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ ملی ذمہ داریوں کو بھی پورا کریں۔''

ز

زاغلول پاشا

ٹرینٹی کالج میں 6جون 1931ء کو جو جلسہ ہوا اس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے مصر کے زاغلول پاشا کے ایک واقعہ کا ذکر کیا جس میں زاغلول پاشا نے اپنے ایک صحیح عمل سے قبطی اور مصری مسئلہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیا۔قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''اس کے برخلاف ہندو ہمیشہ مسلمانوں سے کوئی سودا کرنے اور سودے پر جھگڑنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ مسئلہ کو حل کرنے کا یہ طریقہ صحیح نہیں ۔ضرورت اس امر کی ہے کہ لوگ ایک دوسرے پر بھروسہ کریں۔''

زاہد القادری، دہلوی

دہلی کے ممتاز عالم دین تھے۔1937ء میں قائداعظم محمد علی جناح اور مسٹر زاہد القادری دہلوی کے درمیان آل انڈیا مسلم لیگ کے تعمیری پروگرام کو عملی صورت دینے کے لیے تبادلہ خیال ہوا۔اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''لیگ کی صحیح زندگی تین ماہ سے شروع ہوئی ہے۔''

زاہد القادری نے قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے کانگریسیوں کے اعتراضات بھی رکھے جن کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''کانگریس کے پاس روپیہ ہے۔ اقتدار ہے، تنظیم ہے لیکن مسلم نوازی اور مساوات پسندی کے دعوے کے باوجود غریب مسلمانوں کی اصلاح وترقی کے لیے کیا کیا ہے۔کتنی صنعتی، تجارتی اور تعلیمی آسامیاں پیدا کی ہیں۔ کتنے بے روزگاروں کو روزگار لگایا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو تو چھوڑ دیجئے ۔کانگریس نے اب تک غریب اچھوتوں کے لیے کیا کیا ہے؟ غریب مفلوک الحال ہندوؤں کی بہتری کے لیے کون سا قدم اٹھایا ہے۔ جب تک کانگریس برسراقتدار نہیں آئی تھی ہر طرف سے صدا بلند ہورہی تھی کہ کسانوں اور مزدوروں کے ساتھ خود کانگریسی حکومتیں وہی سلوک کررہی ہیں جو پہلی حکومتوں کے زمانہ میں ہوتا رہا۔ اب کسان اور مزدور لب کشا ہوتے ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے کہ ٹھہرو اور انتظار کرو۔اپنے پرائے میں تمیز کرو۔ اعتراضات اور نکتہ چینی چھوڑ دو اس کا انداز بدلو۔کیا ان حالات پر کانگریس ناز کرسکتی ہے۔''

زاہد حسین (سٹیٹ بنک کے پہلے گورنر)

انہیں قائداعظم محمد علی جناح نے سٹیٹ بنک آف پاکستان کے قیام پر سٹیٹ بنک آف پاکستان کا پہلا گورنر مقرر کیا تھا۔

زاہد حسین 1895ء میں پیدا ہوئے۔انہوں نے اسلامیہ کالج لاہور اور علی گڑھ میں تعلیم مکمل کی۔ پھر مالیات کے اعلیٰ امتحان میں کامیاب ہوکر سرکاری ملازم رہے۔ غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے ترقی کرکے جلد ہی درجہ امتیاز حاصل کرلیا۔ چیف کمشنر دہلی کے مالی مشیر، پھر سپلائی میں مالی مشیر، آخر ریلوے فنانشل کمشنر مقرر ہوئے ۔ دولت آصفیہ میں وزیر مالیات رہے۔

3 مئی 1947ء کے پیسہ اخبار لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح کے حوالے سے یہ بیان شائع ہوا:

''انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اپیل کی کہ وہ ریاست حیدر آباد دکن کے سابق وزیرخزانہ مسٹر زاہد حسین کو مسلم یونیوسٹی علی گڑھ کا وائس چانسلر منتخب کریں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس بات پر مسرت کا اظہار کیا کہ سبکدوش ہونے والے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد نے اپنی جگہ مسٹر زاہد حسین کا نام تجویز کیا اورنواب زادہ لیاقت علی خاں نے اس کی تائید کی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر یونیورسٹی کورٹ کے ارکان سے اپیل کی کہ وہ مسٹر زاہد حسین کو وائس چانسلر منتخب کریں۔''

قیام پاکستان کے بعد پاکستان کی طرف سے ہندوستان میں پہلے ہائی کمشنر کی حیثیت سے تقریباً 8 ماہ تک خدمات انجام دیں۔ یکم جولائی 1948ء کو سٹیٹ بنک آف پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں اس کا پہلا گورنر مقرر کیا۔ زاہد حسین بہت قابل اور محبِ وطن تھے۔

زاہد حسین کی رہنمائی میں پاکستان کا پہلا پنجسالہ منصوبہ مرتب ہوا۔ جس میں ملکی معیشت کے استحکام کے لیے زرعی اصلاحات کی سفارش کی گئی تھی، مگر اس وقت کا مقتدر طبقہ ان اصلاحات کے خلاف تھا اس لیے انہیں منصوبہ بندی بورڈ کی صدارت سے علیحدہ کر دیا گیا۔

زاہد قریشی، بیگم

دہلی مسلم لیگ خواتین کمیٹی کی روح رواں تھیں۔

1940ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور میں قرار داد پاکستان کی منظوری کے وقت بیگم زاہد قریشی بھی موجود تھیں۔ انہوں نے دہلی سے لاہور تک کا سفر بھی قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ کیا۔

وہ دہلی میں ریلوے آفیسر انوار الحق کے ہاں پیدا ہوئیں۔ دو سال کی عمر تھی کہ والد انتقال کر گئے۔ گھر پر ہی تعلیم حاصل کی۔ 1929ء میں زاہد قریشی سے شادی ہوئی۔ 1938ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو کر صوبہ دہلی مسلم لیگ خواتین کمیٹی کی رکن بنیں۔

بعد ازاں پروپیگنڈہ سیکرٹری منتخب ہوئیں۔ 1940ء میں وفد کی حیثیت سے لاہور کے اجلاس میں شرکت کی۔ 1946ء میں الیکشن کے لیے دو ہزار روپے جمع کر کے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں پیش کیے۔ 1947ء میں عربک کالج دہلی میں قائداعظم محمد علی جناح نے خواتین سے خطاب کیا۔ اس جلسے کا انتظام بیگم زاہد قریشی نے ہی کیا تھا۔

1947ء میں بہار ریلیف فنڈ کے لیے معقول رقم جمع کی۔ ہندو مسلم فسادات کی روک تھام کی کمیٹی کی رکن بھی بنیں۔ جون 1947ء میں قیام پاکستان کی اطلاع ملی تو بیس ہزار کے قریب دہلی کی خواتین کا جلوس لے کر قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انجمن خواتین تبلیغ الاسلام کی تاحیات سیکرٹری رہیں۔ انہوں نے دہلی کے مختلف علاقوں میں درسگاہیں قائم کیں۔ 1948ء میں جیکب لائنز کراچی میں رہائش اختیار کی۔ یہاں بھی پچیس چھوٹی بڑی درس گاہیں قائم کیں، پھر ناظم آباد کراچی میں رہائش اختیار کر لی۔

(بحوالہ تحریک پاکستان اور خواتین، از نور الصباح بیگم)

زبان کا مسئلہ

مارچ 1948ء میں قائداعظم محمد علی جناح ڈھاکہ گئے تو انہوں نے فرمایا:

''مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگوں نے بھی اس جھگڑے

میں حصہ لیا، حالانکہ آپ کے وزیراعظم نے اس مسئلے کی پوری وضاحت کردی تھی۔ کیا آپ خود یہ محسوس نہیں کرتے کہ ہندوستان کے اخبارات جو آپ کے ملک کے نام پر لعنت بھیجتے ہیں، اور وہ مسلمان جو کل تک پاکستان کے خلاف تھے۔ آپ کے جائز حقوق کی لڑائی میں کس طرح پیش پیش ہیں۔

میں آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ آپ ان غداروں سے ہوشیار رہیے۔ میں ایک بار پھر اس مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان ایک ہو جہاں تک اپنے صوبے کی سرکاری زبان بنانے کا تعلق ہے۔ اس صوبے کے تمام باشندوں کا حق ہے کہ وہ جو زبان چاہیں اختیار کریں کیونکہ اس مسئلہ کو صرف انہی کی رضامندی سے طے کیا جاسکتا ہے۔ جس کا اظہار وہ اپنے حقیقی نمائندوں کے ذریعے غیر جانبداری سے مناسب وقت پر کر سکتے ہیں۔

لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ پورے ملک کی صرف ایک زبان ہوسکتی ہے، اور یہ زبان ایسی ہونی چاہئے جس میں ملک کے تمام صوبے ایک دوسرے سے خط وکتابت کر سکیں، چنانچہ ایسی زبان سوائے اردو کے کوئی اور نہیں ہوسکتی اس لیے حکومت کی زبان اردو ہی ہونی چاہئے۔''

زبیری، مسرت حسین

محکمہ مواصلات کے سیکرٹری تھے۔ پاکستان کے قیام کے بعد احمد ایچ جعفر نے قائداعظم محمد علی جناح سے کہا:

''ہماری تجویز ہے کہ ہم لندن کی ٹاس کمپنی سے ٹکٹ چھپوائیں۔ آپ مجھے اجازت دیں اس اجازت نامے کے بعد آپ کو پانچ لاکھ روپے دوں گا۔ پانچ لاکھ میں کے اخراجات کے لیے رکھوں گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جناب زبیری سے مشورہ کیا تو انہوں نے اس کی مخالفت کی اور کہا:

''قائداعظم ہمارا ملک نیا بنا ہے اور بہت سے چھوٹے چھوٹے ملک نوٹ کی طرح یہ ٹکٹ وغیرہ چھپوا کر دنیا میں بدنام ہوچکے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اتفاق کرتے ہوئے احمد ایچ جعفر کو ایک لاکھ روپے دے کر کہا:

''باقی انتظامات تم خود کرو۔''

مسرت حسین زبیری 1911ء میں پیدا ہوئے۔ سینٹ جونز کالج آگرہ، سینٹ کیتھرائن کالج کیمبرج میں تعلیم حاصل کی۔ 1939ء تا 1940ء ڈیرہ غازی خاں کی بارڈر ملٹری پولیس کے کمانڈر 1941ء تا 1942ء سیکرٹری جوائنٹ پبلک سروس کمیشن پنجاب وصوبہ سرحد، سیکرٹری مواصلات 1945ء تا 1947ء اور ڈپٹی سیکرٹری حکومت پاکستان رہے۔

ان کا انتقال 1987ء میں ہوا۔

زرخرید طائفہ

قائداعظم محمد علی جناح اپنی صلاحیتوں، قابلیتوں، فراستوں اور بصیرتوں کے باوجود گوشت پوست سے بنے ہوئے ایک انسان تھے۔ آپ کے سینے میں ایک حساس دل بھی تھا، جو بیگانوں کے مقابلے میں اپنوں کے کچوکوں سے زیادہ متاثر ہوتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی اللہ رب العزت نے آپ کو مصائب سے مردانہ وار نبرد آزما رہنے والا اور درگزر کرنے والا ایک مسلمان دل بھی عنایت فرمایا تھا۔ آپ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی آزادی کی دشمن ہندو قوم نے ان کے مقابلے کے لیے مسلمانوں میں سے زرخرید طائفہ لا کھڑا کیا ہے، لیکن آپ کرائے کے اس طائفہ کی ریشہ دوانیوں سے کبھی بد دل نہیں

ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ نے اکتوبر 1938ء میں سندھ صوبائی اسمبلی مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کراچی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر مسلمانوں کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے شکست کا خطرہ ہوسکتا ہے تو دشمن سے نہیں بلکہ ان لوگوں سے ہے جو ہم میں سے ہیں جو مارِ آستین اور غدار ہیں، اور مسلمانوں کے اتحاد کے لیے زہر قاتل ہیں جس کا تجربہ ماضی میں بھی ہم کو ہو چکا ہے کہ ہم اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکے۔ میں ایسے غداران قوم کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ سوائے اس کے ان کا جتنا دل چاہے، بدترین سے بدترین کوششیں کرلیں، اور کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں، لیکن میں آپ سے اپیل کرتا ہوں چونکہ آپ کے دل میں مسلمانوں اور اسلام کا درد ہے کہ کسی زہریلے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں اور مسلم لیگ کے اسلامی پرچم کے نیچے جمع ہوکر دوسرے مسلمانوں کو بھی اتحادِ عمل کی دعوت دیں اور بیک وقت مسلمانوں کے حقوق کے لیے کلمۃ الحق بلند کریں۔''

اور یہی غداران وطن جب کھل کر کھیلنے لگے اور پاکستان کی مخالفت میں عملاً ان میں اور ہندوؤں میں صرف نام ہی فرق رہ گیا تو آپ نے 18 اکتوبر 1945ء کو کوئٹہ میں بلوچستان سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کرتے ہوئے معاندین پاکستان کی ان الفاظ میں نشاندہی کی:

"I see that forces are working against us and the congress is determined, by hook or by crook to create disruption among the mulimans with the help of those Muslims who I am sorry to say are not with us but. With our enemies and are being used by them for the purpose of misleading the Musliman as decoyed birds because they are Hindus in all respects exept in name and form no doubt the congress has money power ful organization and press but right in with us. God is with us and Insha Allah we shall win."

''میں دیکھ رہا ہوں بعض طاقتیں ہمارے خلاف مصروف عمل ہیں، کانگریس بہرحیلہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہے۔ ان مسلمانوں کی مدد سے (مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری بجائے ہمارے دشمنوں کے ساتھ ہیں) کانگریس مسلمانوں کو اپنے مقصد سے بھٹکانے کے لیے انہیں شکاری پرندوں کے طور پر استعمال کر رہی ہے، جو خود بھی عملاً نام کے علاوہ ہر اعتبار سے ہندو ہیں۔ بے شک کانگریس کے پاس سرمایہ ہے۔ ایک مستحکم تنظیم ہے۔ پریس ہے لیکن حق ہمارے ساتھ ہے، اور خدا بھی ہمارے ساتھ ہے۔ انشاء اللہ جیت ہماری ہوگی۔''

اللہ اللہ کیا یقین اور اعتماد تھا۔ اپنے نیک مقصد کا سگاری پر اور تاریخ گواہ ہے کہ اس یقین اور اعتماد کو کامرانی کے پھل لگے اور قیام پاکستان کے دشمن (وہ ہندو کانگریس تھی یا مذہب فروش طائفہ) اپنے مذموم مقصد میں ناکام ونامراد اور خائب وخاسر ہی رہے۔

تعصب ونفرت کی آندھیاں چلیں، بغض وکدورت کے

طوفان اٹھے، فرقہ وارانہ مخالفتوں کی فتنہ انگیزیاں برپا ہوئیں، لیکن اپنی دھن کا پکا میر کارواں دشوار گزار راستوں کے جھاڑ جھنکاڑ صاف کرتا اور ہر قسم کے فتنوں سے پر کمین گاہوں سے بچاتا ہوا قافلہ کو لے کر منزل مراد پر جا پہنچا، اور پھر اس نے اس منزل مراد پر پہنچ کر قدرے کھل کر اپنے پاکستان کے خدوخال کی وضاحت کی جو اس انٹرویو کی صورت میں محفوظ ہے جو قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے کے نمائندے کو دیا جس میں آپ نے نامہ نگار کو بتایا:

''پاکستان نامی مملکت ایک جمہوری مملکت ہوگی، جس میں حاکمیت کے حامل جمہور ہوں گے۔''

زری سرفراز، بیگم

وہ صوبہ سرحد کی نامور خاتون اور قائداعظم محمد علی جناح کی معتقد تھیں۔ انہوں نے تحریک پاکستان کے دوران صوبہ سرحد میں اہم خدمات انجام دیں۔ صرف سترہ سال کی عمر میں اپنے والد سرفراز خان کے ہمراہ لاہور میں منعقدہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اس سالانہ اجلاس میں شرکت کی جس میں 23 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔

وہ 28 جولائی 1923ء کو سرفراز ہاؤس مردان میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام محمد سرفراز خاں اور والدہ کا نام کوکب سلطانہ تھا۔ والدہ نے زرنگار نام رکھا۔ والد پیار سے زری کہتے تھے۔ شروع میں خانزادی زری زرنگار ناصرہ کے نام سے بھی شہرت حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی پھر سری نگر میں پریذنٹیشن کانونٹ سکول سے میٹرک کیا۔ 1940ء میں لاہور میں پاکستان کے قیام کا مطالبہ پیش کیا گیا تو وہ بھی اپنے والد کے ہمراہ موجود تھیں۔ اس اجلاس میں شرکت کے بعد مردان آ کر اپنی سہیلیوں اور رشتہ دار خواتین کو مسلم لیگ کی مدد کرنے اور حصول پاکستان کی تحریک میں حصہ لینے پر آمادہ کیا، اور انہیں مسلم لیگ کا رکن بنایا۔ 1944ء میں وہ مسلم لیگ کی باقاعدہ رکن بنیں۔ 1945ء میں آل انڈیا مسلم لیگ برائے خواتین کی صدر لیڈر نصرت ہارون مردان تشریف لائیں تو انہوں نے جلسے کا انتظام کیا۔ اس جلسہ میں مردان خواتین مسلم لیگ کی بنیاد پڑی۔

اسی سال قائداعظم محمد علی جناح کی اپیل پر انہوں نے بہار ریلیف فنڈ کے لیے چندہ جمع کر کے مسلم لیگ کے ہیڈ کوارٹر میں بھیجا۔ سول نافرمانی کے دنوں میں وار کونسل کی ممبر رہیں۔

قیام پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح پشاور تشریف لائے تو خواتین کے ایک نمائندہ وفد میں انہوں نے مطالبہ کیا:

''سرحد کی خواتین کو پاکستان اسمبلی اور صوبائی اسمبلی میں نمائندگی دی جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ان کے مطالبے کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے کہا:

''آپ یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں۔''

1948ء سے 1950ء تک صوبہ سرحد خواتین مسلم لیگ کی صدر رہیں۔ 1951ء سے 1954ء تک سرحد اسمبلی اور 1954ء سے 1958ء تک مغربی پاکستان اسمبلی کی رکن رہیں۔ 1962ء سے 1969 تک قومی اسمبلی کی رکن کی حیثیت سے خواتین کی نمائندگی کی۔

بعد ازاں حکومت پاکستان نے خواتین کمیشن قائم کیا تو انہیں اس کا چیئرمین بنایا۔

زری سرفراز جناح مراسلت

سرفراز ہاؤس مردان

18 دسمبر 1946ء

ہمارے محترم اور عزیز قائداعظم!

مردان کی مسلم خواتین آپ کی درازی عمر کی دعا کرتی ہیں تاکہ آپ کے زیر سایہ ہمیں خودمختار پاکستان دیکھنا نصیب ہو۔

(آمین ثم آمین) ہمارے کھوئے ہوئے وقار اور پامال شدہ حقوق آپ ہی کی رہنمائی میں ہمیں حاصل ہو سکتے ہیں۔ مردان کی مسلم خواتین آپ کے ہر حکم پر دل وجان سے عمل کرنے کو تیار ہیں، اور دلی تمنا رکھتی ہیں کہ ہمارے صوبے پر پاکستان کا سبز ہلالی پرچم لہرائے۔ چاہے اس منظر کو دیکھنے کے لیے ہمیں کتنی ہی بڑی قربانی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اگر ہم پاکستان کے لیے قربان ہو جائیں تو ہماری روحیں اور بہتا ہوا خون سبز ہلالی پرچم دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے گا:

''پاکستان زندہ باد'' ''قائداعظم زندہ باد''

آپ کی دعا گو

زرنگار بنت سرفراز

10۔اورنگ زیب روڈ۔نئی دہلی

اولڈ گورنمنٹ ہاؤس کراچی

20 دسمبر 1946ء

ڈیئر مادام!

مجھے آپ کا 18 دسمبر کا لکھا ہوا خط ملا۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کا خط پا کر مجھے بہت زیادہ مسرت ہوئی۔ میں مردان کی مسلم خواتین کا بے حد ممنون ہوں کہ وہ حصول پاکستان کی تگ ودو اور جدوجہد میں ہمارے ساتھ پورا تعاون کر رہی ہیں۔ بہار ریلیف فنڈ میں حبیب بنک کے ذریعے جو 2742/5/9 روپے آپ نے بھیجے ہیں۔ اس کے لیے میں آپ کا اور مردان کی مسلم خواتین کا بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہمیں صرف قومی اتحاد اور قومی نظم وضبط کی ضرورت ہے، اور مجھے پورا یقین ہے کہ پاکستان کی منزل بہت ہی قریب ہے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

زکریا عبدالعزیز، کامدار

قائداعظم محمد علی جناح 26 جنوری 1940ء کو جیت پور (کاٹھیاواڑ) گئے تو انہوں نے انجمن اسلام کی جانب سے منعقدہ ایک جلسے سے خطاب کیا اس جلسے کی صدارت ایوب عبدالکریم منیا نے کی تھی، اور اس کے علاوہ زکریا عبدالعزیز کامدار (جو وفاقی وزیر بھی رہے) انہوں نے بھی تقریر کی تھی، اور قائداعظم محمد علی جناح کو قوم کی جانب سے مکمل تعاون کا یقین دلایا تھا اور کہا تھا:

''ہم نوجوان کاٹھیاواڑ کی سرزمین پر آپ کی آمد پر فخر اور مسرت محسوس کرتے ہیں میں نوجوانوں کی طرف سے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم آپ کی ہر آواز پر لبیک کہیں گے، اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے انہیں جو اپنے اخبار کے ذریعے بیدار کر رہے ہیں ہم بھی آپ کی کوششوں میں پورا پورا ساتھ دیں گے۔''

زمان مہدی خاں، ملک

قائداعظم محمد علی جناح علامہ اقبال کی دعوت پر شملہ سے لاہور پہنچے 19 اکتوبر 1936ء کو ان کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا گیا۔ دہلی دروازہ کے باغ میں ملک زمان مہدی کی صدارت میں مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس اجلاس میں نہ صرف شرکت کی بلکہ ایک زوردار تقریر میں مسلم لیگ کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔

انہوں نے 1934ء میں ڈپٹی کمشنر کے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد یونینسٹ پارٹی میں شمولیت اختیار کی مگر سر فضل حسین کے انتقال پر مسلم لیگ کے پارلیمانی بورڈ میں شامل ہوگئے۔ علامہ اقبال ان کے قدر دانوں میں سے تھے۔ مسلم

لیگ پارلیمانی بورڈ کے ڈپٹی چیئرمین بھی تھے۔

(بحوالہ دائرہ معارف اقبال از ملک حسن اختر)

زمانۂ طالب علمی

ہیکٹر بولائتھو اپنی کتاب ''پاکستان کا بانی محمد علی جناح'' میں رقمطراز ہے:

محمد علی جناح کے قیام انگلستان کے متعلق بھی مواد بہت کم ہے۔ لنکنز اِن (Lincoln's Inn) کے اُنیسویں صدی کے اواخر کے کھاتے دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں حفاظت کے خیال سے حکومت کو دے دیے گئے، اُس زمانے کے جہازوں کے مسافروں کی فہرستیں بھی اب نایاب ہیں، اور لندن کے جس بینک میں جناح کا روپیہ رہتا تھا اس کے ریکارڈ ایک ہوائی حملے میں تباہ ہو گئے۔ لہٰذا یہ کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کس تاریخ کو اور کس جہاز سے انگلستان پہنچے۔ بس اتنا معلوم ہے اُن کی آمد کا سال 1892ء تھا، مگر خوش قسمتی سے اُن کا برٹش میوزیم کا مطالعہ کا ٹکٹ بچ گیا ہے، اور اس پر اُن کا لندن کا پتا 35 رسل روڈ کینسنگٹن (35, Russel Road, Kensington) درج ہے۔ یہ گھر، جو ابھی تک قائم ہے، اُن معمولی مکانوں کی قطار میں واقع ہے، جو اولمپیا کی زبردست شیشے کی محراب کے مقابل ہیں۔ اس کی کھڑکیوں میں سے ایک نواحی ریلوے لائن نظر آتی ہے جس پر ہر وقت گاڑیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔

انگلستان میں اپنے پہلے تاثرات ایک دفعہ خود قائداعظم محمد علی جناح نے یوں بیان کیے:

''میں نے اپنے آپ کو ایک عجیب وغریب ملک اور بالکل غیر مانوس ماحول میں پایا۔ وہاں میں کسی شخص کو نہ جانتا تھا، اور لندن کی سخت سردی اور وہاں کے کہرے سے سخت پریشان ہوا، لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر نہ رہی۔ جلد ہی میں اس نئے شہر میں جم گیا اور خاصا خوش بھی تھا۔''

قانون کے طالب علم کی حیثیت سے محمد علی جناح نے لندن میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے بیرسٹری کا امتحان دو ہی سال میں پاس کر لیا۔ اگرچہ اُن کا سن ولادت 1876ء تھا (یہی سال Law Society کے کاغذات میں بھی درج ہے۔) تو انہوں نے 18 سال سے بھی کم عمر میں کامیابی حاصل کی۔ لنکنز اِن کے ضابطے کے مطابق اُن کو امتحان پاس کرنے کے بعد دو سال تک انگلستان میں ٹھہرنا پڑا۔ ڈاکٹر محمد اشرف کہتے تھے:

''جناح نے انہیں بتایا کہ کوئی ہندوستانی طالب علم اس سے کم عمر میں بیرسٹری کے امتحان میں کامیاب نہیں ہوا، لیکن اس کے علاوہ ہمیں تفصیل سے یہ معلوم نہیں کہ محنت اور مطالعہ کے یہ دو سال جن میں انہوں نے اپنی اس نمایاں کامیابی کی تیاری کی کس طرح بسر ہوئے، اور نیونہم روڈ کراچی میں لڑکپن کے دنوں میں جو عادتیں بنی تھیں وہ برٹش میوزیم اور لندن کے قانونی کتب خانوں میں کس طرح پختہ ہوئیں۔

کچھ عرصے بعد مسز سروجنی نائیڈو نے جناح کے متعلق کہا:

''یہ کیسا ظلم ہے کہ ایسے عالی دماغ نوجوان نے اپنے آپ کو یونیورسٹی کی اعلیٰ تعلیم سے محروم رکھا۔''

بہرحال یوں معلوم ہوتا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے نوجوانی کے زمانے میں ادب، فن اور تاریخ کے مطالعہ سے اپنے کو قصداً دور رکھا۔ ماضی کے متعلق وہ شاید ہی کبھی غور وفکر کرتے ہوں۔ لندن میں طالب

علمی کے دوران میں غالباً اُن کی دوڑ لنکنز اِن کے لیکچر ہالوں سے دارالعوام کے ایوان تک تھی، جہاں وہ سیاسی مباحثے بڑی دل چسپی سے سنا کرتے۔ راستے میں نیشنل گیلری (National Gallery) بھی پڑتی ہے، لیکن وہاں ٹھہرنے کا شاید اُنہیں کبھی وقت نہیں ملا۔ نوجوانی کی یہ مخصوص دل چسپیاں ہمیں ان کے آئندہ کارناموں کا پتہ دیتی ہیں۔ آگے چل کر وہ ایک بہت بڑے وکیل بنے، اور پھر انہوں نے ایک قوم کی تشکیل اور ایک قوی ریاست تخلیق کی۔

انہوں نے شروع سے کسی تفریحی مشغلے اور دوسری دل چسپیوں میں اپنا وقت اور اپنی صلاحیتیں صرف نہ کیں، نہ اپنی توانائی لہو ولعب میں ضائع کی۔ ان کی خواہشوں اور آرزوؤں کا مرکز اُن کا ذہن تھا۔ 1947ء میں کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کے دوران میں انہوں نے اپنے لنکنز اِن کے دنوں کو یاد کرتے ہوئے کہا:

''میں نے لنکنز اِن میں شرکت کو اس لیے ترجیح دی کہ اُس کے دروازے پر دنیا کے بڑے بڑے قانون سازوں میں پیغمبر اسلام (ﷺ) کو سرفہرست رکھا گیا تھا۔''

رسول کریم ﷺ کو وہ بہت بڑا مدبر اور حاکم کہا کرتے اور یہ عقیدت حقیقت پسندی اور غیر جذباتی مطالعہ کا نتیجہ تھی۔ شاید قیام انگلستان ہی کے دوران میں ایک مسلمان کی حیثیت سے اُن کا سیاسی ضمیر بیدار ہونا شروع ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر محمد اشرف کو جناح نے بتایا:

''قیام انگلستان کے آخری دو سالوں میں وہ اپنے سیاسی مستقبل کی تیاری میں مصروف مطالعہ رہے۔''

انہوں نے یہ بھی بتایا:

''خوش قسمتی سے برطانیہ کے کئی اہم لبرل (آزاد خیال) لیڈروں سے میری ملاقات ہوئی اور ان لیڈروں کی مدد سے میں ''لبرلزم'' (آزاد خیال سیاست) کے بنیادی اصولوں کو سمجھ سکا۔ اس زمانے میں لارڈ مارلے (Morley) کی لبرلزم کا دور دورہ تھا۔ میں نے سیاست کے اس مسلک سے پوری طرح استفادہ کیا۔ یہ میرے رگ و پے میں سرایت کر گیا اور اس نے مجھے نیا جوش اور نیا ولولہ دیا۔''

اس سیاسی بیداری کے زمانے میں قائداعظم محمد علی جناح کی ذاتی زندگی میں بھی کچھ اہم تبدیلیاں ہوئیں۔ اپریل 1894ء تک وہ اپنا بچپن کا نام ''جناح بھائی'' استعمال کرتے رہے (بھائی کا لفظ گجراتی میں، جو ان کی مادری زبان تھی، اکثر شخصی ناموں کا آخری جزو ہوتا ہے۔) اس سال اپریل میں انہوں نے انگریزی طرز کے مطابق مسٹر جناح کا نام اختیار کیا اور یہی نام ان کا آخر تک رہا۔ انہوں نے اپنے مضحکہ خیز لمبے زرد کوٹ کو بھی ترک کر دیا اور مغربی لباس اختیار کیا، اور ساتھ ہی آنکھ پر اِکا، یا یک چشمہ (monocle)، لگانا شروع کیا۔ یہ انداز شاید انہوں نے برطانوی مدبر جوزف چیمبرلین (Joseph Chamberlain) کو دیکھ کر اختیار کیا تھا۔

محمد علی جناح کی شخصیت اور ان کی مثالی جرأت کے ارتقاء میں شاید وہ ساعت بڑی اہم تھی، جب انہوں نے لندن کے ایک عینک ساز کے ہاں جا کر پہلا اِکا خریدا۔ آگے چل کر اِکا ان کی شخصیت کا ایک جزو بن گیا، اور ساری عمر ان کے ساتھ رہا۔ موت سے چند لمحے پہلے بھی، جب ان کو اسٹریچر پر کراچی پہنچایا گیا، اِکا اُن کے ہاتھ میں تھا۔ جاں بہ لب مجاہد نے اس وقت بھی اپنی نازک اور زرد اُنگلیوں میں شیشے کا وہ

دائرہ پکڑ رکھا تھا۔

لارڈ مارلے کی آزاد خیال سیاست کے اصولوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے دل میں جو ولولہ پیدا کیا تھا۔ اس میں 21 جون 1892ء کے دن یقیناً نئی شدت پیدا ہوئی ہوگی، کیونکہ اُس دن ہند کونسلز ایکٹ کے ترمیمی بل کو ملکہ کی منظوری حاصل ہوئی، اور اس طرح وائسرائے کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ مرکزی اور صوبائی کونسلوں کے ممبروں کی تعداد بڑھا دے۔ اس ترمیم سے ہندوستان کے لوگوں کو پہلی دفعہ اپنے ملک کے نظم ونسق میں کچھ حصہ ملا۔

لبرل خیالات کی طرف قائداعظم محمد علی جناح کا رجحان اچھے وقت پر شروع ہوا۔ مئی 1892ء کے اواخر میں گلیڈسٹون (Gladstone) نے ایک پرجوش اور زوردار تقریر کی، جو بقول مسٹر بیلفر (Balfour)، بیاسی برس کے ایک شخص کے منہ سے بڑی حیرت انگیز معلوم ہوتی تھی۔ اس کا صلہ گلیڈسٹون کو چند ہفتے بعد اگست میں مل گیا، جب لارڈ سالسبری (Salisbury) کی قدامت پسند پارٹی کی شش سالہ حکومت ختم ہوئی اور گلیڈسٹون کی لبرل پارٹی پھر برسر اقتدار آ گئی۔

1890ء کے بعد کے چند سال سیاسی میدان میں اُن جواں سال نوواردوں کے لیے بہت سازگار ثابت ہوئے جو حال میں ہندوستان سے آئے تھے، اور طبعاً سیاسی اصلاح اور جدوجہد کی طرف مائل تھے۔ 1893ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح اپنے احساسِ تنہائی پر قابو پا چکے تھے، اور انگلستان میں اچھی طرح جم چکے تھے، اُن کو گلیڈسٹون کے آئرلینڈ کی خود مختاری کے بل پر کچھ زوردار بحثیں سننے کا موقع ملا۔ اسی زمانے میں اُنہیں یہ بھی موقع ملا کہ ہندوستان اور مصر کے معاملات کے بارے میں برطانوی خیالات اور رجحانات کا جائزہ لیں۔ نیز انہوں نے لیبر پارٹی کی قوت بڑھتے دیکھی۔ عورتوں کی سیاسی آزادی کی تحریک سے اُن کو ہمدردی اسی زمانے میں پیدا ہوئی اور وطن واپس ہونے کے بعد انہوں نے اس آزادی کو اپنے سیاسی پروگرام کا ایک مستقل جزو بنالیا۔

انہی دنوں برطانیہ میں ایک ولولہ انگیز واقعہ ہوا جس نے محمد علی جناح کے جذبات کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ ان کے لندن آنے کے کچھ ہی دنوں بعد انہوں نے پہلے ہندوستانی، دادا بھائی نوروجی، کو سینٹرل فنسبری (Central Finsbury) سے برطانوی پارلیمنٹ کے لیے منتخب ہوتے دیکھا اور شاید انتخاب میں اُن کی کچھ مدد بھی کی۔

دادا بھائی نوروجی ایک پارسی بزرگ تھے، اس وقت اُن کی عمر 67 سال کی تھی۔ وہ کئی برس سے لندن میں تجارت کرتے تھے۔ ان کے بڑھاپے کی تصویر دیکھ کر یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ان کو ہندوستان کے شاندار بزرگ کا لقب کیوں ملا تھا۔ ان کی مسکراتی ہوئی بوڑھی آنکھیں، لمبی سفید ڈاڑھی اور ڈھیلے ہاتھ دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بڑے معلم تھے جن کے گرد ہندوستان کے نوجوان سیاسی تعلیم حاصل کرنے کے لیے جمع ہوتے تھے۔ یہ گمان نہیں ہوتا کہ وہ کوئی جذباتی یا ہنگامہ پسند شخص تھے جو محض تخریبی جذبے کے زیر اثر حالات میں انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے۔

جب دادا بھائی نوروجی نے یہ اعلان کیا کہ وہ سینٹرل فنسبری سے لبرل نمائندے کی حیثیت سے انتخاب میں کھڑے ہوں گے تو لارڈ سالسبری نے ایڈن برا میں ایک تقریر کے دوران میں اُن پر نہایت بے ہودہ

اور احمقانہ حملہ کیا۔ فرمایا:
''مجھے یقین نہیں آتا کہ ہم اب اس قدر گر چکے ہیں کہ ایک برطانوی حلقۂ انتخاب سے ایک کالا آدمی کامیاب ہو سکے۔''
اس پر اسکاٹستانی سامعین نے ''شرم شرم'' کے نعرے بلند کیے اور جلد ہی غصے کے یہ نعرے جنوب میں انگلستان کے اندر گونجنے لگے، حتیٰ کہ قصر ونڈسر میں ملکہ وکٹوریا بھی، جو اس زمانے میں ہندوستانی زبان پڑھ رہی تھیں اور جن کے خدام میں کئی ہندوستانی شامل تھے، اس بات پر بہت برہم ہوئیں۔
دادا بھائی نوروجی کی یہ توہین شرم ناک ہونے کے علاوہ مضحکہ خیز بھی تھی، کیونکہ دادا بھائی نوروجی کا رنگ لارڈ سالسبری کے رنگ سے زیادہ صاف تھا۔ بہرحال اس توہین نے دادا بھائی نوروجی کو لبرل پارٹی کا ہیرو بنا دیا۔ ان کی سوانح عمری کے وہ باب بڑے دلچسپ ہیں جو اُن کے انتخاب سے متعلق ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے پاس جو خط آئے اُن میں ایک فلورنس نائٹنگیل (Florence Nightingale) کا تھا۔ انہوں نے لکھا:
''مجھے اس بات کی بے انتہا خوشی ہے کہ آپ سینٹرل فنسبری میں لبرل پارٹی کے واحد امیدوار ہیں۔''
قائداعظم محمد علی جناح بھی فنسبری کے انتخاب کے ہنگامے میں شریک تھے اور اس سے متاثر ہوئے۔ دادا بھائی نوروجی کے زیر اثر ان کی سیاسی ترقی شروع ہوئی، اور چودہ برس بعد انہوں نے دادا بھائی نوروجی کی خدمت بہ حیثیت سیکریٹری بھی کی۔ یہ خیال صحیح ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے نوروجی کی تقریروں سے بہت کچھ سیکھا اور اس شاندار بزرگ کے بہت سے سیاسی عقائد اور خیالات قبول کیے۔ ان خیالات کا اظہار دادا بھائی نوروجی نے پارلیمنٹ میں اپنی پہلی تقریر میں کیا۔ یہ تقریر انہوں نے 9 اگست 1892ء کو حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد پر بحث کے دوران میں کی۔ انہوں نے کہا:
''ایک برطانوی حلقے سے میرا انتخاب ایک بے مثال واقعہ ہے۔ ہندوستان میں برطانیہ کے پچاس سالہ تسلط میں یہ پہلا موقع ہے کہ ایک ہندوستانی اس ایوان میں ایک برطانوی حلقے کے نمائندے کی حیثیت سے داخل ہوا ہے۔
اس عظیم اور حیرت انگیز واقعہ کا تجزیہ میں چند الفاظ میں اس ایوان کے سامنے کرنا چاہتا ہوں۔ اس صدی کے آغاز میں جب پارلیمنٹ نے ہندوستان کے متعلق پالیسی وضع کرنا شروع کی اسی وقت اس نے برطانیہ کے جذبۂ انصاف و رواداری اور اس کے اصول حکومت کے مطابق یہ طے کیا کہ ہندوستان کی حکومت بھی برطانوی جذبۂ انصاف و آزادی کی بنیاد پر قائم ہو، لہٰذا حکومت برطانیہ نے بلا تامل ہندوستان میں مغربی تہذیب اور تعلیم جاری کرنے اور مغربی سیاسی ادارے قائم کرنے کا اہتمام کیا۔ ہندوستان کے نوجوانوں کی تعلیم انگریزی زبان کے ذریعے سے ہونے لگی، اور اس سے حکومت کو اپنی کوششوں میں بڑی مدد ملی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ارضِ ہندوستان میں جو صدیوں سے پستی اور تنزل کی حالت میں تھی، ایک نئی سیاسی تحریک شروع ہوئی اور اس نے اس مردہ ملک میں نئی جان ڈال دی۔
''ہندوستان کے برطانوی حکمرانوں نے اس غلام ملک کو وہ تمام آزادیاں اور اختیارات ودیعت کیے جو خود ان کو حاصل تھے۔ چند دن ہوئے آپ نے ملکہ

سے آزادئ تقریر اور ان دوسرے بنیادی حقوق کا مطالبہ کیا جن کے لیے عوام نے جدوجہد کی ہے اور اپنا خون بہایا ہے۔ شکر کا مقام ہے کہ برطانیہ نے تقریر کی یہ آزادی ہم ہندوستانیوں کو بھی دی ہے۔ اسی آزادی نے ہمیں اس قابل بنایا ہے کہ ہم اپنی خواہشیں کھل کر آپ کے سامنے بیان کرسکیں۔

ہندوستان کے لوگوں کو برطانیہ والوں کے برابر آزادی اور اختیارات دے کر آپ نے پارلیمنٹ کا راستہ میرے لیے ہموار کیا اور آج یہ ممکن ہوا کہ ایک ہندوستانی اس سلطنت کی عظیم قانون ساز مجلس میں کھڑا ہوکر بے دھڑک اپنے خیالات کا اظہار کرے۔''

گلیڈسٹن، بیلفر، اوکونور (O, Connor) اور دوسرے مقرر یقیناً یہ الفاظ سن کر متعجب ہوئے ہوں گے، اور سوچتے ہوں گے کہ معلوم نہیں بڑے میاں کا جوش اب ان سے اور کیا کہلواتا ہے۔ توقع تو یہ تھی کہ گلیڈسٹون کے پُر جوش حامی کی حیثیت سے نوروجی مباحثے میں اپنے قائد کی حمایت کریں گے، لیکن بقول ٹائمنر کے رپورٹر کے انہوں نے بڑے بھولپن سے اپنی شان دار انتخابی کامیابی پر تقریر کی اور اصل موضوع کے متعلق ایک لفظ بھی نہ کہا۔

دادابھائی نوروجی نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا:

''اس شان دار کامیابی سے ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ولولے اور مسرت کی ایک نئی لہر دوڑ گئی ہے، اور قوم کو گویا ایک نئی زندگی مل گئی ہے۔ اس سب کا سہرا آپ کے یعنی برطانیہ اور اس کے باشندوں کے سر ہے، اور یہ برطانیہ کے سیاسی اداروں کی شان دار روایتوں اور اس کے جذبۂ انصاف کی کارفرمائی ہے۔ میں اس ایوان میں کھڑے ہوکر اہلِ ہند کی طرف سے برطانیہ کے لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ایک ہندوستانی کو اس ایوان میں جگہ دی، اور پھر یہ آزادی بھی دی کہ وہ انگریزی زبان میں اپنے ہم وطنوں کے مسائل اور ان کی مشکلات کھل کر آپ کے سامنے پیش کرے۔ یہی نہیں بلکہ اس ایوان کی اور برطانیہ کی سیاسی روایتیں اس بات کی بھی ضمانت کرتی ہیں کہ اگرچہ یہ نمائندہ اکیلا ہے، اور اس کا ایک ہی ووٹ ہے لیکن جب کبھی وہ اپنے ہم وطنوں کی کوئی خواہش یا مطالبہ معقول دلائل کے ساتھ پیش کرے گا تو اس ایوان کے دونوں بازوؤں سے اُسے کئی اور ممبروں کی تائید اور حمایت حاصل ہوگی۔ یہ یقین آج ہندوستان کے تمام تعلیم یافتہ طبقوں کے خیالات پر چھایا ہوا ہے۔''

دارالعوام میں تماشائیوں کی گیلری سے قائداعظم محمد علی جناح نے بھی یہ تقریر سنی اور یقین ہے کہ اس نے اُن پر گہرا اثر کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق ان نامکمل اور بکھری ہوئی معلومات سے اُن کی شخصیت اور کردار کی کوئی صاف تصویر نہیں بنتی۔ ایک غیر واضح سا خاکہ ذہن میں اُبھرتا ہے، جیسے مصور پہلے پنسل سے تصویر کے موٹے موٹے خطوط کاغذ پر کھینچتے ہیں جن میں کوئی رنگ یا گہرائی نہیں ہوتی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی طالب علمی کے زمانے کی صرف دو باتیں ایسی معلوم ہوسکیں جو ان کے مطالعہ اور دارالعوام سے اُن کی دل چسپی سے متعلق ہیں، اور جوان کو صحیح انسان کی حیثیت سے ہمارے سامنے لاتی ہیں۔ طالب علمی کے دور کے بعد، جب مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہرلال نہرو ہندوستان میں قید تھے، ایک دوست نے قائداعظم محمد

علی جناح سے کہا:
''آپ کے سوا ملک کا ہر لیڈر کبھی نہ کبھی گرفتار ضرور ہوا ہے۔''
قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:
''نہیں بھئی، میرا بھی ایک زمانے میں پولیس سے تصادم ہو چکا ہے۔ لندن میں طالب علمی کے زمانے میں آکسفورڈ اور کیمبرج کے درمیان کشتیوں کی دوڑ دیکھنے گیا۔ میں اپنے دوستوں کے ساتھ تھا، اور ہم یونیورسٹی کی نچلی جماعتوں کے طالب علموں کے ساتھ پکڑے گئے۔ اتفاق سے ہمیں ساتھ کی ایک گلی میں ایک دستی گاڑی مل گئی اور ہم نے ایک دوسرے کو سڑک پر آگے پیچھے کھینچنا شروع کر دیا، حتیٰ کہ ہم گرفتار ہو گئے اور تھانے پہنچا دیے گئے، لیکن ہم قید نہ ہوئے تنبیہ کے بعد چھوڑ دیے گئے۔''
تعلیمی مشاغل کے علاوہ اُس زمانے میں قائداعظم محمد علی جناح کی ایک اور عارضی دل چسپی کا سراغ ملتا ہے۔ انہوں نے شیکسپیئر کے ڈرامے کھیلنے والی ایک کمپنی کے ساتھ انگلستان کا دورہ بھی کیا۔ 1946ء میں انہوں نے اس واقعہ کا ذکر نسیم احمد صاحب سے کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے ''لقمہ دینے والے'' کی حیثیت سے اپنا تجربہ بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ انہوں نے ایک موقع پر رومیو کا پارٹ کیا۔ اس سے زیادہ اُن کی ڈرامائی کارگزاری کے متعلق کچھ معلوم نہیں، لیکن یہ مشہور ہے کہ کچھ عرصہ وہ مس ہورنمن (Horniman) کی مشہور ڈراما کمپنی میں بھی رہے۔
شیکسپیئر کے ڈراموں سے جو تھوڑی بہت واقفیت اُنہیں اس سلسلے میں ہوئی ہوگی اس کا اثر اُن کی زبان اور محاورے اور اُن کی تقریروں میں ہمیں نہیں ملتا۔ بہت دنوں بعد گاندھی جی سے خط و کتابت کے دوران میں البتہ اُنہوں نے شیکسپیئر کا ایک فقرہ اپنے خط میں استعمال کیا۔ جب گاندھی جی نے پوچھا:
میں آپ کے نام کے ساتھ کون سا سابقہ یا لقب استعمال کروں۔
تو قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:
''میرے نام کے سلسلے میں میری ذاتی پسند کا آپ کو جو لحاظ ہے اس کے لیے آپ کا ممنون ہوں، لیکن نام میں کیا دھرا ہے؟ گلاب کو آپ کسی نام سے پکاریں اُس کی مہک تو کم نہ ہوگی۔''
(یہ آخری فقرہ شیکسپیئر کے مشہور ڈرامے رومیو اور جولیٹ کا ہے۔)
عبارت آرائی اور خوب صورت الفاظ کے استعمال کا شوق محمد علی جناح کو کبھی نہ ہوا۔ اُن کی تحریر و تقریر کی عبارت سادہ اور روکھی پھیکی ہے۔ بہت بعد کی بات ہے کہ وہ لیاقت علی خان اور اپنے ایک سیکریٹری کی مدد سے ایک بیان لکھ رہے تھے۔ یہ حضرات چاہتے تھے کہ زبان ادیبانہ اور فقرے خوب صورت ہوں، مگر قائداعظم محمد علی جناح اُن کی کوششوں سے جلد ہی تنگ آگئے اور بولے:
''مجھے حسنِ بیان نہیں چاہیے۔ میں صرف اپنا مافی الضمیر واضح طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں۔''
(ہیکٹر بولائتھو، پاکستان کا بانی محمد علی جناح، مترجم زُہیر صدیقی، مطبوعہ اردو سائنس بورڈ، لاہور)

زمانہ جنگ

سید حسن ریاض اپنی کتاب ''پاکستان ناگزیر تھا'' میں رقمطراز ہیں:

''ہٹلر، شکست زدہ جرمنی سے تباہی اور ویرانی کا عفریت بن کر اٹھا۔ اس نے جرمنوں کی تنظیم کی، جرمنی کے وسائل کو وسعت دی معاہدہ، ورسائی کی ایک ایک بندش کو اس طرح توڑا کہ گویا وہ مکڑی کا جالا تھا اور بالآخر تن کر کھڑا ہو گیا کہ معاہدہ ورسائی کی ناانصافیوں کا انتقام لوں گا۔ برطانیہ، امریکہ اور فرانس۔ جنگ عظیم اول کے فاتح، متحیر اور ہیبت زدہ تھے۔ ہٹلر نے آسٹریا کا جرمنی کے ساتھ الحاق کیا اور معاً سوڈیشن لینڈ کی طرف پنجہ دراز کر دیا۔ یہ یقینی معلوم ہونے لگا کہ جنگ ہو کر رہے گی۔ اس موقع پر برطانیہ نے ڈپلومیسی میں اپنی مشاقی کا مظاہرہ کرنا چاہا۔ مسٹر چیمبرلین اڑ کر میونخ پہنچے۔ انہوں نے ہٹلر سے گفتگو کی اور اس کے لیے اپنی رضا دے دی کہ چیکوسلوا کیہ کے ایک حصے پر جرمنی قبضہ کر لے۔ یہ قبضہ بلا جنگ ہوا۔ ساری دنیا میں مسٹر چیمبرلین کی دھوم مچ گئی کہ انہوں نے حسن تدبیر سے عالمگیر جنگ روک دی، مگر واقعتاً یہ جنگ رکی نہیں، صرف ایک سال کے لیے ملتوی ہوئی۔ یہ التوا کا سال خطرات، خوف اور اندیشوں سے لبریز رہا۔

ہندوستان میں حالات یہ تھے کہ جن صوبوں میں ہندو اکثریت اور کانگریس کی حکومت تھی وہاں مسجد کے سامنے باجے پر، قربانی پر، اذان پر اور بہت سے دوسرے بہانوں سے مسلمانوں پر حملے ہو رہے تھے، اور ان کی مدافعت ہنگاموں کی صورت اختیار کر رہی تھی۔ نیز یہی زمانہ مسلم لیگ کی تنظیم اور استحکام کا بھی تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح اور مسلمانوں کی نظر میں ابھی مسلم لیگ اتنی طاقتور نہ تھی جتنی کہ وہ چاہتے تھے، مگر پھر بھی اس کے متعلق غیروں کی رائے معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہیں۔ وی، پی مینن مصنف ''ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا'' کی رائے اس معاملے میں خاصی وقیع ہے۔ وہ اس زمانے میں گورنمنٹ آف انڈیا کے کانسٹی ٹیوشنل ایڈوائزر تھے، لہٰذا معلومات کے ذرائع اور وسائل دوسروں کے مقابلے میں ان کو زیادہ مہیا تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

''1937ء کے انتخابات کے بعد کانگریس نے مسلم ماس کانٹیکٹ کا ایک پروگرام شروع کیا، لیکن اس میں اس کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی، اس کے برخلاف کانگریس اور لیگ کے درمیان اس سے اختلاف کی خلیج اور زیادہ وسیع ہو گئی۔ جناح کو یہ سخت ناگوار ہوا اور اس کے متعلق انہوں نے یہ کہا کہ یہ مسلم لیگ کی کمزوری اور مسلمانوں میں بہت سی چھوٹی چھوٹی پارٹیوں کے وجود سے نہایت چالاکی کے ساتھ کانگریس نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے تاکہ مسلمان قوم میں تفریق پیدا ہو جائے۔ اس کے بعد سے جناح نے مسلم لیگ کو قوت دینے کے لیے دوہری پالیسی اختیار کی۔ پہلی اس غرض سے تھی کہ عوام کی تائید حاصل کی جائے۔ یہ انہوں نے اس مسلسل پروپیگنڈہ کے ذریعے کیا کہ کانگریس خالص ہندو انجمن ہے جس کے ثبوت میں وہ بندے ماترم کا ترانہ، ترنگا جھنڈا، ودیا مندر اسکیم اور ہندی اردو کی بحث کرتے تھے۔ یہ وہ مسائل تھے جن کے ذریعے سے عوام کو بآسانی بھڑکایا جا سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے نہایت عزم کے ساتھ یہ کوشش کی کہ تمام مسلم سیاسی پارٹیاں لیگ کے جھنڈے کے نیچے لائی جائیں۔ ان مسلمانوں کی خاصی تعداد جو غیر لیگی ٹکٹ پر مجالس واضعان قانون میں منتخب ہوئے تھے

لیگ کے کیمپ میں نکلنے لگی۔ 1938ء تک جناح نے اپنی حیثیت بڑی حد تک مستحکم کر لی۔ جب گاندھی جی، جواہر لال نہرو اور سوبھاش چندر بوس نے جناح کے ساتھ سمجھوتے کی کوشش کی تو انہوں (مسٹر جناح) نے اس پر اصرار کیا کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ محض مسلم لیگ وہ انجمن ہے جو تمام مسلم قوم کی نیابت کرتی ہے اور کانگریس کو صرف ہندوؤں کی طرف سے بولنا چاہیے۔"
مسلم لیگ کی تقویت کے اسباب کے متعلق اس عبارت میں جو رائے ظاہر کی گئی ہے وہ بہر حال ایک ہندو کی رائے ہے، خواہ وہ کتنا ہی آزاد خیال اور غیر متعصب کیوں نہ ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ دوسروں کی نظر میں بھی مسلم لیگ طاقتور ہو چکی تھی۔ یورپ کے مطلع پر جنگ کی بجلیاں کوندتی ہوئی سب کو نظر آ رہی تھیں۔ 28,27 اگست 1939ء کو کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس ہوا جس میں مندرجہ ذیل رزولیوشن منظور ہوا:

"(الف) قرار پایا کہ مسلمانوں کے معاملے میں حکومت برطانیہ کی اس پالیسی پر اظہار افسوس کے ساتھ کہ اس نے مسلمانوں کی مرضی کے خلاف ان پر ایسا دستور مسلط کرنے کی کوشش کی اور خصوصاً وہ فیڈریشن جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء میں ہے، جس کے ذریعے سے ایک مستقل فرقہ وارانہ (مذہبی) اکثریت کو ان کے مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی حقوق پامال کرنے کا موقع دیا گیا ہے، اور اس پر کہ وائسرائے نے ان صوبوں میں جہاں کانگریس کی حکومتیں ہیں اقلیتوں کی حفاظت اور ان کے واسطے انصاف حاصل کرنے کے لیے اپنے خاص اختیارات برتنے میں سخت لاپرواہی برتی ہے، اور فلسطین کے عربوں کے مطالبات منظور کرنے سے انکار کر دیا ہے، اس کونسل کی یہ رائے ہے کہ اگر ان حالات میں حکومت برطانیہ یہ چاہتی ہے کہ مستقبل کی مہمات میں مسلمانان عالم اور خصوصاً مسلمانان ہند کی ہمدردی اور تائید اس کو حاصل ہو تو اس کو چاہئے کہ مسلمانان ہند کے مطالبات بلا تاخیر پورے کرے۔
(ب) کونسل اس وقت یہ طے کرنا قبل از وقت سمجھتی ہے کہ عالمگیر جنگ شروع ہونے کی صورت میں مسلمانوں کی روش کیا ہوگی۔
(ج) اس اثنا میں کونسل مسلم لیگ کو یہ ہدایت کرتی ہے کہ اگر ضرورت ہو تو اسلامی ممالک سے رابطہ پیدا کر کے ان کی رائے معلوم کرے۔
(د) اس صورت میں کہ کوئی فوری مہم در پیش آئے ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ کو یہ اختیار ہوگا کہ اس کے متعلق فیصلہ کرے۔"

اس سے کچھ قبل کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہو چکا تھا۔ اس کے رزولیوشن میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ کانگریس تسلط پسندی کی جنگ کے خلاف ہے۔ وہ ہندوستان کے ذمے کوئی جنگ عائد کرنے کی مخالفت کرے گی۔ مرکزی اسمبلی کی معیاد بڑھانا اس کو ناگوار ہے۔ ارکان اسمبلی کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں شریک نہ ہوں، اور صوبوں کی حکومتوں کو یہ کہ جنگ کی تیاری میں کوئی مدد نہ دیں اور کانگریس کی پالیسی کی تعمیل میں اگر استعفیٰ دینے کی ضرورت ہو یا وزارت برخاست کی جائے تو اس کے لیے تیار رہیں۔
بلاشرائط تعاون کرنے کے لیے مسلم لیگ بھی تیار نہ تھی، اور تسلط پسندانہ جنگ کے موافق بھی نہیں لیکن

کانگریس اور مسلم لیگ کے رزولیوشنوں میں خاصہ فرق تھا۔ کانگریس نے دھمکی کے ساتھ بات شروع کی۔ حکومت برطانیہ اور لارڈ لنلتھگو یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ جنگ ہو اور اس میں ہندوستان شریک نہ ہو، اور برطانیہ کی کوئی جنگ بغیر ہندوستان کے آدمیوں اور وسائل کے لڑی جائے۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی ترمیم کے لیے فوراً پارلیمنٹ میں ایک مسودۂ قانون پیش اور تعجیل کے ساتھ منظور ہوا۔ اس کے ذریعے سے مرکزی گورنمنٹ کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ صوبوں کی حکومتوں اور مرکزی سرگرمیوں میں ربط قائم کرے۔ مختصر یہ کہ صوبے مرکزی حکومت کی مرضی کے مطابق عمل کریں اور صوبوں کے شعبہ عاملہ پر مرکز کو اختیار حاصل ہو جائے۔ مسلم لیگ اور کانگریس دونوں نے اس پر احتجاج کیا۔ صوبائی خود اختیاری پہلے ہی کامل نہ تھی۔ اس کے بہت سے پہلوؤں پر مسلم لیگ کو سخت اعتراض تھا، مگر وہ اب اور زیادہ ناقص ہوگئی، تاہم مسلم لیگ نے ان وزارتوں کو جن پر اس کو اختیار حاصل تھا یہ ہدایت نہیں کی کہ وہ جنگ کے اہتمام میں تعاون نہ کریں، اس لیے مرکزی حکومت سے فوراً اختلاف کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ سر سکندر حیات خان وزیر اعلیٰ پنجاب اور فضل الحق صاحب وزیر اعلیٰ بنگال نے، جو اب مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کر چکے تھے آزادی کے ساتھ اپنے اپنے صوبے کی طرف سے جنگ میں برطانیہ کے ساتھ تعاون کا اعلان کر دیا۔

ہندوستانیوں سے مدد کی درخواست

جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کیا اور 3 ستمبر 1939ء کو برطانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ اسی روز لارڈ لنلتھگو نے ہندوستانیوں کو ایک پیغام دیا جس میں یہ اعلان کیا:

''ہندوستان جرمنی کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔''

اور اپیل کی:

''ہندوستانی اس میں ہمدردی اور مدد کریں۔''

اس کے ساتھ ہی انہوں نے ہندوستانی لیڈروں کو ملاقات کے لیے بلایا تا کہ ان سے اس پر گفتگو کریں کہ اہتمام جنگ میں ان کا تعاون کیوں کر حاصل کیا جائے۔ مسٹر گاندھی کو بلایا گیا اور قائداعظم محمد علی جناح کو بلایا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلم لیگ کے لیڈر کو کانگریس کے لیڈروں کے ہم مرتبہ سمجھا گیا۔ کچھ عرصے بعد اس واقعہ پر قائداعظم محمد علی جناح نے ایک تقریر میں فرمایا:

''جنگ شروع ہوتے ہی یکا یک میرے ساتھ طرز عمل میں تبدیلی واقع ہوئی۔ میرے ساتھ اسی مطمع پر برتاؤ کیا گیا جس پر مسٹر گاندھی کے ساتھ۔ مجھ کو حیرت ہوئی کہ یکا یک مجھے ترقی دے کر کیوں مسٹر گاندھی کی برابر جگہ دی گئی۔''

قائداعظم محمد علی جناح کو اس پر تعجب ہوا کہ وائسرائے نے ان کو مسٹر گاندھی کا ہم مرتبہ سمجھا اس پر کہ چند روز میں مسلم لیگ کی طاقت اتنی بڑھ گئی، اور مسلمانوں کی تنظیم اس مرتبے پر پہنچ گئی کہ وائسرائے کو بغیر مسلم لیگ کی وساطت کے اہتمام جنگ میں مسلمانوں کا تعاون ناممکن نظر آیا؟ بات دوسری ہی صحیح ہے۔
گاندھی وائسرائے سے پہلے ملے اور قائداعظم محمد علی جناح بعد میں۔ گاندھی نے بنی نوع انسان کے ہمدرد کی حیثیت سے انگلستان اور فرانس کے ساتھ اظہار ہمدردی فرمایا اور پھر وہی

اپنا خصوصی انداز گفتگو اختیار کیا کہ کانگریس کی طرف سے وہ کوئی وعدہ نہیں کر سکتے۔ کانگریس میں ہیں اور کانگریس میں نہیں ہیں۔ دوسرے ان کو گھیرتے رہیں اور وہ گریز کرتے رہے۔ 5 ستمبر کو انہوں نے ایک بیان شائع فرمایا اور اس میں یہ تشریح کی:

''میں وائسرائے کے پاس کانگریس کے سفیر کی حیثیت سے نہیں گیا تھا اور وہاں وائسرائے کے ساتھ گفت وشنید اور سمجھوتے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ میں ہندوستان کی آزادی کے متعلق نہیں سوچ رہا ہوں، وہ مل جائے گی لیکن اگر انگلستان اور فرانس کو شکست ہو گئی یا ان کی فتح ہوئی اور جرمنی تباہ اور ذلیل ہو گیا تو وہ آزادی کس کام کی ہوگی۔''

وائسرائے کے سامنے انہوں نے خوب اپنی مہاتمایت کا مظاہرہ کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح صاف آدمی تھے۔ انہوں نے وائسرائے کی تجاویز اور خواہشات سنیں اور ضابطے کی بات کہہ دی کہ بغیر مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی سے مشورہ کیے مسلم لیگ کی طرف سے میں کوئی وعدہ نہیں کرسکتا۔ تمام فریقوں میں ایوان والیان ملک کے چانسلر اتنے بااختیار ہوکر آئے تھے کہ انہوں نے والیان ملک کی طرف سے بلاشرائط برطانیہ کی خدمت میں مدد و تعاون کی پیش کش کی۔

اس کے بعد زمانہ جنگ میں تمرد اور سرکشی کا مقابلہ کرنے کے لیے مرکزی مجلس واضعان قانون نے مسودۂ قانون تحفظ ہند منظور کیا۔ وائسرائے نے مجلس واضعان قانون کے دونوں ایوانوں کے اجتماعی اجلاس میں تقریر کی (11 ستمبر 1939ء) اور بادشاہ انگلستان کا پیغام پڑھ کر سنایا، یہ اعلان کیا:

''فیڈریشن ملتوی کی گئی۔''

مگر ساتھ ہی اس پر زور دیا:

''حکومت برطانیہ کا نصب العین فیڈریشن ہی رہے گا۔''

فیڈریشن کے التوا میں اس قدر تعجیل صرف اس لیے کی گئی کہ مسلم لیگ اور والیان ملک فیڈریشن کے شدت سے مخالف تھے۔ اس التوا سے ان میں تعاون کے لیے ترغیب پیدا ہونے کی توقع تھی، اور کانگریس کو فیڈریشن سے ابھی کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مسلم لیگ کو ایک بڑے مقصد میں کامیابی ہوگئی اور یہ موقع مل گیا کہ فیڈریشن کی قطعی تنسیخ کے لیے مزید کوشش کرے۔

وائسرائے کے ان خیالات پر جو صدر مسلم لیگ کی وساطت سے اس تک پہنچے، آغاز جنگ کے بعد وائسرائے نے جو اعلانات کیے اور مرکزی مجلس واضعان قانون کے ارکان کے اجتماع میں وائسرائے نے جو ایڈریس پڑھا۔ ان سب پر غور کرنے کے بعد ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ نے 18,17 ستمبر کے اجلاس میں ایک مفصل رزولیوشن کا وہ حصہ دہرایا جس میں مسلمانوں کی مخالفت کے باوجود گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی منظوری اور کانگریسی صوبوں میں مسلمانوں پر مظالم کی شکایت کی گئی تھی، اور اس کو مسلم ہندوستان کے حقیقی جذبات اور رائے قرار دیا، وفاق کے التوا کے متعلق وائسرائے کے اعلان کو ہندوستان اور خصوصاً مسلمانوں کے لیے مفید مانا، مگر یہ خواہش ظاہر کی کہ بجائے التوا کے وفاق کو بالکل ترک کیا جائے۔ وائسرائے کے اس اعلان کی تصدیق کرنے سے انکار کیا کہ وفاق ملک معظم کی حکومت کا نصب العین ہے بلکہ اور اس پر زور دیا اور اصرار کیا کہ ہندوستان کے آئندہ آئین کے مسئلے پر از سر نو غور کیا جائے اور اس پر نظر ثانی کی جائے۔

اسی سلسلے میں ورکنگ کمیٹی نے حکومت برطانیہ کو اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ ہندوستان کی سیاست میں مسلمانوں کی حیثیت خاص اور نرالی ہے اور وہ کئی قرن سے اس کے لیے کوشاں ہیں کہ آزاد ہندوستان میں اسلام آزاد اور ہر قسم کے اثرات سے اور دباؤ سے محفوظ ہو، اور مسلمان اپنے مذہبی، سیاسی، ثقافتی، معاشرتی اور اقتصادی حقوق اور مفاد کے تحفظ کی کامل ضمانت کے ساتھ جماعت اکثریت کے دوش بدوش زندگی کی سرگرمیوں میں مساویانہ حیثیت سے عمل کر سکیں۔

یہ جتلانے کے بعد کہ مسلم ہندوستان، جہاں باشندگان ہندوستان کو اساسی بنانے کے خلاف ہے، اور بار بار ہندوستان کی آزادی کی تائید میں اعلان کر چکا ہے، وہ اتنا ہی اس کا بھی مخالف ہے کہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں پر ہندو اکثریت کا تسلط قائم ہو اور مسلم ہندوستان رعایا بنایا جائے، اور وفاقی نصب العین کا وہ اس درجہ مخالف ہے کہ اس کی مخالفت سے باز رہ ہی نہیں سکتا کیونکہ وفاق کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جمہوری اور پارلیمنٹری گورنمنٹ کے بھیس میں فرقۂ اکثریت کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ اس قسم کا دستور اس ملک کے لوگوں کے مزاج کے قطعی خلاف ہے، جو مختلف اقوام سے مرکب ہیں اور جن سے کوئی قومی حکومت متشکل نہیں ہوتی۔

ورکنگ کمیٹی نے پولینڈ، انگلستان اور فرانس کے ساتھ گہری ہمدردی کا اظہار کرنے کے بعد، ان صوبوں میں مسلمانوں پر مظالم کا ذکر کیا جن میں کانگریس کی حکومتیں قائم تھیں، اور حکومت برطانیہ اور وائسرائے سے یہ مطالبہ کیا کہ گورنروں کو یہ ہدایت کریں کہ جہاں صوبائی وزارتیں مسلمانوں کے ساتھ انصاف کرنے اور خوش معاملگی برتنے میں ناکام رہیں وہاں وہ اپنے خاص اختیارات استعمال کریں۔

اس رزولیوشن کے بارے میں مسلم لیگ نے حکومت برطانیہ سے یہ مطالبہ کیا:

''وہ اس کا یقین دلائے کہ بغیر مسلم لیگ کی رضامندی اور منظوری کے ہندوستان کی آئینی ترقی کے مسئلے میں کوئی اعلان نہ کرے گی اور نہ ملک معظم کی گورنمنٹ بغیر ایسی منظوری کے کوئی دستور وضع اور اس کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کرے گی۔''

اس کے مقابلے میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے اپنے طویل رزولیوشن میں جمہوریتوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی، اور جرمنی کے حملے کی مذمت کی لیکن اعلان یہ کیا:

''ہندوستان ایسی جنگ میں جس کے متعلق یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ جمہوری آزادی کے لیے لڑی جا رہی ہے۔ اس وقت تک آزادی کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا جب تک اس آزادی سے خود اس کو انکار کیا جائے اور جو تھوڑی سی آزادی اس کو حاصل تھی وہ بھی اس سے واپس لے لی گئی ہے۔''

رزولیوشن میں اس پر زور دیا گیا کہ جنگی تدابیر بغیر ہندوستانیوں کی رضامندی کے ان کی مرضی کے خلاف اختیار کی گئی ہیں۔

کانگریس اس کے لیے تیار تھی کہ فاشزم اور تسلطیت کو دفع کرنے کے لیے تعاون کرے لیکن سب سے پہلے اس نے گورنمنٹ کو اس کی دعوت دی کہ وہ صاف صاف یہ بیان کرے کہ جمہوریت، تسلطیت اور اس نئے نظام کے متعلق جو تصور میں ہے اس کے مقاصد جنگ کیا ہیں، اور وہ مقاصد خصوصیت سے ہندوستان

پر کس طرح منطبق کیے جائیں گے۔ ''کسی اعلان کی صحیح آزمائش یہ ہے کہ زمانہ حال پر اس کا انطباق ہو کیوں کہ اس وقت کے حالات پر زمانہ حال ہی اثر انداز ہو گا اور اسی سے مستقبل کی صورت وجود میں آئے گی۔'' بین الاقوامی صورت حال سے جو مسائل پیدا ہوں ان کا فیصلہ کرنے کے لیے کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے ایک سب کمیٹی قائم کر دی جو پنڈت جواہر لال نہرو، ابو الکلام آزاد اور ولبھ بھائی پٹیل پر مشتمل تھی۔

گاندھی نے 14 ستمبر کو اس رزولیوشن پر یہ فرمایا:

''میں برطانیہ کو بلاشرط مدد دینا چاہتا تھا مگر میں تنہا تھا۔''

گویا ورکنگ کمیٹی میں ان کو کسی ایک شخص کی بھی تائید حاصل نہ تھی، مگر اس کے ساتھ ہی انہوں نے رزولیوشن کے اس حصے سے اتفاق کیا کہ برطانیہ کی ادعائے جمہوریت کا یہ لازمی نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کا استقلال تسلیم کیا جائے۔ یہ شرط نہیں تو اور کیا تھی؟ اور اس کے بعد کانگریس کے رزولیوشن اور گاندھی کے بیان میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ مگر وہ جو گاندھی کو دو مخالف گروہوں کے درمیان پل بننے کا شوق تھا وہ یہ کہہ کر انہوں نے پورا کر لیا:

''میں برطانیہ کے لیے بلاشرط مدد چاہتا تھا۔''

ادھر کانگریس نے یہ رزولیوشن پاس کیا ادھر ولبھ بھائی پٹیل نے جو کانگریس پارلیمنٹری بورڈ کے چیئرمین تھے، تمام کانگریسی وزارتوں کو یہ ہدایت بھیج دی کہ وہ ورکنگ کمیٹی کے رزولیوشن کو ابھی پس منظر سمجھیں۔ وزرا بات ایسی نہ کریں جو اس کے خلاف ہو، صوبائی گورنمنٹ کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو وہ رہنے نہ دیں اور اس کا موقع نکالیں کہ صوبائی مجالس واضعان قانون میں ورکنگ کمیٹی کے رزولیوشن کے مطابق کوئی رزولیوشن پاس ہو۔

مسلم لیگ اور کانگریس کی روشیں معلوم ہونے کے بعد لارڈ لنلتھگو نے پھر یہ مناسب سمجھا کہ پارٹیوں کے لیڈروں سے ملیں۔ اس کے باوجود کہ اپنے قول کے مطابق وہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی میں تنہا رہ گئے تھے مگر کانگریس کی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے طلب کیے گئے گاندھی ہی، اور وہ 26 ستمبر کو وائسرائے سے ملے۔ تین گھنٹے ملاقات رہی۔ گاندھی جی کا اصل مطالبہ یہ تھا:

''پالیسی کا اعلان کیا جائے، ہندوستان کو اپنا دستور وضع کرنے کے لیے آزاد چھوڑا جائے، جو اعلان ہو وہ صاف ہو اور پورا۔''

اس کے جواب میں وائسرائے نے اس پر زور دیا کہ مختلف پارٹیوں کے درمیان اتفاق رائے نہیں ہے اور انہوں نے فرقہ وارانہ مسئلے کی انتہائی شدت اور نزاکت جتائی۔ اس بنا پر انہوں نے کہا:

''اس وقت بس یہ ممکن ہو گا کہ حکومت برطانیہ اتنا کہہ دے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد وہ موجودہ آئین کے تحت حالات پر دوبارہ غور کرے گی اور یہ کہ آئندہ ترقی کے لیے یہ شرط مقدم ہو گی کہ فرقوں کے درمیان اتفاق رائے ہو۔''

گاندھی کو اس پر اصرار رہا کہ اعلان ضرور ہو۔ پورا ہو، اور اطمینان بخش۔ وائسرائے نے ایگزیکیوٹو کونسل میں ہندوستانی اہل سیاست کو شریک کر کے کابینہ کی صورت دینے میں دشواریاں ظاہر کیں، اہتمام جنگ میں ہندوستان کی رائے شریک کرنے کے لیے وہ صرف ایک مشاورتی کمیٹی کافی سمجھتے تھے اور گاندھی

اس کے سخت خلاف تھے، بالآخر وائسرائے نے گاندھی سے یہ کہا کہ وہ ورکنگ کمیٹی کے چند ارکان سے ملنا چاہتے ہیں۔ مسٹر گاندھی نے راجندر پرشاد اور جواہرلال نہرو کے نام بتائے۔

یہ دونوں صاحب 2 اکتوبر کو وائسرائے سے ملے، اور دونوں نے اپنے بیان کا مطالبہ کیا جو پورا، معین، غیر مبہم ہو اختتام جنگ پر ہندوستان کے روک ٹوک یہ آزادی دی گئی ہو کہ وہ اپنا دستور کانسٹی ٹویںٹ اسمبلی کے ذریعے وضع کرے۔ اس اعلان کے ساتھ ان کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ مرکزی حکومت کے اختیار میں حصہ دیا جائے۔ دونوں نے آل پارٹیز کانفرنس کی مخالفت کی اور ان کی رائے یہ تھی کہ کانگریس اس میں شریک نہیں ہوگی۔

3 اکتوبر کو سر چمن لال سیتل نے لبرل پارٹی کی طرف سے بی، آر، امبید کر نے پست اقوام کی طرف سے، وی، ڈی ساور کر نے ہندو مہاسبھا کی طرف سے اور کاؤس جی جہانگیر نے پارسیوں کی طرف سے وائسرائے کو مشترکہ احتجاج نامہ بھیجا۔ اس میں وائسرائے کو متنبہ کیا گیا تھا کہ مسٹر گاندھی نے جو صورت بیان کی ہے اسے اختیار کرنا گمراہی ہوگا اور یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ کانگریس اور مسلم لیگ ہی تمام یا زیادہ تر ہندوستان کی نمائندہ ہیں۔ کانگریس کا یہ دعویٰ قبول کرنا کہ وہ ملک میں ایک ہی پارٹی ہے جمہوریت کے لیے مہلک ضرب ہوگی۔

کانگریس کے لیڈروں کے بعد وائسرائے نے دوسری سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں سے ملاقاتیں کیں اور قائداعظم اور دوسرے مسلمان لیڈروں سے بھی۔ سر سکندر حیات وزیر اعلیٰ پنجاب نے ایگزیکیوٹو کونسل کی توسیع سے اختلاف کیا لیکن کوئی ایسا گروپ قائم کرنے کی تائید کی جو تحفظ و دفاع میں رابطہ قائم کرے۔ ساور کر نے اتمام جنگ میں پوری تائید کا وعدہ کیا مگر اس پر بڑا اصرار کہ ملک معظم کی گورنمنٹ یہ وعدہ کرے کہ جنگ کے بعد ہندوستان کو کامل مرتبہ نو آبادی ملے گا۔ امبید کر کا ذہن اس معاملے میں بالکل صاف تھا کہ برطانوی نمونے کا پارلیمنٹری طور حکومت ہندوستان میں ناکام ہوگیا۔ انہوں نے اس کی شدت سے مخالفت کی کہ مرکز میں کسی قسم کی حکومت خود اختیاری دی جائے، اور نہ وہ اس کے موافق تھے کہ ایگزیکیوٹو کونسل میں توسیع کی جائے۔

سی، راجگوپال اچاریہ، وزیر اعلیٰ مدراس نے یہ رائے دی کہ ایک وسیع نوعیت کا اعلان کیا جائے اور اس سے یہ اثر پیدا ہونا چاہیے کہ ملک معظم کی گورنمنٹ اس کے لیے تیار ہے کہ جس دستور پر مختلف سیاسی پارٹیاں اتفاق کر لیں گی وہ اسے منظور کر لے گی۔ مسٹر راجگوپال اچاریہ نے اس پر اصرار کیا کہ یہ بڑی اہم بات ہے کہ ایگزیکٹو کونسل کی توسیع ہو اور اس میں سیاسی لیڈر شریک کیے جائیں۔ وہ مشاورتی کمیٹی اور آل پارٹیز کانفرنس دونوں کے خلاف تھے۔

10 اکتوبر کو کانگریس کمیٹی نے ایک رزولیشن پاس کیا جس میں اس پر احتجاج تھا کہ بغیر ہندوستانیوں کی رضامندی کے ہندوستان کو جنگ میں مبتلا کر دیا گیا۔ برطانیہ پر اس کا تقاضہ کیا گیا کہ وہ مقاصد جنگ کا اعلان کرے، اور اس میں ہندوستان کو کامل آزاد قرار دے۔

میاں ممتاز محمد خان دولتانہ

1996 - 1916

تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما میاں ممتاز محمد خان دولتانہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ 1943ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر بلا مقابلہ پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1944ء میں پنجاب مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے اور 1947ء تک ہر سال جنرل سیکرٹری منتخب ہوتے رہے۔ 1946ء میں دوبارہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1946ء ہی میں قائداعظمؒ نے آپ کو مسلم لیگ کی ڈائریکٹ ایکشن کمیٹی کا رکن مقرر کیا اور اسی سال ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ پہلے پنجاب کابینہ میں صوبائی وزیر اور بعد ازاں وزیراعلیٰ منتخب ہوئے۔ ون یونٹ کے قیام کے بعد آپ کچھ عرصہ وفاقی وزیر دفاع رہے۔ آپ پاکستان مسلم لیگ کے صدر بھی رہے۔ آپ نے مسلم لیگ سے سیاست شروع کی اور مرتے دم تک مسلم لیگ سے وابستہ رہے۔

حکومت برطانیہ کی پالیسی کا اعلان

اس سب کے بعد 18 اکتوبر 1939ء کو وائسرائے نے گورنمنٹ کی پالیسی کا اعلان کیا جس کا اقتباس ذیل میں درج ہے:

''ملک معظم کی گورنمنٹ یہ تسلیم کرتی ہے کہ جب مستقبل کے لیے ہندوستان کی وفاقی حکومت کے منصوبے پر غور شروع کرنے کا وقت آئے گا، اور نیز اس منصوبے پر غور کرنے کا جس سے سابق وزیر ہند کی ان یقین دہانیوں کی تکمیل ہونے والی ہے جو انہوں نے پارلیمنٹ میں کی تھیں تو یہ ضروری ہوگا کہ اس وقت کے حالات کی روشنی میں اس پر دوبارہ غور کیا جائے کہ 1935ء کے قانون کا جو منصوبہ ہے اس کی تفصیلات کس حد تک باقی رہنی ہیں اور مجھ کو ملک معظم کی گورنمنٹ کی طرف سے یہ کہنے کا اختیار دیا گیا ہے کہ اختتام جنگ پر ہندوستان کے مختلف فرقوں، پارٹیوں اور مفاد کے نمائندوں سے اور والیان ملک سے بایں نظر مشورہ کرنے کے لیے وہ رضامند ہوگی کہ ایسی ترمیمات وضع کرنے میں ان کی مدد اور ان کا تعاون حاصل کرے جو مناسب ہوں۔

مجھے اعتماد ہے کہ میں نے ابھی جو کچھ کہا اس میں میں نے یہ واضح کر دیا ہے کہ گورنر جنرل کے انسٹرومینٹ آف انسٹرکشنز میں جیسا کہ درج ہے، ملک معظم کی گورنمنٹ کا یہ ارادہ ہے، اور اس کو یہ فکر ہے کہ سلطنت کے اندر ہندوستان اور حکومت متحدہ کے درمیان اس شرکت کو اس مقصد کے لیے بڑھائے کہ عظیم نو آبادیات کے درمیان ہندوستان کو واجبی مقام حاصل ہو جائے۔

وہ اسکیم جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں ہے، اس راہ میں ایک منزل کے طور پر واضع کی گئی ہے لیکن میں نے جو کچھ ابھی کہا ہے اس میں یہ واضح کر دیا ہے کہ اختتام جنگ پر ملک معظم کی گورنمنٹ اس کے لیے تیار ہوگی کہ قانون مذکور کی اسکیم کو ہندوستانیوں کی رائے کی روشنی میں ترمیم کے لیے کھلی ہوئی قرار دے اور میں یہ بھی واضح کیے دیتا ہوں کہ جیسا ہمیشہ رہا ہے، ملک معظم کی حکومت کا یہ نصب العین ہوگا کہ اس مقصد کے لیے ہندوستان اپنے مطمع نظر کی طرف ترقی کرے۔ جس طریقے سے بھی ممکن ہوگا، وہ مختلف جماعتوں کے درمیان باہمی اتفاق کو بڑھانے کی کوشش کرے گی۔''

اقلیتوں کے اس مطالبے پر کہ ان کو اس کا یقین دلایا جائے کہ ان کی آراء اور مفاد کو پوری اہمیت دی جائے گی وائسرائے نے کہا:

''یہ ناقابل تصور ہے کہ ہم از سر نو دستور وضع کرنے کا منصوبہ بنائیں یا ہندوستان کے آئندہ دستور کے کسی اہم حصے میں ترمیم کریں اور ان سے مشورہ نہ کریں جو اسی قسم کے کام میں ملک معظم کی گورنمنٹ اور پارلیمنٹ کے ساتھ ماضی قریب میں شریک تھے۔''

وائسرائے کا یہ بیان بڑا الجھا ہوا تھا، اور خصوصاً ان معاملات میں غیر معین جو مسلم لیگ کے نزدیک اہم تھے۔ اس پر غور کرنے کے لیے 22 اکتوبر 1939ء کو ورکنگ کمیٹی کا فوری جلسہ منعقد ہوا۔ جو رزولیشن اس جلسے میں منظور ہوا، اس میں اس کی تعریف کی گئی کہ ملک معظم کی گورنمنٹ نے کانگریس کا یہ دعویٰ رد کر دیا کہ وہ تمام ہندوستان کی نیابت کرتی ہے، اور یہ تسلیم کیا کہ تنہا مسلم لیگ ہی حقیقی معنی میں تمام ہندوستان

کے مسلمانوں کی نمائندہ ہے، اور ان کی طرف سے بول سکتی ہے اور یہ کہ اقلیتوں اور دوسرے اہم فریقوں کے حقوق و مفاد واجبی طور پر تسلیم کیے۔ ورکنگ کمیٹی نے اس کی شکایت کی کہ مسلم لیگ نے اپنی 18 ستمبر 1931ء کے بیان میں جونہایت اہم نکات پیش کیے تھے ان کا معین اور قطعی جواب نہیں دیا گیا۔ ان کے لیے کمیٹی نے مزید وضاحت کی ضرورت جتائی، اس بات کو صاف کیا کہ مسلم لیگ کو صرف گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے منصوبے اور اس کی تفصیلات ہی سے اختلاف نہیں ہے بلکہ وہ ہندوستان کے آئندہ دستور کے پورے مسئلے پر از سرنو غور اور نظر ثانی چاہتی ہے۔ اس کے بعد ورکنگ کمیٹی نے پرزور طریقے پر اس کا اعادہ کیا کہ مسلم لیگ ہندوستان کے آئندہ دستور کے متعلق کسی منصوبے کو اس وقت تک اس قابل نہ سمجھے گی کہ قبول کیا جائے جب تک کہ اس کو مسلم لیگ کی منظوری حاصل نہ ہو۔ مشاورتی گروپ کے متعلق مسلم لیگ نے یہ کہا:

"جب تک اس کا مرتبہ، طرز تشکیل، اختیارات، دائرہ عمل اور فرائض معلوم نہ ہوں اس وقت تک وہ اس کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہیں کر سکتی۔"

اس کے ساتھ ہی ورکنگ کمیٹی نے صدر (قائداعظم) کو پورا اختیار دے دیا کہ وہ مذکورہ بالا نکات پر اطمینان حاصل کرنے کے بعد مسلمانان ہند کی طرف سے حکومت برطانیہ کو یہ یقین دلا دیں کہ وہ اہتمام جنگ میں اس کی تائید کریں گے اور اس کے ساتھ تعاون۔

کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے 23,22 اکتوبر 1939ء کے جلسہ منعقدہ واردھا میں وائسرائے کے بیان کی مذمت کی، یہ فیصلہ کیا کہ وہ برطانیہ کو اس وجہ سے کوئی مدد نہیں دے سکتی کہ یہ مدد اس کی اس استعماری پالیسی کی تصدیق و توثیق ہوگی جس کو کانگریس نے ہمیشہ ختم کرنا چاہا ہے۔ اس نے وزارتوں کو حکم دیا کہ وہ 31 اکتوبر تک استعفیٰ دے دیں مگر ساتھ ہی اہل کانگریس کو یہ تنبیہ کی کہ سول نامتابعت اور سیاسی ہڑتال وغیرہ کرنے میں تعجیل نہ کریں۔"

(پاکستان ناگزیر تھا، از سید حسن ریاض، مطبوعہ کراچی یونیورسٹی، کراچی)

زمرد محل ٹاکیز

قائداعظم محمد علی جناح نے 12 جولائی 1946ء کو حیدرآباد دکن کی اس ٹاکی کے بڑے ہال میں منعقد ایک جلسہ سے خطاب کیا۔ مجلس استقبالیہ میں بیگم صوفی، بیگم مشتاق احمد خاں، بیگم حفیظ، بیگم محمد یونس اور بیگم ہمایوں مرزا شامل تھیں۔ محترمہ بیگم حفیظ صاحبہ کا لکھا ہوا ترانہ پڑھا گیا۔ حیدرآباد کے رواج کے بعد قائداعظم محمد علی جناح پر گل پاشی کی گئی پھر بیگم صوفی نے تلاوت کی اور بیگم بہادر یار جنگ نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ اس کے بعد بیگم ڈاکٹر منور علی نے قائداعظم محمد علی جناح کی مخلصانہ خدمات کو سراہا اور موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"مرد اکیلے کچھ نہیں کر سکتے۔ عورتیں اور مرد دونوں مل کر بہت کچھ کر سکتے ہیں اگر عورتیں تعلیم نہیں پائیں گی تو آگے والی نسلیں جن پر ہماری نئی مملکت کو چلانے کی ذمہ داری پڑے گی، اور جن کی تربیت اور پرداخت کی ذمہ داری عورتوں پر ہے۔ بالکل جاہل رہ جائیں گی۔ یہ ایک قومی المیہ ہوگا کیوں کہ کوئی جاہل قوم حکومت کی اہم ذمہ داریاں نہیں اٹھا سکتی۔ اپنے غریب اور مستحق بھائیوں کی ہمہ جہتی، بہبود اور فلاح کے لیے آپ کسی

قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔''

زندگی اور موت کا لمحہ

قائداعظم محمد علی جناح نے 5 فروری 1938ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''دشمن چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالی جائے۔ یہ برطانوی حکومت کی وہی پرانی چالیں ہیں۔ کانگریسی اپنے آقاؤں کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ تم کہیں ان کی چالوں میں نہ آنا، مسلمانوں کے لیے یہ زندگی اور موت کا لمحہ ہے، مجھ سے سن رکھیے۔ اگر مسلمانوں میں اتحاد نہ ہوا تو وہ کسی قیمت پر بھی تباہی سے نہیں بچ سکیں گے۔''

زندگی کی بقا اور مسلم لیگ

21 نومبر 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے سرحد کے شاہین زادوں سے خطاب میں فرمایا:

''صوبۂ سرحد، شاہینوں کا مسکن، بہادر، نڈر، جری، دلیر بے باک اور غیور مسلمانوں کا علاقہ، جنہوں نے جبر و استبداد، قہرمانیت اور فرعونیت، تشدد اور سختی کا ہمیشہ مردانہ مقابلہ کیا۔ جو انگریز کی بے پناہ قوت سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے جنہوں نے انتہائی بے سرو سامانی کے باوجود ہمیشہ ڈٹ کر اس فوجی قوت کا مقابلہ کیا جس کی مملکت میں آفتاب کبھی غروب نہیں ہوتا تھا۔ ہندوستان کا ہر صوبہ، آئین و قانون کی نعمت سے مالا مال تھا۔ وہ کوئی چور ہو یا ڈاکو، یا قاتل یا باغی اس وقت تک سزا نہیں پا سکتا تھا۔ جب تک عدالت اُسے مجرم نہ قرار دے۔ جب تک اُسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع نہ حاصل ہو، جب تک اُسے عدالت بالا میں اپیل کرنے کی سہولت نہ حاصل ہو، اور آخر میں درخواست رحم پیش کرنے کی اجازت نہ حاصل ہو۔''

لیکن سرحد میں نہ کوئی آئین تھا نہ قانون، یہ سرزمین بے آئین تھی، یہاں چیف کمشنر کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ حرفِ آخر تھا، اس کے فیصلہ کی نہ اپیل ہو سکتی تھی، نہ دلیل سے اُسے بدلا جا سکتا تھا، نہ اس کے نفاذ میں تاخیر روا رکھی جا سکتی تھی، ایک شخص حبیب نور نے ایک افسر پر گولی چلائی، نشانہ خطا گیا، انگریز افسر زندہ رہا، لیکن چند گھنٹوں کے اندر ساری عدالتی کارروائیاں چیف کمشنر کے دربار میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں اور ''مجرم'' زندگی سے محروم کر دیا گیا۔

ان حالات میں بھی سرحد کے غیور باشندے غیر اسلامی تسلط کے خلاف برسر پیکار تھے مگر یکا یک خان عبدالغفار خان نمودار ہوئے، عدم تشدد کا ورد کرتے ہوئے اور انہوں نے اس جیالی قوم میں افسردگی اور اضمحلال پیدا کرنے کی سعی شروع کر دی، کیونکہ وہ سرحدی گاندھی کے پیرو تھے اور اصلی گاندھی کا حکم بھی تھا۔ اس پر تو اقبالؒ نے جل کر کہا تھا:

خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زاغ

یہ پورا صوبہ خان عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب کے باعث کانگریس کے طلسم میں اسیر تھا، یہاں مسلمانوں کی کوئی تحریک پروان نہیں چڑھ سکتی تھی۔ مسلم لیگ کے ذکر پر ایک مرتبہ چمک کر ڈاکٹر خانصاحب نے فرمایا تھا اور شاید بجا فرمایا تھا:

''مسلم لیگ؟ وہ کہیں اور ہو تو ہو سرحد میں تو نہیں ہے!''

ان الفاظ میں کتنا ہی تکبر ہو، رعونت ہو، خود پرستی ہو، مگر ان کی واقعیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا!

لیکن مسلم لیگ کو سرحد میں بھی کامیابی حاصل کرنی تھی، بغیر اس کے پاکستان نہیں بن سکتا تھا۔ یہاں عبدالرب نشتر،

اورنگ زیب خان وغیرہ عرصۂ دراز سے مصروفِ جہد وعمل تھے لیکن اس کا نتیجہ اب تک زیادہ حسب دلخواہ نہیں نکلا تھا۔ اب ایک نئی قوت بھی مسلم لیگ کو حاصل ہو رہی تھی، وہ مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر اور بھولا بھائی ڈیسائی کے دستِ راست خان عبدالقیوم کی تھی۔

غرض قائداعظم محمد علی جناح ان حالات میں پشاور پہنچے، یہاں ان کا شاہانہ استقبال ہوا اور انہوں نے ایک معرکہ آرا تقریر ارشاد فرمائی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں فرمایا:

''معزز حضرات! سب سے پہلے بات جو مجھے آپ سے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ آپ انتخابات میں مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ یہاں مسلمانوں کی کل 38 نشستیں ہیں، اور اس کے لیے سو سے زائد درخواستیں آ چکی ہیں۔ بورڈ کی اولین کوشش یہی ہوگی کہ بہتر سے بہتر امیدوار کا انتخاب کیا جائے۔

مسلمانوں سے یہ اُمید نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ غلامی کے لیے اپنا خون بہائیں گے، جب تک میں زندہ ہوں ہندوؤں کی غلامی کے لیے مسلمانوں کا ایک قطرۂ خون بھی ضائع نہ ہونے دوں گا۔

حضرات! یہ فیصلہ کرنا لیڈر کا کام ہوتا ہے کہ اس کے پیرو کس وقت اپنے مخالفوں پر چوٹ لگانے کے قابل بنیں گے۔ ایک اچھا جرنیل اس وقت تک حملہ نہیں کرتا، جب تک اُسے فتح کا یقین نہ ہو۔ یا کم از کم اسے عزت مندانہ شکست کا یقین ضرور ہونا چاہیے، میں اس میں یقین نہیں رکھتا کہ پہلے لوگوں کو گولیاں کھانے اور جیل جانے پر آمادہ کروں اور اس کے بعد جیل سے معصومانہ انداز میں یہ اعلان کر دوں کہ اس معاملہ میں میرا کوئی ہاتھ نہیں اور جیل سے باہر آؤں تو لوگوں کی قربانیوں کا کریڈٹ حاصل کرنے کی کوشش کروں۔

یہ کہنا بھی سراسر غلط ہے کہ مسلمانوں نے قربانیاں نہیں کیں۔ 1921ء کی جدوجہد میں مسلمان پیش پیش تھے۔ 1930ء میں اسی صوبہ کے مسلمانوں نے اپنی زندگیاں قربان کی تھیں، لیکن اس کے برعکس ہندوؤں نے اور کانگریس نے صوبہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کی مخالفت کی۔

میں نو سال کے بعد پشاور آیا ہوں، میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلم لیگ پٹھانوں میں بہت ہر دل عزیز ہو چکی ہے، یہاں مسلمان کانگریس کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو گئے تھے، اب اس سازش سے نجات حاصل کر چکے ہیں، مسلمان ایک خدا ایک کتاب اور ایک رسول ﷺ میں یقین رکھتے ہیں۔ مسلم لیگ کی کوشش یہ ہے کہ ان کو ایک پلیٹ فارم پر ایک پرچم تلے جمع کیا جائے۔ یہ پرچم پاکستان کا پرچم ہے۔

ہمارا کوئی دوست نہیں ہے۔ ہمیں نہ انگریز پر بھروسہ ہے نہ ہندو پر ہم دونوں کے خلاف جنگ کریں گے۔ خواہ وہ آپس میں متحد کیوں نہ ہو جائیں۔

کانگریس کے لیڈ جو ہر سال یوم آزادی منایا کرتے اور ہندوستان خالی کر جاؤ کے نعرے میں یقین رکھتے ہیں۔ شملہ کانفرنس میں اُنہوں نے لارڈ ویول کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے، ہندو مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتے تھے، لیکن اس قسم کی کوششیں اب مسلمانوں کو گمراہ نہیں کر سکتیں، شملہ کانفرنس میں کانگریس کا حقیقی مقصد مسلم لیگ کو خوفزدہ کرنا تھا، اور جب کانگریس مسلم لیگ کو جھکانے میں کامیاب نہ ہو سکی تو اس نے لارڈ ویول کے سامنے سر جھکانا شروع کر دیا، تاکہ

وائسرائے یہ اعلان کر دے کہ حکومت بھی لیگ کے خلاف ہے، لیکن کانگریس یہاں بھی ناکام رہی۔
میں ایک بار پھر اپیل کروں گا کہ جن لوگوں کو انتخابات میں حصہ لینے کے لیے مسلم لیگ بورڈ کی طرف سے ٹکٹ نہیں ملے۔ اگر انہوں نے دس کروڑ مسلمانوں سے غداری کی تو وہ خود بھی وزیراعظم یا وزیر بننے کے لیے زندہ نہ رہ سکیں گے۔'' (پُرزور تالیاں)

زندہ باد پائندہ باد مسلم لیگ

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 28 اگست 1941ء میں لکھتا ہے:

''دشمنوں کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی، مسلم لیگ کے بدخواہوں کی خوشیوں پر اوس پڑ گئی۔ اسلامی اخباروں نے پہلے ہی دن یہ لکھ دیا تھا کہ اعدا کی امیدیں پوری نہ ہوں گی، اور مسلم لیگ میں ہرگز کوئی پھوٹ نہیں پڑے گی، چنانچہ یہی ہوا۔ بمبئی میں مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ کا اجلاس ہوا، سردار سکندر حیات وہاں تشریف لے گئے۔ پنجاب کے مسلم لیگیوں کا وفد پہلے ہی قائداعظم کی خدمت میں حاضر تھا، اور دوسرے ذمہ دار رہنما مثلاً حاجی عبداللہ ہارون، سردار اورنگ زیب وغیرہ بھی مفاہمت کی کوششوں میں مصروف تھے۔ مسلم وزرائے اعظم کی یہ گزارش تھی کہ انہیں ڈیفنس کونسل میں صوبے کے وزراء کی حیثیت سے لے لیا گیا ہے، اس لیے انہوں نے اس کی ممبری قبول کرنے میں مسلم لیگ کے کسی فرمان کی خلاف ورزی نہیں کی۔ چنانچہ حکومت نے بھی حال ہی میں اعلان کر دیا تھا کہ وزیر محض وزراء کی حیثیت سے شامل کیے گئے ہیں۔

لیکن قائداعظم نے فرمایا:

''میرے پاس 11 جولائی کو گورنر کی وساطت سے وائسرائے کا جو پیغام آیا، اس میں یہ درج ہے کہ وزرائے اعظم مسلمانوں کے نمائندوں کی حیثیت سے لیے گئے ہیں۔''

چنانچہ وائسرائے کا یہ پیغام سر سکندر حیات کو دکھایا گیا۔ اس پر سردار صاحب نے فوراً یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ ڈیفنس کونسل سے مستعفی ہو جائیں گے۔ آپ نے سر سعد اللہ وزیراعظم آسام اور مولوی فضل الحق وزیراعظم بنگال کو بھی ٹیلی فون کے ذریعے بتلا دیا کہ اگر وائسرائے نے ہمیں صوبوں کے نمائندوں کی حیثیت سے نہیں لیا، بلکہ مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے شامل کیا ہے تو ہم اس پوزیشن کو قبول نہیں کر سکتے، کیونکہ مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت ہمیں اس نمائندگی کا اختیار نہیں دیتی۔ سر سعد اللہ نے سردار صاحب کی تائید کی اور فرمایا:

''میں بھی آپ کے ساتھ استعفیٰ دینے کے لیے تیار ہوں۔''

مولوی فضل الحق نے دس دن کی مہلت طلب کی ہے تاکہ گورنر بنگال سے بات چیت کر کے اپنے عندیہ سے لیگ کو مطلع کریں، لیکن ہمیں یقین ہے کہ وہ دوسرے وزیراعظموں سے مختلف رویہ اختیار نہ کریں گے۔

سردار سکندر حیات نے اپنے اس اقدام سے تمام ہندوستان کے مسلمانوں اور ان کی واحد نمائندہ جماعت کے وقار و اقتدار کو دوسری قوموں اور حکومت کی نگاہوں میں بلند کر دیا ہے، اور مسلم لیگ کو پھوٹ سے بچا کر اسلامی ہند کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے۔ اگر قائداعظم پہلے ہی دن سر سکندر اور دوسرے وزیروں کو

وائسرائے کا مکتوب دکھا دیتے تو وہ کشمکش نہ ہوتی جس سے گزشتہ چار پانچ ہفتوں میں دشمنانِ اسلام نے بے حد فائدہ اٹھایا۔ بہرحال ہم قائداعظم، سر سکندر حیات خان اور اسلامی ہند کو مبارک حل پر ہدیہ تہنیت پیش کرتے ہیں۔"

(روزنامہ انقلاب اشاعت 28 اگست 1941ء)

زندہ جاوید

(دیکھئے: عزم صمیم)

زندۂ جاوید

عشرت رحمانی نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا:

تو زندہ جاوید ہے قائداعظم
چمکا تھا جبیں پر تری ملت کا ستارا
ظلمت میں مسلماں کو دیا تو نے سہارا
گرداب میں کشتی تھی تلاطم میں سفینہ
ہم صدیوں سے بھولے تھے سنبھلنے کا قرینہ
مواج سمندر کوئی ملاح نہ ہادی
بھٹکے ہوئے بے چاروں کو تو نے ہی صدا دی
تلوار کی حاجت تھی نہ کچھ تیر وتبر کی
تو نے یہ مہم ناخن تدبیر سے سر کی
تو زندہ جاوید ہے اے قائداعظم
تھا تیرا عمل محکم وافکار قوی تر
ہتھیار تدبر تیرا اور علم تھا لشکر
کامل تھا بھروسہ تجھے ایماں اور یقین پر
ہر آن تری کرتی تھی مسلم کو اشارہ
"کافر ہے تو تقدیر پہ کرتا ہے بھروسہ"
ہر لحظہ تیری شان یہ دیتی تھی گواہی
"مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی"
تو زندہ جاوید ہے اے قائداعظم

عشرت رحمان 16 اپریل 1910ء کو رام پور یو پی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے بی اے اور ایم اے کی اسناد لیں اور آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت اختیار کر لی۔ 1920ء میں ریٹائر ہوئے۔ شاعری، ڈراما، تنقید اور تحقیق ان کے موضوعات ہیں۔

زندہ یادگار

(دیکھئے: خراج عقیدت)

زہر قاتل

قائداعظم محمد علی جناح نے 17 جنوری 1946ء کو اسلامیہ کالج لاہور میں تقریر کرتے ہوئے رائے دہندوں کو ان کا فرض یاد دلاتے ہوئے کہا:

"پنجاب کے گورنر کو جس کے ماتحت اور آلۂ کار اس قسم کی حرکات کا ارتکاب کرنے سے ذرا بھی نہیں شرما رہے ہیں۔ جو ہندو مسلم فساد کے لیے زہر قاتل ہیں، پنجاب کی حالت کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی۔ میں نے وائسرائے سے حال ہی میں ملاقات کی اس میں یہ سوال اٹھایا گیا، مگر ہنوز روزِ اول ہے۔ یہ لوگ چاہے کچھ بھی کر لیں ہم انشاء اللہ ان کی تمام عیاریوں اور مکاریوں پر قابو حاصل کر لیں گے، اور یہ کلینسی، خضر گٹھ بند، تارِ عنکبوت ہو کر رہ جائیں گے۔ انصاف اور بدلے کا دن نزدیک ہے، اور یہ لوگ انصاف و قانون کے فولادی ہاتھ سے چھوٹ کر کہیں نہ جائیں گے۔ اتحادی پارٹی کوئی سیاسی جماعت نہیں ہے۔

بلکہ چوری کا گروہ ہے۔ غیر مسلموں کو اس بات پر خوش ہونا چاہیے کہ مسلم لیگ اس پارٹی کو ختم کر کے پنجاب کو جمہوریت سے روشناس کر رہی ہے۔''
(مزید دیکھئے: زرخرید طائفہ)

زیارت

یہ شہر صوبہ بلوچستان میں سبی ڈویژن کے ضلع زیارت کا ہیڈ کوارٹر ہے، اسے ضلعی حیثیت 1988ء میں ملی انگریزوں نے اسے اپنے گرمائی ہیڈ کوارٹر کے لیے منتخب کیا تھا۔ اس کا نام حضرت ملا طاہر رحمت اللہ بابا خرواری کے مزار کی زیارت کی وجہ سے زیارت مشہور ہوگیا۔

زیارت کی ترقی کے لیے امپرومنٹ ٹرسٹ کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کو یہ جگہ بہت پسند تھی قائداعظم محمد علی جناح اسے ''پاکستان کا سوئٹزرلینڈ'' کہا کرتے تھے۔انہوں نے اپنے آخری ایام بھی یہیں گزارے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت پاکستان نے زیارت ریذیڈنسی کو یادگار قائداعظم قرار دیا۔

یہاں سیاحوں اور سرکاری افسروں کی رہائش کے لیے پراسپیکٹ پوائنٹ پر ایک ریسٹ ہاؤس بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ سطح سمندر سے آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہاں دنیا کا بہترین سیب بھی پیدا ہوتا ہے۔

اس کا اصل نام غوشکی تھا یہ کوئٹہ سے 75 میل کی مسافت پر لورالائی روڈ پر واقع ہے۔

قیام پاکستان کے بعد اس نے ایک خوبصورت تفریح گاہ کی صورت اختیار کرلی۔

یہاں بچوں کے لیے تفریحی پارک، جناح ہال، پبلک لائبریری بھی تعمیر کی گئی ہے۔قائداعظم ریذیڈنسی کے ایک کمرے میں وہ اشیاء بھی رکھی ہوئی ہیں جو قائداعظم محمد علی جناح اپنے ساتھ استعمال کے لیے لاتے تھے۔اب یہ اشیا، ہماری تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔ یہ ایک وادی نما شہر ہے۔ جس کے گرداگرد سات پہاڑ ہیں۔ یہ وادی پیالے کی شکل میں ہے۔ یہاں کئی تفریحی مقامات ہیں اور کئی ایک بڑے چشمے بھی ہیں، یہاں سیب، آلوچہ، شفتالو، خوبانی، شہتوت، چیری، بادام اور اخروٹ کی بہتات ہے۔

زیارت ریذیڈنسی

7 جنوری 1977ء کو سینٹ نے زیارت ریذیڈنسی کا نام قائداعظم ہاؤس رکھنے کی قرارداد منظور کرلی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے زندگی کے آخری ایام بھی اسی ریذیڈنسی میں گزارے تھے۔ اس لیے اسے قائداعظم محمد علی جناح کے نام سے منسوب کیا گیا۔

زیارت کے روزانہ کے معمولات

زیارت ریذیڈنسی کے مالی صالح محمد تھے۔ وہ روزانہ صبح کے وقت گلدانوں کے لیے پھول لے کر قائداعظم محمد علی جناح کے کمرے میں حاضر ہوتے۔ انہیں کارنیسن زرد گلاب سے عشق تھا۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے روزانہ معمولات کے بارے میں بتایا:

''روزانہ ان کے لیے لان میں میز اور کرسی لگائی جاتی، اور وہ وہاں بیٹھ کر کام کرتے، روانگی سے چند روز پہلے ان کے اس معمول میں فرق آیا ۔ وہ ریذیڈنسی کی عمارت سے پیراکی کے تالاب تک دو فرلانگ لمبے راستے پر چہل قدمی کیا کرتے تھے، اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے انہیں صنوبر کے درخت اور جنگلی پھول بہت پسند تھے۔ پیراکی تالاب پر تھوڑی دیر آرام کرتے اور پھر واپس آتے۔ صبح ہو یا شام کافی دنوں تک ان کا یہی معمول رہا۔ اس موقع پر میں

ان کی خدمت میں حاضر رہتا۔ ان کے ہونٹوں پر ایک قدرتی اور ناقابل فراموش تبسم ہوتا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی انہیں مسکراتے نہ دیکھا ہو۔ ان دنوں میں بھی ان کے چہرے پر میں نے تبسم دیکھا جب وہ شدید علیل تھے۔ ان دنوں وہ بے حد کمزور ہوگئے تھے، لیکن وہ ایک بہادر شخص تھے اور شدید علالت کے دنوں میں بھی وہ ایک لمحے کے لیے مایوس نہیں ہوئے، پھر جس روز قائداعظم کوئٹہ روانہ ہورہے تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ انہیں سلام بھی کرلوں اور جی بھر کر دیکھ بھی لوں۔ انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ صالح محمد تم میرے ساتھ کوئٹہ چلو وہاں سے واپس آنا۔''

(بحوالہ قائداعظم محمد علی جناح ایک قوم کی سرگزشت، جی الانہ، مطبوعہ فیروز سنز لاہور)

زیارت ریذیڈنسی پر حملہ

چاند سعید اپنے مضمون میں ریذیڈنسی پر حملے کے حوالے سے کہتے ہیں:

''عمارتوں سے جڑی تاریخ ان کی قدر و قیمت میں کئی گنا اضافہ کرتی ہے۔ ایسی ہی ایک عمارت زیارت میں بھی ہے۔ 1892ء میں تعمیر ہونے والی اس عمارت کو لگ بھگ 56 سال بعد اس وقت عزت نصیب ہوئی۔ جب بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح یہاں تشریف لائے۔ اس عمارت کو ''قائداعظم ریذیڈنسی'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ قدیم طرزِ تعمیر کا خوبصورت شاہکار تھی۔

قیامِ پاکستان سے قبل ہی بانی پاکستان ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے معالج کو سختی سے حکم دے رکھا تھا کہ اس مہلک بیماری کے بارے میں کسی کو آگاہ نہ کیا جائے۔ ہند کے مسلمان اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ قائداعظم پورے برصغیر کے مسلمانوں کی امیدوں اور خوابوں کا مرکز تھے۔ ایسے نازک مرحلے میں بانی پاکستان اپنی بیماری کے علاج اور ٹی بی کے دیگر ماہرین سے مشوروں کے بجائے قیامِ پاکستان کے لیے تمام تر صلاحیتیں صرف کیے ہوئے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بیماری کی خبر باہر نکلے، اور اس کا اثر مسلمانانِ ہند کی جدوجہد پر ہو، یہ وہ وقت تھا جب انگریز اور ہندوؤں کے سامنے ایک ہی چٹان ایسی تھی جسے ناقابلِ تسخیر کہا جاتا تھا۔ برطانیہ کو احساس ہو چکا تھا کہ قائداعظم کے سامنے جلد ہی گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے، اور برصغیر میں صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پاکستان بھی بنانا پڑے گا۔ ہندو چاہتے تھے کہ انگریز کے بعد یہاں صرف ایک ہی ملک رہے، جس پر ہندوؤں کی حکومت ہو۔ قائداعظم ان کے راستے کی سب سے بڑی دیوار تھے۔ اس بات کا یقین انگریز اور ہندو دونوں کو ہو چکا تھا کہ قائداعظم کے سوا ہندوستان کے ہر لیڈر کو خریدا جا سکتا ہے۔ ایسے حالات میں اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ قائداعظم ٹی بی کی آخری سٹیج میں ہیں تو وہ قیامِ پاکستان کے معاملے کو چند سال مزید لگا دیتے۔ اس کا اعتراف قائداعظم کی وفات کے بعد وائسرائے نے بھی کیا تھا۔ قائداعظم چاہتے تو اپنی بیماری کو چھپانے کی بجائے علاج کے لیے برطانیہ یا کسی اور ملک جا سکتے تھے، لیکن انہوں نے اپنی زندگی پر پاکستان کو ترجیح دی۔ قیامِ پاکستان کے وقت وہ ٹی بی کے آخری مرحلے میں تھے۔ انتھک محنت اور دن رات کام کی وجہ سے ان کی صحت مزید خراب ہوگئی، جس پر ذاتی معالج کرنل الٰہی بخش کے

مشورے پر 14 جولائی 1948ء کو بانی پاکستان زیارت تشریف لائے۔ قائداعظم کی رہائش گاہ کا بندوبست اس عمارت میں کیا گیا جسے 2013ء میں دہشت گرد تباہ کر چکے ہیں۔
زیارت ریذیڈنسی میں قائداعظم کا قیام انتہائی مختصر عرصہ کے لیے تھا۔ یہ ان کی زندگی کے آخری لمحات تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح ان کی تیمارداری کے لیے ہمراہ تھیں۔''
اس مضمون میں آگے لکھا ہے:
''قائداعظم نے چند دن زیارت میں قائم رہائش گاہ میں قیام کیا تو اس عمارت کا تقدس اور احترام آسمانوں سے باتیں کرنے لگا۔ پاکستانی عوام کو اس رہائش گاہ سے انتہائی عقیدت ہے۔ ہر سال یہاں ہزاروں لوگ اپنے محبوب قائد کی رہائش گاہ دیکھنے کے لیے آتے تھے۔ یہاں آنے والے لکڑی کی دیواروں اور قائد کی زیرِ استعمال اشیاء پر ان کا لمس محسوس کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں آنے والوں کے چہروں پر عقیدت، حیرت اور خوشی کے تاثرات نظر آتے تھے۔ قائداعظم سے پاکستانیوں کی اس عقیدت کا علم پوری دنیا کو ہے۔ اس لیے 15 جون 2013ء کو شدت پسندوں نے قائداعظم کی اس رہائش گاہ پر بموں سے حملہ کر دیا۔ وہ جانتے تھے کہ کسی بھی جگہ حملہ کرنے کا اتنا ردِعمل سامنے نہیں آئے گا، جتنا قائداعظم کی خالی رہائش گاہ پر حملے کے نتیجے میں ہوگا، اس حملے میں لکڑی سے بنی یہ عمارت مکمل طور پر تباہ ہو گئی، لیکن دوسری جانب پوری قوم سراپا احتجاج نظر آئی۔''
(ماخوذ ہفت روزہ فیملی میگزین، اشاعت 8 ستمبر تا 14 ستمبر 2013ء)
شدت پسندوں نے قائداعظم کی اس یادگار کو تو نقصان پہنچا دیا، لیکن یہ حملہ پوری قوم میں یہ سوچ پیدا کر گیا کہ ہمیں متحد ہونا ہے، ہمیں ذاتی اختلافات کو بھلا کر ملک کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔
زیارت ریذیڈنسی دوبارہ تعمیر کے بعد ایک بار پھر عوام کے لیے کھول دی جائے گی۔ (انشاءاللہ)

زیٹ لینڈ

لارڈ زیٹ لینڈ نے مئی 1937ء میں ایک بیان میں ہندوستان کے آئینی امور کے بارے میں مسلم لیگ کی پالیسی کو ہدف تنقید بنایا اور اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے یکم اکتوبر 1939ء کو کہا:

> ''لارڈ زیٹ لینڈ کی تقریر کے متعلق یہ ہے کہ میں جب تک وائسرائے سے نہ مل لوں اس وقت تک خاموش رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔''

زیڈ اے بخاری

وہ ممتاز ریڈیو براڈ کاسٹر تھے انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی وفات پر ریڈیو پاکستان سے ان کے جنازے کا آنکھوں دیکھا حال نشر کیا تھا۔ زیڈ اے بخاری کا اصل نام ذوالفقار علی بخاری تھا۔ وہ 1904ء میں پشاور میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ سکول پشاور سے انٹر کیا۔ ازاں بعد اورینٹل کالج لاہور سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اسی دوران شعر و شاعری میں دلچسپی پیدا ہوئی، اور سید اولاد حسین شاداں سے شاعری میں اصلاح لیتے رہے۔ محمود شیرانی اور ڈاکٹر مولوی محمد شفیع بھی ان کے استاد تھے۔
زیڈ اے بخاری نے 1929ء میں اپنی ملازمت کا آغاز شملہ میں ملٹری بورڈ آف ایگزامینر میں مترجم کی حیثیت سے کیا۔ ڈراموں سے بھی دلچسپی رکھتے تھے اور پہلی مرتبہ شملہ میں

قائداعظم محمد علی جناحؒ مسلم لیگ رہنماؤں کے ہمراہ

امتیاز علی تاج کے مشہور ڈرامے انارکلی میں سلیم کا کردار ادا کیا۔ 1935ء میں آل انڈیا ریڈیو کے دہلی سٹیشن میں ملازمت اختیار کی۔ 1938ء میں بی بی سی میں براڈ کاسٹنگ کی تربیت حاصل کی۔ دوسری عالمی جنگ میں انہوں نے جائنٹ براڈ کاسٹنگ کونسل لندن میں کام کیا۔ واپسی پر بمبئی اور کلکتہ کے ریڈیو سٹیشنوں کے ڈائریکٹر رہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد ریڈیو پاکستان کے پہلے ڈائریکٹر جنرل مقرر ہوئے۔ ٹیلی ویژن کے اجراء پر اس کے پہلے جنرل منیجر بنائے گئے۔ تین ماہ بعد اس منصب سے علیحدہ ہوگئے۔ آخری ایام میں وہ ریڈیو پاکستان کے سیکرٹری پروڈکشن پوائنٹ پر مشیر کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔ انہیں فارسی، انگریزی، اردو، بنگالی، برمی، پشتو اور پنجابی زبانوں پر عبور تھا۔

ان کی آواز میں بڑا سوز تھا۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے جنازے کا آنکھوں دیکھا حال بھی نشر کیا تھا۔

انہوں نے نشریات کے میدان میں بڑا نام پیدا کیا۔ وہ منجھے ہوئے براڈ کاسٹر تھے۔ ادب و شعر میں بھی بڑا مقام پیدا کیا۔

زین العابدین گیلانی

ملتان میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا تو زین العابدین گیلانی کو صدر منتخب کرلیا گیا انہوں نے کانگریسیوں، احراریوں اور ہندوؤں کا ناطقہ بند کردیا۔ 1940ء میں لاہور میں جب قرار داد پاکستان منظور ہوئی تو قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے ان کی خدمات کا ذکر کیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اٹھ کر انہیں سینے سے لگالیا اور آل انڈیا مسلم لیگ کا رکن نامزد کیا۔

زین العابدین گیلانی ملتان میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد شجاع آباد میں تحصیلدار کی حیثیت سے ان کی تقرری ہوئی۔ تحریک خلافت کے سلسلے میں ملازمت ترک کی اور زندگی بھر کا اثاثہ تحریک کی نذر کردیا۔ انجمن فدایان اسلام کے اہم رکن تھے۔ تحریک کشمیر مجلس اتحاد ملی، تحریک شہید گنج اور تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا۔ آواز حق بلند کرنے پر متعدد بار جیل کی صعوبتیں برداشت کیں۔ 1946ء میں خضر وزارت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک میں حصہ لیا اور قید کاٹی۔ 3 مارچ 1947ء کو انہوں نے ڈپٹی کمشنر اور بلدیہ ملتان کے دفاتر پر سے برطانوی پرچم اتار کر پاکستانی پرچم لہرایا۔ واحد ندوی نے اپنی کتاب ''یادوں کے چراغ'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔

8 اکتوبر 1960ء کو وفات پائی۔

(بحوالہ اکابر تحریک پاکستان از محمد صادق قصوری)

زین نورانی

تحریک پاکستان کے رہنما تھے، سابق وزیر مملکت برائے امور خارجہ، مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سرگرم رکن، قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں ہفت روزہ سٹار کا ایڈیٹر مقرر کیا تھا۔

زین نورانی بمبئی میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم مکمل کی۔ بمبئی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا اور بمبئی صوبائی سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جوائنٹ سیکرٹری بھی رہے۔

سٹار پر جب حکومت بمبئی نے پابندی عائد کی تو انہوں نے ہفت روزہ ڈائنامیٹ جاری کیا۔ اس طرح ہندوستان بھر میں انہیں کسی انگریزی اخبار کے کم عمر ایڈیٹر کا اعزاز حاصل رہا، انہوں نے ہندوؤں کی مسلمان دشمنی کو بے نقاب کرنے کے لیے ایک زیر زمین روزنامہ اوپر سیڈ بھی جاری کیا۔ بمبئی اسمبلی نے ان کی گرفتاری کے لیے دس ہزار روپے کا انعام مقرر کیا۔ اگست 1947ء میں ان کے ہفت روزہ ڈائنامیٹ پر پابندی اور گرفتاری کا فیصلہ کیا گیا۔ حکومت نے جب وارنٹ گرفتاری جاری کیے تو وہ 12 اگست 1947ء کو بھاگ کر پاکستان آگئے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی سے متعدد بار قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ جونیجو دور میں وہ وزیر مملکت برائے امور خارجہ افغانستان رہے۔ انہوں نے افغانستان کا معاہدہ بھی کرایا۔

سات عدد

قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی میں سات کا عدد بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح 25 دسمبر 1876ء کو پیدا ہوئے۔ 25 دسمبر کو مفرد عدد میں تبدیل کیا

7=2+5=25

قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کا عدد 7۔ کیرو کے مطابق نمبر 7 کے تحت پیدا ہونے والے لوگ زبردست خودمختار، کھری اور نمایاں شخصیت کے مالک ہوتے ہیں۔ لکیر کے فقیر نہیں ہوتے۔ اپنا مذہب فکر خود بناتے ہیں۔ یہ لوگ سفر کے شوقین ہوتے ہیں اور اکثر غیر ممالک کا سفر اختیار کرتے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح کے نام کے اعداد یہ ہیں:

MUHAMMAD ALI

4+6+5+1+4+4+1+4 1+3+1

29 5

2+9=11

1+1=2

2+5=7

قائداعظم محمد علی جناح کے نام کے اعداد نکالنے پر 7 کا عدد ہوا۔

قائداعظم محمد علی جناح 25 دسمبر کو پیدا ہوئے اور اس روز سوموار تھا۔ سوموار کا حقیقی نمبر 7 اور متبادل 2 ہے، چونکہ یہاں 2 کا عدد متبادل ہے۔ اس لیے اسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے، لہٰذا قائداعظم محمد علی جناح کے یوم پیدائش سے 7 کا عدد حاصل ہوا۔

قائداعظم محمد علی جناح وزیر مینشن میں پیدا ہوئے۔

WAZIR MANSION

6+1+7+1+2 4+1+5+3+1+7+5

=17 =26

=1+7=8=2+6=8

1+6=7=8+8=16

وزیر مینشن کے اعداد بھی سات ہی نکلے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ابتدائی تعلیم سندھ مدرستہ الاسلام میں پائی۔

SIND MADRASAH

3+1+5+4 4+1+4+2+1+3+1+5

=13 =21

13=21

1+3=2+1

4=3

4+3=7

قرارداد پاکستان 1940ء میں منظور ہوئی اور پاکستان 7 سال بعد یعنی 1947ء میں وجود میں آ گیا۔ اسی طرح 14 اگست 7 کے عدد کا دوگنا ہے۔ اب ذرا لفظ پاکستان کا جائزہ لیں۔

PAKISTAN

8+1+2+1+3+4+1+5

2+5=7=25

11 ستمبر 1948ء کو وفات پائی۔

=1+1=11

2 کا متبادل عدد ہے 7۔ وفات کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کی عمر 72 سال تھی۔ کراچی میں دفن کیا گیا۔ کراچی انگریزی کے سات حروف پر مشتمل ہے۔

(اردو ڈائجسٹ مضمون 7 کا عدد قائداعظم کی زندگی میں از محمد مسعود، دسمبر 1970ء)

ساتویں سکاؤٹنگ جمبوری

یہ جمبوری 15 تا 23 نومبر 1976ء لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کے سلسلے میں منعقد ہوئی۔ اس کے لیے وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان بوائے سکاؤٹس ایسوسی ایشن کے نام ایک پیغام بھیجا۔ اس کا متن درج ذیل ہے:

''میں اسے بہت مناسب سمجھتا ہوں کہ پاکستان بوائے سکاؤٹس ایسوسی ایشن کو قائداعظم کی صد سالہ تقریبات کے سلسلے میں خصوصی قومی جمبوری کا اہتمام کرنا چاہئے۔'' وہ پاکستان کے پہلے چیف سکاؤٹس تھے اور اس تحریک کی بہت قدر کرتے تھے۔

ہماری قوم کے رہنما کی حیثیت سے انہوں نے ہمیں اتحاد، تنظیم اور یقین محکم کا مقولہ دیا۔ بوائے سکاؤٹس اس مقولہ کے مطابق اپنی زندگیاں اچھی طرح ڈھال سکتے ہیں۔ جمہوریاں بذات خود حوصلہ دینے اور جان ڈالنے والی مشقیں ہیں، جو پورے ملک سے نوجوانوں کو ایک جگہ جمع کر کے سرگرم کر دیتی ہیں۔ انہیں خود پر انحصار کرنے اور دوسروں کے ساتھ تعاون پر تیار رہنے کی اہمیت کا احساس دلاتی ہیں۔ اس موقع پر میں ساتویں قومی جمبوری کے تمام شرکاء کا خیر مقدم کروں گا۔''

ساڈا جناح

اس کتاب کو ڈاکٹر ایس ایم ناز نے مرتب کیا۔ یہ کتاب حیاتِ قائداعظم پر پنجابی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اسے 1975ء میں مقبول اکیڈمی لاہور نے شائع کیا۔ ڈاکٹر ایم ایس ناز نے اسے میجر ظفر اللہ خاں مرحوم سے منسوب کیا۔ یہ کتاب 88 صفحات پر محیط ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ طلباء کے لیے ضروری ہے، کیونکہ اس میں مولف نے خصوصی طور پر قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر کے وہ اقتباسات شامل کیے ہیں جو نئی نسل کے لیے مشعل راہ ہیں۔

ساڈا قائد

پنجابی شاعر جناب عادل صدیقی ایم اے پنجابی گولڈ میڈلسٹ نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

سچی صورت اچی سیرت رکھدا سی
ساڈا قائد جگ تے عظمت رکھدا سی
غیر وی اوہدی الفت دا دم بھردے سن
ہر اک نال اوہ اپنی چاہت رکھدا سی
ویکھن وچ سی مالک لاغر جُثے دا
شیراں وانگر جبین دی ہمت رکھدا سی
جیون بھر اس خوف نہ کھادا باطل دا
دل وچ اوہ ایمان دی طاقت رکھدا سی
اوس نہ کیتا سودا اصولاں دا
اپنے من وچ اپنی غیرت رکھدا سی
اوہ دیلے دا ساہو کار سی دنیا تے
اپنے پلے خلق دی دولت رکھدا سی

اوہدا اک کردار وی نندن والا سیں
ہر اک عادت سوہنی عادت رکھدا سی
اج وی اوہدے ناں دے تھاں تھاں چرچے نیں
کل وی دھرتی دھرتی شہرت رکھدا سی
عادل کسران مان نہ کریئے اوہدے تے
ساڈا قائد جگ تے عظمت رکھدا سی

عادل صدیقی 5 دسمبر 1954ء کو برہان پور پسرور (سیالکوٹ) میں عبدالعظیم صدیقی کے ہاں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی اسکول نمبر2 پسرور سے میٹرک کیا۔ 1972ء میں پی ٹی سی، پھر سی ٹی اور ازاں بعد 1983ء میں بی اے کیا، پھر بی ایڈ کا امتحان پاس کیا۔ اس دوران گورنمنٹ پرائمری سکول برہان پور میں ملازمت اختیار کرلی۔ بعدازاں گورنمنٹ ہائی سکول کلاس والا گورنمنٹ مڈل سکول تخت پور، مالی پور مڈل سکول، سبل پور میں خدمات انجام دیں۔ ایم اے پنجابی کرنے کے بعد گورنمنٹ مرے کالج میں پنجابی کے لیکچرار مقرر ہوئے۔

سالگرہ کا تحفہ

25 دسمبر 1940ء کو قائداعظم محمد علی جناح چونسٹھ سال کے ہو گئے۔ ان کے کھچڑی بالوں میں اب ایک بالکل سفید لٹ نمودار ہو چکی تھی، لیکن وہ ابھی تک ویسے ہی دبلے پتلے، کشیدہ قامت اور پھرتیلے تھے جیسے جوانی کے دنوں میں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی ساری اُمیدیں اب انہی کی ذات سے وابستہ تھیں۔ صرف تعلیم یافتہ مسلمان ہی نہیں، ان پڑھ عوام بھی اب انہیں قائداعظم کے لقب سے پکارتے تھے۔

ان کی اس سالگرہ کے موقع پر صرف مسلمانوں ہی نے خوشیاں نہیں منائیں، بلکہ ملک کے تراسی ممتاز اصحاب نے، جن میں مختلف مذاہب کے پیروشامل تھے، اُنہیں خراجِ تحسین پیش کیا۔ ڈاکٹر سی، آر، ریڈی نے جو اس زمانے میں آندھرا یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے، لکھا:

''محمد علی جناح صرف مسلمانوں کی ملکیت نہیں، وہ سارے ہندوستان کے لیے باعث فخر ہیں۔''

فریڈرک جیمز (Frederick James) نے لکھا:

''قانون ساز اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے جناح کا کوئی ہم سر نہیں۔ اُن میں بحث و استدلال کی غیر معمولی صلاحیتیں ہیں، اور وہ عملی سیاست کے داؤں پیچ کے زبردست ماہر ہیں۔ ان میں قیادت کے اعلیٰ جوہر ہیں۔ وہ نہ کسی سے مرعوب ہوتے ہیں نہ کسی قیمت پر خریدے جا سکتے ہیں۔''

مسٹر آر، کے شان مکھم چیٹی نے لکھا:

''جناح بڑے محب وطن ہیں، اور ملک کی آزادی کی لگن اُن کے دل میں کسی اور سے کم نہیں۔ ہاں وہ حقیقت پسند ضرور ہیں۔''

مشہور پارسی لیڈر سر کاؤس جی جہانگیر، قائداعظم محمد علی جناح کو اُن دنوں سے جانتے تھے، جب انہوں نے بمبئی میں وکالت شروع کی تھی مگر کوئی موکل ان کے پاس نہ پھٹکتا تھا۔ اب ان کی چونسٹھویں سالگرہ پر سر کاؤس جی نے ان کی غیر معمولی جرأت، پامردی اور خوداعتمادی کی داد دی اور کہا:

''جناح نے اپنی ذات یا اپنے مفاد کو کبھی قومی مفاد پر مقدم نہ سمجھا۔''

راؤ بہادر ایم، سی، راجانے، جو اچھوتوں کے رہنما تھے، اس موقع پر ایک بڑا فکر انگیز پیغام بھیجا، وہ یہ تھا:

''دنیا کے تمام مذاہب کا یہ عقیدہ ہے کہ وقتاً فوقتاً اور بالخصوص نازک موقعوں پر خدا اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے لائق اور صالح بندے دنیا میں بھیجتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے جناح کو اس مقصد کے لیے منتخب کیا ہے کہ وہ ہندوستان کے لوگوں کو اُس غلط راستے سے ہٹائیں، جو انہوں نے کانگریس اور مسٹر

گاندھی کے زیرِ اثر اختیار کیا ہے۔ کانگریس اپنے ابتدائی دور میں بڑی معقول پالیسی پر عمل پیرا رہی۔ وہ برطانوی حکومت کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر برابر نکتہ چینی کرتی رہی، لیکن ملک کے حق میں جس قدر تعاون حکومت کے ساتھ ضروری تھا اُس سے اُس نے کبھی گریز نہ کیا۔ یہ پالیسی دادا بھائی نوروجی اور گوپال کرشن گوکھلے نے وضع کی تھی، لیکن بعد میں کانگریس نے مسٹر گاندھی کا مکمل عدم تعاون کا پروگرام قبول کرلیا اور برطانیہ کی طرف معاندانہ رویہ اختیار کرلیا۔ اُس نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کی، اور حق پرستی اور اہنسا کے پردے میں عوام کے دلوں میں قانون شکنی کا جذبہ پیدا کر دیا۔ مزید براں اس نے مسٹر گاندھی کو ''مہاتما'' بنا کر ہندوؤں کے جذبۂ بت پرستی اور مذہبی توہمات کے سہارے اُن میں اپنا اثر پیدا کیا، اور اس طرح انہیں تحریک عدم تعاون میں شریک ہونے پر آمادہ کیا۔ اس طریقِ کار کا یہ اثر ضرور ہوا کہ حکومتِ برطانیہ گھبرا کر کانگریس کے مطالبات تسلیم کرنے لگی، لیکن دوسری طرف ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہندو اور غیر ہندو سیاسی میدان میں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہوگئے۔

در ایں حالات اس کی بڑی ضرورت تھی کہ کوئی سربرآوردہ شخص کانگریس کے مقابل کھڑا ہو سکے، اور اس کے لیڈروں کو یہ بتا سکے کہ گو کہ کانگریس کے ساتھیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اور مالی لحاظ سے بھی وہ بہت مضبوط ہے، تاہم وہ سارے ہندوستان کی نمائندگی کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔

میں مسٹر جناح کا بڑا مداح ہوں، اور ان کا ممنون بھی ہوں۔ یہ اس لیے کہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے لیے جو جدوجہد وہ کر رہے ہیں، اُس سے اُن تمام طبقوں کو نفع پہنچے گا جو آج اونچی ذات کے ہندوؤں کی اکثریت کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں اور مسٹر گاندھی کے احکام کے مطابق کچلے جا رہے ہیں۔''

انہی دنوں ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر قائداعظم محمد علی جناح کی نئی عالی شان کوٹھی بن کر تیار ہوئی اور وہ اُس میں اُٹھ گئے۔ ان کا پرانا مکان، جو انہوں نے اپنی شادی سے پہلے خریدا تھا، اور جس میں انہوں نے اپنی ازدواجی زندگی کے گیارہ سال گزارے تھے، گوانی طرز کا بنگلہ تھا۔ اس کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناح کی بعض بہت تلخ یادیں وابستہ تھیں، اور شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے 1939ء میں وہ بنگلہ منہدم کروادیا اور پھر اسی زمین پر ایک نئی کوٹھی تعمیر کرائی۔ اس کی تعمیر کے دوران میں اُن کا قیام لٹل گبز روڈ (Little Gibbs Road) پر ایک مکان میں تھا۔ یہ سڑک مالابار ہل پر ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ سے کچھ اوپر واقع ہے۔

لٹل گبز روڈ کے اس عارضی مکان کا اب کوئی نشان باقی نہیں۔ مئی 1952ء میں جب میں نے یہ جگہ دیکھی تو وہاں پرانے مکانوں کا ملبا جمع تھا اور نئے مکان تعمیر ہو رہے تھے۔ صرف ایک چیز ایسی دکھائی دی جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہاں کبھی کوئی رہتا بھی تھا۔ یہ غسل خانے کے درجن بھر پرانے ٹائل تھے جو نئی سرخ اینٹوں کے ڈھیر کے ساتھ پڑے ہوئے تھے۔

لیکن اس بلندی پر سے گرد و نواح کا منظر بڑا شان دار تھا اور کوئی فاتح ملک اسے دیکھ کر خاص طور پر مسرور ہوتا۔ سامنے حدِ نظر تک بحرِ عرب دکھائی دیتا ہے، جس کے ساحل پر مہر کے قرمزی درخت ہیں اور نیچے سے سمندر کی موجوں کا مسلسل شور سنائی دیتا ہے۔ یہ موجیں ہندوستان اور پاکستان دونوں کے مغربی ساحلوں سے ٹکراتی رہی ہیں۔

ملبے اور نئی اینٹوں کے ڈھیر سے کچھ آگے ایک بڑی کوٹھی

ہے جس کے ساتھ لان اور باغ بھی ہے۔ مئی 1952ء میں جب میں وہاں گیا تو لان میں تین پارسی خواتین بیٹھی شام کی ہوا سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ اپنی خوب صورت ساریوں میں یہ عورتیں تیتریوں کی طرح لگ رہی تھیں۔ میں نے اُن میں سے ایک سے پوچھا:

''آپ کو یاد ہے کہ محمد علی جناح کس مکان میں رہا کرتے تھے؟''

انہوں نے برجستہ جواب دیا:

''جی ہاں، وہ مکان اس طرف بلندی پر تھا، مگر اب وہ گرا دیا گیا ہے۔ محمد علی جناح بھی مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ میں اُن کو خوب جانتی تھی اور تقریباً روز وہ مجھے دکھائی دیتے تھے۔ وہ کیسے کشیدہ قامت تھے، اور اُن میں کتنی کشش تھی۔ وہ جب بھی مجھے دیکھتے فوراً اپنا ہیٹ اُتار کر 'گڈ مارننگ' (Good Morning) کہتے۔''

وہ شاندار کوٹھی جو قائداعظم محمد علی جناح نے خود اپنے لیے بنوائی تھی۔ اب برطانیہ کے ڈپٹی ہائی کمشنر کی سرکاری قیام گاہ ہے لیکن ہندو ٹیکسی ڈرائیور اس معاملے میں سیاسی تعصبات سے بالاتر ہیں، اور وہ اب بھی اس کو جناح صاحب کی کوٹھی کہتے ہیں۔ جس سال جناح نے اس کوٹھی میں رہنا شروع کیا اُس سال ان کی سیاسی زندگی کا آخری اور سب سے زیادہ شان دار دور شروع ہوا۔ وہ کوٹھی کیا، اچھا خاصا محل ہے، جس میں بے شمار بڑے بڑے اور اونچی چھتوں کے کمرے اور چوڑے چوڑے شہ نشین ہیں۔ اُس کے سامنے سنگِ مرمر کا چبوترہ اور سنگِ مرمر کی برساتی ہے۔

جس شخص نے اس عمارت کا نقشہ تیار کیا تھا۔ وہ اب بھی بمبئی میں رہتا ہے۔ اس کا نام کلاڈ بیٹلے (Claude Batley) ہے اور وہ اپنے فن کا بڑا ماہر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ قائداعظم نے ابتدائی ہدایات دیتے ہوئے اُسے بتایا کہ مکان میں ایک بڑا کمرہ استقبال کے لیے، ایک بڑا دالان، اور کئی بڑے بڑے لان پارٹیوں کے لیے ہونا چاہئیں۔ مکان کی تعمیر کے لیے عملے کا تقرر بھی انہوں نے خود بہت سوچ سمجھ کر کیا۔ تعمیر کا ٹھیکہ ایک انگریز کو دیا۔ منشی ایک مسلمان رکھا اور نل سازی کا کام ایک ہندو کے سپرد کیا۔ پتھر کے کام کے لیے اطالوی معمار رکھے۔ چبوترے کے لیے سنگِ مرمر کے رنگ جناح نے خود پسند کیے اور جب پتھر چنے گئے تو وہ سامنے کھڑے ہو کر کام دیکھتے رہے۔ یہ مداخلت بے جا اطالوی معمار کو بہت ناگوار گزری۔ مسٹر بیٹلے کہتے ہیں کہ ان معاملات میں بھی جناح کی رائے نہایت صحیح وصائب ہوتی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مکان میں کہیں کوئی درز یا دراز نہ رہے، لیکن بدقسمتی سے ایک جگہ درز آ گئی اور جناح اس نقص کو دیکھ کر سخت برہم ہوئے۔

یہ نقص فوراً دور کر دیا گیا، اور پھر قائداعظم اور ان کی ہمشیرہ مس فاطمہ جناح نئی کوٹھی میں اُٹھ آئے۔ جناح کا طرزِ زندگی اب پہلے سے بہت مختلف تھا۔ اپنی سیاسی زندگی کے ابتدائی دور میں جناح اپنا سارا کام خود ہی کیا کرتے۔ نہ اُن کے پاس کوئی سیکریٹری تھا نہ کلرک۔ اس زمانے میں اُن کی سیاسی حیثیت بھی زیادہ مستحکم نہ تھی، نہ اُن میں وہ بے پناہ خود اعتمادی تھی جو بعد میں اُن کے سیاسی کردار میں اتنی نمایاں ہوئی، لیکن اب وہ مسلمانوں کے قائداعظم بن چکے تھے، اور انہوں نے ایک نئی قوم کی تخلیق اور اس کے لیے ایک آزاد مملکت کی تشکیل کا بیڑا اُٹھایا تھا، لہٰذا انہیں اپنے لیے ایک عملہ رکھنا پڑا اور اپنا ایک چھوٹا سا دربار بھی بنانا پڑا۔

اپنے عملے کے ساتھ جناح کے تعلقات ان کے اپنے مزاج اور کردار کے آئینہ دار تھے۔ کام کے معاملے میں وہ سخت تھے، لیکن جو نوجوان اُن کے عملے میں کام کرتے تھے وہ بھی بڑے مخلص اور جاں نثار تھے۔ ان کے کردار پر جناح کی بے مثل دیانت داری کا بہت اچھا اثر پڑا۔ ذیل کا واقعہ، جو قائداعظم

کے عملے کے ایک رکن نے خود بیان کیا ہے، اس اثر کی بڑی اچھی مثال ہے:

''قائداعظم ہمیشہ خاموش اور الگ الگ رہتے۔ باوجود میری کوشش کے وہ کبھی مجھ سے بے تکلف نہ ہوئے۔ یہ بات مجھے ناگوار گزری اور میں یہ جاننے کے لیے بے چین رہتا کہ ان کے دل میں کیا ہے، اور وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ وہ کوئی باقاعدہ روزنامچہ نہ رکھتے تھے، لیکن میں نے دیکھا کہ ان کے پاس ایک چھوٹی سی کاپی ہے جس میں کبھی کبھی وہ کچھ لکھتے ہیں۔ یہ کاپی وہ اپنے دراز میں مقفل رکھتے تھے۔ ایک دن اتفاق سے وہ مجھے میز پر پڑی مل گئی، اور چونکہ اس وقت میں تنہا تھا میں نے اُس کی ورق گردانی شروع کردی۔ میں نے سوچا کہ اس چھوٹی سی کتاب میں مجھے اُن خیالات و واردات کا سراغ مل جائے گا جن کا وہ کبھی کسی سے اظہار نہ کرتے تھے۔ یہ سوچ کر میں نے کاپی چرالی، اور اسے اپنے کمرے میں لے گیا۔ وہاں میں نے دو گھنٹے اسے اپنے پاس رکھا۔ پھر میرے ضمیر نے مجھے ملامت کرنا شروع کیا۔ جناح جیسے دیانتدار انسان کو دھوکہ دے کر کوئی شخص کبھی مطمئن نہ رہ سکتا تھا، بالآخر میں کتاب واپس لے گیا اور جہاں سے اُٹھائی تھی، وہیں رکھ دی۔''

(پاکستان ناگزیر تھا، از سید ریاض حسن، مطبوعہ کراچی یونیورسٹی، کراچی)

سال نو کا تحفہ

(دیکھئے: کرسمس کا تحفہ)

سامان شیو

قائداعظم محمد علی جناح کے پاس ان کے ذاتی شیو کا سامان بھی تھا۔ اس میں اعلیٰ ساخت کے سات استرے بھی تھے، اور ہفتے کے روز کے لیے ایک ایک استرا مخصوص تھا۔ نیز وہ ہیئر ڈریسر سے ہر روز ٹھیک ساڑھے سات بجے اپنا شیو بنایا کرتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی رحلت کے بعد یہ آلات و سامان ان کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کی تحویل میں چلا گیا۔

(بحوالہ مسٹر اسلام سلمانی سیکرٹری جنرل پاکستان نیشنل ہیئر ڈریسر فیڈریشن طبع شدہ روزنامہ جنگ، 10 ستمبر 1978ء)

(نیز دیکھئے: شیو کا سامان)

ساورکر وی ڈی

ساورکر مہاسبھا کے صدر تھے، اور انتہائی متعصب ہندو تھے۔ مولانا ظفر علی خان نے ساورکر اور گاندھی پر اس شعر میں کیا خوب چوٹ کی تھی:

بھارت میں بلائیں دو ہی تو ہیں، اک ساورکر اک گاندھی ہے
اِک جھوٹ کا چلتا جھکڑ ہے اِک مکر کی اُٹھتی آندھی ہے

دسمبر 1941ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس فرمایا:

''ساورکر کی اسکیم یہ ہے کہ جب انگریز کے چلے جانے کے بعد میدانی، بحری اور فضائی فوج اور نظم ونسق میں ہندوؤں کو 75 فیصد حصہ مل جائے گا تو پھر ہندو راج قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ان مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا جو شمال مغرب اور شمال مشرق میں بستے ہیں۔ سنئے وہ (مسٹر ساورکر) کہتے ہیں کہ سرحدوں پر ہندو فوج اس طرح بٹھا دی جائے گی جس طرح اب برطانوی فوج متعین ہے اور یہ فوج اس کا خیال رکھے گی کہ مسلمان سر نہ اٹھا سکیں۔''

ساورکر 1873ء میں ناسک میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے فرگوسن کالج بون میں تعلیم حاصل کی۔ بیرسٹری کا امتحان بھی،

پاس کیا۔ نیشنلسٹ موومنٹ میں حصہ لیا۔ انگلستان بھیجے گئے۔ جہاں انہوں نے آزادی ہند کے لیے شیام جی کرشن ورما اور مادام کاما کی زیر نگرانی کام کیا۔ انگلستان میں ناسک سازش کیس میں گرفتار ہوئے لیکن 1910ء میں مارسیلز بھاگ گئے وہاں سے پھر گرفتار کر لیے گئے، اور جزائر انڈیمان بھیج دیا گیا۔ رہائی کے بعد بمبئی میں 1937ء میں عبوری حکومت میں شامل ہوئے۔

ماہر لسانیات اور شاعر تھے۔ کئی سال تک ہندو مہا سبھا کے صدر رہے۔ 1948ء میں گاندھی جی کے قتل ہونے پر انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا، تاہم کوئی ٹھوس ثبوت فراہم نہ ہونے پر رہا کر دیا گیا۔ 1857ء کے دور کے بارے میں ایک کتاب بھی لکھی۔ 27 دسمبر 1966ء کو انتقال کیا۔

سائمن کمیشن

◆ قائداعظم محمد علی جناح کو سائمن کمیشن سے بالکل اتفاق نہ تھا۔ اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح نے 19 نومبر 1927ء کو بمبئی میں سرڈنشا پٹیٹ کی صدارت میں منعقدہ جلسے میں سائمن کو نامنظور کرنے کا اعلان کیا اور کہا:

''کمیشن نے ہندوستان کے عوام کے حقوق کو نظر انداز کر دیا ہے۔''

30 جنوری 1928ء کو پونا میں مسٹر بھوپت کار کی صدارت میں ہونے والے اجلاس میں بھی قائداعظم محمد علی جناح نے اس کمیشن کی مخالفت کی اور وائسرائے کو لکھا:

''مسلمانوں کے تمام طبقوں کی خواہشات معلوم کی جائیں۔''

سائمن کمیشن کی مخالفت اس لیے کی گئی تھی کہ کمیشن کے ارکان سب کے سب انگریز تھے، اور ہندوستان کے عوام اپنے مطالبات حکومت برطانیہ کے سامنے خود پیش کرنا چاہتے تھے۔

کمیشن نے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کی مخالفت کے باوجود دو سال کی تحقیق کے بعد اپنی رپورٹ برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کی۔

سائمن کمیشن کے مسئلے پر مسلم لیگ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک گروہ قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں جب کہ دوسرا سر محمد شفیع کی قیادت میں یہ کہتا تھا:

''مسلمانوں کے حقوق کی ترجمانی کے لیے کمیشن سے تعاون کرنا چاہیے۔''

اس گروہ میں علامہ اقبال کے علاوہ مولانا حسرت موہانی بھی شامل تھے۔

◆ 8 نومبر 1927ء کو وائسرائے ہند نے ہندوستان میں آئینی اصلاحات کے لیے سر جان سائمن کی سربراہی میں ایک کمیشن کا اعلان کیا، جس کا کام گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919ء کی کارکردگی کے بارے میں تحقیقات کرنا، اور تبدیلیوں کے لیے سفارش کرنا تھا۔ اس کمیشن میں ایک بھی ہندوستانی ممبر نہیں تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس مرحلہ پر فرمایا:

''کمیشن میں کسی بھی ہندوستانی کو شامل نہ کر کے برطانیہ کی حکومت نے سخت غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔''

ابھی سائمن کمیشن اور اس کے اراکین سمندر میں تھے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی میں ایک جلسہ میں ''سائمن کمیشن واپس جاؤ'' (Simon Go Back) کا نعرہ لگایا، اور یہ فقرہ ہندوستان بھر میں گونج گیا۔

19 نومبر 1927ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے سائمن کمیشن کے خلاف بمبئی میں ایک جلسہ سے خطاب کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح سائمن کمیشن سے بالکل اتفاق نہیں کرتے تھے۔

26 جون 1928ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ایک اخباری بیان میں بتایا:

''سائمن کا اعلان ہمارے قومی تقاضوں کو ہرگز پورا نہیں کرتا۔''

19 جون 1929ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے وزیراعظم برطانیہ ریمزے میکڈانلڈ کو ایک طویل خط لکھا، جس میں تحریر تھا:

''سائمن کمیشن کی رپورٹ قطعاً غیر تسلی بخش ہوگی، اور ہندوستان کے مسائل کو بالکل معاون ثابت نہ ہو سکے گی۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ وزیراعظم خود ایک کانفرنس طلب کرے۔''

سائمن کمیشن اور تحریک آزادی

پروفیسر رفیع اللہ شہاب اپنی کتاب ''جدوجہد قیامِ پاکستان'' میں رقمطراز ہیں:

''ہندوستان کے وائسرائے لارڈ اروِن نے 8 نومبر 1927ء کو اعلان کیا کہ ملک کے دستوری مسائل کا جائزہ لینے کے لیے برطانوی حکومت ایک کمیشن کا تقرر کرنے والی ہے۔ جس کے سربراہ سر جان سائمن ہوں گے۔ چنانچہ بعد میں انہی کے نام کی وجہ سے یہ سائمن کمیشن کے نام سے مشہور ہوا، کمیشن کے دوسرے چھ اراکین بھی انگریز ہی تھے، ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں نے کمیشن کی تشکیل پر اعتراض کیا کہ ان کے مسائل پر غور کرنے والے کمیشن میں انہیں کوئی نمائندگی نہیں دی گئی تھی، چنانچہ مختلف سیاسی پارٹیوں نے اس کمیشن کے خلاف مشترکہ موقف اختیار کیا، جب کانگریس نے کمیشن کے مقاطعہ کا فیصلہ کیا تو مسلم لیگ بھی اس کے ساتھ ہوگئی، یہ صورت حال انگریزی حکومت کے لیے پریشان کن تھی، چنانچہ حکومت نے ملک میں خطاب یافتہ لوگوں کا تعاون حاصل کرنے کا فیصلہ کیا، بعض روایات کے مطابق حکومت نے یہ دھمکی دی تھی کہ اگر اس موقع پر حکومت سے تعاون نہ کیا گیا تو وہ ان کے خطابات واپس لے سکتی ہے، چنانچہ اس کے نتیجے میں مسلم لیگ بھی دو جماعتوں میں بٹ گئی، اصل مسلم لیگ کی قیادت قائداعظم کر رہے تھے جنہوں نے سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کا معاملے میں کانگریس سے پورا پورا تعاون کیا، مسلم لیگ کا ایک دھڑا سر محمد شفیع کی قیادت میں اس سے علیحدہ ہوگیا، اور علامہ سر محمد اقبال کو اس کا سیکرٹری جنرل چن لیا گیا، مسلم لیگ کے اس دھڑے نے سائمن کمیشن سے پورا پورا تعاون کیا۔ اس دھڑے کا دعویٰ تھا کہ ہندو مسلم اختلافات پچھلے چند سالوں میں جو شکل اختیار کر چکے تھے اور مسلمانوں کو ہندو ذہنیت کا جو تجربہ ہو چکا تھا، اس کا یہ فطری نتیجہ تھا کہ مسلمان ہندوؤں سے ہر قسم کے تعاون سے انکار کر دیتے۔

اس دھڑے کے مقابلے میں قائداعظم ہندوؤں سے مفاہمت کے کسی امکان کو بھی ترک کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، ان کا یہ یقین تھا کہ ملک کی دستوری ترقی ملک کے تمام باشندوں کی مشترکہ مساعی کے بغیر ناممکن ہے۔

3 فروری 1928ء کو جب کمیشن کے اراکین بمبئی پہنچے تو ان کے خلاف زبردست مظاہرے ہوئے، کہیں کہیں تو فسادات کی نوبت آگئی، اس طرح یہ کمیشن ناکام واپس لوٹ گیا، اس نے ہندوستان کے سیاسی لیڈروں پر طنز کیا:

''اگر وہ اپنے سیاسی مطالبات میں متفق ہیں تو وہ حکومت کے سامنے ایک مشترکہ دستور پیش کریں۔''

چنانچہ اس کے جواب میں دسمبر 1927ء میں مسلم لیگ اور کانگریس کے سالانہ اجلاس ہوئے اس میں

تعاون کے بارے میں تقریریں تو بہت کی گئیں لیکن یہ تعاون کوئی عملی شکل اختیار نہ کر سکا، اب مسلمانوں کو یقین ہو گیا تھا کہ ہندو کانگریس صدق دل سے مسلمانوں کو ان کے حقوق دینے پر تیار نہیں، چنانچہ اس تاثر کے نتیجے میں مسلم لیگ کے دونوں دھڑوں میں اتحاد ہو گیا۔

اس اتحاد کے بعد مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دسمبر 1930ء میں الٰہ آباد میں منعقد ہوا، اس اجلاس کی صدارت علامہ اقبال نے کی، انہوں نے اپنے خطبہ صدارت میں ان تمام عوامل کا ذکر کیا جنہوں نے مسلمانوں کو ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ کرنے پر مجبور کیا، ان کا یہ خطبہ تحریک پاکستان کے لیے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، یہ خطبہ انگریزی زبان میں تھا۔ ابھی تک اس کا مکمل ترجمہ نظر سے نہیں گزرا تھا۔

قائداعظم کے چودہ نکات

''سائمن کمیشن کی وجہ سے مسلم لیگ میں جو دھڑا بندی ہو گئی تھی اس سے قائداعظم کو بڑا دکھ ہوا، کمیشن کے جانے کے بعد انہوں نے یہ کوشش شروع کر دی کہ کسی نہ کسی طرح یہ دھڑا بندی ختم ہو جائے، وہ اس مقصد کے لیے مسلمانوں کے مطالبات کے لیے ایک متحدہ اور مشترکہ بنیاد تلاش کرنے کی کوشش میں مشغول رہے، اس سلسلے میں انہیں کچھ کامیابی ہوئی تو انہوں نے مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بلانے کا منصوبہ بنایا اور اس میں تمام مسلمان جماعتوں کو شرکت کی دعوت دی۔

مارچ 1929ء کو دہلی میں یہ اجلاس ہوا، اور اس میں دوسری مسلم جماعتوں کے علاوہ مسلم لیگ کے سر محمد شفیع گروہ نے بھی شرکت کی، قائداعظم نے مندوبین سے باہمی اختلاف کو ختم کر کے ایک متحدہ محاذ قائم کرنے کی پرزور اپیل کی، اور ایک مفصل تجویز ایوان کے سامنے پیش کی۔ جس میں دستوری مسائل پر مسلمانوں کے نقطہ نظر اور اس کے مطالبات کی تفصیل بیان کی گئی تھی، اس تجویز میں چودہ نکات پیش کیے گئے تھے۔ جو آگے چل کر جناح کے چودہ نکات کے نام سے مشہور ہوئے، تجاویز اور نکات کے متن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''کل جماعتی کانفرنس کے انعقاد اور 1928ء میں کلکتہ میں ہونے والے کنونشن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ سیاسی اصلاحات کا ایک ایسا منصوبہ تیار کیا جائے جسے ملک کی سرکردہ سیاسی تنظیموں کی تائید حاصل ہو، اور جو ایک قومی سمجھوتے کی حیثیت رکھتا ہو۔

انڈین نیشنل کانگریس نے دستوری طور پر اس منصوبے کو جو نہرو رپورٹ کے نام سے مشہور ہے۔ 31 دسمبر 1929ء تک کے لیے قبول کر لیا ہے، یعنی اگر برطانوی پارلیمنٹ اس مدت کے اندر اس منصوبے کو تسلیم نہیں کر لیتی تو کانگریس اپنے اعلان کے مطابق کامل آزادی کی تحریک پر عمل شروع کر دے گی۔ جس میں سول نافرمانی اور ٹیکسوں کی عدم ادائیگی شامل ہے۔

ہندو مہاسبھا کے نمائندوں نے کنونشن کے آغاز سے جو رویہ اختیار کیا تھا وہ ایک الٹی میٹم کے مترادف رہا، ان کا موقف یہ تھا کہ فرقہ وارانہ مسائل کے متعلق نہرو رپورٹ میں جو کچھ فیصلہ دے دیا گیا ہے اگر اس میں ایک لفظ کی بھی تبدیلی ہوئی تو مہاسبھا اس کی حمایت سے دستبردار ہو جائے گی، تاہم نیشنل لبریشن فیڈریشن کے نمائندوں نے کنونشن میں غیر جانبداری کا رویہ اختیار کیا اور کوئی قطعی موقف اختیار کرنے سے انکار کر دیا، بعض ہندو اقوام نے بھی نہرو رپورٹ کی مخالف

کی، مسلم لیگی نمائندوں نے رپورٹ میں چند معقول تجاویز پیش کیں، لیکن کنونشن نے انہیں روک دیا، اس کے نتیجے میں مسلم لیگ نے نہرو رپورٹ سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کر دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کی جانب سے اعلان کیا گیا کہ حکومت ہند کے آئندہ دستور کے سلسلے میں کوئی ایسا منصوبہ مسلمانان ہند کے لیے قابل قبول نہ ہوگا جس میں مندرجہ ذیل بنیادی اصول کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا، اوران کے مفادات کے تحفظ کے لیے انہیں نہرو رپورٹ کا جزو نہیں بنایا جائے گا۔

① آئندہ ملکی دستور، وفاقی طرز کا ہوگا جس میں صوبوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل رہیں گے۔

② سارے صوبوں کو یکساں بنیاد اور اصولوں پر داخلی خودمختاری دی جائے گی۔

③ ملک کی ساری مجالس قانون ساز اور انتخابی اداروں کی تشکیل اس واضح اور قطعی اصول پر ہوگی کہ ہرصوبے میں اقلیتوں کو مناسب اور موثر نمائندگی حاصل رہے، اور کسی اکثریت کو گھٹا کر اقلیت یا مساویانہ درجے پر نہ لایا جائے۔

④ مرکزی قانون ساز اسمبلی میں مسلمان نمائندوں کی تعداد، کل تعداد کے ایک تہائی سے کم نہ ہوگی۔

⑤ مختلف فرقوں کی نمائندگی مروجہ طریقہ کے مطابق جداگانہ انتخاب کے ذریعے ہوگی، مگر ہرفرقے کو یہ اختیار حاصل رہے گا کہ وہ اپنے اختیار سے جداگانہ انتخاب کی بجائے مخلوط انتخاب کا طریقہ قبول کرے۔

⑥ اگر کبھی آئندہ صوبوں کی نئی حدبندی کی ضرورت پیش آئی تو اس امر کا خیال رکھا جائے کہ پنجاب، بنگال اور شمال مغربی سرحدی صوبے میں مسلم اکثریت اس سے متاثر نہ ہو۔

⑦ ہرفرقے کے لیے کامل مذہبی آزادی کا اہتمام کیا جائے، یعنی عقیدت، عبادت، تبلیغ، تعلیم کا کامل آزادی کا ہرفرقے کو یقین دلایا جائے۔

⑧ کوئی مسودہ قانون یا اس کا کوئی جزو کوئی قانون ساز اسمبلی یا انتخابی ادارہ پاس نہ کر سکے گا، اگر کسی فرقے کے نمائندوں کی تین چوتھائی تعداد یہ کہہ کر اسے رد کر دے گا اس قانون یا جزو قانون سے اس فرقے کے مفاد کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

⑨ صوبہ سندھ کو صوبہ بمبئی سے علیحدہ کر دیا جائے۔

⑩ شمال مغربی سرحدی صوبے اور بلوچستان میں ویسی ہی اصلاحات نافذ کی جائیں جیسی ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں نافذ ہیں۔

⑪ دستور میں اس امر کا خیال رکھا جائے کہ مسلمانوں کو بھی دوسرے ہندوستانیوں کی طرح سرکاری ملازمتوں اور خود اختیار اداروں کی ملازمتوں میں ان کی صلاحیت اور قابلیت کے اعتبار سے مناسب حصہ ملے۔

⑫ نیا ملکی دستور مسلمانوں کی تہذیب کے تحفظ، ان کی تعلیمی ترقی، زبان، مذہب، شخصی قوانین، خیراتی اداروں کے تحفظ، صوبائی حکومتوں اور دیگر اداروں سے دی جانے والی امداد میں ان کے لیے متناسب حصے کی ضمانت دے۔

⑬ کوئی صوبائی اور مرکزی وزارت ایسی قائم نہ کی جائے جس میں کم از کم ایک تہائی مسلمان شریک نہ ہوں۔

⑭ مرکزی قانون ساز اسمبلی اس وقت تک دستور میں کوئی تبدیلی نہیں کرے گی جب تک کہ اس تبدیلی کے لیے وفاق کے رکن صوبوں کی منظوری حاصل نہ ہو، اس کے ساتھ ایک متبادل تجویز بھی رکھی گئی جس

میں کہا گیا تھا کہ موجودہ حالات میں ملک کی قانون ساز اسمبلیوں اور انتخابی اداروں کے لیے جداگانہ انتخاب کا طریقہ لازمی اور ضروری ہے، جداگانہ انتخاب کا یہ حق مسلمانوں کو 1909ء سے حاصل ہے، اور حکومت نے بار بار یاددہانی کرائی ہے کہ ان کا یہ حق باقی رکھا جائے گا، اور اس وقت تک اسے نہیں بدلا جائے گا جب تک خود مسلمان اسے چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوں۔

لہٰذا مسلمان اس وقت تک اس حق کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں جب تک کہ سندھ کو عملی طور پر ایک علیحدہ صوبہ نہیں بنایا جاتا، اور شمال مغربی سرحدی صوبہ اور بلوچستان میں فی الواقع اصلاحات کا نفاذ نہیں ہوجاتا، ساتھ ہی یہ بھی کہ تمام صوبوں میں مسلمانوں کے لیے ان کی آبادی کی نسبت سے ان کی نشستیں محفوظ نہیں کی جاتیں، جن صوبوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں، اور وہ اپنی آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستوں کے لیے مقابلہ نہیں کریں گے، اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کی تناسب سے زیادہ نشستیں دینے کے سوال پر بعد میں غور کیا جائے گا۔

قائداعظمؒ کے ان چودہ نکات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ میثاق لکھنؤ میں کانگریس، مسلمانوں کے جن حقوق کو تسلیم کرچکی تھی یہ انہی کا اعادہ تھا، لیکن اب کانگریس دوسری فرقہ وارانہ جماعتوں یعنی مہاسبھا، سکھ لیگ وغیرہ کا سہارا لے کر ان وعدوں سے پھرنا چاہتی تھی۔ مسلمانوں کی تجاویز جو انتہائی معقولیت اور انصاف پر مبنی تھیں۔ کانگریس انہیں تسلیم کرنے میں ہچکچا رہی تھی، تو قائداعظم نے اس کا جواب اپنے ان چودہ نکات میں دیا، یہ گویا ہندوستان کی دونوں بڑی قوموں کے درمیان ہمیشہ کی علیحدگی کا نقطہ آغاز تھا، اور اسی کی روشنی میں علامہ اقبال نے اپنا مشہور الہٰ آباد کا خطبہ دیا تھا۔

علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد

ہندوؤں نے میثاق لکھنؤ میں مسلمانوں کے ساتھ جو وعدے کیے اور بعد میں انہیں پورا کرنے کی بجائے ان سے پھر گئے تو اس صورت حال میں مسلمانوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں چوکنا کردیا۔

چنانچہ اس نئی صورت حالات پر غور کرنے کے لیے دسمبر 1930ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا الہٰ آباد میں سالانہ اجلاس ہوا، اس کی صدارت شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال نے کی، اس موقع پر 30 دسمبر کو علامہ اقبال نے اپنا جو صدارتی خطبہ دیا، اسے تحریک پاکستان کا سنگ میل سمجھا جاتا ہے، اصل خطبہ انگریزی زبان میں تھا۔ علامہ اقبال کی زبان چونکہ ذرا مشکل تھی۔ اس لیے ابھی تک ہمارے کسی اہل علم نے اس کا ترجمہ کرنے کی بجائے اس کے چند نکات پیش کرنے پر ہی اکتفا کیا، حالانکہ تحریک پاکستان کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس پورے خطبہ کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے، اسی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس خطبے کا مکمل ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا:

''میں آپ کا بے انتہا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ایک ایسے وقت میں جو مسلمانان ہند کے سیاسی خیالات و اعمال کی تاریخ میں نہایت نازک ہے، مجھے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کا اعزاز بخشا ہے، اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس عظیم الشان اجتماع

میں بعض ایسے حضرات موجود ہیں جن کا موجودہ سیاسی تجربہ میری نسبت بہت زیادہ وسیع ہے، اور امور مہمہ کے متعلق جن کی معلومات کی میرے دل میں بے انتہا وقعت ہے۔ اس لیے اگر میں ان سیاسی امور میں جن کے تصفیہ کے لیے یہ حضرات آج اس جگہ پر جمع ہوئے ہیں ان کی راہنمائی کا دعویٰ کروں تو یہ دعویٰ بالکل بے جا ہوگا، میں کسی جماعت کا لیڈر نہیں، اور کسی لیڈر کا پیرو نہیں، میں نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ اسلام اور اس کی شریعت اس کی سیاست، تمدن اس کی ثقافت، اس کی تاریخ اور اس کی ادبیات کے مطالعہ میں صرف کیا ہے، میرا خیال ہے کہ اس روح اسلامی کے ساتھ جو مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ بے نقاب ہوتی جاتی ہے۔ میری مستقل وابستگی نے مجھے ایک ایسی فراست عطا کر دی ہے جس کی روشنی میں میں اس عظیم الشان اہمیت کا اندازہ کر سکتا ہوں جو اسلام کو ایک عالمگیر حقیقت ثابتہ کی حیثیت سے حاصل ہے، چونکہ اس امر کے فرض کر لینے میں مجھے کوئی تامل نہیں کہ مسلمانان ہند اس روح اسلامی سے تمہید وفا باندھ چکے ہیں۔ اس لیے میرا منشا یہ نہیں کہ میں آپ کے فیصلوں میں آپ کی رہنمائی کی جرأت کروں۔ بلکہ میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس فراست کی روشنی میں جو مجھے حاصل ہے آپ کو اس اصل اساس کا صحیح اور واضح احساس کرا دوں جو ان فیصلوں کی عمومی تشکیل کر سکے۔''

سبز رنگ

قائداعظم محمد علی جناح مسجد شہید گنج کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے تو مصطفیٰ شاہ گیلانی نے نیلی پوش سالار اعظم کی وردی پہن رکھی تھی، اور حسن اتفاق سے انہیں قائداعظم محمد علی جناح کے بائیں کندھے سے کندھا ملا کر نماز ادا کرنے کا سنہری موقع ملا۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے عظیم مجمع کا جائزہ لیا، پھر مصطفیٰ شاہ گیلانی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خلوص ومحبت سے فرمایا:

''آپ کا نام۔''

مصطفیٰ شاہ گیلانی نے بصد احترام عرض کیا:

''سید مصطفیٰ شاہ گیلانی آف راولپنڈی۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے ہنس کر فرمایا:

''آپ اس نیلی وردی میں بھلے معلوم ہوتے ہیں، اگر اس کی جگہ سبز ہوتی تو کیا ہی اچھی بات تھی۔''

اس پر انہوں نے عرض کیا:

''حضور یہ میری جماعت کا لباس ہے، جس کے صدر مولانا ظفر علی خان ہیں۔''

یہ سن کر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''کاش کہ سب مسلمانان ہند ایک ہی رنگ میں رنگے جائیں، اور میری رائے میں سبز رنگ بہترین رنگ ہے۔''

سبی

یہ بلوچستان کا دوسرا بڑا اور مشہور شہر ہے جہاں قائداعظم محمد علی جناح 11 فروری 1948ء کو تشریف لائے اور انہوں نے یہاں قیام کیا۔ اس دوران انہوں نے سبی دربار سے بھی خطاب فرمایا۔

اس شہر کے نام کے بارے میں کئی روایات مشہور رہیں۔ بعض کے نزدیک اسے ہندو آریہ حکمران سیوی نے آباد کیا تھا۔ بعض کا کہنا ہے کہ سبیا نسل کے لوگوں کی آبادی کی وجہ سے

شہر کا نام سبی پڑ گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق سیوا نسل کی ایک خاتون کے نام پر رکھا گیا۔ 712ء میں عربوں نے اس پر قبضہ کرلیا اس وقت یہاں بدھ مت کے پیروکار حکمران تھے۔

سبی میں قلعہ چاکر خان اور میدان مشہور ہیں۔ اسی میدان میں میر چاکر خاں رند موسم بہار کے آغاز میں مختلف کھیلوں کا مظاہرہ دیکھتے تھے۔

سبی کے جرگہ ہال کو اب بولان میوزیم میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

سبی دربار

یہ بلوچستان کے مشہور شہر سبی کا دربار ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد سبی میں پہلا سالانہ دربار فروری 1948ء میں منعقد ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح کو بھی دعوت دی گئی کہ وہ اس موقع پر تشریف لائیں، چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح 11 فروری 1948ء کو سبی پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ 12 فروری کو انہوں نے ممبران شاہی جرگہ، اراکین مجلس انتظامیہ مسلم لیگ اور سول ملازمین سے ملاقاتیں کیں۔ 14 فروری 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے حاضرین سے سبی دربار میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''میرا عقیدہ ہے کہ ہماری نجات کا راستہ اس اسوۂ حسنہ پر چلنے میں مضمر ہے جو ہمیں سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفٰے ﷺ نے عطا کیا تھا۔ آیئے ہم اپنی جمہوریت کی بنیاد ان تصورات اور اصولوں پر رکھیں جو صحیح معنوں میں اسلامی ہیں۔ اللہ تعالٰی نے ہمیں یہی بتایا ہے کہ امور مملکت باہمی صلاح ومشورے سے طے کیے جائیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر پہلی بار حکومت کے معاملات میں غیر سرکاری نمائندوں کو شامل کرنے کا اعلان کیا، اور یہ خوشخبری سنائی:

> ''ایجنٹ ٹو گورنر جنرل ایڈوائزری کونسل قائم کی جائے گی۔''

اور اس کے ساتھ ہی ایڈوائزر بھی مقرر کر دیے گئے۔

اب اسے عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

سپاسنامے

قائداعظم محمد علی جناح کو ان کی زندگی میں جو سپاسنامے پیش کیے گئے۔ ان کی تفصیل سن وار درج ذیل ہے:

1. 31 دسمبر 1937ء کلکتہ میں
2. 18 اکتوبر 1938ء کو ریشمی کپڑے پر محررہ سپاسنامہ بہ حروف انگریزی لاڑکانہ میونسپل کمیٹی نے پیش کیا۔
3. 23 مارچ 1940ء کو ادارہ طلوع اسلام نے لاہور میں سپاسنامہ پیش کیا۔
4. 19 دسمبر 1940ء کو کراچی میونسپل کارپوریشن نے انگریزی میں ریشمی کپڑے پر لکھا ہوا سپاسنامہ پیش کیا۔
5. 12 اپریل 1941ء کو انگریزی میں محررہ سپاسنامہ مدراس میونسپل کارپوریشن نے پیش کیا۔
6. انگریزی زبان میں بادامی رنگ کے ریشمی کپڑے پر سندھ مدرستہ الاسلام کراچی کے ممبران نے نقرئی خول میں رکھ کر سپاسنامہ پیش کیا۔
7. 26 دسمبر 1943ء کو کراچی میں حاجی عبداللہ ہارون یتیم خانہ کے اہل کاروں نے انگریزی میں سپاسنامہ پیش کیا۔
8. 27 دسمبر 1943ء کو محمد ہاشم گزدر کے دستخطوں کے ساتھ کراچی چیمبر آف کامرس نے سپاسنامہ پیش کیا۔ یہ بھی ریشمی کپڑے پر لکھا تھا۔
9. 24 مارچ 1944ء کو چیمبر آف کامرس لاہور نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں ریشمی کپڑے پر

سپاسنامہ پیش کیا۔

⑩ 8 مئی 1944ء کو جموں کے مسلم سٹوڈنٹس نے قائداعظم محمد علی جناح کو دورہ کشمیر کے موقع پر سپاسنامہ پیش کیا۔

⑪ نومبر 1945ء کو پشاور کے شہریوں کی جانب سے سپاسنامہ پیش کیا گیا۔

⑫ 17 جنوری 1946ء کو پنجاب اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائداعظم محمد علی جناح کو مرکزی اسمبلی کے انتخاب کے موقعہ پر مسلم لیگ کی کامیابی کے نتیجے میں سپاسنامہ پیش کیا۔

⑬ 28 فروری 1946ء کو بنگال اسٹوڈنٹس فیڈریشن جمال پور سب ڈویژن نے آسام کے دورے کے دوران سنگ جانی سٹیشن پر ایک سپاسنامہ پیش کیا۔

⑭ 7 مارچ 1946ء کو انگریزی زبان میں جنوبی ہند کلکتہ کی مرچنٹ ایسوسی ایشن نے ایک مرصع نقرئی خول میں رکھ کر سپاسنامہ پیش کیا۔

⑮ شمال مغربی ریلوے کے مسلم ایمپلائز ایسوسی ایشن نے 26 مارچ 1944ء، حبیبیہ ہال لاہور میں بروز اتوار قائداعظم محمد علی جناح کو سپاسنامہ پیش کیا۔

⑯ 3 مارچ 1946ء کو شمالی سلہٹ لوکل بورڈ آسام کے چیئرمین نے ایک سپاسنامہ پیش کیا۔

⑰ 8 مئی 1942ء کو جموں کے شہری مسلم کانفرنس نے قائداعظم محمد علی جناح کو اردو میں سپاسنامہ پیش کیا۔

⑱ 12 جنوری 1941ء کو بمبئی کے ڈسٹرکٹ مسلم لیگ تھانہ کے صدر اور ممبران نے اردو میں ایک سپاسنامہ پیش کیا۔

⑲ 27 جنوری 1945ء کو کواپریٹو سوسائٹی احمد آباد نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔

⑳ 22 اکتوبر 1945ء کو مسلم کھتری ایسوسی ایشن کراچی نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں اردو میں سپاسنامہ پیش کیا۔

سپرٹ آف یوتھ (Spirit of Youth)

لکھنؤ سے یہ اخبار راجا صاحب محمود آباد کی سرپرستی میں شائع ہوتا تھا۔ یہ اخبار قائداعظم محمد علی جناح کو بڑا پسند تھا۔ اگر اتفاق سے کبھی اخبار نہ ملتا تو فوراً اس کی شکایت کرتے۔

سپرو، تیج بہادر، سر

1911ء میں الٰہ آباد میں جو اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ سر تیج بہادر سپرو نے بھی شرکت کی۔ جولائی 1917ء میں مسلم لیگ اور کانگریس کے ارکان پر مشتمل جو وفد انگلستان بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس میں سر تیج بہادر سپرو بھی شامل تھے۔ ازاں بعد متعدد مقامات پر قائداعظم محمد علی جناح اور سر تیج بہادر سپرو کی ملاقاتیں ہوئیں۔ انڈین نیشنل پارٹی 1926ء میں قائم ہوئی تو قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ وہ بھی شامل تھے۔ سائمن کمیشن کی مخالفت کے سلسلے میں بھی پیش پیش رہے۔ 1941ء میں مسلم لیگ کا جو اجلاس مدراس میں ہوا اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے سر تیج بہادر سپرو پر کڑی تنقید کی۔ جس کے نتیجے میں دونوں لیڈروں میں مراسلت شروع ہوگئی۔ 1943ء میں جب مسٹر گاندھی نے جیل میں مرن برت رکھنے کا فیصلہ کیا تو سر تیج بہادر سپرو نے دہلی میں ایک کانفرنس بلوائی جس میں قائداعظم محمد علی جناح کو بھی مدعو کیا گیا لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا:

''جب مجھے گاندھی جی کو جیل بھیجنے کا اختیار نہیں تو جیل کے دروازے کھولنے کا اختیار کہاں سے لاؤں۔''

تیج بہادر سپرو 1875ء میں پیدا ہوئے انہوں نے وکالت کرنے کے بعد اسی پیشے کو اپنایا اور خوب نام پیدا کیا۔ 1895ء میں الٰہ آباد میں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی۔ 1919ء میں

وائسرائے کی کونسل میں مشیر قانون مقرر ہوئے۔
اردو ادب کے زبردست شیدائی تھے۔ عمر بھر کانگریس کے رکن رہے۔ گاندھی سے بڑا پیار تھا لیکن سیاسیات میں ان کے اصولوں سے اتفاق نہ تھا۔
جنوری 1949ء میں انتقال ہوا۔
قائداعظم محمد علی جناح نے یوں تو متعدد خطوط لکھے لیکن ان میں سے جو اہم خط تھا یہاں اس کا متن دیا جا رہا ہے۔
14 دسمبر 1944ء
مائی ڈیئر سپرو!
آپ کا تحریر کردہ 10 دسمبر کا خط ملا جس میں 1918ء نومبر کو سٹینڈنگ کمیٹی کی منظور شدہ قرارداد کی ایک نقل بھی تھی۔ نیز 19 نومبر کے آپ کے بیان کا خلاصہ بھی تھا۔
مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مجھے نان پارٹی کانفرنس یا اس کی سٹینڈنگ کمیٹی سے اختلاف ہے۔ اس لیے میں کمیٹی کو تسلیم نہیں کرتا۔ نان پارٹی کے بارے میں میرا نقطہ نظر آپ اور سب پر عیاں ہے۔ ان حالات میں آپ کی درخواست پر عملدر آمد نہیں کر سکتا۔
تاہم مجھے امید ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ مجھے ذاتی طور پر آپ سے کوئی مخاصمت نہیں۔ کیا آپ نان پارٹی کانفرنس یا کمیٹی کے ترجمان کی حیثیت سے مل سکتے ہیں۔ میں آپ کو مل کر بڑا خوش ہوں گا۔

آپ کا مخلص
ایم اے جناح

سپرو کانفرنس اور جناح

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 31 جولائی 1941ء میں لکھتا ہے:
''ملک معظم کی حکومت اور وائسرائے دونوں نے متعدد بار اعلان کیا ہے کہ جب تک ہندوستان کی مختلف قوموں اور سیاسی جماعتوں کے درمیان تصفیہ نہ ہو جائے ہندوستان کی آئینی ترقی کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اب وائسرائے نے اپنی ایگزیکٹو کونسل کی جو توسیع کی اور دفاع کمیٹی مرتب کی تو بمبئی میں ''سیاسی یتیموں'' کی ایک اور کانفرنس سر سپرو کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں یہ کہا گیا کہ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ حکومت نے اپنی پرانی پوزیشن چھوڑ دی، اور قوموں اور جماعتوں کا تصفیہ ہونے سے پہلے ہی آئینی ترقی کی طرف قدم اٹھایا۔
اس لغو و مہمل نقطۂ نگاہ کے حکومت مسٹر جناح نے ایک زوردار بیان شائع کیا ہے، جس میں آپ فرماتے ہیں:
''چھوٹے دماغ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ ملک معظم کی حکومت نے تو یہ کہا تھا کہ پارلیمنٹ کوئی عارضی اور مستقل آئینی تغیر روا نہیں رکھے گی، جب تک قوموں اور صوبوں کے درمیان کوئی تصفیہ نہیں ہو جاتا۔''
اس کے بعد وائسرائے نے مسلم لیگ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ موجودہ آئین کے ماتحت ہندوستانیوں کی اکثریت رکھنے والی ایگزیکٹو کونسل اور دفاعی کونسل بنائی جائے تو لیگ نے شرکت سے انکار کر دیا اور کہا کہ محض توسیع سے اختیارات میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ اگر کانگریس اس میں شامل ہونے پر آمادہ ہو تو مسلمان اور ہندوؤں کی تعداد برابر ہونی چاہیے۔ اب وائسرائے نے اپنی پرانی تجویز ترک کر کے یونہی آدمیوں کو نامزد کیا ہے۔ کیا سپرو صاحب اس کو آئینی ترقی کہتے ہیں، حالانکہ

وائسرائے یہ کہہ چکے ہیں کہ جنگ کے زمانے میں کثرت کار کی وجہ سے ممبروں میں اضافہ کیا گیا ہے، اور مسٹر ایمری صاف الفاظ میں اعلان فرما چکے ہیں کہ ''اس نئے نظام میں کوئی نئی آئینی تبدیلی مقصود نہیں ہے۔''

قائداعظم فرماتے ہیں:

''سپرو کانفرنس کے اس رویے کا مقصد یہ ہے کہ حکومت برطانیہ اور وائسرائے پر دباؤ ڈال کر انہیں 8 اگست کے اعلان سے منحرف کرا دیں، اور مسلم لیگ کی تجویز پاکستان کو مسترد و مردود قرار دلائیں، لیکن یقین ہے کہ حکومت برطانیہ اپنے اس عہد سے جو اس نے مسلمانوں سے کر رکھا ہے، ایک انچ بھی ادھر اُدھر نہ ہوگی۔''

آخر میں مسٹر جناح نے ایک بار پھر یقین دلایا:

''مسلم لیگ کی تحریک ہندوؤں کے خلاف ہرگز نہیں ہے۔ مسلمان چاہتے ہیں کہ اپنے وطن میں آزاد ہوں، حالانکہ ہندو سبھا کے لیڈر ہندو یت، ہندو راج، ہندو قوم، ہندو سنسکرتی کا غل مچاتے رہتے ہیں، اور مسلمانوں کو مغلوب رکھنا ہی تو بت پرستی کا تقاضا سمجھتے ہیں، چنانچہ مسٹر ساورکر اور ڈاکٹر مونجے نے پچھلے دنوں ہی کہہ دیا تھا کہ اگر کسی مسلم کو وزیر دفاع مقرر کیا گیا تو ہندو اسے ہندو انڈیا سے دشمنی سمجھیں گے۔''

قائداعظم کے ارشادات بالکل صحیح ہیں۔ اگر وائسرائے یا حکومت برطانیہ مسلم لیگ کی رضامندی کے بغیر کسی قسم کے آئینی تغیرات کر دیتے تو اسلامی ہند شعلہ دار بن گیا ہوتا۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 31 جولائی 1941ء)

سپیشل صندوق

یہ وہ ریل گاڑی تھی جو دہلی ریلوے اسٹیشن سے سرکاری افسران کو لے کر 12 اگست 1947ء کو روانہ ہوئی۔ اس کے گارڈ محمد علی شیخ تھے۔ اس گاڑی میں جناب کے ایچ خورشید اور چودھری محمد علی بھی سوار تھے۔ گارڈ کے کمرے میں ایک سپیشل صندوق تھا، جس پر قائداعظم محمد علی جناح کا نام صاف صاف الفاظ میں تحریر تھا اس بکس میں حکومت پاکستان سے متعلقہ ریکارڈ تھا جو دہلی سے پاکستان لایا گیا۔

سپیشل مجسٹریٹ بل

26 فروری 1912ء، محمد علی جناح نے کونسل میں سپیشل مجسٹریٹ بل پر اظہارِ خیال کیا۔

دوسرے دن 27 فروری کو بھی اس بل پر اپنے خیالات کا بھرپور اظہار کیا۔

ستارہ قائداعظم

14 جنوری 1958ء کو صدر پاکستان میجر جنرل محمد سکندر مرزا نے یہ اعزازِ امتیازی خدمات انجام دینے والوں کے لیے جاری کیا۔

ستائیس رمضان المبارک

پاکستان کا قیام 27 رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک کو عمل میں آیا۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح کا یہ پیغام ریڈیو پاکستان کے لاہور، پشاور اور ڈھاکہ کے سٹیشنوں سے نشر کیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے پیغام میں کہا:

''میں انتہائی مسرت اور قلبی احساس کے ساتھ آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ 15 اگست آزاد خود مختار مملکت پاکستان کے وجود میں آنے کا دن ہے۔ آج کا دن

مسلم قوم کی تقدیر کی برآوری کا دن ہے۔ جس نے اپنا ایک وطن حاصل کرنے کے لیے گزشتہ کئی برسوں میں عظیم قربانیاں دی ہیں۔
اس انتہائی اہم موقع پر میرا دل ان دلیر مجاہدوں کی یاد سے پر ہے، جو اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے مسلسل جنگ کرتے رہے، اور جنہوں نے پاکستان کو حقیقت بنانے کے لیے اپنا سب کچھ اپنی جانیں تک نثار کردیں۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان ہمیشہ ان کا ممنون احسان رہے گا، اور اپنے ان ساتھیوں کو جواب ہم میں نہیں رہے ہمیشہ دل سے یاد رکھے گا۔ اس نئی مملکت کے وجود میں آجانے سے پاکستان کے باشندوں پر زبردست ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ انہیں اب یہ موقع حاصل ہوا ہے کہ دنیا کو یہ ثابت کردکھائیں کہ کس طرح ایک قوم جس میں مختلف عناصر شامل ہیں۔ آپس میں مل جل کر صلح آشتی کے ساتھ رہتی ہے، اور ذات پات کا امتیاز کیے بغیر اپنے تمام شہریوں کی یکساں فلاح و بہبود کے لیے کام کرتی ہے۔
ہمارا مطمع نظر اندرون ملک بھی اور بیرون ملک بھی امن ہونا چاہئے۔ ہم صلح سلامتی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، اور اپنے دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم کسی کے خلاف جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ ہم اقوام متحدہ کے منشور کے پابند ہیں، اور عالمی امن وخوشحالی کے فروغ کے لیے پورا پورا حصہ لیتے رہیں گے۔
ہندوستان کے مسلمانوں نے دنیا کو دکھادیا ہے کہ وہ ایک متحد قوم ہیں۔ ان کے اغراض ومقاصد حق و انصاف پر مبنی ہیں جنہیں کسی طرح رد نہیں کیا جاسکتا۔
آیئے آج کے دن ہم عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کا شکر بجالائیں اور دعا کریں کہ وہ ہمیں ان کا اہل ثابت ہونے کی توفیق عطا کرے۔
آج کا دن ہماری قومی تاریخ کی تلخیوں سے بھرپور دور کے اختتام کا اور ایک نئے شاندار اور پروقار عہد کے آغاز کا دن ہے۔
ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے قول وفعل اور طرز فکر سے اقلیتوں پر یہ ثابت کردیں کہ جب تک وہ ان فرائض اور ذمہ داریوں کو ادا کرتے رہیں گے۔ جوان پر پاکستان کے وفادار شہریوں کی حیثیت سے عائد ہیں۔ انہیں کسی قسم کا خوف وخطرہ نہیں ہونا چاہئے۔
اپنی سرحدوں اور ان سے پرے کی ریاستوں کے حریت پسند قبائل کی خدمت میں ہم ہدیہ تہنیت پیش کرتے ہیں، اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ پاکستان ہمیشہ ان کی عزت کرتا رہے گا، اور ان کے مرتبے کا احترام کرتا رہے گا، اور قیام امن کے سلسلے میں ان کے ساتھ ہمیشہ دوستانہ تعاون کرتا رہے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم باعزت طور پر زندگی بسر کریں، اور دوسروں کو بھی باعزت طور پر زندگی بسر کرنے دیں۔
آج جمعتہ الوداع ہے۔ رمضان کے مبارک مہینے کا آخری جمعہ، آج کا دن ہم سب کے لیے جہاں ہوں اس برصغیر کے ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے شادمانی کا دن ہے۔ ہمیں چاہئے کہ آج کے دن مسلمان تمام مساجد میں ہزار دو ہزار کی تعداد میں مجتمع ہوں، اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی وانکساری کے ساتھ سربہ سجود ہوکر ان بخششوں اور ابدی رحمتوں کا شکر بجالائیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو ایک عظیم مملکت بنانے کے لیے اور ہم کو اس کے اہل شہری بننے کے لیے اپنی ہدایت اور نصرت سے

سرفراز فرمائے۔
آخر میں میرے عزیز ہم وطنو! مجھے آپ کو یہ بتانا ہے کہ پاکستان کی سرزمین عظیم وسائل سے مالا مال ہے، لیکن اسے ایک ایسا ملک بنانے کے لیے جو ہر طرح مسلم قوم کے شایان شان ہو۔ ہمیں اپنی ساری قوتوں کی آخری رمق تک درکار ہوگی۔
مجھے یقین ہے کہ سب لوگ دل و جان سے اس کے لیے اپنی پوری قوتیں صرف کرنے میں دریغ نہ کریں گے۔''

سترہ آنے

استصواب سرحد کے سلسلے میں کانگریس نے سرحد کے معاملے میں اپنے مراسلہ میں لکھا:
''سرحد کے استصواب میں پاکستان اور ہندوستان کے علاوہ آزادی کا مطالبہ بھی شامل کیا جائے۔''
وی پی مینن نے نہرو اور پٹیل سے کہا:
''حکومت تو سارے صوبوں کو آزادی کا حق دینا چاہتی ہے، لیکن آپ کے اس مطالبہ پر یہ حق، حذف کر دیا گیا۔ اب آپ کس منہ سے کہتے ہیں کہ سرحد کو آزادی کا حق ملنا چاہئے۔''
اس پر دونوں ہندو لیڈر خاموش ہو گئے۔
قائداعظم محمد علی جناح کو جب اس مراسلہ کے مندرجات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس پر پُر لطف تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:
''نہرو ہمیشہ روپے کے سترہ آنے مانگتا ہے۔''

ستیارتھ پرکاش

1943ء میں کراچی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجتماع ہوا تو ستیارتھ پرکاش کے خلاف ایجی ٹیشن کے واقعہ کو اس اجلاس میں اٹھایا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس مسئلے کو اٹھانے کی اس بنیاد پر مخالفت کی کہ ستیارتھ پرکاش کا مقدمہ عدالت میں ہے، اور مناسب نہیں کہ مسلم لیگ جیسی وقیع جماعت اس طرح ایک زیرِ غور مقدمہ میں مداخلت کرے، تاہم اس مسئلے پر بحث جاری تھی۔ جب ہاؤس نے اپنے حق پر اصرار کیا اور مذہب کا حوالہ دیا تو قائداعظم محمد علی جناح اٹھ کر تشریف لے گئے اور نواب اسماعیل جو نائب صدر تھے انہیں کرسی صدارت پر بٹھا گئے۔

ستیہ مورتی کا بیان

19 نومبر 1940ء کو مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:
''میں اپنے دوست مسٹر ستیہ مورتی ڈپٹی لیڈر کانگریس کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ انہوں نے مسٹر ایمری کے بیان کے بعد گذشتہ ماہ مئی میں فرمایا تھا کہ مسٹر ایمری کے اخلاص اور تدبر کو جانچنے کا معیار یہ ہے کہ وہ مسلم لیگیوں سے صاف صاف کہہ دیں کہ نہ پاکستان اور نہ متفقہ وزارتیں، اور غیر ممکن تحفظات وتحقیقات، مسلمانوں کو خود ہی ہندوؤں سے (اکثریت سے) فیصلہ کر لینا چاہیے۔ اگر مسٹر ایمری ایک دفعہ یہ کہہ دیں تو باقی مرحلہ آسانی سے سر ہو جائے گا، میرے دوست کا مطالبہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔''

سٹار

بمبئی کا انگریزی روزنامہ جس کے بانی قائداعظم محمد علی جناح تھے۔

سٹار آف انڈیا

قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں جب مسلمانان پاک وہند نے آل انڈیا مسلم لیگ کے پرچم تلے اپنی منظم جدوجہد کا آغاز کیا تو مسلمانوں نے پریس کی جانب بھی خصوصی توجہ دی تاکہ مسلمانوں کے علیحدہ وطن کے قیام کا موقف دنیا بھر میں روشناس کرایا جاسکے۔ اس ضمن میں 1936ء میں کلکتہ سے انگریزی کا شبینہ اخبار ''سٹار آف انڈیا'' شائع ہونا شروع ہوا۔

سٹیٹ بنک آف پاکستان (نئی عمارت)

یکم جولائی 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کراچی کی بولٹن مارکیٹ کی ایک عمارت میں کیا تھا یہ عمارت بوسیدہ ہوگئی تھی اس لیے اس کی جگہ گیارہ منزلہ نئی عمارت تعمیر کی گئی۔ اس عظیم عمارت کی تعمیر سے سٹیٹ بنک آف پاکستان کے تمام دفاتر یکجا کر دیے گئے۔ بحیرہ عرب کے ساحل پر کراچی کی عظیم بندرگاہ اور اس کی مصروف زندگی اس بات کی متقاضی تھی کہ شاندار عمارت تعمیر کی جائے۔ یہ پانچ لاکھ مربع فٹ رقبہ پر محیط ہے۔ اس کے عملے میں ابتداء میں صرف سو آدمی تھے۔ نئی عمارت کا افتتاح ہونے پر اس میں 1500 افراد ملازم تھے۔

3 نومبر 1961ء کو صدر محمد ایوب خان نے نئی عمارت کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر انہوں نے کہا:

> ''سیاسی، نظریاتی اور اقتصادی اعتبار سے ہمیں اس قوم کے افراد ہونے کا فخر ہے جو عقیدہ جمہوری روایات کے اعتبار سے امن پسند اور نظریاتی طور پر ترقی پسند ہے۔''

سٹیج اداکاری

قائداعظم محمد علی جناح شیکسپیئر کو بہت پسند کرتے تھے۔ وہ جب لندن میں بغرض قانون کی تعلیم رہائش پذیر تھے تو وہ اولڈ وکٹوریہ میں شیکسپیئر کے ڈرامے دیکھنے جایا کرتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی خواہش تھی کہ وہ اولڈ وکٹوریہ میں رومیو کا کردار ادا کریں، لیکن انہیں جو واحد پیش کش ہوئی وہ ایک چھوٹا سا کردار تھا۔ یہ پیش کش انہیں ایک غیر اہم کمپنی کی طرف سے کی گئی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کبھی کبھی شیکسپیئر کا کوئی ڈرامہ لے کر بستر میں لیٹ جاتے اور آہستہ آہستہ پڑھتے رہتے۔ بعض اوقات وہ ان ڈراموں کے پسندیدہ پیرے بلند آواز میں محترمہ فاطمہ جناح کو سناتے تھے، وہ بعض اوقات اقتباس پورے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اس طرح پڑھتے جو صرف ایسے لوگوں کا خاصا ہے جنہوں نے سٹیج اداکاری کی باقاعدہ تربیت حاصل کی ہوتی ہے۔

سٹیج سے دلچسپی

لندن میں قیام کے دوران نوجوان محمد علی جناح تھیٹر کو بہت زیادہ پسند کرنے لگے تھے۔ ان کی خفیہ آرزو، انہوں نے بعد میں اعتراف کیا:

> ''پرانے سٹیج پر رومیو کا کردار ادا کرنے کی تھی۔''

انہوں نے اداکار بننے کے بارے میں کب سے خواب دیکھنا شروع کیا؟ یہ واضح نہیں ہے۔ بظاہر یہ سلسلہ قانون کی تعلیم سے شروع ہونے کے بعد بھی پیش کیا۔ شاید ابتدا میں قانون نے انہیں بور کیا یا شاید وکلاء کی کارکردگی دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا۔ اکثر بڑے بڑے وکلاء اپنی اداکاری سے سامعین کو مبہوت کر دیتے تھے۔ اس چیز نے سٹیج کی طرف جانے کے شوق کو مہمیز کیا۔

محترمہ فاطمہ جناح کا بیان ہے:

> ''انتہائی مصروف سیاسی زندگی کے دنوں میں بھی، جب وہ تھکے ماندے رات گئے گھر لوٹتے تو بڑے

اشتیاق سے شیکسپیئر کا مطالعہ کرتے۔ان کی آواز گونجدار ہوتی۔''

ہمہ وقت ساتھ رہنے والی یک چشمی عینک بعد میں کمرۂ عدالت میں ان کے سب سے بڑے سہارے کے طور پر ساتھ رہی، اور جنہوں نے ان کی ڈرامائی جرح اور تحکمانہ انداز میں منہ دوسری طرف پھیر کر بات کرنے کا انداز دیکھا تھا، خواہ وہ ججوں کے ساتھ ہوتی یا جیوری کے ساتھ، ان کا تبصرہ اکثر یہ ہوتا کہ وہ پیدائشی اداکاری ہے۔

بہرحال ان کے بہت سے سیاسی حریفوں نے یہ باور کر کے زبردست غلطی کی:

''مسٹر جناح محض اداکاری کر رہا ہے۔''

حالانکہ وہ اپنے دلائل میں انتہائی سنجیدہ ہوتے تھے۔

سجی

(دیکھئے: بیل پٹ)

سچ کے موتی

قائداعظم محمد علی جناح جب آل انڈیا مسلم لیگ کے اٹھائیسویں سالانہ اجلاس میں شرکت کے لیے مدراس گئے تو مسلم اسٹوڈنٹس یونین نے ''سچ کے موتی'' کے عنوان سے ایک کتابچہ شائع کیا۔ اس کتابچہ میں قائداعظم محمد علی جناح کی 1936ء سے 1941ء تک کی تقاریر کے مشہور اقتباسات شامل کیے تھے یہ کتابچہ اجلاس میں شریک ہونے والے قائدین نے بھی دیکھا اور انہوں نے اسے بے حد سراہا۔

سچیت گڑھ

مئی 1944ء میں قائداعظم محمد علی جناح جب کشمیر کے دورے پر گئے تو وہ سچیت گڑھ بھی گئے۔ ان کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ وہ سچیت گڑھ میں تین منٹ ٹھہرے، اور ان کی موٹر کو رنبیر سنگھ پورہ میں مزید 4 منٹ رکنا پڑا جب کہ عوام نے قائداعظم محمد علی جناح کی زیارت کی خواہش ظاہر کی۔

چودھری حمید اللہ خاں کی درخواست پر قائداعظم محمد علی جناح نے کھڑکی سے سر نکال کر تشنگان دیدار کو مسکراتے ہوئے سلام کیا۔ رنبیر سنگھ پورہ میں مسلم کانفرنس نے موٹر کا دروازہ بند رکھا اور 500 سے زائد عقیدت مندوں نے قائداعظم زندہ باد کے نعرے لگائے۔

سحر انگیز شخصیت

پارلیمنٹ کے ایک اعلان کے مطابق ہندوستان کے آئینی و دستوری ارتقاء کے احوال و کوائف کا براہِ راست علم حاصل کرنے کے لیے وزیر ہند مسٹر مانٹیگو 10 نومبر 1917ء کو ہندوستان وارد ہوئے۔ وزیر ہند کے ساتھ ان کے چند مشیر بھی تھے۔ اس وفد نے ہندوستان کا دورہ کیا، اور ہندوستان کے سربرآوردہ رہنماؤں اور ممتاز جماعتوں کے ارباب حل و عقد سے ملاقات کی۔ ان کے خیالات و نظریات سے واقفیت حاصل کی، اس وفد نے ریاستوں کے فرمانرواؤں سے بھی ملاقاتیں کیں، انہیں بھی تولا، جانچا، پرکھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کو بھی شرف باریابی عطا ہوا۔ وائسریگل لاج میں، اس من چلے لیڈر اور پختہ کار وزیر ہند کے مابین کیا گزری، اسے خود مانٹیگو کی زبان سے سنیے، وہ اپنی ڈائری میں جو ان کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادی نے شائع کی تھی۔ رقمطراز ہیں:

''جناح داخل ہوا، نوجوان، شائستہ، باوقار، دلائل کے ہتھیاروں سے مسلح، اپنی اسکیم کی برتری پر مصر اور مفید، حکومت خود اختیاری کی اسکیم، اس سے کم پر راضی بھی نہیں ہوسکتا۔ میں پہلے سے تھکا ہوا تھا، اس

قائد اعظم محمد علی جناح مصری صحافی کے ہمراہ-1947ء

نوجوان نے تو مجھے بالکل زچ کر کے رکھ دیا۔

• چمسفورڈ (وائسرائے ہند) نے اس بحث میں الجھنے کی کوشش کی، اوراس طرح جکڑ دیا، اس نوعمر سیاست دان نے غریب چمسفورڈ کو، جیسے مکڑی اپنے جالے میں مکھی کو جکڑ لے۔ ذہانت وفراست جناح کی خصوصیت ہے۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ ایسا قابل اور ہوشیار آدمی اپنے ملک کے معاملات کی باگ اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا۔ گاندھی سے بھی ملاقات ہوئی، لیکن بہت غیرمؤثر شخصیت ہے۔''

عربی کی ایک مثل مشہور ہے۔

الفضل ما شہدت بہ الاعداء۔

(بڑائی وہ ہے جس کی شہادت دشمن دیں)

اس معیار پر قائداعظم محمد علی جناح کی بڑائی کو پرکھا جائے تو ماننا پڑے گا، وہ ایک عظیم اور برتر شخصیت کے اہل ہیں۔

سراپا عزم بن جاؤ

مشہور شاعر حفیظ تائب معروف نعت گو شاعر تھے۔ آپ نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں ہدیہ عقیدت پیش کیا۔

سراپا عزم بن جاؤ بیادِ قائداعظم
دلوں میں آگ سلگاؤ بیادِ قائداعظم
وفا کے جام چھلکاؤ بنام رہبر ملت
خودی کے زمزمے گاؤ بیادِ قائداعظم
وطن کی زلف سلجھاؤ بپاس خاطرِ بانی
نقوش زیست چمکاؤ بیادِ قائداعظم
جوخوشبوئے محبت عام کردیں سارے گلشن میں
وہ غنچے پھر سے چٹکاؤ بیادِ قائداعظم
بکھیرو حریت کے نغمہ ہائے آتشیں ہر سو
ہر اک محفل کو گرماؤ بیادِ قائداعظم
جوآغاز سفر کرتے ہوئے ہراک نے باندھا تھا
وہ پیماں پھر سے دہراؤ بیادِ قائداعظم
فسردہ قوم کے سینے میں پھر سے بجلیاں بھردو
دل ملت کو دھڑکاؤ بیادِ قائداعظم

سربراہ اول (پاکستان)

(دیکھئے: حلف برداری بحیثیت گورنر جنرل)

سربلند جنگ

وہ نواب سمیع اللہ کے بیٹے تھے، اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخلہ لینے والے پہلے طالب علم۔

قائداعظم محمد علی جناح جب کبھی دہلی آتے تو اکثر انہی کے ہاں قیام فرماتے۔ ان کی قیام گاہ پر دس سال تک مسلم لیگ کا دفتر بھی رہا۔

سرحد اسمبلی کا خراج عقیدت

18اکتوبر1948ء کو سرحد اسمبلی کا ایک اجلاس انتہائی سنجیدگی کے ماحول میں شروع ہوا۔ وزیراعظم سرحد عبدالقیوم خاں کی تحریک پر قائداعظم محمد علی جناح کی وفات پر ایک قرارداد تعزیت منظور کی گئی۔ ایوان میں ارکان اسمبلی نے اٹھ کر قائداعظم محمد علی جناح کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے دعا فاتحہ پڑھی۔ محترمہ فاطمہ جناح اور قائداعظم محمد علی جناح کے دوسرے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کیا۔

خان عبدالقیوم خان نے اپنی تقریر میں کہا:

''اب ہر پاکستانی یہ اعتراف کررہا ہے قائداعظم دور حاضرہ کی عظیم شخصیت تھے۔ مملکت پاکستان ان کی زندہ جاوید یادگار ہے۔ یہ قائداعظم کی قوت ارادی اورعزم صمیم کا کرشمہ تھا کہ وہ دنیا کی عظیم ترین اسلامی

مملکت کو معرض وجود میں لانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سلسلہ میں انگریز، ہندو اور بعض غلط اندیش مسلمانوں کی مخالفت بھی قائداعظم کے مشن کو ناکام نہ بنا سکی۔ اب دنیا یہ سمجھ رہی ہے کہ قائداعظم نے پاکستان حاصل کر کے جو کارنامہ کیا وہ موجودہ صدی کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔''

سرحد کے وزیر تعلیم میاں جعفر شاہ نے قرار داد تعزیت کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا:

''قائداعظم کی وفات سے قوم کو جو نقصان پہنچا ہے اس کا اندازہ کرنا محال ہے۔ مرحوم کو مسلمانوں کے علاوہ پاکستان میں بسنے والے دوسرے فرقوں کے حقوق کا بھی بے حد خیال تھا۔
اگر اب ہم نے زندہ رہنے کا تہیہ کر رکھا ہے تو قائداعظم بھی زندہ جاوید رہیں گے۔''

سرحد اسمبلی کے واحد ہندو ممبر مسٹر چھوٹو رام نے کہا:

''ہم سب کو قائداعظم کی مغفرت کے لیے دعا کرنی چاہئے۔ ان کی موت نے قوم میں زندہ رہنے کی خواہش کو دوچند کر دیا ہے۔''

سرحد کا دورہ

قائداعظم محمد علی جناح 24 نومبر 1945ء کو ایک ہفتہ کی انتخابی مہم پر سرحد پہنچے۔ انہوں نے پشاور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''ہمارا کوئی دوست نہیں، نہ انگریز ہمارے دوست ہیں نہ ہی ہندو۔ ہمارے ذہن صاف ہیں کہ ہمیں ان دونوں سے لڑنا ہے۔ اگر یہ دونوں بنیا ہونے کے ناطے ہمارے خلاف متحد ہو جائیں۔ ہم پھر بھی خوف زدہ نہیں ہوں گے۔ ہم ان دونوں کی متحدہ قوت کا مقابلہ کریں گے، اور انشاء اللہ آخر میں فتح ہماری ہوگی۔''

جب قائداعظم محمد علی جناح نے ہجوم سے پوچھا:

''کیا آپ پاکستان چاہتے ہیں یا نہیں؟''

لوگوں نے اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں سے جواب دیا۔ قائداعظم نے انہیں یقین دلایا:

''پاکستان حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:

''آخر میں وہ مدافعت پر اتر آئے۔ طنز و تعریض کے تیر برسانے لگے اور غصے میں بھر گئے۔
ہندو پوچھتے ہیں کہ جناح اور مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لیے کون سی قربانیاں دی ہیں؟ یہ درست ہے کہ میں جیل نہیں گیا۔ کوئی پرواہ نہیں، میں ایک برا آدمی ہوں، لیکن میں پوچھتا ہوں۔ 20، 21 کو کس نے قربانیاں دیں؟ مسٹر گاندھی ہماری کھوپڑیوں پر بچھی ہوئی قیادت کی گدی پر چڑھ بیٹھے ہیں۔''

تقریر کے اس آخری حصہ نے قائداعظم محمد علی جناح کی اس غمگین ترین رنجش کا انکشاف کر دیا جس سے ان کی سیاسی زندگی میں لگنے والا زخم ہرا ہو گیا۔ جب انہوں نے واقعتاً محسوس کیا تھا کہ گاندھی نے کانگریس کی قومی قیادت کے تخت پر چڑھنے کے لیے ان کی کھوپڑی پر پاؤں رکھ دیا ہے۔

سرحد مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن

صوبہ سرحد مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام پیغام میں 14 اپریل 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''آپ کا صوبہ اپنے منفرد وقوع کی بنا پر ایک بہت اہم صوبہ ہے۔ ہمارے قومی اوطان پاکستان کے قیام کے بعد جس کے لیے ہم آج کل جدوجہد کر رہے

ہیں، اس کی اہمیت میں اور بھی اضافہ ہو جائے گا۔ یہ بات میرے لیے بہت حوصلہ افزا ہے کہ آپ کے صوبے میں ہمارے لوگوں نے خود کو منظم کرنا شروع کر دیا ہے۔ اپنے آپ کو مستحکم کرنے کے معنی فی الحقیقت پاکستان کی سرحدوں کو مستحکم کرنا ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جو ہمارے مقصد کے حصول میں مد و معاون ثابت ہوگی، اور اس طرح ہم اپنی آزادی، عزت، وقار اور عظمت اسلام کو جس کے لیے ہم آج کل جدوجہد کر رہے ہیں برقرار رکھ سکیں گے۔''

سرحد مسلم لیگ

غازی سید عباس نے صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی بنیاد 1912ء میں رکھی۔ ابتدائی عہدیداروں میں صدر میاں عبدالعزیز، نائب صدر قاضی غازی عبدالوصی جائنٹ سیکرٹری قاضی میر احمد ایڈووکیٹ خزانچی حکیم محمد امین اور جنرل سیکرٹری غازی سید علی عباس منتخب ہوئے۔ اعلانیہ طور پر قائم کی جانے والی یہ سرحد میں پہلی سیاسی جماعت تھی۔ غازی سید عباس نے تحریک خلافت کی حمایت کی۔

سر کا خطاب

وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ کا ہندوستان میں آخری سال تھا۔ اس نے اسمبلی میں قائداعظم محمد علی جناح کی کارکردگی کا جائزہ لیا تو اسے بہت بہتر محسوس ہوئی، چنانچہ اس نے قائداعظم محمد علی جناح کو اس قابل سمجھا کہ ان کا نام نائٹ کا رتبہ (سر کا خطاب) دینے کے لیے مرتب کردہ فہرست میں شامل کیا جائے، بشرطیکہ وہ اس پیشکش کو قبول کر لیں۔

ان سے رابطہ قائم کیا گیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے دو ٹوک جواب دیا:

''میں صرف مسٹر جناح کہلانے کو ترجیح دیتا ہوں، میں صرف مسٹر جناح کی حیثیت سے زندہ رہا ہوں، اور اس حیثیت میں مرنا چاہتا ہوں۔''

ادھر جب رتی جناح سے پوچھا گیا:

''آپ کو لیڈی جناح کہلانا کیسا لگے گا؟''

وہ سوال پوچھنے والے کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑیں:

''اگر میرے شوہر نے نائٹ ہڈ قبول کی تو میں ان سے علیحدگی اختیار کر لوں گی۔''

سرکاری زبان

(دیکھیے، قومی زبان)

سرکاری سالگرہ

25 دسمبر 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی سرکاری طور پر پہلی سالگرہ منائی گئی۔ یہ قائداعظم محمد علی جناح کا 72 واں یوم پیدائش تھا۔ ان کی یوم ولادت کی تقریبات دو روزہ 25 اور 26 دسمبر کو منائی گئیں۔

24 دسمبر 1947ء کو وزیراعلیٰ سندھ محمد ایوب کھوڑو کی طرف سے ایک بیان جاری ہوا جس میں کہا گیا تھا:

''25 اور 26 دسمبر 1947ء کو گورنر جنرل آف پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے 72ویں یوم پیدائش کو منانے کے لیے شایان شان پروگرام بنائے گئے ہیں۔ اس میں تمام پاکستانیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان میں خلوص دل سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ 25 اور 26 دسمبر کو سرکاری تعطیل ہوگی۔''

25 دسمبر کو صبح طلوع آفتاب کے ساتھ ہی تمام سرکاری عمارات اور کراچی کے ساحل پر کھڑے جہازوں پر پاکستانی

پرچم لہرائے گئے۔ جہازوں کو رنگا رنگ جھنڈیوں سے سجایا گیا۔ نجی عمارتوں پر بھی سبز ہلالی پرچم لہرائے گئے۔ سندھ کے تمام ضلعی ہیڈ کوارٹرز پر پولیس پریڈ ہوئی۔ رات کو تمام سرکاری عمارات پرخوبصورت چراغاں کیا گیا۔ شہریوں نے بھی حسب توفیق بڑھ چڑھ کر اس چراغاں میں حصہ لیا۔ سارا شہر بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ ساحل سمندر پر سجے ہوئے جہازوں کا پانی میں عکس عجیب دلفریب منظر پیش کر رہا تھا۔ روشنیوں کو دیکھنے کے لیے ساحل پر جوانوں، بچوں اور بوڑھوں کا تانتا باندھا ہوا تھا۔ اسی روز بحرین کے تین رکنی وفد نے گورنر جنرل ہاؤس میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی اور انہیں یومِ پیدائش کی مبارکباد دی اور قائداعظم ریلیف فنڈ کمیٹی بحرین کی طرف سے پچاس ہزار روپے کا چیک پیش کیا۔ پروگرام کے مطابق 26 دسمبر کو صبح دس بجے گورنر جنرل ہاؤس کے قریب پولو گراؤنڈ میں ایک خصوصی پریڈ ہوئی، جس میں پاکستان نیوی، پاکستان ایئر فورس اور پاکستان آرمی کی بلوچ رجمنٹ کے دستوں نے شرکت کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے بحیثیت گورنر جنرل پاکستان تینوں افواج کے دستوں سے سلامی لی۔ ڈائس پر قائداعظم محمد علی جناح کے پیچھے محترمہ مس فاطمہ جناح، نیوی کے کمانڈر انچیف ایئر ایڈمرل جیفرڈ، میجر جنرل محمد اکبر خان، جی او سی سندھ اور گروپ کیپٹن ایلس وردی اوسی ایئر فورس کھڑے تھے۔ پریڈ کی قیادت بریگیڈئر سٹیفن مسن نے کی۔ دستے جب ڈائس کے پاس سے گزرتے تو سیلوٹ کے بعد اپنی ٹوپی ہلا کر باآواز بلند ''قائداعظم'' کہتے جواب میں بڑے جوش کے ساتھ اسی لہجے میں ''زندہ باد'' کا نعرہ بلند ہوتا۔

ہزاروں تماشائی بھی زندہ باد کہتے۔ یوں ساری فضاء قائداعظم کے نعروں سے گونج اٹھتی۔ پریڈ کے اختتام پر جب قائداعظم محمد علی جناح محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ گورنر جنرل ہاؤس واپس جانے لگے تو لوگوں نے مزید پرجوش نعرے لگائے۔ قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح نے کھلی کار میں کھڑے ہو کر ہاتھ ہلا ہلا کر ان نعروں کا جواب دیا۔ اسی دن نماز جمعہ کے بعد کراچی کی بیشتر مساجد میں قائداعظم محمد علی جناح کی درازی عمر اور پاکستان کی ترقی وخوشحالی اور سلامتی کی خصوصی دعائیں مانگی گئیں۔ علماء کرام نے اپنی تقاریر میں عوام پر زور دیا کہ وہ نیک نیتی، خلوص دل اور ہمت سے مل جل کر اپنے وطن عزیز پاکستان اور قوم کی ترقی کے لیے حسب مقدور کام کریں۔ ذاتی اغراض کے باعث خلفشار پھیلانے سے گریز کریں، اور اپنے مہاجر بھائیوں کی ہر طرح دل کھول کر امداد کریں۔ شام کے وقت وزیراعظم پاکستان نواب زادہ لیاقت علی خان نے قائداعظم محمد علی جناح کی سالگرہ منانے کے سلسلے میں وزیراعظم ہاؤس کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح کے اعزاز میں ایک عشائیہ دیا۔ جس میں دو سو سے زائد سفارتی نمائندوں کے علاوہ سول وفوجی حکام اور معززین شہر نے شرکت کی۔ قائداعظم محمد علی جناح جو اکثر سنجیدہ رہنے کے عادی تھے آج خاص طور پر بے تکلفانہ انداز میں نہایت خوشگوار طور پر سب مہمانوں میں گھل مل گئے، اور خوش گپیاں فرماتے رہے۔ کبھی کبھی مسکراہٹ، کھلکھلاہٹ میں بھی تبدیل ہو جاتی تھی۔ عشائیے کے اختتام پر قائداعظم محمد علی جناح نے نہایت مسرت آمیز لہجے میں مختصر اور جامع الفاظ میں وزیراعظم لیاقت علی خان، بیگم لیاقت علی خان اور دیگر مہمانوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ اگلی شب گورنر سندھ جناب غلام حسین ہدایت اللہ وبیگم ہدایت اللہ نے قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح کے اعزاز میں ایک ڈنر دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کو دنیا کے ہر گوشے سے مبارک بادی کے پیغام وصول ہوئے۔ سب سے پہلے ریاست جونا گڑھ (انڈیا) کے وزیراعظم سرشاہنواز بھٹو نے گورنر جنرل ہاؤس کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی، اور نواب جونا گڑھ کی

طرف سے مبارکباد کا خط پیش کیا۔ اس کے بعد افغانستان کے بادشاہ کے خاص نمائندے برائے پاکستان سردار نجیب اللہ خاں کی جانب سے ان کے سیکرٹری قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں چند تحائف لے کر آئے جن میں پانچ عدد قراقلی کھالیں، افغانستان کے سبز پتھر کا بنا ہوا سگریٹ کیس اور اسی پتھر کا ایک ایش ٹرے قائداعظم محمد علی جناح جیولری کا سیٹ محترمہ فاطمہ جناح کے لیے شامل تھے۔

لاہور 26 دسمبر 1947ء کو دس بجے قائداعظم محمد علی جناح کا 72واں یوم پیدائش منانے کے لیے لاہور چھاؤنی کی پریڈ گراؤنڈ میں ایک نہایت شاندار پریڈ ہوئی۔ جس میں تین ہزار پاکستانی فوجی جوانوں نے حصہ لیا۔ جس کی سلامی گورنر پنجاب سر فرانسس موڈی نے لی۔ پریڈ کی قیادت بریگیڈئر نظیر احمد نے کی۔ دوران پریڈ پاکستان ایئر فورس کا ایک جہاز چکر لگاتا رہا اور پرچیاں گراتا رہا۔ جس پر لکھا تھا۔ ''قائداعظم کی درازی عمر کی دعا کریں'' ''مہاجرین کی دل کھول کر ہر طرح مدد کریں'' والٹن کیمپ لاہور میں مہاجر بچوں کی مختلف کھیلیں ہوئیں۔ ان میں انعامات تقسیم کیے گئے۔ کھلونے اور مٹھائی بھی تقسیم ہوئی۔ رات کو سب مہاجرین کی دعوت ہوئی جس میں پلاؤ کی خاص ڈش تیار کی گئی۔ پنجاب اور صوبہ سرحد میں قائداعظم محمد علی جناح کا یوم پیدائش منانے کے لیے پورے ایک ہفتے بھر کے پروگرام بنائے گئے۔ غرضیکہ قائداعظم محمد علی جناح کا یومِ پیدائش پورے پاکستان میں پورے جوش وخروش سے منایا گیا۔

سر للو بھائی لاء کالج یونین (احمد آباد)

17 جنوری 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے سر للو بھائی لاء کالج یونین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''قانون کے پیشے میں کامیابی صرف ان لوگوں کی ہوتی ہے جو وضع دار، محنتی اور مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ وکیل کی حیثیت سے نامزد ہونے کے تین سال تک مجھے کسی مقدمہ میں بالعوض کسی وکیل کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہیں ملا تھا، پھر جب میں نے بمبئی میں وکالت شروع کی تو اس وقت بمبئی بار میں انگریزوں کی اکثریت تھی اور بالخصوص سالیسٹر کے رواج کی وجہ سے انہوں نے ایک مضبوط قلعہ بنالیا تھا اس لیے کسی ہندوستانی کا اس قلعہ کو توڑنا ناممکن تھا۔''

سرمایہ کاری

27 اپریل 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے چیمبر آف کامرس کراچی سے دوران خطاب میں کہا:

''میں آپ کی توجہ حکومت پاکستان کی اس خواہش کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ ملک کو صنعتی بنانے کے مرحلے پر نجی سرمایہ کاری کو شریک عمل رکھا جائے۔ حکومت نے اپنے انتظام وانصرام میں جن صنعتوں کو لے رکھا ہے، ان میں جنگی نوعیت کا اسلحہ، برقابی طاقت کی افزائش، ریلوے کے ڈبے بنانا، ٹیلی فون، تار اور بے تار برقی آلات بنانا۔ دوسری تمام صنعتی سرگرمیاں نجی سرمائے کے لیے رکھی گئی ہیں۔ جسے ہر وہ سہولت دی جائے گی جو ایک حکومت صنعت کے قیام اور ترقی کے لیے دے سکتی ہے۔

حکومت ایسے حالات پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گی جن میں صنعت اور تجارت کو فروغ حاصل ہوسکتا ہے۔ پاکستان کے معدنی وسائل کے جائزے لیے جائیں گے۔ نقل وحمل کے ذرائع کی ترقی کے منصوبے بنائے جائیں گے۔ بندرگاہیں تعمیر کی جائیں گی۔ صنعتی سرمایہ کاری کی کارپوریشن قائم کی جائے گی۔ پاکستان زرعی اعتبار سے براعظم ایشیا کا سب

سے ترقی یافتہ ملک ہے۔اس طرح مجھے یقین ہے کہ اگر اس کی زرعی پیداوار کو صنعتوں کے قیام اور فروغ میں پورا پورا اور بہترین طریقے سے استعمال کیا جائے تو یہ اپنے عوام کی مشہور و معروف کاریگری کی روایات اور جدید ٹیکنیک میں مہارت حاصل کرنے کی قابلیت کے ساتھ صنعت کے میدان میں بھی اپنا سکہ جمالے گا اور ایک گہرا مستقبل اور منفرد نقش قائم کرے گا۔''

سروجنی نائیڈو، مسز

وہ مشہور کانگریسی رہنما تھیں، انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح پر اولین کتاب ''اتحاد کا سفیر'' کے نام سے لکھی یہ کتاب 1918ء میں مدراس سے شائع ہوئی۔

سروجنی نائیڈو 13 فروری 1879ء کو حیدر آباد دکن میں ڈاکٹر چٹو پادھیا کے ہاں پیدا ہوئیں۔ابتدائی تعلیم وہیں مکمل کی پھر سرکار نظام کے وظیفے پر لندن اور کیمبرج گئیں، اور اعلیٰ تعلیم سے فارغ التحصیل ہو کر حیدر آباد دکن کے مشہور سرکاری معالج ڈاکٹر ایم جی نائیڈو سے 1898ء میں شادی کی۔ انگریزی نظموں کی دو تین جلدیں اسی زمانے میں شائع ہوئیں۔جن کے تراجم ہندوستان اور یورپ کی مختلف زبانوں میں بھی ہوئے۔ بھارت کی آزادی کے لیے سرگرمی سے کام کیا۔ 1945ء میں کانگریس کی صدر منتخب ہوئیں، آزادی کے بعد بھارت کے صوبے اتر پردیش کی گورنر نامزد ہوئیں۔ ہندو برہمنوں میں ان کی طرح کا غیر متعصب فرد مشکل ہی سے ملتا ہے۔اس لحاظ سے نہایت غیر معمولی اور نیک خاتون تھیں، اردو اور فارسی شاعری کی بھی قدر کرتی تھیں۔ حافظ اور اقبال کی مداح تھیں۔20 مارچ 1949ء کو وفات پائی۔

سروجنی نائیڈو کی پیشین گوئی

اب محمد علی جناح سیاست میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینے لگے تھے، اور جن لوگوں نے متنوع مسائل پر عام جلسوں میں ان کی تقاریر سنیں، وہ ان سے بہت متاثر ہوئے، اپنی پرکشش شخصیت اور خلوصِ مقصد کے نشے میں سرشار اندازِ بیان کے سبب وہ اپنے ابتدائی زمانہ میں بھی عوام کے ذہین و بے باک ترجمان سمجھے جاتے تھے۔ مقرر کی حیثیت سے ان کے مؤثر ہتھیار مدلل انداز بیان، روانی اور شعلہ بیانی، تدبر اور دلوں میں اتر جانے والے الفاظ تھے، جو لوگ عام جلسوں میں ان کی تقاریر سنتے، وہ بے اختیار واہ واہ کہہ اٹھتے۔

مسز سروجنی نائیڈو نے پیشین گوئی کی:

''اتفاق سے، یہ مستقبل کی کتاب میں لکھا جا چکا ہے کہ وہ شخص جس کا نصب العین مسلمانوں کا گوکھلے بننا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری قومی جدوجہد کے کسی شاندار اور خطرناک مرحلے پر ہندوستان کی آزادی کا مژدہ بن جائے اور یوں زندہ و جاوید ہو جائے۔''

مسز سروجنی نائیڈو کی یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی اور قائداعظم محمد علی جناح کی بدولت نہ صرف ہندوؤں کو آزادی ملی بلکہ مسلمانوں کو ایک الگ آزاد وطن پاکستان بھی ملا۔

سرور بجنوری

سرور بجنوری نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں ''قائداعظم'' کے عنوان سے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

قائداعظم پر دل قربان ہے!
اس کا ملت پر بڑا احسان ہے
اس نے پاکستان بنایا شان سے
چاہتا تھا وہ اسے سو جان سے

رات دن رکھتا تھا وہ اس پر نظر
دشمنوں سے خوب تھا وہ باخبر
اس نے انگریزوں کی شوکت ختم کی
ان کی عظمت ان کی شہرت ختم کی
ان سے پاکستان حاصل کیا
ہم کو آزادی کا تحفہ دیا
کر گیا کتنا بڑا وہ نیک کام
یعنی اسلامی حکومت کا قیام
دل سے اس کی یاد جا سکتی نہیں
اس پہ کوئی آنچ آ سکتی نہیں
سبز پرچم دل لبھائے گا سدا
شان ملت کی دکھائے گا سدا
اس کے ارشادات عالی اے سرور
زندگی کا رنگ لائیں گے ضرور

سرور بجنوری 1927ء کو بھارت میں پیدا ہوئے، انہوں نے لکھنؤ اور علی گڑھ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔اصل نام سید سعید الرحمٰن تھا۔تصانیف میں سنگ آفتاب (شعری مجموعہ) سوز گیتی (شعری مجموعہ) 1970ء میں کراچی آئے، اور 13 اپریل 1980ء کو انتقال کیا۔

سریندر ناتھ بینر جی

قائداعظم محمد علی جناح کو سریندر ناتھ بینر جی سے بھی بڑی عقیدت تھی۔ایک بار اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے اپنے جذبہ عقیدت کا ان الفاظ میں اظہار کیا:

''جناب والا! میں نے سیاست میں پہلا سبق سریندر ناتھ بینر جی کے قدموں میں لیا۔ میں ایک پیرو کی حیثیت سے ان کے ساتھ رہا ہوں، اور انہیں اپنا رہنما سمجھتا رہا ہوں، میری طرح ہندوستان کے بیشتر عوام ان کی عزت کرتے ہیں۔ جناب والا! میرا خیال ہے کہ اس عظیم انسان کی زندگی سے صرف ایک سبق حاصل کیا جا سکتا ہے، اور وہ یہ کہ ہماری نجات اتحاد میں ہے۔''

اس زمانے میں قائداعظم محمد علی جناح کے سیاسی نظریات کی تشکیل میں کرشن گوپال گوکھلے، دادا بھائی نورو جی، سریندر ناتھ بنیر جی اور سی آر داس کی شخصیات اور نظریات نے اہم کردار ادا کیا۔ یہ واقعہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح ان کو اپنا سیاسی رہنما تسلیم کرتے، اور ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔

ان مدبرین سے اس نوجوان سیاسی رہنما نے یہ بھی سیکھا کہ سیاست کے میدان میں اپنے ضمیر اور کردار کو آلائش سے پاک رکھا جائے، اور خواہ کتنے ہی مشکل وصبر آزما حالات کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے، اصول کی قیمت پر کوئی سودے بازی نہ کی جائے، اس کے ساتھ ہی اپنے مجبور ومحکوم ہم وطنوں کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ قائداعظم انتقال کے وقت تک اس اصول پر سختی سے قائم رہے، اور کبھی ان میں ردوبدل نہیں کیا۔

سری نگر

17 جون 1944ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے چودھری غلام عباس کی صدارت میں منعقدہ مسلم کانفرنس کے اجلاس سے خطاب کیا۔قائداعظم محمد علی جناح تقریباً دواڑھائی ماہ سری نگر میں قیام کر کے 25 جولائی 1944ء کو واپس جانے کے لیے راولپنڈی روانہ ہوئے۔

24 جولائی کو قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے بیان میں کہا:
''میں کچھ عرصہ یہاں مقیم رہا۔ اس دوران میں مجھے اس ریاست کی آبادی کے تمام طبقوں کو دیکھنے اور مختلف نظریات سننے کا موقع ملا ہے۔

میری نسبت عوام اور خصوصاً مسلمانوں نے جس مروت کا اظہار کیا اس کے لیے میں ممنون ہوں۔ ریاست جموں و کشمیر ایک شاندار ملک ہے، اور اس کو فردوس ارضی کا موزوں نام دیا گیا ہے۔

جیسا کہ میں نے جموں پہنچنے پر کہا کہ مسلم لیگ کی یہ پالیسی نہیں کہ وہ اس ریاست کے اندرونی نظام یا ان سنجیدہ مسائل جن کا سامنا مہاراجا بہادر اوران کی حکومت کررہے ہیں۔ مداخلت کرے لیکن ہمیں ریاستی مسلمانوں کی بہتری اور بہبود کا خاص خیال ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے شیخ عبداللہ کا شکریہ بھی ادا کیا۔

سزائے موت

لاہور کے ایک ہندو پبلشر راجپال نے ایک رسوائے زمانہ کتاب چھاپ کر مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو سخت مجروح کیا تھا۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے غازی علم الدین شہید نے راجپال کو جہنم واصل کر دیا۔ سیشن عدالت نے علم الدین کو سزائے موت کا حکم سنایا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے پنجاب ہائی کورٹ میں علم الدین شہید کے مقدمہ کی پیروی کی تھی، لیکن ہائی کورٹ نے بھی سیشن کے فیصلے کو بحال رکھا۔ اس سلسلے میں ہفتہ وار پیسہ اخبار نے اپنی یکم اگست 1929ء کی اشاعت میں درج ذیل اداریہ ہائی کورٹ کے فیصلے سے متعلق لکھا:

''راجپال کے مفروضہ قاتل علم الدین کی اپیل لاہور ہائی کورٹ سے خارج ہوگئی ہے۔ جسے بمبئی کے مشہور بیرسٹر مسٹر محمد علی جناح نے بڑی قابلیت سے پیش کیا تھا، اور سیشن جج کے فیصلے کی بہت سی کمزوریاں اور کئی گواہانِ استغاثہ کی شہادتوں کی بے اعتباری اور اختلافات روز روشن کی طرح نمایاں کر رہے تھے۔ وکیل ملزم نے اعتراض کیا کہ ملزم علم الدین کا اقرار کہ اس نے آتمارام سے چھری خریدی ہے۔ شہادت ہند کی رو سے نا قابلِ تسلیم ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے پولیس کسی نئی بات کو دریافت نہیں کر سکی۔ چھری تو علم الدین کی گرفتاری سے پہلے راجپال کی دکان میں موجود تھی۔ مسٹر جناح نے استغاثہ کے سب سے بڑے گواہ کیدار ناتھ کی شہادت کو نہایت نا قابلِ اعتبار ثابت کیا، کیونکہ وہ تو مقتول کا ملازم ہی ہے، اور اس وجہ سے مقدمہ میں خاص دلچسپی رکھتا ہے، اور نہ اس نے اپنی اطلاع میں اس ضروری بیان کا ذکر کیا تھا۔ جس پر استغاثہ کا تمام زور ہے کہ علم الدین نے رسول (ﷺ) کا انتقام لینے کے لیے ارتکابِ جرم کیا ہے۔ جج صاحبان خود تسلیم کرتے ہیں کہ کیدار ناتھ کی ابتدائی رپورٹ مختصر، تفصیل سے محروم اور کئی ضروری پہلوؤں میں اس کے بعد کی شہادت سے مختصر تھی، یہاں تک کہ اس نے ملازم کے تعاقب میں اپنے اکیلے مددگار بھگت سنگھ کا نام بھی فراموش کر دیا تھا۔ مگر فاضل جج اس معاملہ کو پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں دیتے۔ فاضل سیشن کی طرح وہ بھی اختلافات کو تسلیم کرتے ہیں مگر وہ انہیں کچھ وقعت نہیں دیتے۔ اسی طرح کئی اور کمزوریاں اس فیصلہ میں ہیں۔ بہرحال علم الدین کی قسمت میں لکھا تھا کہ اسے بطور راجپال کے قاتل کے سزائے موت دی جائے۔''

(ہفتہ وار پیسہ اخبار، اشاعت، یکم اگست 1929ء)

سعد اللہ خان، سر

6 مارچ 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح گوہاٹی (آسام) تشریف لے گئے تو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کا استقبال کیا۔ سر محمد سعد اللہ خان آسام کے وزیراعظم تھے۔

سر سید محمد سعد اللہ

1955 - 1885

تحریک پاکستان کے رہنما آسام کے وزیراعظم گوہاٹی (آسام) میں پیدا ہوئے۔ 1913ء اور 1923ء میں آسام لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ 1924ء سے 1929ء تک آسام کے وزیر صحت اور 1933ء میں پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کے چیئرمین رہے۔ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے تحریک پاکستان کے لیے بھرپور کام کیا۔ 1938ء سے 1942ء تک آسام کے وزیراعظم منتخب ہوئے۔ 1946ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر آسام لیجسلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے اور اسمبلی میں مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے قائد منتخب ہوئے۔ قائداعظمؒ کے حکم پر سر اور خان بہادر کے خطابات واپس کر دیئے۔ اپریل 1946ء میں مسلمان نمائندوں کے کنونشن منعقدہ دہلی میں شرکت کی اور مطالبہ پاکستان کی بھرپور طریقے سے حمایت کی قیام پاکستان کے بعد آپ دستور ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔

وہ 1886ء میں پیدا ہوئے۔ کاٹن کالج سے قانون کی تعلیم حاصل کی، اور 1909ء تا 1910ء گوہاٹی میں پریکٹس کرتے رہے۔ 1913ء میں آسام لیجسلیٹو کے رکن بنے، اور 1920ء تک اس کے رکن رہے۔ 1924 تا 1929ء آسام حکومت کے وزیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ 1929ء تا 1930ء ایگزیکٹو کونسل کے رکن رہے۔ 1937ء تا 1938ء اور پھر 1939ء تا 1942ء آسام کے وزیراعظم رہے۔ انہوں نے 1950ء میں وفات پائی۔

سعداللہ خاں کے نام قائد کا مکتوب

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ
مالابارہل بمبئی
10 جنوری 1941ء

ڈیئر سعداللہ خان!

میں نے شمال مغربی سرحدی صوبے میں ایک وفد بھیجنے کا انتظام کیا ہے، جس میں مسٹر عیسیٰ، نواب بہادر یار جنگ اور مولوی عبدالحامد بدایوانی شامل ہوں گے۔ وہ اسی مہینے کے آخر تک پشاور پہنچیں گے، اور مجھے امید ہے کہ آپ ان کی ہر قسم کی امداد کریں گے۔ اس وفد کو اس لیے بھیجا جارہا ہے کہ صوبہ سرحد کے عوام کو آل انڈیا مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام کے بارے میں بتائیں، اور خاص کر قرارداد لاہور کی وضاحت کریں جسے عام طور پر قرارداد پاکستان کہا جاتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے مسلم لیگ کے ممبر اور آپ کے صوبے کے دوسرے افراد وفد کا پرجوش خیر مقدم کریں گے۔ میں اس سلسلے میں مسٹر اورنگ زیب کو بھی خط لکھ رہا ہوں۔ میں صوبہ سرحد کی موجودہ صورت حال سے واقف ہونا چاہتا ہوں کہ مسٹر گاندھی کی سول نافرمانی کی ذاتی تحریک کا آپ کے صوبے میں کیا ردعمل ہوا، کیونکہ اخباری اطلاعات سے کچھ سمجھنا مشکل ہے مجھے امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ والسلام

آپ کا مخلص
ایم اے جناح

سعداللہ خان، محمد (عیسیٰ خیل)

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے محافظ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح 1945-1946ء میں لاہور تشریف لائے اور ممدوٹ ہاؤس میں قیام کیا تو انہوں نے رات کو پہرہ دیا۔

محمد سعد اللہ خان نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کالج لاہور کے رکن کی حیثیت سے لاہور اور راولپنڈی میں مسلم لیگی رہنماؤں کی انتخابی مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ صوبہ سرحد کے ضلع بنوں میں ریفرنڈم کے دنوں میں پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب زکوڑی شریف اور دمساز خاں کے ساتھ پاکستان کی حمایت میں دورے کیے اور ریفرنڈم کے دنوں میں سرائے نورنگ ضلع بنوں میں ڈیوٹی دی۔ سول نافرمانی تحریک میں حصہ لینے پر گرفتار بھی ہوئے۔

سید احمد ہاشمی، کرنل

وہ ریاست بہاول پور کی ممتاز شخصیت تھے۔ سید احمد ہاشمی مختلف حیثیتوں سے امیر آف بہاول پور نواب صادق محمد خاں سے منسلک رہے۔ آخری بیس برس انہیں وزیر حضوری کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کا موقع ملا۔ 1932ء میں انہوں نے شملہ کے سیسل ہوٹل میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔ انہیں نواب لوہارو نے قائداعظم محمد علی جناح کے پاس کسی مقدمے کے سلسلے میں بھیجا تھا، اور کہا تھا:

''مسٹر جناح سے مل کر فیس طے کرلیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں فیس پیشگی لوں گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی اس صاف گوئی اور راست بازی سے متاثر ہوئے۔ قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی آخری ملاقات 1948ء میں زیارت میں ہوئی۔

سعید اختر

معروف مصور اور قائداعظم محمد علی جناح کا پورٹریٹ بنانے والے۔ انہوں نے 1986ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی 56 فٹ لمبی اور چالیس فٹ چوڑی ایک پورٹریٹ بنائی۔ اس کے لیے انہوں نے 4x4 کے ایک سو چالیس بورڈ بنائے۔ گھوڑا کالج مری کے پینتالیس طالب علموں نے بھی ان کے ساتھ تعاون کیا۔

اس پورٹریٹ کا وزن باون من ہے، اور بلندی ساڑھے چھ منزلہ عمارت کے برابر ہے۔

سعید اللہ خاں، نواب زادہ

7 ستمبر 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے صوبہ سرحد کے نواب زادہ سعید اللہ خاں کو کابل میں اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ وہ انڈین سول سروس کے ممتاز رکن تھے، اور فسادات 1947ء سے قبل لاہور ڈویژن کے کمشنر تھے۔

سفر لندن

جنوری 1893ء میں قائداعظم محمد علی جناح لندن روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اپنے والد کی قائم کردہ فرم میسرز محمد علی جناح بھائی کا انتظام سنبھال لیا۔ ان کا اصل کام یہ تھا کہ کراچی سے جو اشیائے تجارت لندن روانہ کی جاتیں ان کی بقایا رقم وصول کرتے اور بڑے بڑے تجارتی اداروں سے رابطہ تھا۔

اپریل 1913ء میں قائداعظم محمد علی جناح دوبارہ یورپ گئے۔ اس مرتبہ ان کے ہمراہ مسٹر گوکھلے بھی تھے۔ اکتوبر 1913ء میں واپس آئے۔

مئی 1914ء میں کانگریس کے وفد کے قائد کے طور پر انگلستان گئے، اور 25 مئی سے شروع ہونے والی کونسل آف انڈیا سے متعلق بل پر بحث میں حصہ لیا۔ 28 جولائی 1917ء کو مسلم لیگ اور کانگریس کے ایک مشترکہ اجلاس میں دیگر رہنماؤں کے ہمراہ انگلستان بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تھا، تاکہ کانگریس اور لیگ کے متحدہ مطالبات اور سیاسی اصلاحات کے منصوبے کو حکومت برطانیہ سے منظور کرایا جا سکے۔

1919ء میں قائداعظم محمد علی جناح مسلم لیگ کے ایک وفد میں شامل ہو کر انگلستان گئے، جہاں انہوں نے برطانیہ کی مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے سامنے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے خلاف بڑی موثر تقاریر کیں یہ بل منظور کر لیا گیا۔

ستمبر 1925ء کے اواخر میں قائداعظم محمد علی جناح اس کمیٹی کے وفد کے ہمراہ انگلستان گئے تاکہ سنڈھرسٹ کے نمونے پر ہندوستان میں فوجی تربیت گاہ کے قیام کے سلسلے میں بات چیت کی جائے۔ 1928ء میں قائداعظم محمد علی جناح دیوان چمن لال کے ہمراہ انگلستان گئے۔ 26 اکتوبر کو رزمک جہاز کے ذریعے واپس بمبئی آئے۔

نومبر 1930ء میں قائداعظم محمد علی جناح گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے۔ 1935ء میں قائداعظم محمد علی جناح انگلستان سے واپس وطن لوٹے۔

23 اپریل 1935ء کو قائداعظم محمد علی جناح پھر ''کانٹے وردے'' نامی اطالوی بحری جہاز کے ذریعے پریوی کونسل میں ایک مقدمے کی پیروی کے سلسلے میں انگلستان گئے۔ 24 اکتوبر 1935ء کو واپس وطن آئے۔

1946ء میں وائسرائے لارڈ ویول کے ہمراہ آخری مرتبہ انگلستان گئے۔

سفید بال

ایک مرتبہ کسی مقدمہ کی سماعت کے دوران قائداعظم محمد علی جناح کا سابقہ ایک ایسے جج سے پڑا، جسے تند و تیز جملہ بازی کی عادت تھی، اور وہ اپنی اس عادت کی وجہ سے سخت بدنام تھا۔ مقدمے کی سماعت کے دوران اس نے ایک مرتبہ تلخ سی فقرہ بازی کا منہ توڑ جواب سنا تو اس کی انا کچھ مجروح ہوئی، لیکن جب وہ اپنے بے محل طنزیہ لب ولہجہ کا کوئی جواز پیش نہ کرسکا تو اس نے قائداعظم محمد علی جناح کے نشتر طنز سے بچنے کے لیے اپنی بزرگی کی آڑ لینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

''مسٹر جناح! آپ کو میرے سفید بالوں کا کچھ تو احترام کرنا چاہئے۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے بے ساختہ جواب فرمایا:

''مائی لارڈ! مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ میں اس وقت تک سفید بالوں کی عزت نہیں کرتا جب تک اس کے پیچھے دانشمندی پوشیدہ نہ ہو۔''

سفید بنیا

(دیکھئے: مملکت خداداد پاکستان)

سکاٹ جناح ملاقات

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 458 کا متن۔

مسٹر سکاٹ کا نوٹ

16 مئی 1947ء

''❶ میں نے 45 منٹ مسٹر جناح اور لیاقت علی خان سے بحث کی، اور آخر حلقہ انتخاب کے بارے میں ان کی تجاویز پر ان کے دلائل رد کرنے میں کامیاب رہا۔

❷ بالآخر وہ متفق ہو گئے کہ اگر باؤنڈری کمیشن کی شرائط عمل میں مندرجہ ذیل الفاظ شامل کردیے جائیں تو ان کی خواہش پوری ہو جاتی ہے۔

''باؤنڈری کمیشن کو ہدایت کی جائے گی کہ وہ پنجاب کے دونوں حصوں کی حد بندی کے لیے مسلم اکثریت یا غیر مسلم اکثریت کے علاقے میں ملحقہ حلقہ گرداوری کو بنیاد قرار دے۔''

''یہی انتظامات بنگال اور آسام کے بارے میں کیے جائیں۔'' (وی پی، مینن، ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا)

سکاؤٹنگ

قائداعظم محمد علی جناح نے پہلی بار اولمپک گیمز کے موقع پر کہا:

''ہمارے نوجوانوں کا اعلیٰ کردار بنانے میں سکاؤٹنگ ایک اہم اور نمایاں خدمت سرانجام دے سکتی ہے۔ یہ نہ صرف جسمانی، دماغی اور روحانی تربیت کے لیے ممد و معاون ہے بلکہ اس سے منظم، مفید اور قابل فخر شہری بھی پیدا کیے جاسکتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہم حقیقی دنیا سے بہت دور ایسے معاشرے اور ماحول سے وابستہ ہیں جہاں تہذیب وتمدن کی ترقی کے باوجود ابھی جنگل کا قانون جاری ہے۔ طاقت کا راج ہے اور وہ کسی حالت میں بھی کمزور کو زندہ رہنے کا حق دینے کے لیے تیار نہیں۔ ذاتی مفاد، لالچ اور ہوس اقتدارانہ صرف افراد کا خاصہ ہے بلکہ اقوام کے کردار میں بھی یہ جذبات کارفرما ہیں۔

اگر واقعی ہم دنیا میں بے خطر، پاکیزہ اور پرسکون ماحول پیدا کرنا چاہتے ہیں تو انسانی فلاح وبہبود کے اس مقدس فریضہ کی ابتداء افراد سے کریں۔ بچپن ہی

سے ان کے دلوں میں سکاؤٹنگ کے نصب العین، بے لوث خدمت کے جذبے کو استوار کریں تاکہ ان کے خیالات، گفتار اور کردار میں پاکیزگی پیدا ہو جائے، اگر ہمارے نوجوان ہر ایک کو دوست رکھنے، ہر ایک کی ہمہ وقت مدد کرنے ذاتی مفاد کو دوسروں کی بھلائی پر قربان کرنے۔ خیال، قول اور فعل میں تشدد سے بچنے کا سبق سیکھ لیں تو مجھے قوی یقین ہے کہ عالمگیر اخوت ہمارے امکان اور دسترس میں ہوگی۔ خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔''

سکندر جناح معاہدہ

پنجاب میں سر سکندر حیات خاں کو بہت اہمیت حاصل تھی لیکن وہ یونینسٹ کے نمائندے تھے اس لیے قائداعظم محمد علی جناح نے 1937ء میں سر سکندر حیات سے بھی سیاسی اتحاد کے مسئلے پر بات چیت کی۔

14 اکتوبر 1937ء کی رات محمود آباد ہاؤس لکھنؤ میں مسلم لیگ کونسل کا ایک اجلاس ہوا جس کی صدارت نواب اسماعیل خان نے کی۔ قائداعظم محمد علی جناح اور سر سکندر حیات گفت و شنید میں مصروف تھے اور ملک برکت علی کچھ لکھ رہے تھے۔ رات کے گیارہ بجے وہ معاہدہ مکمل ہوا جسے عام طور پر جناح سکندر پیکٹ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے پیچھے پیچھے سر سکندر حیات خان مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں آئے قائداعظم محمد علی جناح نے سر سکندر حیات خاں کو خوش آمدید کہا اور اعلان کیا:

''سر سکندر حیات خان اور ان کی پارٹی کے تمام مسلم اراکین مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں گے۔''

اس اعلان کے بعد سر سکندر حیات خاں آئے اور انہوں نے مختصر تقریر کی جس میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنا لیڈر تسلیم کرلیا۔

سکندر حیات خاں، سر

قائداعظم محمد علی جناح کے حکم پر سکندر حیات خان انگریزوں کی ڈیفنس کونسل سے مستعفی ہوئے۔

وہ واہ ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ پہلے علی گڑھ کے مدرسہ میں داخلہ لیا پھر انگلستان کا رخ کیا۔ اس کے بعد تعلیم چھوڑ کر واپس آئے اور اپنی جاگیر کے کام میں مصروف ہوگئے۔ پہلی جنگ عظیم میں فوج میں بھرتی کے ذریعے سے انگریزوں کی خدمات انجام دیں۔ آخر سیاست میں دلچسپی لینی شروع کردی۔ پنجاب کی مجلس وضع کی قانون کے رکن ہوئے پھر ریاست بہاول پور میں وزیراعظم کا عہدہ ملا۔ دو مرتبہ صوبہ پنجاب کے عارضی گورنر رہے۔ آئین حکومت 1935ء کے نفاذ کے بعد سر فضل حسین نے پنجاب میں یونینسٹ پارٹی بنائی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کو ملا کر اپنی وزارت بنائی جائے مگر علیل ہونے کی وجہ سے قبل از وقت وفات پاگئے۔ سر سکندر حیات خاں نے جو یونینسٹ پارٹی کے اکابر میں سے تھے سر فضل حسین کے بعد یونینسٹوں کی قیادت سنبھال لی، اور آخر 1937ء میں وزیراعظم پنجاب مقرر ہوئے مگر یہ قائداعظم محمد علی جناح کے زیر قیادت مسلم لیگ کے مستقبل سے مرعوب ہوکر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ ان کی حکمت عملی یہ تھی کہ صرف کل ہند معاملات میں لیگ قیادت تسلیم کرلیں۔ اس کوشش میں انہیں سخت ناکامی ہوئی، بلکہ مسلم لیگ میں شامل ہونے کی وجہ سے سر سکندر حیات خان کو انگریزوں کی ڈیفنس کونسل سے بھی مستعفی ہونا پڑا۔

سکندر خان نیازی

تحریک پاکستان کے ممتاز کارکن تھے۔ جب 1946ء میں

علامہ مشرقی نے قائداعظم محمد علی جناح کو قتل کرنے کی دھمکی دی توانہیں قائداعظم محمد علی جناح کی حفاظت پر خصوصی طور پر مامور کیا گیا، اور اس ضمن میں انہیں رائفل بھی دی گئی۔

سکندر خان نیازی 30 دسمبر 1925ء کو جھامرہ (میانوالی) میں نیازی قبیلے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے وہیں تعلیم مکمل کی۔ 1944ء میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن میں شامل ہوئے۔ 1946ء کے عام انتخابات میں ڈیرہ غازی خاں اور میانوالی کے اضلاع میں مسلم لیگی امیدواروں کی انتخابی مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ قائداعظم محمد علی جناح جب بھی لاہور آتے تو ان کی حفاظت پر سکندر خان نیازی ہی کو مامور کیا جاتا تھا۔

انہوں نے قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی بحالی کے لیے لائل پور (فیصل آباد) اور میانوالی کے اضلاع میں اہم خدمات انجام دیں۔

سکندر مرزا، میجر جنرل

1943ء میں سکندر مرزا پشاور کے ڈپٹی کمشنر تھے انہیں نواب بھوپال کی طرف سے شیر کا شکار کھیلنے کی دعوت بھی ملی، واپسی پر سکندر مرزا نے نواب زادہ لیاقت علی خان سے ملاقات کی تو انہوں نے سکندر مرزا کو قائداعظم محمد علی جناح کے پاس بھیج دیا قائداعظم محمد علی جناح نے سکندر مرزا سے صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی وزارت کے امکانات پر بحث کی۔ سکندر مرزا نے قائداعظم محمد علی جناح کے سوالات کے جوابات دیے۔

محمد سکندر مرزا 13 نومبر 1899ء کو بمبئی میں نواب مرشد آباد فتح علی مرزا کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سینٹ زیویئر سکول میں اور یہیں سے انفسٹن کالج سے بی اے کیا۔ پھر فوج میں بھرتی ہوئے۔ محمد سکندر مرزا ہندوستان سے سینڈ ہرسٹ بھیجے جانے والے پہلے ہندوستانی گروپ میں شامل تھے۔ اس گروپ میں وہ پہلے ہندوستانی تھے جنہوں نے 1920ء میں کنگز کمیشن حاصل کیا محمد سکندر مرزا پہلے ہندوستانی تھے جن کو برطانوی حکومت نے سیاسی خدمات کے لیے منتخب کیا۔ وہ صوبہ اڑیسہ اور پشاور میں خدمات انجام دیتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان کے گورنر بنے پھر گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا، اور 1956 کے آئین کے تحت پاکستان کے پہلے صدر کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔

1958ء کے مارشل لاء میں محمد سکندر مرزا کو جلاوطن کر دیا گیا اور ایک ہوٹل چلاتے رہے۔ 13 نومبر 1969ء کو انہوں نے لندن میں انتقال کیا۔ وصیت کے مطابق تہران میں دفن ہوئے۔

سکندر فارمولا اور پاکستان

روزنامہ انقلاب اپنی 20 نومبر 1942ء کی اشاعت میں سکندر فارمولا اور پاکستان، قائداعظم کا روشن بیان کے عنوان سے لکھتا ہے:

''قائداعظم نے لندن میں جو کچھ فرمایا تھا، اس کے ایک حصے کے متعلق مختلف حلقوں میں غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی۔ ہندو اخباروں کی تو کوشش ہی یہ رہی ہے کہ جس حد تک ممکن ہو مسلم رہنماؤں کی ہر بات کو توڑ مروڑ کر پیش کریں، لیکن بعض بالغ نظر اصحاب یہ بھی سمجھنے لگتے تھے کہ قائداعظم نے اپنی تقریر میں مصالحت کی اس سعی کی مخالفت کی ہے، جو یہاں پچھلے دنوں ''سکندر فارمولا'' کے نام سے شروع ہوئی تھی۔ حالانکہ اس خیال کے لیے کوئی معقول وجہ، اساس موجود نہ تھی۔ اب قائداعظم نے لائل پور (فیصل آباد) میں خود اس غلط فہمی کا ازالہ فرما دیا ہے، اور غیر مشتبہ طور پر کہہ دیا ہے کہ ان کا اشارہ سکندر فامولا کی طرف نہ تھا بلکہ ان لغو و لایعنی نظریات کی طرف تھا۔

جس کی بناء پر ہر اقلیت کے لیے حق خود اختیاری کا ڈھونگ کھڑا کیا جارہا ہے۔

غلط فہمی کی علت یہ معلوم ہوئی ہے کہ لوگوں نے لیگ کی قرارداد لاہور سامنے نہیں رکھی، جس کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان حصوں میں خودمختاری کا حق حاصل ہونا چاہیے جہاں وہ اکثریت میں ہیں۔ اجلاس مدراس میں مذکورہ قرارداد میں ایک ٹکڑے پر اضافہ کیا گیا تھا، جس کا مواد یہ تھا کہ صوبوں کی حدود میں جب ضرورت ہو مناسب تبدیلیاں کر لی جائیں۔ یعنی یہ ہوسکتا ہے کہ کسی صوبے میں ملحقہ علاقے کے کسی ٹکڑے کا الحاق یا حدود صوبہ کی موزونیت کو نقصان پہنچائے بغیر کسی ٹکڑے کی علیحدگی مسلمانوں یا غیر مسلموں کے نقطۂ نگاہ سے مفید و منصفانہ ہو تو اس میں تامل نہیں ہونا چاہیے۔

سکندر فارمولا کے متعلق ہم نے اب تک تفصیلاً کچھ نہیں لکھا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ انہی دو اصولوں پر مبنی تھا، اور ان اصولوں سے لیگ کا کوئی کارکن اختلاف نہیں کرسکتا۔

قائداعظم نے محض یہ فرمایا تھا:

''ہر قوم ہر مقام پر خودمختاری کا مطالبہ نہیں کرسکتی، یہ حق صرف اسی صورت میں استعمال ہوسکتا ہے کہ کسی قوم کو کسی معقول جغرافیائی رقبے میں اکثریت حاصل ہو۔ مثلاً مسلمان یوپی میں پنجاب کے ہندوؤں سے زیادہ نہیں۔ بہار میں ان کی آبادی پنجاب کے سکھوں سے زیادہ ہے، لیکن چونکہ وہ بکھرے ہوئے ہیں، اور کسی ایک جگہ پر جمع نہیں ہو سکتے، لہٰذا ان کے لیے خوداعتمادی کا مطالبہ بالکل سہل ہوگا، بالکل یہی صورت پنجاب میں ہے۔ سکھوں کے لیے علیحدگی کا حق تسلیم کیا گیا تھا، وہ اپنے علاقے میں اکثریت کے مالک ہیں، انہیں علیحدہ نہیں کرنا چاہیے، لیکن اگر وہ علیحدگی چاہیں تو ہم انہیں روک بھی نہیں سکتے۔

اس کے برعکس پنجاب، بنگال، سندھ، سرحد اور بلوچستان میں مسلمانوں کو واضح اکثریت حاصل ہے، لہٰذا وہ خودمختاری کے مطالبہ میں حق بجانب ہیں۔ جس طرح مسلم اکثریت والے علاقوں میں بکھرے ہوئے مسلمانوں کے لیے علیحدگی کا مطالبہ سراسر مضحکہ خیز ہوگا، اسی طرح مسلم اکثریت والے علاقوں میں مسلمانوں کے حق علیحدگی و استقلال سے انکار محض مضحکہ خیز بلکہ قطعی طور پر غیر منصفانہ ہوگا۔ خاص طور پر اس حالت میں کہ مسلمانوں نے ہندو اکثریت والے کسی علاقے میں ہندوؤں کے حق استقلال کی مخالفت نہیں کی، بلکہ وہ اس حق کا صاف صاف اعتراف کررہے ہیں۔''

اخبار لکھتا ہے:

''شروع میں پاکستان کے خلاف ہندوؤں نے بے انداز شور مچایا کہ گویا ہندوستان کوئی جاندار شے ہے، جس کے مختلف اعضاء کی قطع و برید کو مسلمانوں نے اپنا نصب العین بنا لیا ہے۔ گاندھی نے اس سلسلے میں ہندوؤں کو برانگیختہ کرنے کے لیے ہندوستان کو ''گائے'' سے تشبیہہ دے دی تھی، لیکن یہ شور چل نہ سکا۔ اس کے بعد عجیب وغریب اعداد فراہم کر کے بڑے بڑے نقشے تیار کیے گئے، جن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں پر پاکستان کے نقصانات واضح کیے جائیں، اور انہیں سمجھایا جائے کہ اگر ہندوستان سے علیحدہ رہے تو بھوکے مرو گے، بعض مسلمانوں نے بھی یہی طریق استقلال اختیار کرلیا، حالانکہ اس زمین

کے ہر فرد پر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ سرمایہ پرست ہندو طبقے نے آج تک نہ محض ہندوؤں کی اقتصادی فلاح کو کبھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھا، بلکہ وہ اپنے غریب و جفاکش ہندو بھائیوں کے ساتھ بھی بہ طیبِ خاطر انصاف پر راضی نہ ہوئے۔
سب کو معلوم ہے کہ پنجاب میں قانون انتقالِ اراضی صرف غریب زمینداروں اور کاشت کاروں کے وسائل معاش کی حفاظت کے لیے بنا تھا، لیکن سرمایہ پرست طبقہ آج تک اس کا مخالف چلا آتا ہے۔ سنہری قوانین غریبوں کی امداد کے لیے بنائے گئے تھے، لیکن سرمایہ دار گروہ آج تک ان کے خلاف کوشاں ہیں۔ مسلمانوں یا ہندو جاٹوں کو ملازمتیں ملیں تو سرمایہ دار ناراض ہوتے ہیں، صنعت و حرفت میں انہیں شامل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ باقی چیزیں تو رہیں ایک طرف پچھلے دنوں منڈیوں کے قانون کی مخالفت میں بھی ان سرمایہ داروں نے ہنگامہ بپا کیا، حالانکہ مذکورہ قانون کا مقصود و محض یہ تھا کہ زمینداروں اور کاشت کاروں کی محنت کی کمائی تاجروں اور دلالوں کی ناجائز دستبرد سے محفوظ رہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے اتنے ہمدرد کہاں سے بن گئے کہ انہوں نے اپنے اوپر زائد مالی بوجھ ڈال کر مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے پر اصرار شروع کر دیا؟ اگر انہیں اطمینان و یقین ہوتا کہ پاکستان واقعی مسلمانوں کے لیے نقصان رساں ہے تو وہ اب تک سو مرتبہ اسے منظور کر چکے ہوتے۔
وہ سب لغو باتیں تھیں۔ اب ان لوگوں نے یہ مضحکہ خیز نظریہ اختیار کر لیا تھا کہ ہندوستان میں بسنے والی ہر قوم ہر مقام پر خودمختاری کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ خواہ اسے کسی معقول جغرافیائی رقبہ میں اکثریت حاصل ہو یا نہ ہو۔ پنجاب کے اخباروں میں سے ''ٹریبیون'' اس بارے میں خاص طور پر سرگرم رہا ہے۔ قائداعظم نے جالندھر میں ''نیشنل اور سب نیشنل'' گروپوں کی جو تقسیم پیش کی تھی، اس کا مقصد محض یہ تھا کہ محولا بالا نظریہ کی مضحکہ خیزی آشکارا ہو جائے۔ مسلمان پنجاب، بنگال، سندھ، سرحد اور بلوچستان میں ''نیشنل'' گروہ ہیں، لہٰذا انہیں یہاں خودمختاری کا حق ملنا چاہیے، لیکن دوسرے صوبوں میں ان کی حیثیت ''سب نیشنل'' گروہوں کی ہے، لہٰذا وہاں کوئی ایسا مطالبہ پیش نہیں کیا گیا۔ اس طرح ہندوؤں یا سکھوں کو مسلم اکثریت والے علاقوں میں خودمختاری کے مطالبے کا حق نہیں پہنچتا، اور یہ مطالبہ ان کی طرف سے پیش نہیں ہونا چاہیے، البتہ اپنے جائز اقتصادی، معاشرتی، مذہبی، ثقافتی، سیاسی حقوق کی حفاظت کے لیے مناسب تجاویز پیش کر سکتے ہیں۔ ایسا یقیناً منظور کر لیا جائے گا، اس طرح ہندو اکثریت کے علاقوں میں مسلم اقلیتوں کے حقوق کو حفاظت کا انتظام لازم ہوگا۔ ہمیں خوشی ہے کہ قائداعظم نے ساری چیزیں پھر ایک مرتبہ کھول کر بتا دیں، اور جو غلط فہمی بعض حلقوں میں پیدا ہوئی تھی، اس کا بھی ازالہ کر دیا۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 20 نومبر 1942ء)

سکواڈرن نمبر 6 (پاک فضائیہ)

اگست 1947ء میں یہ سکواڈرن ماری پور میں قائم کیا گیا اس کے پہلے کمانڈر فلائٹ لیفٹیننٹ ایم جی خان مقرر ہوئے۔ 16 اگست 1947ء کو فضائیہ کے سربراہ ایئر وائس مارشل ایل پیری کین نے سکواڈرن کا دورہ کیا اور کہا:
''پاکستان میں صرف سکواڈرن نمبر 6 ہی سامان کی نقل

وحمل کے لیے اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔"

29 جون 1948ء کو اسی سکواڈرن کے ایک حصے نے قائداعظم محمد علی جناح کی کوئٹہ سے کراچی آمد پر گارڈ آف آنر پیش کیا۔ سکواڈرن کی تاریخ کا وہ یادگار لیکن انتہائی الم ناک دن تھا، جب 12 ستمبر 1948ء کو تین ڈیکوٹا طیاروں نے قائداعظم محمد علی جناح کی تجہیز و تکفین کے موقع پر فلائی پاسٹ کیا۔

اکتوبر 1948ء میں اسے پشاور منتقل کر دیا گیا، اس سکوارڈن نے 1965ء کی جنگ میں بھی حصہ لیا۔

سکوتِ مرگِ آسا

تحریکِ خلافت اور ترکِ تعاون جاری تھی۔

یہ زمانہ تھا، جوش کا، عقل اور دماغ کا۔ یہ زمانہ تھا ترک موالات کا، عدم تعاون کا، ایثار و قربانی کا، مر مٹنے اور تباہ و برباد ہونے کا۔ سب کچھ لٹا دینے اور دار و رسن کا استقبال کرنے کا، یہ زمانہ تھا طوفان کا، حوادث کا، انقلاب کا، ایسا طوفان، جس نے ملک کے طول و عرض میں تلاطم برپا کر دیا۔ ایسے حوادث جنہوں نے رونما ہو کر ملک کی سیاسیات میں ایک نئی زندگی، ایک نئی تڑپ اور ایک نیا ابھار پیدا کر دیا۔ ایسے انقلاب کا جس نے بلند کو پست اور پست کو بلند کر دیا۔ جس نے گمناموں کو اوجِ ثریا پر پہنچا دیا۔ جس نے ناموروں کو تحت الثریٰ میں دھکیل دیا، جس نے لیڈروں کو عامی بنا دیا، جس نے عامیوں کو زعیم بنا دیا۔ جس نے حکومت کا رعب ختم کر دیا، جس نے پولیس کی لاٹھیوں اور فوج کی گولیوں کا ڈر دل سے نکال دیا۔ جس نے جیل خانوں کو نشاط خانہ اور پھانسی کے تختہ کو حاصل زندگی بنا دیا۔ وہ انقلاب جس نے بچوں میں جوانوں کا سا جوش، جوانوں میں نوجوانوں کا سا ولولہ، بوڑھوں میں عہدِ طفلی کی سی ترنگ پیدا کر دی۔ وہ انقلاب جس نے زرداروں کو بے زر کر دیا۔ گھر والوں کو خانماں برباد کر دیا۔ وکلاء کو کنگال کر دیا۔ بیرسٹروں کو مفلس بنا دیا۔ ڈپٹی کلکٹروں، مجسٹریٹوں، کلکٹروں اور اعلیٰ سرکاری عہدیداروں کو عام لوگوں کی سطح پر لا کھڑا کر دیا، اور وہ انقلاب جس کی ایک لہر نے بڑے بڑے "سروں" کو "بے سر" کر دیا، جس نے "بے مغزوں" کو "سر" بنا دیا۔ جس کی بدولت اسکولوں پر تالے پڑے، کالجوں کے دروازے بند ہوئے۔ یونیورسٹیوں پر بادِ خزاں کے جھونکے چلے، عدالتوں میں سناٹا چھا گیا، حکومت کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔

جس نے نیا خون، نئی زندگی، نئی قیادت اور نئی لہر پیدا کی، جس نے محمد علی جناح کے سے بااصول، سختی سے اپنی سوچی سمجھی رائے پر قائم رہنے والے افراد کی سیاسی زندگی ختم کر دی، جس نے دو نئی شخصیات محمد علی اور شوکت علی کو پیدا کیا۔

آخر کیا بات تھی، قائداعظم محمد علی جناح کے کیمپ میں خاموشی کیوں تھی؟ سناٹا کیوں چھایا ہوا تھا؟ چہل پہل اور گہما گہمی اور ہنگامہ آرائی کیوں ناپید تھی؟ کیا ان کے قوائے عمل شل ہو چکے تھے، کیا ان کی زبان گنگ ہو گئی تھی؟ کیا ان کا دماغ ناکارہ ہو گیا تھا؟ نہیں...... یہ بات نہیں تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی نظریں مستقبل کا جلوہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ جذبات کے طوفان میں بہنے کے عادی نہ تھے، طوفان کا رخ موڑ دینا ان کی عادت تھی۔

گوکھلے کی برسی کے موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی میں ایک تقریر گوکھلے کی سیرت اور کردار پر کی۔ اس موقع پر حاضرین میں سے بعض لوگوں نے پوچھا:

"آپ سیاسیاتِ حاضرہ میں حصہ کیوں نہیں لیتے،
آپ خاموش اور الگ تھلگ کیوں ہیں؟"

ان سوالات کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے جو تقریر کی، وہ 21 فروری 1921ء کے بمبئی کرانیکل میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے چند ضروری حصے یہ ہیں:

''میرے بہت سے دوستوں اور رفیقوں نے پوچھا ہے کہ سیاسیات کے اس نازک ترین دور میں خاموش کیوں ہیں؟ یا الگ تھلگ کیوں ہوں؟ بلاشبہ موجودہ صورت حال دشواریوں اور خطروں سے لبریز ہے۔ ایک طرف حکومت کا خودسرانہ اور سفاکانہ طرزِ عمل ہے، جس نے قومی وقار کو مجروح کر رکھا ہے۔ جس شخص میں ذرا بھی فہم سیاسی ہوگی، وہ حکومت کو اس طرزِ عمل پر ملامت کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ جنگِ عظیم جو ابھی ابھی ختم ہوئی ہے۔ اس میں ہندوستان نے اپنا خون بہایا۔ مال و زر سے حکومت کی مدد کی، لیکن صلا کیا ملا؟

رولٹ ایکٹ!

لیکن دوسری طرف میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ گاندھی جی نے، جن کی میں عزت کرتا ہوں، جو پروگرام اختیار کیا ہے، وہ قوم کو غلط راستے پر لیے جا رہا ہے۔''

آوازیں: نہیں نہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:

''میں جانتا ہوں، آپ یہی کہیں گے، لیکن میں آپ سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ اگر یہ پروگرام قوم کو غلط راستے پر نہ لیے جا رہا ہوتا، اور اگر مجھے یقین ہوتا ہے کہ یہ صحیح پروگرام ہے تو میں پہلا شخص ہوتا، جو اس کی عملی تائید کرتا۔ میں گاندھی جی اور ان کے رفقاء کی عزت کرتا ہوں، ان کے جذبۂ قربان کا معترف ہوں، لیکن میں پھر کہوں گا کہ ان کا پروگرام قوم کو صراطِ مستقیم کے بجائے ایک گڑھے کی طرف لیے جا رہا ہے۔''

آوازیں: نہیں۔ نہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید کہا:

میری رائے میں صحیح راستہ یہ تھا کہ کونسل میں جا کر روبرو بیوروکریسی کا مقابلہ کیا جاتا۔ یہاں تک کہ حکومت کونسل کو توڑ دینے پر مجبور ہو جاتی۔ زارِ روس نے ڈوما قائم کی۔ وہاں کے وطن پرستوں نے یہی کہا، اور بالآخر زارِ روس نے مجبور ہو کر ڈوما توڑ دیا۔ یہی ہمارے لیڈر بھی یہاں کر سکتے تھے۔

اب گاندھی کے پروگرام کی دوسری شق لیجیے۔ یہ ہے اسکولوں کا مقاطعہ۔ میں پوچھتا ہوں آخر ترکِ تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ کیا صرف چرخہ کاتنا؟ اگر یہی بات ہے اور گاندھی جی کہتے ہیں، تو میں کہوں گا کہ یہ تحریک سیاسی تحریک بہرحال نہیں ہے۔

گاندھی جی کے پروگرام کی تیسری شق ہے۔ کھادی کا عام رواج۔ اس پر خود کانگریس کے ڈیلی گیٹ بھی عامل نہیں ہیں۔ اس طرح کامیابی نہیں ہو سکتی۔ یہ سیاسی پروگرام نہیں ہے۔ جذباتی پروگرام ہے۔ اس کے بجائے اگر یہ ہوتا کہ ملوں پر ملیں قائم کی جاتیں، اور پھر برطانوی مال کا مقاطعہ کیا جاتا تو ایک بات بھی تھی، اس طرح سکول اور کالج جا بجا قائم کیے جاتے، پھر طلبا سے باہر آنے کو کہا جاتا تو کون تائید نہ کرتا؟''

دور بین و دور اندیش لیڈر

جذبات کے ایسے ہنگامہ خیز زمانہ میں جب کوئی شخص گاندھی اور علی برادران کے خلاف ایک حرف بھی کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی مدلل اور پُرمغز تقریر عوام کے مجمع میں کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ یہ کام وہی لیڈر کر سکتا تھا جو مخلص ہو، دیانت دار ہو، اپنی فہم و بصیرت پر پورا اعتماد رکھتا ہو۔

اب قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر کے ان نکات پر غور فرمائیں، آپ محسوس کریں گے۔

◆ انہیں گاندھی کی قیادت پر بھروسہ نہیں تھا۔

- وہ تخریب کے ساتھ تعمیر بھی چاہتے تھے۔
- وہ کونسلوں میں حکومت سے لڑنے کے قائل تھے۔
- وہ اس تحریک کو ہلاکت خیز اور تباہ کن سمجھتے تھے۔

سکون وثبات

دہلی کے امپیریل ہوٹل میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا۔ جس میں بل پر غور وخوض کیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح صدارت فرما رہے تھے۔ اجلاس شروع ہو چکا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح تقریر کر رہے تھے کہ باہر سے کچھ شور کی آواز سنائی دی۔ اس آواز کے آتے ہی کونسل کے ممبران ایک دم کھڑے ہوئے، اور چاروں طرف سے قائداعظم محمد علی جناح کو احاطہ میں لے لیا جن کے پاس پستول تھے انہوں نے پستول تان لیے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''آپ لوگ بیٹھ جائیں، میں تقریر کر رہا ہوں۔''

اور لوگوں نے اپنے محبوب قائد کی پہلی نافرمانی کی، انہیں اپنا قائد اپنی مرضی سے بھی زیادہ محبوب تھا۔ سردار عبدالرب نشتر باہر آگئے کہ دیکھیں کیا بات ہے۔

ایک خاکسار سیڑھیاں چڑھ کر ہال کی طرف آ رہا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے اس پٹھان جانثار نے اپنی عمر اور عہدے اور مرتبے کا خیال کیے بغیر اس کو زور سے دھکا دیا کہ وہ سیڑھیوں سے لڑھکتا ہوا نیچے گرا۔ مسلم لیگ کے رضا کار جمع ہو گئے۔ پولیس نے خاکساروں کو درہم برہم کر دیا۔ امپیریل ہوٹل کا بہت نقصان ہوا۔ شیشے ٹوٹ گئے۔ اس تمام عرصہ میں قائداعظم محمد علی جناح اسی طرح پرسکون رہے جیسے ہمیشہ رہتے تھے۔

سکھ اور پاکستان

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 3 اپریل 1944ء میں لکھتا ہے:

''لاہور یونیورسٹی کے سکھ طلبہ قائداعظم سے ملاقات کے لیے گئے تھے۔ ہمارے معزز سکھ معاصر ''اجیت'' کے بیان کے مطابق قائداعظم نے فرمایا:

''سکھ اپنی اکثریت کے علاقوں کے لیے خودمختاری حاصل کرنے میں مسلمانوں کی ہر ممکن امداد کے حق دار ہوں گے۔''

ہم نہیں کہہ سکتے کہ قائداعظم سے کیا سوال کیا گیا، اور ان کا جواب حقیقتاً کیا تھا یا ''اجیت'' اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''سکھوں کی اکثریت سوائے ضلع لدھیانہ کے اور کہیں نہیں۔ اگر آپ کو (مسٹر جناح) یہ واقفیت ہوتی تو اغلباً آپ سکھوں کی پوزیشن کے متعلق وضاحت سے رائے زنی کرتے۔ آپ نے اپنے خلوص باطن سے یہ جواب دیا کہ جو کچھ میں اپنے لیے مانگتا ہوں وہ سکھوں کو بھی دلانے کے حق میں ہوں، لیکن افسوس کہ ہندوستان کی اقلیتوں کا مسئلہ اتنا سادہ نہیں کہ مسٹر جناح کی اس قسم کی پیشکش سے سلجھ سکے۔''

سب سے پہلی گذارش یہ ہے کہ سکھوں کی پوزیشن کے متعلق سکھ طلباء کو پورا علم ہونا چاہیے تھا۔ انہوں نے کیوں ایسا سوال کیا جس سے ان کی پوزیشن کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا؟ دوسری گزارش یہ ہے کہ اگر اقلیتوں کا مسئلہ اتنا سادہ نہیں کہ اس قسم کی پیشکش سے سلجھ سکے تو ہمارے سکھ بھائی تو قائداعظم سے یا کسی دوسرے شخص سے یہ توقع تو نہیں رکھ سکتے کہ وہ اقلیتوں کو اکثریتیں بنا دیں گے۔

خود سکھوں کی طرف سے جو تجویز پیش ہو رہی ہے، اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہے کہ مسلمان پنجاب میں

غلام محمد بھرگڑی

ولادت 1878

آپ ڈنگان تعلقہ نصیر آباد ضلع تھرپارکر' سندھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے لنکنز ان سے بارایٹ لاء کیا۔ 1916ء میں جاگیرداروں اور زمینداروں کے حلقے سے بمبئی لیجسلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے جبکہ 1921ء میں کونسل آف سٹیٹ کے رکن نامزد کیے گئے اور 1924ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ آپ نے تحریکِ خلافت میں بھرپور حصہ لیا۔ نیز آل انڈیا مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں پیش پیش رہے۔ انہوں نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ آپ نے سندھی زبان میں ایک ہفت روزہ ''الامین'' کے نام سے جاری کیا۔ آپ زمیندار ایسوسی ایشن سندھ کے سیکرٹری بھی رہے۔

اپنی اکثریت سے مستفید نہ ہو سکیں۔ سکھ کیوں مرکز کے قائل ہیں، اور اس مرکز میں لازماً ہندوؤں کو بھاری اکثریت حاصل ہوگی۔ جن صوبوں میں ہندوؤں کو اسی فیصد سے زیادہ اکثریت حاصل ہے۔ ان کے عام حالات میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوگا، اور مسلمان وہاں اقلیت میں رہیں گے۔ گویا سکھوں کی تجویز سے مرکز میں یا ہندو اکثریت والے صوبوں میں ہندوؤں کی پوزیشن پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔ پھر کیا سکھ تگ و دو کا نتیجہ اس کے سوا کچھ ہے کہ پنجاب میں مسلمانوں کی پوزیشن کمزور ہو جائے؟ یہ بھی نہیں کہ اس کمزوری سے سکھوں کو کوئی فائدہ پہنچے گا، یا کسی جگہ اکثریت میں آ جائیں گے، ہرگز نہیں۔ وہ بدستور ایک اقلیت بنے رہیں گے۔ آخر وہ کیا بات ہے کہ انہیں ہندوؤں کے اقتدار عامہ سے کوئی تعرض نہیں، اور پھر مسلمانوں کے اقتدار سے کاوش ہے؟

سکھ پنجاب میں تیس لاکھ سے زیادہ نہیں ہیں۔ سارے ہندوستان میں ان کی آبادی چالیس لاکھ ہے، بہار کے مسلمان تعداد میں ان سے زیادہ ہیں، اور یوپی میں مسلمانوں کی آبادی 75 لاکھ ہے جو پنجاب کے سکھوں کے مقابلے میں ڈھائی گنا ہے۔ پاکستان کی اسکیم تو اصولاً آج بھی تمام صوبوں میں رائج ہے، اور اس پر عمل ہو رہا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ابھی تک مرکز حذف نہیں ہوا، اور صوبوں کو کامل آزادی نہیں، لیکن کیا سکھوں نے کبھی یہ سوچا کہ ان کی اسکیم کہاں کہاں معرضِ عمل میں آ سکتی ہے؟ سکھ پنجاب کے ایک بڑے حصے میں مسلمانوں کی اکثریت کو ختم کرنا چاہتے ہیں وہ ایسی اسکیم لائیں جس کی رو سے ہندوستان کے ہر حصے میں یہ اکثریت ختم ہو جائے گی، اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو ان کے حسن نیت کے متعلق بہتر سے بہتر رائے قائم رکھنے کے باوجود اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ ان کی اسکیم ہندوؤں کے مقاصد کی پیش روی کا ایک نیا ذریعہ ہے؟

اجیت لکھتا ہے:

''مسٹر جناح کے نظریہ اور سکھوں کے نظریہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ قائداعظم کے پاکستان کا مطالبہ اس دعویٰ پر مبنی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک علیحدہ نیشن ہیں۔ سکھ اپنے آپ کو پنجاب کے باشندگان کا جزو سمجھتے ہیں۔ سکھوں کا یہ دعویٰ ضرور ہے کہ وہ ہندو نہیں، لیکن انہوں نے یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ وہ ایک علیحدہ قوم یا کسی علیحدہ آباؤ اجداد سے ہیں۔ مسٹر جناح کے پاکستان کا دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ مسلمان کسی غیر مسلمان کی حکومت قبول نہیں کریں گے۔ یہ سارا ارشاد سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ سکھ اگر دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہندو نہیں تو یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ مسلمان یا عیسائی بھی نہیں ہیں۔ علیحدہ قوم ہونے کا مطلب اس کے سوا کیا ہے؟''

پھر فرمایا گیا کہ سکھ باشندگان پنجاب کا ایک حصہ ہیں، اگر یہ دعویٰ خلوص پر مبنی ہے تو سکھوں کو اپنی ایک جداگانہ اسکیم سے پھرنے کی کیا ضرورت ہے؟ پنجاب میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے۔ وہ اس اکثریت کو قبول کر لیں، اور آزادی و استقلال کے حصول میں پنجاب کی حمایت میں مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ اگر وہ مرکز میں ہندوؤں کی بھاری اور غیر متبدل اکثریت کو قبول کر رہے ہیں تو صوبے میں مسلمانوں کی اکثریت سے کیوں کاوش ہے؟

یہ بھی غلط ہے کہ پاکستان کی اسکیم اس اصول پر مبنی

ہے کہ مسلمان کسی غیر مسلمان کی حکومت قبول نہیں کریں گے۔ ہندوستان میں کوئی قوم کسی جگہ تنہا حکومت قائم نہیں کر سکتی، اور ایسی حکومت قطعاً جائز حکومت نہ ہوگی، یہاں سارا معاملہ اکثریت و اقلیت کا ہے۔ کم و بیش دو کروڑ مسلمان ہندو اکثریت والے علاقوں میں ہوں گے، اور وہ ہندو اکثریت کے تمام حقوق کو تسلیم کر لیں گے۔ مسلمانوں کا مطالبہ یہ ہے کہ جہاں انہیں اکثریت حاصل ہے، وہاں ان کے حقوق تسلیم کیے جائیں۔ ہندو اکثریت والے صوبوں کی طرح پنجاب، بنگال، سرحد، سندھ اور بلوچستان میں مسلم اکثریتوں کی حکومتیں تمام اقلیتوں کے مشورے اور صوابدید اور تعاون سے بنیں گی۔ سکھوں کو ہندو اکثریتوں کے حقوق سے قطعاً تعرض نہیں۔ صرف مسلمانوں کی اکثریت سے اختلاف ہے۔ بے شک سکھ ہندو نہیں ہیں، لیکن ان کی سیاسی پالیسی میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس پر ہندویت کا رنگ غالب نہ ہو۔ جس سکھ بھائی کو ہماری گزارش سے اختلاف ہے وہ اپنی پوزیشن کو مدلل طریق پر پیش کر کے ہمارے اس خیال کی تغلیط کر دے۔

ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ صرف اس حقیقت پر مبنی ہے کہ اس کے بغیر صوبوں کے لیے استقلال کی حقیقی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا ہندوستان کو باوجود تقسیم عملاً اکٹھا رکھنے کا معاملہ و اصول تسلیم کر لینے اور فیصلہ ہو جانے کے بعد باہمی مشورے سے بیسیوں صورتیں نکالی جا سکتی ہیں، لیکن وہ صورتیں قطعاً مفید نہیں ہو سکتیں، جن پر ہندو یا سکھ کاربند ہیں۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 3 اپریل 1944ء)

سکھ ڈرائیور

تقریباً تمام کانگریسی اخبارات نے ایک خبر شائع کی:

''شملہ کانفرنس کے اختتام کے بعد ایک سکھ ڈرائیور کی ٹیکسی میں از راہِ تعصب جناح نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔''

سردار بلدیو سنگھ وزیر پنجاب نے کانگریسی اخبارات میں یہ بیان پڑھ کر ایک سخت بیان قائداعظم محمد علی جناح کے خلاف شائع کیا۔

23 اکتوبر 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے کراچی سے اس بہتان کی تردید کی اور فرمایا:

''میں نے سکھ ڈرائیور کی ٹیکسی میں سفر کیا تھا، اور میرا سفر بڑا خوشگوار رہا تھا، اور میں تو سکھ قوم کا ہمیشہ مداح و معترف رہا ہوں۔''

سکھ نیشنل کالج

لاہور کا ایک کالج تھا، اس کالج کے ایک سکھ طالب علم نے قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں غیر ذمہ دارانہ باتیں کہیں 17 نومبر 1944ء کو جس کے ردعمل کے طور پر پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی جس میں ان غیر ذمہ دارانہ ریمارکس میں مسلم طلبا سے اپیل کی گئی:

''وہ پرامن رہیں۔''

نیز کالج کے پرنسپل سے سفارش کی گئی:

''وہ اس سلسلہ میں مداخلت کریں۔''

سکھر بیراج

قائداعظم محمد علی جناح سکھر بیراج کو استحکام پاکستان کے

لیے ایک ستون قرار دیتے تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ 4 فروری 1924ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے امپیریل لیجسلیٹو اسمبلی میں سکھر بیراج سے متعلق سامان خریدنے کے لیے حکومت ہند سے چند سوالات کیے تھے۔

حالانکہ بیراج کی تعمیر کا کام 1923ء میں شروع ہو چکا تھا، لیکن اصل منصوبہ میں تبدیلی کی گئی تھی جو سندھ کے نمائندوں کو پسند نہیں تھی۔

قائداعظم محمد علی جناح کے نزدیک سکھر بیراج کی تعمیر تحریک پاکستان کے استحکام کا ایک اہم ستون تھا۔ اس بات سے ان کی سندھ سے دلچسپی کی جھلکیاں نمایاں نظر آتی ہیں۔

سندھ کے نظام آبپاشی میں اس بیراج کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ بیراج دنیا کا ایک بڑا آبپاشی کا منصوبہ ہے۔

1868ء میں پہلی بار مسٹر سی اے فائف کے ذہن میں اس کی تعمیر کا خیال آیا اور یوں 1923ء کے بعد متعدد مدارج طے کرنے کے بعد سکھر بیراج کا منصوبہ 13 جنوری 1932ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس کا افتتاح بمبئی کے گورنر لائیڈ جارج نے کیا۔

بیراج کی مجموعی لمبائی 4925 فٹ ہے جب کہ دونوں جانب سے ریگولیٹر فیرز کے درمیان اس کی لمبائی 725 فٹ ہے۔ بیراج میں 66 دروازے ہیں، اور ہر ایک کی لمبائی 60 فٹ ہے ان 66 دروازوں کو دریا کے اوپر کی جانب اور دیواروں کے ذریعے تین حصوں رائٹ پاکٹ، لیفٹ پاکٹ اور مین ویئر کا نام دیا گیا ہے۔ جن میں علی الترتیب 7,5 اور 5,4 دروازے ہیں۔ درمیانی سیکشن 9,9 دروازوں کے ذریعے چھ سمتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ راستے 15 فٹ چوڑے اور 97 فٹ لمبے ہیں۔ عام پیئر کی چوڑائی 10 فٹ اور لمبائی 77 فٹ ہے۔ بائیں کنارے سے 4 نہریں ایسٹرن، نارا، خیر پور فیڈر ایسٹ روہڑی کینال اور دائیں کنارے سے نارتھ ویسٹرن کینال، رائس کینال اور ان نان پیرن نیل نکالی گئی ہیں۔ ان نہروں کی کل لمبائی 5000 میل ہے اور ان سے 75 لاکھ ایکٹر زمین سیراب ہوتی ہے۔

سکھوں کے نام پیغام

قائداعظم محمد علی جناح نے سکھوں کے نام اپنے پیغام میں فرمایا:

''میں ہمیشہ سکھوں کا معترف رہا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ میرے سکھ دوست ہندوستان کے موجودہ آئینی مسائل کا بنظر غائر مطالعہ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ متحدہ ہندوستان یا ایک مرکزی حکومت کے مقابلے میں شمالی مغربی مسلم علاقے میں زیادہ بہتر رہیں گے کیونکہ ایک مرکزی حکومت میں ان کی کوئی آواز نہ ہوگی۔ پنجاب بہرکیف ایک خودمختار علاقہ ہوگا، اور انہیں رہنا بھی پنجاب میں ہی ہے۔ متحدہ ہندوستان میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی، اور مسلمانوں کے وطن میں جس کا ایک اہم حصہ پنجاب بھی ہوگا۔ سکھوں کو ایک باوقار مقام حاصل رہے گا، اور اس میں وہ ایک موثر کردار ادا کریں گے۔''

سلام اے قائداعظم

قائداعظم محمد علی جناح 1943ء میں جب علی گڑھ تشریف لے گئے تو شکیل بدایونی نے یہ قصیدہ پڑھا:

''سلام اے قائداعظم سلام اے قائداعظم۔''

شکیل بدایونی، بدایوں میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ سے بی اے کیا۔ 1943ء تک وہیں رہے۔ 1944ء میں جنرل ہیڈ کوارٹرز دہلی میں اپر ڈویژن کلرک ہوئے، اور کوچہ پنڈت میں رہائش اختیار کی۔ 1945ء میں انہیں کاردار پروڈکشن میں

ماہانہ مشاہرہ پر آفر ملا، چنانچہ ملازمت ترک کر کے بمبئی چلے گئے۔
فلم درد سے ان کی پیشہ وارانہ فلمی شاعری کا آغاز ہوا، اس کے گانے ان کی شہرت کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس کے بعد بھی لاتعداد فلموں کے گیت لکھے۔

سلطان احمد، سر

وہ مسلم لیگ کے رکن تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے 12 ستمبر 1941ء کو انہیں بیگم شاہنواز کے ساتھ مسلم لیگ سے نکال دیا تھا۔

سلطان شہریار، ڈاکٹر

وہ انڈونیشیا کے عظیم رہنما تھے۔ تحریک آزادی انڈونیشیا میں انہوں نے بھرپور حصہ لیا۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے 17 اپریل 1942ء کو کراچی میں ملاقات کی۔
وہ لکھتے ہیں:
''میں مسٹر محمد علی جناح سے ملا ہوں وہ مسلمانوں کے نجات دہندہ ہیں بلکہ مجھے یقین ہے کہ تمام اسلامی ممالک کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ وہ انڈونیشیا کے مسلمانوں کی قیادت کریں۔ مجھے امید ہے کہ وہ ہندوستان کے مسائل سے فارغ ہونے کے بعد ایشیائی مسلم لیگ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔
مسٹر جناح بے حد پرکشش آدمی ہیں۔ایک مقناطیسی شخصیت۔ میری ملاقات اگرچہ مختصر تھی لیکن میں بہت سے گہرے نقوش لے کر آیا ہوں۔ مسٹر جناح کی جس چیز نے مجھے زیادہ متاثر کیا وہ ان کی خود اعتمادی اور صاف گوئی ہے۔ میں عصر حاضر کے بیشتر لوگوں سے مل چکا ہوں لیکن اظہار مافی الضمیر پر اتنی کاملانہ گرفت میں نے کسی میں نہیں دیکھی اور وہ اپنے مدعا کے مکمل و موثر اظہار پر ساحرانہ قدرت رکھتے ہیں۔''
پاکستان و ہند میں سلطان شہریار کے نام سے مشہور تھے لیکن ان کا اصل نام سلطان شاہریر تھا۔
انہوں نے جزائر شرق الہند موجودہ انڈونیشیا کو ڈچ سامراج کے شکنجے سے نجات دلانے کے لیے جان کی بازی لگا دی تھی اور اس ضمن میں کئی مرتبہ قید و جلاوطنی کے مصائب برداشت کیے۔ دوسری جنگ عظیم سے کئی سال بیشتر جب کہ ڈچ حکومت نے انہیں ایسٹ انڈیز (موجودہ انڈونیشیا) کی سرزمین پر قدم رکھنے کی ممانعت کر دی تھی۔ انہوں نے جلاوطنی کا زمانہ کئی ملکوں میں گزارا اور آزادی کی جدوجہد جاری رکھی۔ اس سلسلے میں وہ متحدہ ہندوستان بھی آئے تھے۔
انڈونیشیا کی آزادی پر وہ انڈونیشیا کے وزیراعظم بنے، لیکن ان کی صحت خراب ہو چکی تھی، اور وہ چند سال تک خاموش و گمنامی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ 1965ء میں ان پر فالج کا حملہ ہوا اور پھر آخری ایام میں ان کی زبان بند ہو گئی تھی۔
9 اپریل 1966ء کو طویل علالت کے بعد زیورچ میں انتقال کر گئے۔

سلور بلٹس (چاندی کی گولیاں)

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کے لیے چندہ جمع کرنے کی جو اپیل کر رکھی تھی اسے وہ سلور بلٹس کہا کرتے تھے۔

سلہری، زیڈ اے

ممتاز صحافی اور قائداعظم محمد علی جناح کے معتقد تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں لندن میں اپنے ہی قائم کردہ مسلم انڈیا انفرمیشن سنٹر میں سیکرٹری مقرر کیا تھا جو یورپ میں نشر و اشاعت کا کام کرتا تھا، اور مسلم لیگ کی تنظیم نو میں مدد

دیتا۔

سلہری پاکستان کے واحد صحافی ہیں جو ڈان سمیت ان مسلم اخبارات کی نمائندگی کرتے تھے جو تحریک پاکستان کے ترجمان تھے۔

زیڈ اے سلہری 1923ء میں پیدا ہوئے۔ 1953ء سے 1957ء تک ٹائمز آف کراچی کے مدیر اور مالک اور 1958ء تا 1961ء لندن میں پاکستان ٹائمز کے نامزد نامہ نگار کی حیثیت سے کام کیا، پھر اسی خبار کے چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ 1968ء سے 1971ء تک پھر لاہور اور راولپنڈی میں پاکستان ٹائمز کے سینئر ایڈیٹر بنے، 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران غیر ملکی نامہ نگاروں کے ساتھ کام کرنے کے لیے مامور ہوئے جس کی بنا پر محاذ سے خبریں مثبت انداز میں پریس میں شائع ہوئیں۔ 1977ء میں وزارت اطلاعات و نشریات میں ایڈیشنل سیکرٹری مقرر ہوئے۔

پھر پروگریسو پیپرز لمیٹڈ کے چیف اگزیکٹو اور پاکستان ٹائمز کے چیف ایڈیٹر بھی رہے۔ 1980ء اور 1981ء میں انہیں کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز کا صدر منتخب کیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح پر مائی لیڈر کے عنوان سے کتاب لکھی۔ ستمبر 1981ء تا فروری 1985ء مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔

1988ء میں انہیں ابلاغ عامہ کا صدارتی مشیر مقرر کیا گیا۔

سلہری قائد خط و کتابت

1945ء میں زیڈ اے سلہری نے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنی کتاب مائی لیڈر بھیجی جس کا قائداعظم محمد علی جناح نے خط کے ذریعے شکریہ ادا کیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

ریڈی منی لاج

ماتھران

16 مئی 1945ء

ڈیئر مسٹر سلہری!

اپنی کتاب مائی لیڈر کی ایک کاپی بھیجنے پر میرا شکریہ قبول کریں۔ اس میں میری ان کوششوں اور خدمات کا ذکر کیا گیا ہے، جو میں مسلمان قوم کے لیے کر سکتا ہوں۔ یہ میرے لیے بڑے حوصلہ افزائی کی بات ہے کہ آپ جیسے آدمی کے دل میں میرے لیے اچھی خاصی جگہ ہے۔

مجھے لائن پبلی کیشنز نے بھی اس کی چند کاپیاں بھجوائی ہیں۔ میں آپ کو اس کتاب کی اشاعت پر مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے حقائق کو اجاگر کیا ہے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

سلیکٹڈ اسپیچز اینڈ اسٹیٹ منٹس آف قائداعظم

یہ رفیق افضل کی تالیف ہے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی وہ تمام تقاریر جمع کی ہیں جو قائداعظم محمد علی جناح نے گول میز کانفرنس میں کی تھیں۔

ترجمہ:

ایک پیغام

از مسٹر ایم اے جناح

(ہمیں مسٹر ایم اے جناح کی جانب سے ہمارے لیے ایک پیغام مشتمل درج ذیل مکتوب موصول ہوا ہے۔ مدیر)

''مجھے ماہ رواں (جنوری) کی 15ویں تاریخ میں آپ کا ارسال کردہ خط ملا جس میں آپ نے مجھ سے سلیم اللہ ہال یونین کے زیر اہتمام اپنے اشاعت پذیر جریدے کے اس سال کے مارچ میں شائع ہونے والے خصوصی شمارے کے لیے ایک پیغام بھیجنے کی استدعا کی ہے۔

آپ کے لیے میرا پیغام درج ذیل ہے:

ستمبر 1918ء کے اجلاس میں دو کمیٹیاں مقرر کی گئیں جو خود مختار حکومت کے قیام کے سلسلے میں تجاویز مرتب کرنے کے لیے بنائی گئی تھیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے سریندر ناتھ بینر جی کی قرارداد کو غیر اطمینان بخش قرار دیا۔

23 ستمبر 1918ء کو انہوں نے مسٹر جی ایس کپارڈی کی ایک قرارداد کے جواب میں جس میں انہوں نے رولٹ کمیٹی کی رپورٹ ملتوی کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ کہا:

''رولٹ کمیشن کی سفارشات سے جرائم اور سرکشی کا خاتمہ نہیں کیا جاسکتا اس سے تو مزید جرائم بڑھیں گے کیونکہ اس میں ہندوستان میں سیاسی حقوق و مراعات طلب کرنے والوں کو قانونی شکنجے میں کس دینے کے لوازمات موجود ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 6 فروری 1919ء کو رولٹ کمیٹی کی سفارشات کی بھی مخالفت کی چنانچہ 28 مارچ 1919ء کو انہوں نے رکنیت چھوڑ دی 14 نومبر 1923ء کو وہ پھر قانون ساز اسمبلی کے بلا مقابلہ رکن منتخب ہوگئے۔

نومبر 1926ء کو پھر قائداعظم محمد علی جناح رکن بنے۔ اکتوبر 1934ء میں قائداعظم محمد علی جناح کو بمبئی کے مسلمانوں نے ان کی غیر موجودگی میں مرکزی اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے بلا مقابلہ منتخب کرلیا۔ 24 اکتوبر 1935ء کو انہوں نے کونسل کے اجلاس میں شرکت کی۔

7 فروری 1935ء کو انہوں نے قرطاس ابیض پر غور کرنے کے لیے مجلس کی رپورٹ پر کھل کر بحث کی، اور اس ضمن میں تین اجزاء پر مشتمل ترمیم پیش کی۔ 7 مارچ 1936ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے پھر اجلاس میں شرکت کی اور مسٹر سیتا مورتی کی تحریک پر آزاد پارٹی کے قائد کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''1935ء کا ایکٹ ہماری مرضی اور منشا کے مواقع نہیں۔ ہم اس پر رائے دیں گے تاکہ ہماری آواز ان لوگوں کے کانوں تک پہنچے جو اصل حاکم ہیں۔''

اسی اجلاس میں ہندوستان کی فوج میں زیادہ سے زیادہ ہندوستانی افسروں کی شمولیت کے بارے میں محکمہ دفاع کے سیکرٹری مسٹر ٹانی ہم سے بحث ہوئی۔

8 مارچ 1938ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اسمبلی کی کارروائی میں شرکت کی اور اس بات پر احتجاج کیا:

''ہندوستانیوں کے ساتھ غیر ممالک میں اچھا برتاؤ نہیں کیا جارہا۔''

8 اگست 1938ء کو شملہ مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی۔ 9 اگست کو اسمبلی میں فوج کے اخراجات میں اضافہ سے متعلق تحریک التوا پیش ہوئی جس کے خلاف قائداعظم محمد علی جناح نے تقریر کی۔

23 اگست کو قانون فوجداری میں ترمیم کا مسودہ پیش کیا گیا تو انہوں نے اس مسئلہ پر بھی تقریر کی۔

12 دسمبر 1938ء کو اسمبلی میں انکم ٹیکس بل کی منظوری کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے مختلف ترامیم پیش کیں اور تقاریر کیں۔

3 فروری 1939ء کو دہلی میں مرکزی اسمبلی کا اجلاس پھر شروع ہوا تو اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے بھی تقریریں کیں۔

22 مارچ 1939ء کو مرکزی قانون ساز اسمبلی میں ہندوؤں اور انگریزوں سے خطاب کرتے ہوئے ایک بار پھر اپنے فیصلہ کا اعلان فرمایا:

''تمہاری تعداد سب سے زیادہ ہوا کرے، تم ترقی یافتہ سہی، تمہاری معاشی حالت مضبوط سہی، تم سمجھا کرو کہ سروں کی گنتی ہی آخری فیصلہ ہے لیکن میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ تم دونوں تم تنہا یا دونوں مل کر بھی

ہماری روح فنا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکو گے۔ تم اس تہذیب کو کبھی نہیں مٹا سکو گے۔ اس اسلامی تہذیب کو جو ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ ہمارا نورِ ایمان زندہ ہے۔ ہمیشہ زندہ رہا اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ بے شک تم ہم پر ظلم وستم کرو ہمارے ساتھ بدترین سلوک روا رکھو، لیکن ہم ایک نتیجے پر پہنچ چکے ہیں اور ہم نے یہ اٹل فیصلہ کرلیا ہے کہ اگر مرنا ہی ہے تو لڑتے لڑتے مریں گے۔''

30 اگست 1939ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے شملہ میں مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی۔

سندھ صوبائی مسلم لیگ

سندھ مسلم لیگ کا قیام 1918ء میں رئیس غلام محمد خاں بھرگڑی کی کوششوں سے عمل میں آیا۔ مورخین نے اسے مسلم لیگ کے ابتدائی نقوش قرار دیا اور ضابطے کے مطابق 18 اکتوبر 1918ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں ہونے والے اجلاس کو مسلم لیگ کی بنیاد کہا ہے۔ 20 مارچ 1927ء کو دستوری اصلاحات پر غور کرنے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کی ایما پر جو کانفرنس بلائی گئی تھی اس میں سیاسی تنظیموں سے سمجھوتہ کرنے کی جو شرائط پیش کی گئی تھیں ان میں سب سے پہلی شرط یہ تھی:

''سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کرکے الگ صوبہ بنایا جائے۔''

1929ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے اس مطالبے کو چودہ نکات میں بھی شامل کیا تھا۔ 22 نومبر 1938ء کو کلکتہ میں منعقدہ آل پارٹیز نیشنل کنونشن میں بھی قائداعظم محمد علی جناح نے سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کرکے الگ صوبہ بنانے کا مطالبہ کیا۔

24 دسمبر 1943ء کو سندھ کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کے اکتیسویں اجلاس منعقدہ کراچی میں رسم پرچم کشائی ادا کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر ہم اپنے آپ کو متحد رکھے رہیں تو ہم اپنا مقصد حاصل کرلیں گے۔''

سندھ صوبائی مسلم لیگ کانفرنس

9،8 اور 10 اکتوبر 1938ء کو کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح کی زیرِ صدارت سندھ صوبائی مسلم لیگ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کی روداد جناب کریم بخش خالد نے 1983ء میں قائداعظم اکادمی کراچی کے لیے مرتب کی 16 صفحات پر مشتمل اس کتابچہ میں سندھ کی تاریخ سندھ کی بمبئی صوبہ سے علیحدگی، سندھ اور مسلمانوں کی قومی جدوجہد، سندھ میں تاریخی اجلاس، قرارداد کراچی، قرارداد لاہور اور قرارداد لاہور سے قیام پاکستان تک کے واقعات کو مختصر مگر جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

اس قسم کے کتابچوں کی اشاعت نئی نسل کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

اس ضمن میں جناب کریم بخش خالد اور ناشر قائداعظم اکادمی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

اب ہم اس کانفرنس کی تفصیل کی طرف آتے ہیں۔

9،8 اور 10 اکتوبر 1938ء کو کراچی کے عید گاہ میدان (جناح روڈ) میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں برصغیر کے چوٹی کے مسلمان رہنماؤں نے شرکت کی جن پر سرسکندر حیات خان (پنجاب)، مولوی ابوالقاسم فضل الحق (بنگال) سردار اورنگ زیب (سرحد) سرسعد اللہ خاں (آسام)، نواب اسماعیل خاں (بہار) چودھری خلیق الزمان، مولانا جمال میاں فرنگی محلی، مولانا شوکت علی، بیگم مولانا محمد علی، راجا صاحب محمود آباد، سید سجاد حیدر یلدرم (یوپی)، سید غلام بھیک نیرنگ

"مسلمانو! آپ کو اپنے درمیان مکمل اتحاد اور استحکام برقرار رکھنا چاہئے۔ اگر آپ آپس میں ہی جھگڑتے رہ گئے تو تباہی آپ کا مقدر ہوگی اور کوئی آپ کی مدد کو نہ پہنچ سکے گا۔ مجھے آپ سے توقع ہے کہ آپ خواہ کتنے ہی مشتعل ہوں آپ کو خواہ بدمعاملگی کا کتنا ہی شدید احساس ہو۔ آپ کی شکایات خواہ کچھ بھی ہوں۔
آپ کسی ایسے انفرادی عمل کے آگے سپر نہ ڈالیں جو ہمارے مقصد پر اثر انداز ہو، اسے تباہ کردے اور معاملات بیٹھ کر رہ جائیں۔
آپ اپنے آپ کو بالکل متحد مستحکم رکھیں اور انتظار کریں۔ آپ سے پہلے کسی دور میں یہ اتنا ضروری کبھی نہ تھا جتنا موجودہ انتہائی بحرانی اور خطرناک دور نے اسے ضروری کردیا ہے کہ آپ اپنے آپ کو ہمارے الفاظ نگراں ایمان۔ اتحاد اور نظم کے روبرو کامل سپردگی اور بے غرضانہ سپرداری میں دے دیں۔
میری تمنا ہے کہ آپ کو اپنے منصوبے میں تمام تر کامرانیاں نصیب ہوں۔"

دستخط

محمد علی جناح

سنٹرل پارلیمانی بورڈ

12 اپریل 1936ء کو اس بورڈ کے قیام کے سلسلے میں بمبئی میں سر وزیر حسن کی زیر صدارت آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا، اور ایک متفقہ قرارداد منظور کی گئی۔ قرارداد کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت سنٹرل پارلیمنٹری بورڈ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح کو متفقہ طور پر اس امر پر بھی مامور کیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں صوبائی پارلیمنٹری بورڈوں کا قیام عمل میں لائیں تا کہ 1935ء ایکٹ کے تحت ہونے والے عام انتخابات میں حصہ لینے کے لیے ان پارلیمانی بورڈوں کے ذریعے امیدواروں کو مسلم لیگ پارلیمانی بورڈوں کی تشکیل میں سرگرم عمل کیا جا سکے۔

سنٹرل پارلیمانی بورڈ کے اراکین کے نام یہ تھے۔

بنگال

نواب آف ڈھاکہ، مسٹر فضل الحق، خان بہادر عبدالمومن، مولانا اکرم خان، حسین شہید سہروردی، مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی، مسٹر ایچ ایم اصفہانی اور مسٹر مجیب الرحمٰن

مدراس

سید مرتضیٰ صاحب بہادر، مسٹر عبدالحمید خان میئر مدراس میونسپلٹی، مسٹر جمال محمد، مسٹر پی پوکر۔

متحدہ صوبہ جات

نواب اسماعیل خاں، نواب زادہ لیاقت علی خاں، مہاراجہ آف محمود آباد، راجا آف سلیم پور، مولانا شوکت علی، مسٹر خلیق الزمان چوہدری اور مولانا حسن احمد۔

بہار

مسٹر قاضی احمد حسین، مولانا سجاد پھلواری، شریف شاہ، مسعود احمد ایکس ایم ایل اے، مسٹر اے حافظ ایڈووکیٹ، مفتی کفایت اللہ۔

وسطی صوبہ جات

مسٹر رؤف شاہ بی اے ایل ایل بی۔ مسٹر شریف بار ایٹ لاء۔

آسام

مسٹر عبدالمتین چودھری، مسٹر اے رزاق

سندھ

شیخ عبدالمجید سندھی، حکیم فتح محمد شروانی، مولوی محمد صدیق کھڈہ، محمد ہاشم گزدر۔

شمال مغربی سرحدی صوبہ

ملک پیر بخش، مولانا اللہ بخش یوسفی، مولانا عبدالرحیم غزنوی، ملک خدا بخش بی اے ایل ایل بی۔

پنجاب

ڈاکٹر سر محمد اقبال، مولانا محمد اسحاق مانسہروی، غازی عبدالرحمٰن بی اے، میاں عبدالعزیز، سید زین العابدین، مولانا عبدالقادر قصوری، راجہ غضنفر علی خان، شیخ حسان الدین، چودھری افضل حق، چودھری عبدالعزیز بیگووال، خواجہ غلام حسین پلیڈر۔

دھلی

مولانا احمد سعید۔

بمبئی

سر سلمان قاسم مٹھا، مسٹر آر ایم چنائے ابوبکر بیگ محمد، اسماعیل ابراہیم چندریگر، ٹھاکر صاحب آف کرواڈا اور خان بہادر صلاح الدین۔

سنٹرل لیجسلیٹو کونسل

دسمبر 1909ء میں قائداعظم محمد علی جناح سب سے پہلے بمبئی پریذیڈنسی سے سپریم امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے بلامقابلہ رکن منتخب ہوئے۔

25 جنوری 1910ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے پہلی بار سنٹرل لیجسلیٹو کونسل کے اجلاس میں منعقدہ کلکتہ میں شرکت کی۔ اس موقع پر جنوبی افریقہ کے ہندوستانی عوام کے بارے میں ایک بل پر مباحثہ ہوا جس میں حکومت کے لیے بل پر قائداعظم محمد علی جناح نے تقریر کرتے ہوئے نہایت سخت الفاظ استعمال کیے اور اس پر لارڈ منٹو نے کہا:

''آپ نرم الفاظ استعمال کریں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں ایوان کے آداب سے واقف ہوں۔''

17 مارچ 1911ء کو سنٹرل لیجسلیٹو کونسل کے اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم اوقاف اور وقف الاولاد کو قانونی حیثیت دینے کے بارے میں بل کا مسودہ پیش کیا، اور ایک مدلل تقریر بھی کی۔ 1912ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے کونسل کے مباحثوں پر بڑی کثرت سے حصہ لیا اور عوام کے بنیادی حقوق کے بل پر بحث میں حصہ لیا۔

1913ء کے اوائل میں جب سنٹرل لیجسلیٹو کونسل کے دوبارہ انتخابات ہوئے تو قائداعظم محمد علی جناح کو پھر ان کی گزشتہ کارگزاری کو دیکھتے ہوئے وائسرائے نے کونسل کا رکن نامزد کر دیا۔

بہار میں کونسل کے اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے کئی مباحث میں حصہ لیا۔ مارچ میں اقرار جرم سے متعلق ایک بل پر بحث کی اور پھر مسلم اوقاف اور وقف الاولاد کے بل کی سلیکٹ کمیٹی سے واپسی پر شاندار تقریر کی اور اسے منظور کرایا کسی غیر سرکاری رکن کی جانب سے کونسل میں یہ پہلا مسودہ قانون تھا جسے منظور کیا گیا۔

اپریل 1916ء میں قائداعظم محمد علی جناح کو پھر بمبئی سے سنٹرل لیجسلیٹو کونسل کا رکن منتخب کرلیا گیا۔ 13 ستمبر 1917ء کے اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے سر محمد شفیع کی اس قرارداد کو ان کی محدود خواہشات کی آئینہ دار قرار دیا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ صوبہ بہار اور اڑیسہ کی طرح پنجاب میں بھی قانون سازی اور انتظامی امور کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھنے کی بجائے باہم ملا دیا جائے۔

(انبالہ) عاشق علی وکیل (گیا، بہار) عبدالرؤف شاہ (ناگپور)۔ خان بہادر پیر مرید حسن سجادہ نشین درگاہ غوث بہار الحق ذکریا ملتانی کوکب، احمد یار خاں دولتانہ، ملک برکت علی (پنجاب) نواب زادہ لیاقت علی خاں (میرٹھ) وغیرہ شامل تھے۔

صوبائی مسلم لیگ کے صدر سر عبداللہ ہارون نے خطبہ استقبالیہ دیا اور اس میں ان صوبوں میں ہونے والے واقعات کا ذکر کیا۔ جہاں 1937ء کے انتخابات کے بعد کانگریسی حکومتیں بنی تھیں اور مسلمانوں پر ہر قسم کے مظالم روا رکھے گئے تھے۔

قائداعظم نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا:

''میں برطانوی سیاست دانوں اور مدبروں اور ساتھ ہی ساتھ کانگریس کے اعلیٰ کمان کے اراکین کی توجہ مبذول کراتے ہوئے عرض کروں گا کہ وہ تازہ معاشرتی انقلاب، تغیر وتبدل اور اس کے ان نتائج و عواقب کو جو عالمی جنگ کا اندیشہ پیدا کرنے کا باعث ہوگئے ہیں بہ نظر غائر دیکھیں۔ انہیں سمجھیں اور نہایت خاموشی سے دل ہی دل میں ان کو ترتیب دے لیں اس کا واحد سبب محض سوڈیٹن (Sudetan) جرمن تھے جنہیں چیکوسلواکیہ کی اکثریت کے بھاری بوجھ کے نیچے جبراً دبا دیا گیا تھا، اور چیکوسلواکیہ والوں نے جور وجبر کے ذریعہ زیر کردیا تھا۔ مضمحل کردیا تھا اور ان سے بدسلوکی کی تھی۔ ظلم وتشدد کیا تھا اور بیس برس تک ان کے حقوق پامال کیے گئے تھے، اور جن کے مفادات کو انتہائی سنگدلی کے ساتھ پس پشت ڈال دیا گیا تھا، چنانچہ اس کا لازمی نتیجہ جو برآمد ہوسکتا تھا وہی ہوا۔ یعنی یہ کہ جمہوریہ چیکوسلواکیہ منہدم ہوچکی ہے، اور اب ایک نیا نقشہ ترتیب دیا جائے گا۔ چنانچہ اس کا لازمی نتیجہ جو برآمد ہوسکتا ہے، اور اب ایک نیا نقشہ ترتیب دیا جائے گا۔ بعینہ جس طرح سوڈلٹین جرمن بے یار ومددگار اور بغیر کسی دفاعی قوت کے نہ تھے اور بیس سال تک ظلم وتشدد اور جور وستم کا نشانہ بنے رہنے کے باوجود زندہ اور باقی رہے۔ اسی طرح مسلمان بھی بے یار ومددگار اور مدافعانہ قوت سے عاری نہیں ہیں، اور براعظم میں اپنے قومی وجود اور اپنی قومی آرزوؤں اور تمناؤں سے دستبردار نہیں ہوسکتے ہیں۔''

کانفرنس نے بندے ماترم کی تشہیر ہندی کی قومی زبان بنانے اور ودیا مندر اسکیم کو نافذ کرنے کے سلسلے میں کانگریس کی مذمت کی اور حکومت ہند کے قانون مجریہ 1935ء میں شامل کل ہندو فاق کی اسکیم کے خلاف بڑی شدت سے ناراضگی کا اظہار کیا اور اس کو ماننے سے قطعی انکار کردیا۔

10 اکتوبر 1938ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں شیخ عبدالحمید سندھی کی پیش کردہ قرارداد اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں منظور ہوگئی۔

(قرارداد کراچی کے متن کے لیے دیکھئے قرارداد کراچی)

سندھ کا بہادر یار جنگ

قائداعظم محمد علی جناح علامہ ظہور الحسن درس کو سندھ کا بہادر یار جنگ کہا کرتے تھے۔

سندھ کی بمبئی سے علیحدگی

31 دسمبر 1925ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے اجلاس منعقدہ علی گڑھ میں سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی قرارداد منظور کی۔ اس قرارداد پر بحث میں حصہ لینے والوں میں قائداعظم محمد علی جناح، سر علی امام، سر محمد شفیع، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر، سیٹھ یعقوب حسن، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا حسرت موہانی، مسٹر آصف علی، مسٹر آل نبی، مسٹر تصدق احمد خاں شروانی اور صاحب زادہ آفتاب احمد خاں کے

قائداعظم محمد علی جناحؒ۔1930ء

نام قابل ذکر ہیں۔

سندھ کے مصائب

یہ کتاب سندھ کے مشہور سیاست دان محمد ایوب کھوڑو نے ممتاز صحافی پیر علی محمد راشدی کے تعاون سے لکھی، اور یہ کتاب 26 مئی 1930ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں انہوں نے سندھ کی علیحدگی کے مسئلے کو بھرپور انداز میں پیش کیا۔ روزنامہ ڈان کراچی میں محمد ایوب کھوڑو نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے:

''میں نے یہ کتاب حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے ایما پر لکھی تھی۔''

سندھ مدرستہ الاسلام

اس مدرسہ کا قیام علی حسن آفندی کے ہاتھوں یکم ستمبر 1885ء کو کراچی میں عمل میں آیا۔

یکم ستمبر 1985ء کو اس مدرسے کا صد سالہ جشن منایا گیا۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق اور وزیراعظم محمد خاں جونیجو نے افتتاحی تقاریب سے خطاب کیا۔

سندھ مدرستہ الاسلام (انتظام وانصرام)

قائداعظم محمد علی جناح کو جب 1943ء میں پتہ چلا کہ سندھ مدرستہ الاسلام حکومت ہند کی تحویل میں دیا جارہا ہے کیونکہ اس کے پاس مطلوبہ فنڈ نہیں تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے۔ انہوں نے اس تجویز کو سختی سے رد کیا اور کہا:

''اگر مدرسے کا بورڈ آف گورنرز اسے نہیں چلاسکتا تو میں اسے بمبئی سے چلاؤں گا، لیکن حکومت کی تحویل میں ایسے نہیں دوں گا۔''

سندھ مدرستہ الاسلام (میں داخلہ)

سندھ مدرستہ الاسلام کے انگریزی شعبہ میں داخل ہونے والے طالب علموں کے جنرل رجسٹر سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد علی جناح کو اس اسکول میں 4 جولائی 1887ء کو داخل کیا گیا تھا، اور وہ ایک سو چودھویں طالب علم تھے۔

دیگر اندراج کے مطابق ان کا نام محمد علی جناح اور جائے پیدائش کراچی تھی۔ یومِ پیدائش درج نہ تھا۔ عمر 14 سال فرقہ خوجہ۔ سابقہ تعلیم اسٹینڈرڈ چہارم گجراتی، فیس معاف ہے یا ادا کی جائے گی۔ ادا کی جائے گی اور جس جماعت میں داخلہ مطلوب ہے، سٹینڈرڈ اول ہے۔

اسکول کے رجسٹر کے اندراج کے مطابق وہ مدرسہ چھوڑ کر بمبئی چلے گئے، لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ انہوں نے سندھ مدرسہ کب چھوڑا۔

دوسرا اندراج جس کا نمبر شمار 187 ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ 23 دسمبر 1887ء کو سندھ مدرستہ الاسلام میں دوبارہ داخل کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بمبئی جانے کے تقریباً ساڑھے پانچ ماہ بعد وہ سندھ مدرستہ الاسلام میں دوبارہ داخل کیے گئے۔ ان کی تاریخ پیدائش 20 اکتوبر 1875ء اور سابقہ تعلیم کے خانہ میں انجمن اسلام بمبئی اسٹینڈرڈ اول درج ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے انجمن اسلام بمبئی میں چند ماہ تعلیم حاصل کی۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کے والدین نے انہیں بمبئی کیوں بھیجا، اور چند ماہ بعد ہی دوبارہ کراچی کیوں بلا لیا؟ کیا سندھ مدرستہ الاسلام کے اندراج نمبر 177 سے ظاہر ہوتا ہے کہ خوجہ فرقہ کے ایک اور لڑکے کریم جعفر کو بھی اسی دن سندھ مدرستہ الاسلام میں داخل کیا گیا۔

کریم جعفر کی سابقہ تعلیم بھی اسٹینڈرڈ اول انجمن اسلام بمبئی اور جائے پیدائش بمبئی درج ہے۔ کریم جعفر نے 18 مئی 1888ء کو سندھ مدرستہ الاسلام چھوڑا، اور اس کا سبب رجسٹر کے اندراجات کے مطابق بمبئی روانگی ہے۔ ایک ہی تاریخ کے ان دو اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض اتفاقی امر نہ تھا۔

بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ محمد علی جناح اور کریم جعفر رشتے دار تھے، بمبئی میں محمد علی جناح نے کریم جعفر کے ہاں قیام کیا تھا۔ بمبئی سے دونوں ساتھ ساتھ کراچی آئے، اور یہ کہ کریم جعفر جناح پونجا کے ہاں تقریباً پانچ ماہ رہے، اور بعد ازاں بمبئی روانہ ہو گئے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ دونوں خاندانوں میں کیا رشتہ تھا۔

محمد علی جناح اسٹینڈرڈ چہارم میں تھے کہ 20 جنوری 1891ء کو انہوں نے مدرسۃ الاسلام چھوڑ دیا۔ اس کا سبب رجسٹر کے اندراجات کے مطابق طویل غیر حاضری ہے۔ سندھ مدرسۃ الاسلام کے زمانہ طالب علمی کے متعلق ایک شہادت اسکول کے رجسٹر کا اندراج نمبر 430 ہے۔ 9 فروری 1891ء کے ذیل میں جو کوائف بیان کیے گئے ہیں، وہ یہ ہیں:

نام: محمد علی جناح۔
جائے پیدائش: کراچی۔
تاریخ پیدائش: 25 دسمبر 1876۔
فرقہ: خوجہ۔
سابقہ تعلیم: اسٹینڈرڈ چہارم۔
فیس ادا کی گئی یا نہیں: ادا کی گئی۔
جس جماعت یا اسٹینڈرڈ میں داخلہ مطلوب ہے: چہارم۔
اسکول چھوڑنے کی تاریخ: 30 جنوری 1892ء
جس اسٹینڈرڈ سے اسکول چھوڑا: اسٹینڈرڈ پنجم۔
اسکول چھوڑنے کا سبب: شادی کے لیے کچھ روانگی۔

ان کوائف سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد علی جناح نے گجراتی کے اسٹینڈرڈ چہارم میں کامیاب ہونے کے بعد 4 جولائی 1887ء سے 30 جنوری 1892ء یعنی تقریباً ساڑھے چار سال تک سندھ مدرسۃ الاسلام میں تعلیم حاصل کی۔ ان میں ان کا انجمن اسلام بمبئی میں طالب علمی کا مختصر زمانہ بھی شامل ہے۔ وہ اسٹینڈرڈ اول میں داخل ہوئے۔ 1887ء اور 1892ء میں اسکول چھوڑتے وقت وہ اسٹینڈرڈ پنجم میں تھے۔ اس سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ حاضری کے بارے میں سنجیدہ نہ ہونے کے باوجود وہ ہر سال کامیاب ہوتے رہے۔

دو مختلف اندراجات کے مطابق ان کی تاریخ پیدائش 20 اکتوبر 1875ء ہے۔ جس سے ان کی سرکاری تاریخ پیدائش 25 دسمبر 1876ء کی صحت کے بارے میں شبہ ہوتا ہے، لیکن اس امر سے زیادہ مستند کیا بات ہو سکتی ہے کہ قائداعظم نے ہمیشہ اپنی سالگرہ 25 دسمبر کو منائی۔ سندھ مدرسۃ الاسلام کے رجسٹر کے اندراجات کے مطابق اس اسکول میں طالب علمی کے دوران میں ان کے نام کے ہجے دو مرتبہ تبدیل ہوئے۔ اس کے بعد اس میں تبدیلیاں ہوئیں، تا آنکہ ان کا نام محمد علی جناح ہو گیا۔

(از جی الانا، قائداعظم جناح مطبوعہ، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور)

سندھ مسلم کالج کراچی

قائداعظم محمد علی جناح نے 20 جون 1943ء کو جب اس کالج کا افتتاح کیا تو اس کالج کے عملے اور بورڈ کی جن اراکین نے قائداعظم محمد علی جناح کے ہمراہ گروپ فوٹو بنوایا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(کرسیوں پر) فیروز علی، عیسیٰ جعفر خواجہ، ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ، محمد یوسف چانڈیو، الحاج محمد ہاشم گزدر، قائداعظم محمد علی جناح، پیر الٰہی بخش، سید میراں محمد شاہ، حسن علی ولی محمد آفندی، خان صاحب عبدالحمید اور حسن بھائی بندوق والا۔

(کھڑے ہوئے) ضیاء الدین بلبل، ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ، ڈاکٹر امیر حسن صدیقی، حیدر شاہ، انور حسین ہدایت اللہ، محمد علی شاہ، عبدالستار کوہاٹی، آغا تاج محمد، آدم علی وائی علوی، غلام حسین سومرو، قاضی خدا بخش، پروفیسر غلام نبی بھنگر، قاضی عبدالرزاق اور مولوی انیس الحسن

سندھ مسلم لیگ کانفرنس

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے سندھ مسلم لیگ کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

''خواتین وحضرات! آل سندھ مسلم لیگ کانفرنس کی صدارت کا جو شرف آپ نے مجھے بخشا ہے، اس کے لیے میں آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، سندھ کے مسلمانوں کی تنظیم جس خوبی سے آپ نے کی ہے، اس کے لیے میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ سندھ کے مسلمانوں کی سیاسی بیداری عدیم المثال ہے۔ سندھ کو علیحدہ صوبہ قرار دیے جانے کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ نے جو کوشش کی وہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔ سخت مخالفت کے باوجود سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے ہندوستان کے دیگر صوبوں کے مانند آئین عطا کر کے ایک آزاد صوبہ قرار دیا جا چکا ہے۔ اب صوبے کی ترقی وفلاح و بہبود کی ساری ذمہ داری آپ کے سر پر ہے، اور اگر آپ اپنے اختیارات استعمال کرنے کے لیے تیار ہو جائیں تو صوبائی مسلم لیگ اس صوبے کی عنان حکومت قطعاً حاصل کرے گی۔ 1935ء کے آئین کی رو سے جو حقوق عطا ہوئے ہیں، ان میں اگرچہ بہت سے قابل اعتراض ہیں، تاہم سندھ کے لوگوں اور خصوصاً مسلمانوں کی اقتصادی اخلاقی، تعلیمی وسیاسی بیداری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سے مستفید ہونے کی کوشش کرنے کے لیے اُسے استعمال کرنا ضروری ہے۔

یہ قسمت کی بدنصیبی ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ نے سندھ اور سرحد کے لیے انتہائی جدوجہد کی اور جانفشانی اُٹھائی، مگر نتیجہ یہ ہے کہ یہ دونوں صُوبے مسلم لیگ کے دائرہ سے باہر ہیں، لیکن مجھے اس بات سے بے حد مسرت حاصل ہوئی کہ سندھ کے مسلمانوں کو اس کا احساس ہوگیا ہے، اور اب تسلی بخش علامات رونما ہو رہے ہیں۔ سب سے افسوسناک واقعہ سرحد کا رہ جاتا ہے۔ جس کے لیے مسلم لیگ کانگریس کی مخالفت کے باوجود بھی اپنے اصلاحی مطالبات پر جمی رہی، اور ہندوستان کے دیگر صوبوں کے مانند آخر سرحد میں بھی آئین و اصلاحات کو جاری کرا ہی کے چھوڑا، لیکن افسوس کہ آزاد ہونے پر اور سرحد واردھا کے نقش قدم کا مرید بنا ہوا ہے۔ اس پر بھی مجھے کامل یقین ہے کہ سرحد کے مسلمان خود کو بہت جلد مسلم لیگ کا مطیع وفرمانبردار ثابت کر دکھائیں گے، اور وہ لوگ جو پٹھانوں کو گمراہ کر رہے ہیں یا جنہوں نے گمراہ کر دیا ہے، ان کی قضا اُن کے سروں پر منڈلا رہی ہے جس کا وہ بہت جلد شکار بنیں گے۔

ہماری یہ جدوجہد وزارت یا اعلیٰ عہدے حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے، اور نہ ہم اپنے برادرانِ وطن کی تعلیمی و اخلاقی و اقتصادی ترقیات کے مخالف ہیں جیسا کہ ہمارے خلاف غلط بیانی کی جا رہی ہے، ہم ہندوستان کے ہر فرد بشر خصوصاً مسلمانوں کی فلاح و بہبود ترقی کے لیے ہر قسم کی کوشش وقربانی کرنے کے لیے ہمیشہ تیار ہیں۔ مسلم لیگ کی پالیسی اور اس کے لیڈروں پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں کی جا رہی ہیں۔ کانگریسی پریس اور محکمۂ اطلاعات میں حقیقت کو دبا کر جھوٹ اور لغویات کا انکشاف کیا جا رہا ہے، چھ صوبوں میں وزارت حاصل کرنے کے بعد سے کانگریس کے ہائی کمان نے آل انڈیا مسلم لیگ کے خلاف ایک زبردست وحشیانہ وظالمانہ ومعاندانہ طرز

اور رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ وزارت قبول کرنے کے بعد سے کانگریس نے مجلس مقننہ کے لیگ پارٹی کے اراکین کو اچھوت قرار دیا اور نیز یہ قرار دیا کہ ان صوبوں کی وزارتوں میں لیگ کے کسی نمائندے کو اس وقت تک شامل نہ کیا جائے گا جب تک کہ وہ بغیر کسی شرط کے کانگریس کی پالیسی پروگرام اور عہد نامے پر دستخط نہ کر دے، حقیقت یہ ہے کہ کانگریس حد درجہ متعصب ہے، کانگریس نے مجلس مقننہ میں آغاز کارروائی سے قبل بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دے کر اُسے گانا شروع کر دیا۔ بت پرستی کے علاوہ اس کے الفاظ مسلمانوں کے خلاف نفرت و حقارت کے خیالات سے پُر ہیں۔ اگرچہ اب یہ تسلیم کیا جا رہا ہے کہ یہ قومی ترانہ نہیں ہے تاہم اسکولوں اور مجالس میں اس کو گانے کے لیے اسکول کے حکام کے نام برابر ہدایت نامے و تنبیہات جاری کیے جا رہے ہیں، اگرچہ یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ کانگریس کا جھنڈا قومی جھنڈا نہیں ہے، تاہم سرکاری اور پبلک اداروں و عمارتوں پر بغیر کسی کے جذبات کا احساس کیے ہوئے عداوتاً اُسے لہرایا جا رہا ہے۔ صوبوں کے تعلیمی طریقوں کی از سرِ نو تشکیل کی جا رہی ہے، اور اُسے وارھا اسکیم کے اصول پر جاری کیا جا رہا ہے۔ جس کا دوسرا نام ''ودیا مندر'' کہا جاتا ہے۔ مجلس میں مسلمانوں کی حقیقی نمائندگی کو شکست دینے یا مغلوب کرنے کے لیے اور ہر مسلمان کو کانگریس کا رکن بنانے کے لیے اور کمیونل ایوارڈ (فرقہ وارانہ عطیہ) کا خاتمہ کرنے کے خیال سے ''مسلم ماس کنٹیکٹ'' شروع کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی تہذیب و طاقت کو نیست و نابود کر دینے کے لیے اُردو کا خاتمہ کر کے سنسکرت آمیز ہندی ہندوستان کی عام زبان قرار دی جا رہی ہے۔ ملازمت صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے، جو لیگ سے علیٰحدگی اختیار کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ''ملکی آزادی'' کی تشریح نئے طریقوں سے کی جا رہی ہے۔ مسلم لیگ کے اراکین کے خلاف دفعہ 144 اور قانون فوجداری کی ترمیمی دفعہ آزادی کے ساتھ استعمال کی جا رہی ہے، میونسپل و ڈسٹرکٹ بورڈ میں مسلمانوں کی نمائندگی کے خلاف ووٹ دینے کے اختیارات کے متعلق طرح طرح کے قوانین کا نفاذ کیا جا رہا ہے، مسلم پریس کو ضمانت کی ضبطی کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں، اور بعض اُردو اخبار اور رسالوں کی ضمانتیں ضبط کر لی گئی ہیں۔

اب آپ ہی غور کیجیے کہ کیا یہی قومی پروگرام ہے؟ اس پروگرام سے ہندوستان کی آزادی حاصل ہو گی؟ کانگریس اتنے ہی اختیارات کے نشہ میں اتنی بدمست ہو گئی ہے کہ میں سمجھنے سے قاصر ہوں، اس حالت میں وہ مسلمانوں پر کیسے کیسے ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے گی۔ جب حکومت ہند کے مکمل اختیارات اسے عطا کر دیے جائیں گے۔ اب تک میں نے ان مظالم اور غارت گریوں کا ذکر نہیں کیا ہے، جن سے اخبارات کے مکمل کالم رنگے جا چکے ہیں۔ بہار، یوپی اور سی پی کانگریس کے جوش و غضب کے پورے شکار بنے ہوئے ہیں، ہم لوگوں نے اس سلسلہ میں جو کمیٹی مقرر کی ہے، اس کی رپورٹ غالباً مسلم لیگ کے دوسرے اجلاس کے موقع پر شائع ہو جائے گی۔

یہ عام تجربہ ہے کہ بہت سے کانگریسی اپنے کو اس ملک کا حکمران دکھلاتے ہیں، جیسا سلوک کہ برطانیہ نے ہندوستان کے ساتھ کیا ہے، اس سے بھی بدتر سلوک

وہ مسلمانوں کے ساتھ روزانہ کر رہے ہیں۔
اب میں پنجاب، بنگال اور آسام کے مسئلوں کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ان صُوبوں کی وزارت میں مسلمانوں کا کافی اقتدار ہے۔ اس لیے کانگریس کے سپہ سالار اعظم ان کی معزولی کے لیے کسی حرکت اور کارروائی سے باز نہیں آتے، بنگال میں فضل الحق کی وزارت کو شکست دینے میں انہیں سخت مایوسی ہوئی، پنجاب میں سر سکندر کی وزارت کو کمزور بنانے کے لیے انتہائی کوشش کی جا رہی ہے۔ سر سعد اللہ کی وزارت نے جیسے ہی استعفیٰ داخل کیا، ویسے ہی صدر کانگریس ہم رکابوں کے ہمراہ اپنے عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھتے ہوئے نئی کانگریسی وزارت کی پیدائش کے موقع پر اپنی حمایت کا یقین دلانے کے لیے گئے، لیکن وزارت قائم ہونے کے بعد مسٹر باردولی تین مسلم وزیروں میں سے ایک مسلم وزیر کے نام کا بھی اعلان نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ اسمبلی کو ملتوی کرانے کے لیے صدر کو جن جن طریقوں سے پھسلایا گیا وہ باعث ذلت ہے، کانگریس کے سپہ سالارِ اعظم مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرا کے مسلم لیگ کی طاقت کو کمزور بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔ اگر مسلمانوں کو اپنے عزائم اور مقاصد میں ناکامی ہوگی تو یہ مسلمانوں ہی کی دغا بازی کے باعث ہوگی۔ جیسا کہ گزشتہ زمانہ میں ہو چکا ہے۔ میں دغا بازوں کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتا، لیکن ہر انصاف پسند اور مخلص مسلمان سے میری یہ درخواست ہے کہ اپنی جماعت کی فلاح و بہبود کی غرض سے وہ متحد و متفق ہو کر لیگ کے پلیٹ فارم پر آ کر اس کے جھنڈے کے نیچے کام شروع کر دے۔

اس موقع پر میں یہ صاف طور سے بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری جنگ نہ تو ہندو جماعت کے خلاف ہے اور نہ ہندوؤں سے مجھے عداوت ہے۔
فلسطین کے المناک واقعات کے متعلق مجھے کہنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ آل انڈیا مسلم لیگ کی قرارداد کے مطابق 26 اگست کو سارے ہندوستان میں یوم فلسطین منایا گیا اور ہزاروں جلسے منعقد ہوئے جن میں ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا گیا۔ عربوں کے اوپر جو ظلم و ستم کیا جا رہا ہے، اس سے مسلمانوں کا دل پاش پاش ہو رہا ہے، اور ساری اسلامی دنیا اس وقت برطانیہ کے طرز عمل پر نظر لگائے ہوئے ہے، غیر ممالک خصوصاً فلسطین و انگلینڈ میں سرکاری وفد بھیجنے کے مسئلہ پر غور و خوض کرنے کے لیے مسلم لیگ کونسل نے ایک خاص کمیٹی مقرر کی تھی۔ جس نے آل انڈیا مسلم لیگ کی جانب سے پانچ نمائندوں کا انتخاب کیا۔ پانچ میں سے تین نمائندے مسٹر خلیق الزمان، مسٹر عبد الرحمٰن صدیقی، اور مولانا مظہر الدین ہندوستان سے روانہ ہو گئے ہیں۔
برطانیہ سے وہی بازی لے جا سکتا ہے، جس میں طاقت و قوت ہے ہندوستان کے مسلمانوں کو برطانیہ نے بھیڑیوں کے حوالے کر دیا۔''

سنگھٹی تیر

1929ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح نے چودہ نکات پیش کیے تو ہندو لیڈروں اور اخبارات نے ان پر نکتہ چینی شروع کر دی، اور مسلمانوں کو دھمکیاں دینے پر اتر آئے۔ روزنامہ الجمعیۃ نے اپنی 5 اپریل 1929ء کی اشاعت میں درج ذیل اداریہ میں ہندو اخبارات بالخصوص ''تیج'' کی اس مذموم روش پر

کڑی نکتہ چینی کی۔ الجمعیۃ نے لکھا:

''مسٹر جناح صدر مسلم لیگ نے مسلمانوں کے مطالبات کا ایک مختصر خاکہ شائع کیا ہے۔ جس میں واضح کہا گیا ہے کہ جب تک دستور سازی میں ان کو شامل نہ کیا جائے گا، مسلمانانِ ہند اپنے مستقبل سے مطمئن نہیں ہو سکتے، اور نہ وہ دوسری قوموں پر اعتبار کر سکتے ہیں۔ اس بیان پر ہندو پریس میں ہلچل مچ گئی ہے، اور ہر اخبار میں اس کے متعلق اشتعال انگیز مضامین لکھے جا رہے ہیں۔ دہلی کا اخبار تیج جو فرقہ پروری اور مسلم آزاری میں شہرہ آفاق ہے، اور جو ہر ایسے موقع کی تلاش میں رہتا ہے۔ جس کی آڑ میں وہ اپنا سنگھٹی تیر چلا سکے۔ اس نے اپنے 30 مارچ کے افتتاحیہ میں نہ یہ کہ غیر شریفانہ طور پر مسٹر جینا کے پیش کردہ مطالبات کی تردید کی ہے، بلکہ صاف صاف الفاظ میں نہرو رپورٹ کے مخالفین کو دھمکی دی ہے، اور اس امر کو واضح کر دیا ہے کہ اگر مسلمان ہمارا ساتھ نہیں دیں گے، یا کسی صورت میں ہماری مخالفت کریں گے تو ان کی تواضع ڈاکٹر مونجے کے لٹھ سے کی جائے گی، اور تشدد کے ذریعے ان کا دماغ درست کیا جائے گا، چنانچہ اخبار میں دیش گپتا صاحب فرماتے ہیں: ''اگر اس بات کا انتظار کیا جائے کہ جب مسلمان شامل ہو جائیں گے تب ہی آزادی کی لڑائی لڑی جائے گی تو قیامت تک وہ دن نہیں آئے گا، لیکن یہ ہم ضرور محسوس کرتے ہیں کہ کچھ بھی مسلمان قومی جدوجہد میں بے غرضانہ طور پر شامل نہ ہوئے، بلکہ یہ جدوجہد ہندوؤں کو ہی لڑنی پڑی تو اس کے لڑنے کا طریقہ موجودہ طریقے سے بالکل مختلف ہوگا۔ اس صورت میں جنگ کی کمان پنڈت موتی لال نہرو کے ہاتھ میں نہیں بلکہ ڈاکٹر مونجے کے ہاتھ میں دینی پڑے گی، تا کہ ہندو کو زیادہ سے زیادہ قربانی کے لیے آمادہ کیا جا سکے۔'' دیش بندھو اور ان کے رفقاء کار کو ہم مطلع کرنا چاہتے ہیں کہ یہ دھمکیاں مسلمانوں کو ان کے مطالبات سے واپسی پر مجبور نہیں کر سکتیں۔ اگر موتی لال نہرو نے قومیت کی باگ ڈاکٹر مونجے کے حوالے کی تو اس وقت دیکھا جائے گا، اور اگر ضرورت ہوئی تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں بہت سے مونجے پیدا کر دے گا، اور پھر ایک دفعہ ہندوؤں کو ان کی گذشتہ تاریخ یاد دلا دی جائے گی۔''

(روزنامہ الجمعیۃ، اشاعت 5، اپریل 1929ء)

سنگترے (بطور تحفہ)

ایک مرتبہ قائداعظم محمد علی جناح جلوس کے ساتھ بازار سے گزر رہے تھے۔ دو بچوں نے آپ کو اپنی چھت سے دیکھا اور اپنے قائداعظم کو پہچان لیا۔ وہ پوری قوت سے چلائے:

''قائداعظم، قائداعظم''

آپ نے نگاہ اٹھا کر بچوں کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ اس کے بعد دو سنگترے بچوں کی طرف سے کار میں آ کر گرے۔ قائداعظم نے نہایت عقیدت سے سنگترے اٹھائے، اور چھت پر کھڑے بچوں کی طرف دیکھ کر دوبارہ ہاتھ ہلایا۔ آپ نے ان کے تحفے کو سارے رستے ہاتھ میں رکھا۔

سُنو اے قائداعظم

چودھری عبدالخالق بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں اپنا منظوم خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

سنو اے قائداعظم

سنو اے قائداعظم تمہیں ہم یاد کرتے ہیں
بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر کہنے سے ڈرتے ہیں
ہمیں دلوائی آزادی بصیرت سے تدبر سے
ملا کرتی ہے یہ نعمت نصیبوں سے مقدر سے
یہ نعمت چھن بھی سکتی ہے، رویے جب بدلتے ہیں
سنو اے قائداعظم تمہیں ہم یاد کرتے ہیں
تمہاری پھر ضرورت ہے یہاں حالات ہیں ایسے
سمجھ میں کچھ نہیں آتا چلے گا ملک یہ کیسے؟
پریشانی کا عالم ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
سنو اے قائداعظم تمہیں ہم یاد کرتے ہیں
ملک سے جو بھی ہو مخلص ہمیں وہ راہ نما چاہیے
وطن کا درد ہو دل میں وہ مردِ با وفا چاہیے
جنہیں ہم آگے لاتے ہیں وہ نمبر دو نکلتے ہیں
سنو اے قائداعظم تمہیں ہم یاد کرتے ہیں
ملک کو رکھ دیا گروی تمہارے جانشینوں نے
بھنور کے بیچ میں چھوڑا ہمیں اپنے سفینوں نے
نیا جب دن نکلتا ہے نئی سولی پہ چڑھتے ہیں
سنو اے قائداعظم تمہیں ہم یاد کرتے ہیں
بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر کہنے سے ڈرتے ہیں

(چودھری عبدالخالق)

سنہا، ستیندر پرسن (پہلا بیرن رائے پور)

وہ بنگال کے مشہور قانون دان اور امپیریل کونسل میں لاء ممبر تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے پرزور اصرار پر وہ امپیریل کونسل میں لاء ممبر کا عہدہ عارضی طور پر قبول کرنے پر رضا مند ہوئے۔

مسٹر سنہا 1864ء میں پیدا ہوئے انہوں نے انگلستان سے 1886ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ وطن واپس آ کر کلکتہ میں وکالت کا آغاز کیا۔

1907ء میں بنگال کے جنرل ایڈووکیٹ مقرر ہوئے۔ 1908ء تا 1911ء میں انہیں وائسرائے کی انتظامی کونسل کی رکنیت حاصل رہی۔ یہ پہلے ہندوستانی تھے جنہیں یہ عہدہ ملا۔ کانگریس کے اجلاس بمبئی 1915ء کے صدر تھے۔ 1917ء کو امپیریل کانفرنس میں شرکت کی۔ 1919ء میں بیرن بنائے گئے۔ پھر نائب وزیر ہند اور بیرن کا خطاب ملا اور لارڈ سنہا آف رائے پور کے خطاب سے یاد کیے جانے لگے۔

1920ء میں صوبہ بہار واڑیسہ میں پہلے ہندوستانی کی حیثیت سے گورنر کے عہدے پر تقرری ہوئی، لیکن کامیاب نہ رہے۔

سوراج

قائداعظم محمد علی جناح نے 1923ء میں جب سنٹرل اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لینے کا اعلان کیا تو سوراج پارٹی نے فوراً ہی ان کے مقابلے پر ایک امیدوار کھڑا کر دیا، یہ کانگریس کی ہمنوا جماعت تھی اگرچہ اس کے کانگریس سے اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ تاہم انہیں دور کر لیا گیا۔

ستمبر 1923ء میں یہ جماعت قائم کی گئی۔ 1923ء کے انتخاب میں اسے خاصی کامیابی ہوئی۔ اس نے یہ مطالبہ کیا تھا:

”حکومت ایک گول میز کانفرنس منعقد کرے جو ہندوستان کا نیا دستور بنائے۔“

یہ مطالبہ منظور نہ ہوا تو سوراجیوں نے حکومت کا مالی مطالبہ رد کر دیا اور گورنر جنرل کو حکم خاص سے اسے منظور کرنا پڑا۔ سائمن کمیشن کے اعلان سے سوراج پارٹی اور اس کے پروگرام کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔

سوگ

قائداعظم محمد علی جناح کے انتقال پر سرکاری طور پر چالیس روز تک پاکستان بھر میں سوگ منایا گیا۔ اس ضمن میں جو سرکاری اعلان جاری ہوا اس کا متن درج ذیل ہے:

''قائداعظم کا ماتم چالیس دن تک منایا جائے گا۔ سوموار اور منگل کو حکومت پاکستان کے تمام دفاتر سرکاری بند رہیں گے۔ آئندہ اعلان تک سرکاری عمارات پر جھنڈے سرنگوں رکھے جائیں گے۔''

سول اینڈ ملٹری گزٹ

یہ لاہور سے شائع ہونے والا مشہور جریدہ تھا۔ اس نے 21 اپریل 1918ء کی اشاعت میں قائداعظم محمد علی جناح کی شادی کی خبر لگائی جس میں لکھا تھا:

''قائداعظم کا نکاح خالص اسلامی طریقے پر ہوا اور نکاح سے ایک دن قبل ان کی اہلیہ نے اسلام قبول کرلیا۔''

ازاں بعد اس اخبار میں قائداعظم محمد علی جناح کے بیانات شائع ہوتے رہے۔

یہ اخبار 1872ء میں شملہ سے جاری کیا گیا۔ بعد ازاں اسے 1876ء میں لاہور منتقل کر دیا گیا۔ اس اخبار کو انگریزی حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور ایک لحاظ سے یہ حکومت کا ترجمان اخبار تھا۔ 1933ء میں اس کے حصص سیٹھ ڈالمیا نے خریدے۔ قیام پاکستان کے بعد اس کا انتظام مسلمان ہاتھ میں آیا مگر اسے نقصان اٹھانا پڑا۔ بالآخر 1963ء کے بعد یہ اخبار مستقل طور پر بند کر دیا گیا۔

سول نافرمانی (صوبہ سرحد)

7 مئی 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے نئی دہلی سے صدر آل انڈیا مسلم لیگ کی حیثیت سے صوبہ سرحد میں سول نافرمانی کی تحریک جاری رکھنے کا حکم دیا، اس موقع پر انہوں نے ایک ہزار الفاظ پر مشتمل اپنا بیان جاری کیا۔

سول نامتابعت اور مسلم لیگ

کانگریس کی انفرادی سول نامتابعت پر کونسل آل انڈیا مسلم لیگ نے 23 فروری 1941ء کو دہلی میں مفصل ریزولیوشن منظور کیا جس میں اس نے یہ رائے ظاہر کی کہ نہ حکومت برطانیہ پر اس غرض سے دباؤ ڈالنے کے لیے شروع کی گئی ہے کہ حکومت برطانیہ نے آئندہ دستور کے متعلق مسلمانوں اور اقلیتوں کے معاملے میں جو روش اختیار کی ہے وہ ترک کر کے کانگریس کے مطالبات منظور کرے۔ جن سے مسلمانوں کو اس بنا پر بنیادی اختلاف ہے کہ وہ ان کے اہم مفاد کے خلاف ہیں۔ اس کی تائید میں کونسل آل انڈیا مسلم لیگ نے مسٹر گاندھی کا یہ قول ان کے اخبار ہریجن سے نقل کیا:

''جب تک مسلم لیگ سے کوئی قابل عمل سمجھوتہ نہ ہو یہی سول نامتابعت مسلم لیگ کے خلاف بھی ہو جائے گی۔''

بہرحال کانگریس نے انفرادی سول نامتابعت جاری کر دی اور بغیر مسلم لیگ سے کوئی قابل عمل سمجھوتہ کیے ہوئے۔ قائداعظم محمد علی جناح واقعی اس سے پریشان تھے اور بالخصوص انگریزوں کی اس کمزوری کی وجہ سے کہ جو ان کو زیادہ دبائے اس کے سامنے جھکتے ہیں۔ انہوں نے دہلی کے ایک جلسہ عام جو عربک کالج کے اسٹوڈنٹس یونین کے اہتمام سے ہوا تھا مندرجہ ذیل الفاظ میں اس پریشانی کا اظہار فرمایا:

''میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ کانگریس اس ملک کے لوگوں کی آزادی کے لیے جنگ کر رہی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے سول نامتابعت کیوں شروع

کی ہے اور برطانوی بھی جانتے ہیں۔ یہ برطانیہ کو اس پر مجبور کرنے کے لیے ہے کہ وہ کانگریس کو ہندوستانیوں کی واحد نمائندہ اور مختار انجمن تسلیم کرے۔ کانگریس کہتی ہے کہ آؤ ہم سے معاملہ کرو۔ ہم تمہارے دوست ہیں۔ ہم سے شرائط طے کرو مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو نظرانداز کرو، اس وجہ سے یہ ہمارے لیے ممکن نہیں ہے کہ اس تحریک کو اطمینان کی نظر سے دیکھیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس کو سخت پریشانی کی نظر سے دیکھیں۔ میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ مہربانی کر کے اس خطرناک صورت حال میں مبتلا نہ ہوں جس کی تمام ذمہ داری کانگریس پر ہے، لیکن اگر کسی وقت ہم نے یہ دیکھا کہ ہمارے مفاد خطرے میں ہیں تو پھر ہم تماشائی نہیں رہ سکتے۔ ہم بھی اپنا کام کریں گے اور اگر ضرورت ہوئی تو مداخلت بھی، یہ خیال میں رہے۔''

اس کے بعد نومبر 1940ء میں مسلم اسٹوڈنٹس کانفرنس منعقدہ دہلی میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کے خلاف ڈاکٹر مونجے اور ساورکر کے بیانات کا ذکر کیا۔ مسٹر ساورکر نے کہا تھا:

''مسلمان ہندوستان میں ایسے ہیں جیسے جرمنی میں یہودی تھے اور ان کے ساتھ وہی برتاؤ ہونا چاہیے۔''

ہندوؤں اور کانگریس کی روش کی تشریح کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے یہ صاف اعلان کیا:

''ہندوؤں کو چاہئے کہ اپنا ہندو راج کا خواب چھوڑ دیں اور اس پر رضامند ہوں کہ ہندوستان کو ہندوستان کو قومی وطن اور مسلم قومی وطن میں تقسیم کر دیا جائے۔ آج ہم اس کے لیے تیار ہیں کہ ایک چوتھائی ہندوستان لے لیں اور تین چوتھائی ان کے لیے چھوڑ دیں۔ اگر وہ سودا اور حجتیں کرتے رہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ یہ تین چوتھائی بھی نہ لے سکیں۔ آج پاکستان ہمارا نصب العین ہے۔ جس کے لیے مسلم ہندوستان جئے گا اور اگر ضرورت ہوئی تو جان دے گا۔ یہ سودا کرنے کے لیے پیش نہیں کیا گیا ہے۔''

اس نومبر کی 19 تاریخ کو قائداعظم محمد علی جناح نے لیجسلیٹو اسمبلی میں تقریر کی جس میں انہوں نے مسلمانوں کی طرف سے جداگانہ انتخاب اور بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کے مطالبات کو ان کے جداگانہ قوم ہونے کی حقیقت کے ثبوت میں پیش کیا۔ دوست اور دشمن سب ان کے دل آویز دل نشیں طرزِ استدلال پر متحیر رہ گئے۔

لاہور کے اجلاس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے مختلف مواقع پر چھ بیانات دیے اور نو تقریریں کیں جو ایسی سلجھی ہوئی، واضح اور پرزور تھیں کہ قیام پاکستان کے قیام میں کسی شبے کی گنجائش باقی نہ رہی اور اس دوران میں ہندو انجمنوں، پارٹیوں، اور لیڈروں کی طرف سے پاکستان کو الجھن میں ڈالنے اور اس کو اہمیت کے مقام سے ہٹانے کے لیے جتنی تدبیریں کی گئیں ان کو مدلل اور برملا بیان کر کے اس کی اہمیت انہوں نے سوگنا زیادہ بڑھا دی۔ انہوں نے ہندوؤں کے طاقتور اخبارات اور انجمنوں کے پروپیگنڈہ کا ہندوستان کے اندر اور باہر تنہا مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے۔ انہوں نے کانگریس کے لیڈروں کی سازشوں، ریشہ دوانیوں اور حیلہ سازیوں کو ایسا کھول کر بیان کیا کہ مسلمان بچے تک ان پر ہنسنے لگے، اور اب مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کا زمانہ آ گیا جو 12، 13، 14 اور 15 اپریل 1941ء کو مدراس میں منعقد ہونے والا تھا۔

سوم جی

1943ء میں قائداعظم محمد علی جناح پر جب قاتلانہ حملہ ہوا تو

مقدمہ بمبئی ہائی کورٹ میں پیش ہوا۔ سوم جی قائداعظم محمد علی جناح کے مقدمے میں سرکاری وکیل تھے۔

سوئٹزرلینڈ

قائداعظم محمد علی جناح نے 10 مارچ 1948ء کو سوئٹزرلینڈ کے اخبار نویس مسٹر ڈی ایرک سنیف کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''اگر ہندوستان برتری کے احساس کو ختم کر دے۔ پاکستان سے برابری کا سلوک کرے اور اختلافات کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش کرے تو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ضروری مسائل پر سمجھوتہ ہوسکتا ہے۔''

سی آر فارمولا

اس فارمولے کو راج گوپال اچاریہ کا فارمولا بھی کہا جاتا ہے۔

8 اپریل 1944ء کو مدراس کے سابق کانگریسی وزیر اعلیٰ، مسٹر سی راج گوپال اچاریہ نے کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے مابین سیاسی تصفیہ کی غرض سے ایک فارمولے کا مسودہ پیش کیا۔ اس فارمولے میں کہا تھا:

''مسلم لیگ کو کانگریس کے ساتھ ہندوستان کے حصول آزادی کی کوششوں میں تعاون کرنا چاہیے۔''

اس میں یہ بات تھی کہ جنگ ختم ہوتے ہی ایک مشن قائم کیا جانا چاہئے جو مسلم اکثریت والے علاقوں کی نشاندہی کرے گا۔ ان علاقوں کے لوگ فیصلہ کریں گے کہ آیا وہ علیحدہ مملکت کا قیام چاہتے ہیں کہ نہیں۔ لوگوں کی رائے معلوم کرنے کے لیے ایک ریفرنڈم کا انتظام کیا جائے گا، اور سیاسی جماعتوں کو اپنے اپنے نقطہ نظر کے پرچار کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ تقسیم کی صورت میں دفاع، مالیات، مواصلات جیسے معاملات کے بارے میں معاہدے کیے جائیں گے۔ فارمولے میں بتایا گیا تھا کہ آبادی کی نقل مکانی رضا کارانہ بنیاد پر ہوگی۔

9 ستمبر 1944ء کو اس فارمولے پر مذاکرات کرنے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح اور گاندھی کے مابین ملاقات ہوئی، لیکن یہ کانفرنس ناکام ہوگئی۔

سیاست ہند کا اہم واقعہ

ہفتہ وار پیسہ اخبار لاہور نے اپنی 22 مارچ 1934ء کی اشاعت میں درج ذیل اداریہ قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق لکھا:

''مسٹر سیتا رام مورتی نے دہلی سے ایک بیان شائع کیا ہے۔ جس میں مسٹر محمد علی جناح کے (مسلم لیگ کا) صدر منتخب ہونے پر اظہارِ مسرت کیا گیا ہے، اور ان کے انتخاب کو سیاسیاتِ ہند میں ایک اہم واقعہ ظاہر کیا گیا ہے۔ نیز اعلان کیا گیا ہے کہ ہندوستانی اقوام کے اتحاد، اشتراکِ عمل کے متعلق مسٹر جناح نے جو اپیل شائع کی ہے، وہ بڑی قابلِ قدر اور مقدس مواد پر مبنی ہے، تمام ملک کو مسٹر جناح کی اپیل کی پرجوش تائید کرنی چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ باہمی تعاون اور اشتراکِ عمل کے مقدس مقصد میں تمام ہندوستان ان کے ساتھ شامل ہوگا۔ ان کی بلند پایہ شخصیت سے امید ہے کہ ہندوستان فرقہ پرستی کی لعنت سے پاک ہو جائے گا، اور آزادی کی شاہراہ پر گامزن ہوکر کامیابی کی دیوی سے ہم آغوش ہوگا۔ خدا کرے کہ سیتا رام کی اپیل کو ان کی قوم گوش دل سے سنے اور اس پر نیک نیتی سے عمل پیرا ہو۔''

سیاسی پیشین گوئی

(دیکھئے: آزادی کا راستہ)

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی سٹیٹ بنک کا افتتاح کیلئے جاتے ہوئے ایک یادگار تصویر۔ یکم جولائی 1948ء

سیاسی حل

''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک شروع کرنے پر کانگریسی رہنما گرفتار کر لیے گئے۔ اس پر ہندوؤں نے ملک بھر میں پرزور اور پرتشدد تحریک چلائی جس میں ہزاروں ہندو مارے گئے یا زخمی ہوئے، لیکن چند مہینوں کے بعد یہ تحریک دب گئی۔ کانگریسی رہنماؤں کی قید کے دوران بھی، مسلمانوں کو منظم کرنے کے لیے مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ مسلم لیگ کے سالانہ جلسے بھی باقاعدگی سے ہوتے رہے، چنانچہ 24-26 اپریل 1943ء کو دہلی میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس کی صدارت کی اور اپنے صدارتی خطبے میں دو اہم امور پر روشنی ڈالی:

''اول: انہوں نے غیر ملکیوں کو بڑے سلیقے سے قیام پاکستان کی ضرورت کا احساس دلایا۔ انہوں نے کہا:

''انگریزوں کی آبادی ساڑھے تین کروڑ ہے جبکہ جرمنوں کی آبادی آٹھ کروڑ۔ کیا انگریز اس بات پر رضامند ہو جائیں گے کہ جرمنوں کے ساتھ مل کر ایک متحدہ حکومت بنا لیں۔ آخر انگریزوں اور جرمنوں میں فرق ہی کیا ہے۔ دونوں ایک ہی اینگلو سیکسن نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ دونوں کا ایک ہی مذہب عیسائیت ہے۔ ان کے رہنے سہنے کے طریقے اور لباس میں بھی کوئی فرق نہیں۔ ان کا کیلنڈر بھی ایک ہے۔ ان کی زبان، قانون اور ثقافت میں بھی کوئی زیادہ فرق نہیں۔ ان کے فن تعمیر، آرٹ، موسیقی اور تمدن میں بھی کوئی فرق نہیں۔ پھر اس (متحدہ حکومت) کے بارے میں ایک انگریز کا رویہ کیا ہوگا؟ اسی طرح کیا کینیڈا، امریکہ کا ایک صوبہ بننا گوارا کرے گا؟ امریکہ، یورپ اور ایشیا جغرافیائی لحاظ سے ایک ایک یونٹ ہیں۔ کیا ان براعظموں کے ممالک ایک وفاق کی حکومت تسلیم کریں گے؟''

دوم: انہوں نے پاکستان کے نظام حکومت کے تقاضوں کے بارے میں کہا:

''اس موقع پر میں بڑے بڑے زمینداروں اور سرمایہ داروں کو، جنہوں نے ایک خود غرضانہ اور قبیح نظام کے ذریعے ہمارے لوگوں کا استحصال کر کے اپنی تجوریوں کو بھرا ہے، تنبیہ کرنا چاہوں گا...... عوام کا استحصال ان کے خون میں سرایت کر چکا ہے۔ وہ اسلامی تعلیمات کو فراموش کر چکے ہیں۔ لالچ اور خود غرضی کی وجہ سے اپنے آپ کو مزید امیر بنانے کے لیے انہوں نے دوسروں کے مفادات کو قربان کر دیا ہے...... آپ کہیں بھی دیہات میں چلے جائیں، ہمارے کروڑوں بھائیوں کو دن میں بمشکل ایک وقت کھانا نصیب ہوتا ہے۔ کیا یہ تہذیب ہے؟ کیا یہی پاکستان کا مقصد ہے؟ اگر پاکستان کا یہی مقصد ہے تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا۔ اگر ان لوگوں میں عقل ہے تو انہیں اپنے آپ کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلنا ہوگا۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو ہم ان کی مدد نہیں کریں گے۔''

اس طرح قائداعظم محمد علی جناح نے صاف صاف کہہ دیا:

''پاکستان میں سرمایہ داروں اور زمینداروں کو عوام کے استحصال کی اجازت نہیں دی جائے گی۔''

اسی خطبہ میں قائداعظم محمد علی جناح نے ایک سیاسی پیشین گوئی بھی کی۔ انہوں نے کہا:

''میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسا میری زندگی میں ہوگا یا نہیں، لیکن عوام کی جلد از جلد آزادی پاکستان کا مطالبہ تسلیم کر لینے ہی سے حاصل ہوگی۔''

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان ان کی زندگی ہی میں

قائم ہوگیا۔

20 اکتوبر 1943ء کو لارڈ ویول نے ہندوستان کے وائسرائے کا عہدہ سنبھال لیا۔

فروری 1944ء میں گاندھی کی بیوی کے انتقال کے بعد ان کی صحت بہت خراب ہوگئی تھی۔ لارڈ ویول کا یہ خیال تھا کہ اگر گاندھی قید میں مر گئے تو حکومت کے لیے بہت سی مشکلات پیدا ہوں گی۔ ہندوستانیوں کے علاوہ انگریز ڈاکٹروں کی بھی یہی رائے تھی کہ گاندھی کی صحت اتنی خراب ہو چکی ہے کہ اب ان کے سیاست میں دوبارہ سرگرمی سے حصہ لینے کا کوئی امکان نہیں۔ اس یقین دہانی پر وزیراعظم برطانیہ ونسٹن چرچل بھی گاندھی کی رہائی کے لیے تیار ہوگئے۔ چنانچہ تقریباً دوسال کی قید کے بعد 5 مئی 1944ء کو گاندھی غیر مشروط طور پر رہا کر دیے گئے لیکن رہائی کے بعد ان کی صحت تیزی سے بہتر ہونا شروع ہوگئی۔ اس پر وزیرِ ہند ایمری نے 11 مئی 1944ء کو لارڈ ویول کو ایک خط میں بائرن کا یہ فقرہ یاد دلایا:

''میری ساس خطرناک طور پر بیمار رہی ہے۔ اب وہ خطرناک حد تک صحت یاب ہوگئی ہے۔''

چرچل کو جب گاندھی کی صحت یابی کا پتہ چلا تو وہ برہمی سے کہنے لگے:

''یہ برہنہ فقیر چالاکی میں مجھے مات دے گیا ہے۔''

5 جولائی کو ونسٹن چرچل نے لارڈ ویول کو ایک تار بھی بھیجا کہ گاندھی ابھی تک کیوں نہیں مرا!

جب مارچ 1942ء میں کرپس ہندوستان آئے تھے تو انہوں نے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کی تشکیل نو کی پیش کش کی، لیکن کانگریس کا مطالبہ یہ تھا کہ ایک قومی حکومت فوری طور پر قائم کی جائے، اور وائسرائے اس کا صرف آئینی سربراہ ہو، البتہ فوجی امور کے سلسلے میں اختیارات وائسرائے اور کمانڈر انچیف کے پاس ہوں۔ ادھر جنگ میں برطانیہ کی ناگفتہ بہ حالت دیکھتے ہوئے گاندھی نے جنگ میں برطانیہ کی حمایت سے اس بہانے انکار کر دیا تھا کہ اگرچہ ہندوستان کے لیے آزادی اہم ہے لیکن عدم تشدد اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ جب 1944ء میں خرابیِ صحت کی بناء پر گاندھی کو آغا خاں محل پونا سے غیر مشروط طور پر رہا کیا گیا تو اتحادیوں کی فتح کے آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ اس وقت گاندھی 1942ء والی بات بھول گئے اور انہوں نے کہا:

''اگر ہندوستان کو فوری طور پر آزادی دے دی جائے اور وائسرائے کی آئینی سربراہی میں قومی حکومت بنا دی جائے تو ہندوستان جنگ میں برطانیہ سے تعاون کرے گا۔''

حالات کو دیکھ کر عدم تشدد کا فلسفہ ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ کرپس نے پہلا مطالبہ اس وقت مسترد کر دیا تھا جب انگلستان اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا تھا۔ دوسرا مطالبہ لارڈ ویول نے اس وقت مسترد کر دیا جب فتح قریب پہنچ چکی تھی۔

گاندھی کی رہائی پر ہندوستان کے مسائل کا سیاسی حل تلاش کرنے کے لیے ایک بار پھر کوششیں شروع ہوگئیں، لیکن مقامی سطح پر۔ سب سے پہلے چکرورتی راج گوپال اچاریہ (راجہ جی) نے قدم اٹھایا۔ وہ گاندھی کے سمدھی تھے۔ برہمنوں نے ایک مدت تک انہیں ہدف تنقید بنائے رکھا کہ اپنی بیٹی کی شادی ایک ویش سے کر دی۔ وہ انگریزی کے ایک زبردست خطیب، ایک صاف گو سیاست دان اور تاریخ کے عالم تھے۔ کرپس مشن اور ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کی ناکامی کے بعد ان کا خیال تھا کہ اب مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کو مان لینا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے مدراس اسمبلی کی کانگریس پارٹی سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو یہ سفارش کروائی:

''وہ مسلم لیگ کا علیٰحدگی کا مطالبہ تسلیم کرلے۔''

انہوں نے 10 جولائی 1944ء کو ایک فارمولا شائع کیا جو

ان کے نام کے ابتدائی حروف کی رعایت سے سی-آر فارمولا کہلایا۔ یہ فارمولا وہ قائداعظم محمد علی جناح کو پہلے ہی دے آئے تھے۔ راجہ جی نے کہا:

''اگر جناح اس فارمولے سے متفق ہوں تو گاندھی جی بھی اسے قبول کرلیں گے۔''

اس فارمولے کے مطابق:

❶ سب سے پہلے کانگریس اور مسلم لیگ ہندوستان کی مکمل آزادی کا مطالبہ کریں اور جنگ کے دوران ایک عارضی حکومت بنانے کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کریں۔

❷ ایک کمیشن شمال مغربی اور شمال مشرقی ہندوستان میں ان ضلعوں کی نشان دہی کرے جہاں مسلمان قطعی اکثریت میں ہیں، پھر ان علاقوں میں یہ معلوم کرنے کے لیے رائے شماری کرائی جائے کہ آیا ان علاقوں کے باشندے ہندوستان سے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں۔ اگر اکثریت اس کے حق میں ہوتو پھر اس پر عمل درآمد ہو۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ان علاقوں کے مسلمانوں کے مستقبل کا فیصلہ صرف مسلمان نہیں بلکہ ہندو اور مسلمان مل کر کریں گے۔

❸ علیحدگی کی صورت میں دفاع، تجارت اور مواصلات کے لیے مشترکہ معاہدے ہوں گے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس فارمولا پر کوئی تبصرہ کرنے سے انکار کردیا اور کہا:

''میں اسے مسلم لیگ کے سامنے پیش کروں گا۔''

وہ یہ سمجھتے تھے کہ راجگوپال اچاریہ سے مذاکرات میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جب تک گاندھی کسی بات کی حامی نہ بھریں گے، کانگریس اور ہندو قوم کے لیے وہ قابل قبول نہ ہوگی۔ چنانچہ وہ اس انتظار میں تھے کہ گاندھی ان سے خود رابطہ کریں۔

17 جولائی 1944ء کو گاندھی نے قائداعظم محمد علی جناح کو گجراتی زبان میں ایک خط لکھا:

''ہماری ملاقات ہونی چاہئے۔ مجھے اسلام اور اس ملک کے مسلمانوں کا دشمن خیال نہ کریں۔ میں صرف آپ ہی کا نہیں بلکہ ساری دنیا کا دوست اور خادم ہوں، مجھے مایوس نہ کیجیے گا۔''

گویا گاندھی کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ مسلمان انہیں اسلام اور مسلمانوں کا دشمن سمجھ رہے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح اس وقت سرینگر میں تھے۔ یہ ٹھہرا کہ ان کی واپسی پر ملاقات ہو۔ چنانچہ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کی اجازت سے اس فارمولے پر غور کرنے کے لیے 9 ستمبر 1944ء کو جناح، گاندھی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا جو 18 دن تک جاری رہنے کے بعد ناکام ہوگیا۔ گاندھی کا قائداعظم محمد علی جناح سے بات چیت کرنا اس بات کا اعتراف تھا کہ وہ انہیں مسلمانوں کا مسلمہ رہنما مانتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں میں قائداعظم محمد علی جناح کے وقار میں مزید اضافہ ہوا۔ اسی بنیاد پر گاندھی کی قائداعظم محمد علی جناح سے گفتگو کو کانگریسی لیڈروں نے تنقید کا نشانہ بنایا اور اسے غیر مناسب قرار دیا۔

اس گفت و شنید کے دوران قائداعظم محمد علی جناح اور گاندھی میں خط و کتابت بھی ہوتی رہی۔ چنانچہ 17 ستمبر کو اپنے ایک خط میں قائداعظم محمد علی جناح نے گاندھی کو لکھا:

''میرا فرض ہے کہ آج آپ کے سامنے قرارداد لاہور کی تشریح کروں، اور آپ کو اسے منظور کر لینے کی ترغیب دوں، میں نے بہت سے غیر مسلم ہندوستانیوں کا مسلک تبدیل کیا ہے، اور بہت سے غیر ملکیوں کا بھی۔ اگر میں آپ کا مسلک تبدیل کرسکوں تو ہندوستان کے ہندوؤں پر آپ کے بے تحاشا اثر و رسوخ کی وجہ سے میرے لیے یہ بہت مفید ثابت ہوگا۔''

اس خط میں قائداعظم محمد علی جناح نے لکھا:

''ہندو اور مسلمان کسی بھی معیار کے مطابق دو بڑی قومیں ہیں۔ ہم دس کروڑ افراد کی ایک قوم ہیں۔ ہماری اپنی امتیازی ثقافت اور تہذیب ہے، زبان اور لٹریچر ہے، آرٹ اور فن تعمیر ہے، نام اور نام رکھنے کا طریقہ ہے۔ قدر اور تناسب کا احساس ہے، قوانین اور اخلاقی ضابطے، رواج اور کیلنڈر ہیں تاریخ اور روایات ہیں، بین الاقوامی قانون کے عام ضابطوں کے مطابق ہم ایک قوم ہیں۔''

اس گفت وشنید میں گاندھی کے رویہ کا اندازہ قائداعظم محمد علی جناح کے اس خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے 25 ستمبر 1944ء کو یعنی ملاقاتوں کے آخری ایام میں گاندھی کو لکھا۔ قائداعظم محمد علی جناح لکھتے ہیں:

''آپ پہلے ہی قرارداد لاہور کے بنیادی اصولوں کو مسترد کر چکے ہیں۔ آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک قوم ہیں۔ آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسلمانوں کو حق خود اختیاری ہے اور وہی اسے استعمال کر سکتے ہیں۔ آپ یہ نہیں مانتے کہ پاکستان دو خطوں اور چھ صوبوں پر مشتمل ہے۔ آپ سے خط و کتابت اور بحث کے بعد میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ انڈیا کی پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کی آواز صرف آپ کے لبوں پر ہے، یہ آپ کے دل کی آواز نہیں۔''

گاندھی کے اس رویے سے ناکامی اس بات چیت کا مقدر بن گئی۔

کمار بند پادھیا لکھتے ہیں:

بات چیت کی ناکامی کی وجوہات یہ تھیں:

1. جناح کا خیال تھا کہ اس سے پنجاب اور بنگال تقسیم ہو جائیں گے۔
2. گاندھی پاکستان کے لیے مکمل آزادی قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔
3. اس فارمولے کے مطابق تقسیم کا فیصلہ اس علاقے کے سب باشندے مل کر ریفرنڈم کے ذریعے کرتے۔ قائداعظم اس کے لیے بالکل تیار نہ تھے کہ مسلمانوں کے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں غیر مسلم بھی شریک ہوں۔

29 ستمبر 1944ء کو لارڈ ویول نے اپنی ڈائری میں لکھا:

''مجھے (اس گفت وشنید سے) بہتر نتیجے کی توقع تھی، اس سے ایک لیڈر کے طور پر گاندھی کی شہرت کو شدید دھچکا لگا ہے۔ جناح کا کام بہت آسان تھا۔ انہیں گاندھی سے صرف یہ کہتے رہنا تھا کہ تم بکواس کر رہے ہو اور یہ بات ٹھیک بھی تھی لیکن انہوں نے یہ بات گستاخانہ انداز میں کی، میرے خیال میں اس سے اپنے پیروکاروں میں جناح کی عزت تو شاید بڑھ گئی ہو لیکن اس سے معقول آدمیوں کے درمیان ان کی شہرت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔''

ویول اور دیگر انگریز حکمرانوں کی نظر میں معقول آدمی وہ ہے جو ان ہی کے دماغ سے سوچے اور اس پر عمل کرے۔ ان کی معقولیت کی ڈکشنری میں آزادانہ فکر وعمل کی کوئی گنجائش نہیں!

مذاکرات کی ناکامی کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے 4 اکتوبر 1944ء کو ایک پریس کانفرنس میں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی۔ ایک اخباری نمائندہ نے ان سے پوچھا:

''کیا مستقبل قریب میں گاندھی جی سے آپ کی ملاقات کا کوئی امکان ہے؟''

قائداعظم نے مزاحاً کہا:

''مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ اس کا انحصار ان کے دل کی آواز پر ہے، چونکہ میری وہاں تک رسائی نہیں، اس

لیے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

حقیقت یہ ہے کہ گاندھی کی نیت معاملات کو طے کرنے کی تھی ہی نہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح سے گفت و شنید کے دوران ہی انہوں نے راجگو پال اچاریہ سے کہا:

''اس بات چیت سے میرا اصل مقصد جناح کے اپنے منہ سے یہ کہلوانا ہے کہ پاکستان کا تصور لغو ہے۔''

معلوم ہوتا ہے گاندھی کو قائداعظم محمد علی جناح کی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ نہ تھا۔ اس لیے ان کی تمام تدابیر غیر موثر رہیں۔

جنوری 1945ء کے آخر میں ہندوستان کے تقریباً ایک مہینے کے دورے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نڈھال ہو گئے۔ انہیں پھیپھڑوں کی جھلی پر ورم کی شکایت تھی۔ ڈاکٹروں نے انہیں سختی سے ہدایت کی کہ وہ آرام کریں۔ چنانچہ فروری اور مارچ کے مہینوں میں انہوں نے اپنی تمام مصروفیات منسوخ کر دیں۔ وہ نہ کسی سے ملتے تھے اور نہ ہی ٹیلیفون سنتے تھے۔ ان ہی دنوں مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری اور مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے ڈپٹی لیڈر لیاقت علی خاں اور مرکزی اسمبلی کانگریس پارٹی کے لیڈر بھولا بھائی ڈیسائی میں ہندوستان کی سیاسی صورت حال پر بات چیت ہوئی۔ ان دنوں گاندھی کے علاوہ کانگریس کے تمام رہنما قید تھے۔ ڈیسائی بات چیت سے پہلے گاندھی کی رہنمائی حاصل کرنے ان کے پاس گئے، اور انہیں ساری بات بتائی۔ یہ پیر کا دن تھا اور گاندھی ہر پیر کو چپ کا روزہ (مون برت) رکھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے گجراتی میں اپنا جواب لکھ کر ڈیسائی کو دے دیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ اپنا کام جاری رکھیں اور ضروری تفصیلات کی رپورٹ دیتے رہیں۔ اس اجازت کے بعد لیاقت ڈیسائی بات چیت کا آغاز ہوا اور دونوں حضرات اس نتیجے پر پہنچے:

❶ متحدہ ہندوستان میں مرکزی عبوری حکومت بنے جس میں کانگریس اور مسلم لیگ میں سے ہر ایک کو 40 فیصد نمائندگی ملے۔ بقایا 20 فیصدی سیٹیں سکھوں اور اچھوتوں کو ملیں۔ کمانڈر انچیف بھی حکومت میں شامل ہو۔ وائسرائے اور کمانڈر انچیف انگریز ہی ہوں۔ حکومت بنتے ہی کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ارکان کو رہا کر دیا جائے۔

❷ حکومت گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے تحت کام کرے۔

❸ صوبوں سے گورنر راج ختم کر کے مخلوط وزارتیں قائم کی جائیں۔

اس طرح اس بات چیت میں مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان برابری یا پیریٹی کا اصول تسلیم کر لیا گیا، لیکن مسلم لیگ کے نقطہ نظر سے اس میں دو خامیاں تھیں:

① مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔

② مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے کسی اقدام کا ذکر نہیں تھا۔

ڈیسائی نے بات چیت کا آغاز گاندھی کی اشیرباد حاصل کرنے کے بعد کیا تھا، اور گفت و شنید کے دوران گاندھی سے مسلسل رابطہ رکھا تھا، لیکن جب 1945ء میں احمد نگر جیل سے رہائی کے بعد کانگریسی رہنماؤں خاص طور پر سردار پٹیل نے ان پر سخت تنقید کی تو گاندھی نے ڈیسائی کا کوئی دفاع نہ کیا۔ ان پر مسلم لیگ سے سازش کا الزام لگایا گیا، اور 46-1945ء کے انتخابات میں انہیں کانگریس کا ٹکٹ بھی نہیں دیا گیا۔ پبلک میں اس رسوائی پر وہ سخت پریشان اور آزردہ ہوئے۔ ان پر دل کا سخت دورہ پڑا اور جلد ہی وہ انتقال کر گئے۔

ادھر قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بیان میں کہا:

''مجھے یا مسلم لیگ کو اس سمجھوتے کا کوئی علم نہیں اور ہم اس کے پابند نہیں۔''

18 ستمبر 1945ء کو لیاقت علی خاں نے بھی ایک بیان میں

کہا:

''ڈیسائی کو بخوبی علم ہے کہ کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا بلکہ صرف چند تجاویز ہیں جو مذاکرات کی بنیاد سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ میں نے مسٹر ڈیسائی کو واضح طور پر بتا دیا تھا کہ یہ میرے ذاتی خیالات ہیں اور یہ کہ میں نے اس سلسلے میں مسٹر جناح سے کوئی مشورہ نہیں کیا۔''

اس طرح کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے ان تجاویز کو مسترد کر دیا۔

جن دنوں ڈیسائی اور لیاقت، ہندو مسلم مسئلے کا حل تلاش کر رہے تھے، انہی دنوں اسی سلسلے میں سر تیج بہادر سپرو نے چند ممتاز افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی۔ اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں کہا:

''ہم مطالبہ پاکستان کو مسترد کرتے ہیں لیکن آزاد اور متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کے اپنے مستقبل کے بارے میں خدشات درست ہیں۔ اس لیے ہندوستان کے اتحاد کو برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں کو آئینی تحفظات مہیا کرنے ضروری ہیں۔''

چنانچہ سپرو کمیٹی نے تجویز کیا:

1. دستور ساز اسمبلی اور مرکزی قانون ساز اسمبلی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو مساوی نمائندگی دی جائے۔ اچھوتوں کے لیے علیحدہ نمائندگی ہو۔
2. انتخابات مخلوط بنیادوں پر ہوں نہ کہ جداگانہ طرز پر۔

مسلم لیگ نے ان تجاویز کو رد کر دیا کیونکہ اس میں مطالبہ پاکستان کو صاف مسترد کر دیا گیا تھا۔ کانگریس نے بھی اس رپورٹ کو مسترد کر دیا کیونکہ اس میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان پیریٹی (مساوات) کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔

اس طرح مقامی سطح پر سیاسی حل کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں کیونکہ گاندھی، کانگریس اور سپرو کمیٹی مطالبہ پاکستان تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ گاندھی ہندوؤں پر اپنے تمام اثر و رسوخ کے باوجود کوئی ذمہ داری لینے سے اجتناب برت رہے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے بارے میں ان کا مسلک تبدیل کرنے کی پوری سعی کی لیکن کامیاب نہ ہوئے کیونکہ گاندھی سیاسی حل کے لیے نہیں بلکہ خود اپنے بیان کے مطابق جناح کی زبان سے مطالبہ پاکستان کو لغو قرار دلوانے کے لیے ان سے ملاقات کرنے گئے تھے، البتہ ہندوستان کے تمام لوگوں اور حکومت برطانیہ پر اب یہ واضح ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کو نظرانداز کر کے ہندوستانی مسئلے کا کوئی حل ممکن نہیں۔

(قائداعظم محمد علی جناح، از: محمد سلیم، مطبوعہ قومی پبلشرز، لاہور)

سیاسی چالیں

دہلی میں مرکزی اسمبلی کے جلسے ہو رہے تھے۔ سر محمد یعقوب جو اسمبلی کے نائب صدر تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں چند دوستوں کو دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا۔ اس دعوت میں سر عبدالقادر بھی موجود تھے۔ وہاں اثنائے گفتگو قائداعظم محمد علی جناح نے قدرے دکھی ہوئی آواز میں سر عبدالقادر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''سیاسیات کی چالیں شطرنج کی چالوں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ میری قوم نے ایک طرف تو یہ کام میرے سپرد کیا ہے کہ میں ان کی جانب سے بطور ایک سیاسی شاطر کے بساط شطرنج بچھاؤں اور چالیں چلوں اور دوسری طرف میری قوم اصرار کرتی ہے کہ میں ساتھ ہی بتاتا چلوں کی یہ چال کیوں چلی گئی؟''

پھر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''تم ہی بتاؤ کھیل اس طرح کھیلا جاتا ہے؟''

سر عبدالقادر نے جواب دیا:

''نہیں۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''قوم سے کہہ دیجئے اگر انہیں اپنے شاطر پر بھروسہ ہے تو مجھے چال چلنے دیں، اور مجھ سے ہر چال کا سبب نہ پوچھیں ورنہ کوئی اور شاطر ڈھونڈھ لیں۔''

سیاسی خلفشار

قائداعظم محمد علی جناح نے 12 اگست 1942ء کو قوم کے نام پیغام میں کہا:

''ہم کسی ایسے نظام کو قبول نہیں کر سکتے، جس کا مطالبہ ہندوؤں کی آزادی، ہندو راج کا قیام اور مسلمانوں کی غلامی ہو، یعنی مسلم ہندوستان کی برطانوی راج سے ہندو راج کی طرف منتقلی ہو؟ کانگریس جو تمام باشندگان ہند کی آزادی میں حائل ہے، وہ سارے خلفشار کی ذمہ دار ہے۔ اس کی خواہش یہ ہے کہ یا تو سب کچھ اسے ملے یا کسی کو بھی کچھ نہ ملے، یہ ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔''

سیاسی دماغ

1939ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے عریبک کالج دہلی میں فرمایا:

''تمام دشواریوں کے باوجود مجھے یقین ہے کہ مسلمان کسی دوسرے فرقے کی نسبت بہتر سیاسی دماغ رکھتے ہیں۔ سیاسی شعور مسلمانوں کے خون میں ملا ہوا، ان لوگوں کی رگوں اور شریانوں میں دوڑ رہا ہے، اور اسلام کی باقی ماندہ عظمت ان کے دلوں میں دھڑک رہی ہے۔''

(مزید دیکھئے: مسلمان)

سیاسی ڈرون حملہ

(دیکھئے: برطانوی شہریت)

سیاسی رشوت

(دیکھئے: لندن میں قیام)

سیاسی زندگی کا آغاز

(دیکھئے: آغاز سیاست)

سیاسی زندگی کا آغاز (1906ء-1918ء)

بیرسٹری کی سند حاصل کرنے کے بعد محمد علی جناح ہندوستان واپس آئے تو سب سے پہلے انہوں نے پوری توجہ اپنے آپ کو مالی طور پر مستحکم کرنے پر دی۔ اس کے بعد سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ انہوں نے پہلی دفعہ 1906ء میں کانگریس کے اجلاس میں شرکت کی، اور اسی اجلاس میں سیاسی پلیٹ فارم سے اپنی پہلی تقریر بھی کی۔ معروف قوم پرست سیاسی پارٹی رہنما دادا بھائی نورو جی (dadabhoy Naoroji) نے اس اجلاس کی صدارت کی۔ جناح ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ وہ ان کے علاوہ اس وقت کے مشہور کانگریسی راہنما گوپال کرشن گوکھلے (Gopal Krishna Gokhale) کے بھی بہت معترف تھے، اور انہیں عظیم ہندو اور ذہانت کا مینار کہتے تھے۔ ان مدبروں سے جناح نے یہ سیکھا کہ سیاست کے میدان میں اپنے ضمیر اور کردار کو آلائشوں سے پاک رکھا جائے، اور خواہ کتنے ہی مشکل اور صبر آزما حالات کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے اصولوں پر کوئی سودے بازی نہ کی جائے۔ دراصل اس وقت تک ابھی لبرل اور اعتدال پسند رہنما کانگریس میں حاوی تھے، اور جناح یہ یقین رکھتے تھے کہ کانگریس کے ذریعے ہندو مسلم اتحاد حاصل کر کے آزادی

حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس لیے انہوں نے کسی مسلم جماعت کے قیام میں دلچسپی نہیں لی۔

یکم اکتوبر 1906ء کو آغا خاں کی سربراہی میں مسلمانوں کا ایک وفد شملہ میں وائسرائے ہند لارڈ منٹو (Minto) سے ملا اور اپیل کی کہ ہندوستان کے مختلف اداروں میں مسلمانوں کو علیحدہ نمائندگی دی جائے۔ منٹو نے ان سے اتفاق کیا۔ اسی سال مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا، اور اس کا پہلا اجلاس دسمبر 1906ء میں ہوا۔ اکتوبر 1908ء میں حکومت ہند نے یہ سفارش کی کہ ہندوستان میں انتخابات جداگانہ نمائندگی کی بنیاد پر ہونے چاہئیں کیونکہ مسلمانوں کو یہ خدشہ ہے کہ جداگانہ انتخابات کے بغیر مالدار اور زیادہ منظم ہندو ان مسلمانوں کو آگے لائیں گے، جو مسلمانوں کی بجائے ان کے مفادات کا خیال رکھیں۔

1908ء میں لارڈ مارلے وزیر ہند تھے۔ وہ ایک ممتاز دانشور تھے ان کے ذہن میں یہ بات بالکل واضح تھی کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں صرف مذہبی عقائد اور احکام ہی کا اختلاف نہیں بلکہ طرز زندگی، روایات، تاریخ اور ان تمام باتوں کے اندر اختلاف ہے جن سے ایک قوم بنتی ہے۔ چنانچہ وائسرائے ہند لارڈ منٹو اور انہوں نے مل کر چند اصلاحات تجویز کیں جو 1909ء انڈین کونسلز ایکٹ کے نام سے پاس ہوئیں۔ اس ایکٹ میں اور باتوں کے علاوہ مسلمانوں کو جداگانہ انتخابات کا حق دے دیا گیا۔ اس ایکٹ کے تحت امپیریل قانون ساز کونسل قائم کی گئی۔ اس میں کل ساٹھ نشستیں رکھی گئیں جن میں سے 27 منتخب ارکان کے لیے تھیں۔ اس کونسل میں مسلمانوں کی نمائندگی کا خاص طور پر بندوبست کیا گیا تھا۔ 1909ء کے موسم خزاں میں اس ایکٹ کے تحت پہلی بار امپیریل قانون ساز کونسل کے لیے انتخابات ہوئے۔ بمبئی کے مسلمانوں کے لیے اس میں ایک نشست مخصوص تھی۔ یہ ایک محدود انتخابی ادارہ تھا۔ جس میں خاص اہلیت رکھنے والے لوگ ہی شامل ہو سکتے تھے۔ جناح اس نشست کے لیے امیدوار نہیں تھے لیکن قدرت کو یہی منظور تھا کہ وہ بمبئی سے مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر امپیریل کونسل میں پہنچیں، چنانچہ ہوا یہ کہ اس نشست کے لیے دو مسلمان امیدوار کھڑے ہو گئے۔ ہر امیدوار یہ چاہتا تھا کہ دوسرا اپنا نام واپس لے اور وہ بلا مقابلہ منتخب ہو جائے، لیکن دونوں امیدواروں میں سے کوئی بھی دوسرے کے حق میں دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔ کافی غور وفکر کے بعد طے پایا کہ اس نشست کے لیے ایک تیسرا شخص کھڑا کیا جائے جو کونسل میں مسلمانوں کی نمائندگی کا صحیح معنوں میں اہل ہو۔ محمد علی جناح کے نام پر دونوں حریف متفق ہو گئے، اور اس طرح دسمبر 1909ء میں وہ بغیر کسی کوشش یا ارادے کے بلا مقابلہ کونسل کے رکن منتخب ہو گئے۔

مجلس قانون ساز کے رکن کی حیثیت سے جناح کا یہ پہلا انتخاب تھا۔ اس کے بعد قیام پاکستان تک مختصر وقفوں کو چھوڑ کر جناح مرکزی مجلس قانون ساز کے لیے مسلسل منتخب ہوتے رہے۔ اس زمانے میں کونسل سیاست کی ایک اہم رزم گاہ تھی، اور جناح کو قدرت کی طرف سے یہ موقع ملا کہ وہ اس میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کریں۔

25 فروری 1910ء کو امپیریل کونسل میں اپنی پہلی ہی تقریر کے موقع پر وہ وائسرائے لارڈ منٹو سے ٹکرا گئے۔ ہندوستان سے بھرتی کیے جانے والے مزدوروں کے ساتھ جنوبی افریقہ میں کیے گئے سلوک پر تقریر کرتے ہوئے جناح نے کہا:

> ''ہندوستان کے باشندوں پر جنوبی افریقہ میں ظالمانہ اور سخت سلوک نے ملک کی تمام طبقوں اور فرقوں میں غم و غصے کی لہر دوڑا دی ہے۔''

اس پر مجلس کے صدر اور ہندوستان کے وائسرائے لارڈ منٹو

نے کہا:

''سلطنت برطانیہ کے ایک دوست ملک کے طرزِ عمل کے لیے ظالمانہ سلوک کے الفاظ بہت سخت ہیں۔''

جناح نے کہا:

''مائی لارڈ' میں اس سے بھی زیادہ سخت زبان استعمال کرنا چاہتا ہوں، لیکن مجلس کے قواعد و ضوابط سے واقف ہونے کی وجہ سے میں حدود سے تجاوز نہیں کر رہا، تاہم میں یہ ضرور کہوں گا کہ ہندوستانی تارکین وطن پر انتہائی سختی روا رکھی گئی ہے، اور اس مسئلے پر ہندوستان بھر میں یکساں جذبات پائے جاتے ہیں۔''

جناح کے اس جواب پر لارڈ منٹو دم بخود رہ گئے۔

مقامی اخباروں نے مجلس کے صدر اور 33 سال کے نوجوان نئے رکن کے درمیان اس گرما گرمی پر شہ سرخیاں لگائیں۔ کیوں نہ لگاتے کہ اس زمانے میں شاہ برطانیہ کے نمائندے کے ساتھ کھلے عام یہ انداز گفتگو اختیار کرنا بڑی ہمت اور حوصلے کا کام تھا، اور اس وقت تک کسی نے یہ جرأت نہ کی تھی۔ جناح ایک ہی دن میں ہندوستان بھر میں مشہور ہو گئے اور عوام کو پتہ چل گیا کہ کونسل میں ایک ایسے رکن کا اضافہ ہو گیا ہے جو ارباب اقتدار سے دبنا نہیں جانتا۔ اس کے بعد سے پریس نے ان کی تقریروں اور سیاسی سرگرمیوں کو ہمیشہ نمایاں طور پر شائع کیا۔

جناح کا ایک بہت بڑا کارنامہ ''وقف علی الاولاد'' بل پاس کرانا ہے۔ اسلامی شریعت کے مطابق اگر کوئی شخص اپنی جائیداد کو خدا کی راہ میں فقراء اور غرباء کے لیے اس طرح مخصوص کر دے کہ اصل جائیداد ہمیشہ محفوظ رہے، اور اس کا منافع فقراء اور غرباء کو ملتا رہے تو اس کا نام وقف ہو گا۔ وہ جائیداد نہ فروخت ہو سکے گی، نہ ہبہ ہو سکے گی نہ وارثوں کو مل سکے گی، البتہ اس کا منافع غرباء اور فقراء کو ملتا رہے گا۔ وقف کی یہ صورت دوسرے مذہبوں میں بھی موجود ہے، لیکن اسلام نے اس کو وسعت دی ہے۔ اسلام کے مطابق کیوں کہ اولاد کی پرورش انسان پر فرض ہے۔ اس لیے کوئی شخص صرف اپنی اولاد کے لیے کوئی جائیداد وقف کرے تو یہ وقف بھی جائز اور نافذ ہو گا۔ اس کو ''وقف الاولاد'' کہتے ہیں۔

سلطنت برطانیہ کی سب سے بڑی عدالت پریوی کونسل نے 1894ء میں یہ فیصلہ دیا تھا کہ ''وقف علی الاولاد'' غیر قانونی ہے۔ اس پر مسلمانوں میں سخت ناراضگی پھیل گئی۔ مسلمانوں کے جذبات اور مستند علماء کی رائے کے پیش نظر جناح نے 17 مارچ 1911ء کو امپیریل کونسل میں ''وقف علی الاولاد'' سے متعلق ایک بل اس بنیاد پر پیش کیا کہ پریوی کونسل کا فیصلہ اسلامی فقہ کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔ حکومت نے لوگوں کی رائے معلوم کرنے کے لیے اس بل کو مشتہر کیا۔ علماء کی رائے حاصل کرنے کے بعد اس میں مناسب ترامیم کی گئیں۔ جناح نے ایک ممتاز مسلمان قانون دان کی حیثیت سے اس مسئلے میں بڑی دلچسپی لی اور امپیریل کونسل میں نہایت عمدہ انداز میں اس کی وکالت کی۔ آخر کار یہ بل کونسل میں منظور ہوا اور اس طرح مسلمانوں کی ایک دیرینہ خواہش پوری ہوئی۔ جس کے لیے وہ سر سید کے زمانے سے کوشش کرتے چلے آ رہے تھے۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی پرائیویٹ ممبر کی طرف سے پیش کیا جانے والا کوئی بل منظور ہوا ہو۔

اس بل پر کونسل کے غور کرنے کے دوران ہی جناح کی کونسل کی ممبر شپ کی معیاد ختم ہو گئی، لیکن مسلمانوں کے پرزور مطالبے پر وائسرائے نے انہیں کونسل کا رکن نامزد کر دیا۔ جس سے بل پاس کرانے میں آسانی ہو گئی۔ اس مطالبے سے جناح کی ذات نیز ان کی قانون اور پارلیمانی صلاحیتوں پر مسلمانوں کے اعتماد کا اظہار ہوتا ہے۔ اس بل کے پاس ہونے سے

مسلمانوں میں جناح کا وقار بہت بڑھ گیا۔ انہیں عوامی سطح پر مقبولیت حاصل ہوئی، اور مسلمان سیاسی مشورے اور راہنمائی کے لیے ان سے رجوع کرنے لگے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ وہ اپنی سیاسی زندگی کے آغاز ہی سے مسلمانوں کے مسائل میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔

جناح نے اپنی پہلی ٹرم ہی میں کونسل کی کارروائیوں میں بھرپور حصہ لیا، اور ثابت کردیا کہ پارلیمانی خطابت، قوت استدلال، سیاسی سوجھ بوجھ، عزم و جرأت اور نکتہ سنجی کے لحاظ سے ہندوستان میں شاید ہی کوئی ان کے رتبے تک پہنچ سکتا ہو۔ وہ ہر معاملے کو اس کے میرٹ کے حساب سے پرکھتے اور پھر اس پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے۔

مسلم لیگ 1906ء میں قائم ہو چکی تھی، لیکن جناح اس کے ممبر نہیں تھے، تاہم، مسلم لیگ کی دعوتِ خاص پر انہوں نے مسلسل تین سال، 1910ء سے 1912ء تک مسلم لیگ کونسل کی کارروائی میں حصہ لیا۔ دسمبر 1912ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس اور مسلم لیگ کونسل کا جلسہ دونوں بانکی پور میں ہوئے۔ جناح نے دونوں میں شرکت کی۔ اگرچہ ابھی تک وہ مسلم لیگ کے رکن نہیں بنے تھے، لیکن انہیں لیگ کونسل سے خطاب کرنے کی دعوت دی گئی، اور انہوں نے اس قرارداد کی تائید کی جس میں مسلم لیگ کی منزل آئینی ذرائع سے ہندوستان کے لیے نظام خود اختیاری حاصل کرنا طے پائی۔

1913ء میں جناح انگلستان میں تھے تو مولانا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسن بھی ہندوستان کے کئی ایک معاملات سے برٹش عوام کو باخبر کرنے وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے جناح پر زور دیا کہ مسلم لیگ کے رکن بن جائیں۔ ان کے اصرار پر جناح مسلم لیگ کے ممبر بن گئے۔

جناح' ہندوستان کی آزادی کے لیے ہندو مسلم اتحاد کو ضروری سمجھتے تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ شروع سے ہی مسلم لیگ اور کانگریس کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کرتے رہے۔ ہندوستان واپس آکر انہوں نے 28 دسمبر 1913ء کو کراچی میں کانگریس کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی، اور اس قرارداد کی تائید کی جس میں سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری کی قرارداد پاس کرنے پر مسلم لیگ کو مبارک باد دی گئی تھی۔ اس کے بعد وہ ایک ممبر کی حیثیت سے 30-31 دسمبر 1913ء کو منعقد ہونے والے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لیے آگرہ آئے۔ یہاں انہوں نے کوشش کی کہ جداگانہ انتخابات کے لیے فیصلہ ایک سال کے لیے ملتوی کردیا جائے، لیکن مسلم لیگ نے ان کی یہ پہلی اپیل نامنظور کردی اور اس بات کا اعادہ کیا کہ مسلم لیگ کے لیے جداگانہ انتخابات کا اصول نہایت ضروری ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس پر مسلم لیگ کے ارکان کی اکثریت نے کبھی بھی جناح کے نقطہ نظر کو قبول نہیں کیا۔ بعد میں جناح خود بھی جداگانہ طریق انتخاب کے حامی ہوگئے۔

اپریل 1914ء میں جناح بحری جہاز سے انگلستان روانہ ہوگئے۔ وہ انگلستان ہی میں تھے کہ پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ نومبر 1914ء میں عثمانی خلیفہ نے محوری طاقتوں کی حمایت کا فیصلہ کیا۔ مسلمانوں کے لیے خلافت کا احترام ان کے برطانیہ مخالف جذبات کو تیز کررہا تھا۔ اس مسئلے پر آپس کے سخت اختلاف کے باعث مسلم لیگ نے دسمبر 1914ء میں اپنا سالانہ اجلاس منعقد ہی نہ کیا۔

جنوری 1915ء میں جناح ہندوستان واپس آئے۔ تقریباً ''بیس برس جنوبی افریقہ میں رہنے کے بعد'' گاندھی بھی اسی مہینے ہندوستان لوٹے تھے۔ گاندھی کی تیز نگاہوں نے فوری طور پر بھانپ لیا کہ ہندوستانی راہنماؤں میں جناح تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ جب گجرات سوسائٹی نے ہندوستان واپسی پر گاندھی کو خوش آمدید کہنے کے لیے 14 جنوری 1915ء

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظمؒ پاکستان کی پہلی قانون ساز اسمبلی میں آخری وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کے جواب میں خطاب کرتے ہوئے۔

کو بمبئی میں ایک گارڈن پارٹی کا انتظام کیا، اور جناح نے اس کی صدارت کی تو گاندھی نے اپنی تقریر میں کہا:

"مجھے خوشی ہے کہ اس تقریب کی صدارت ایک مسلمان کررہا ہے۔"

کیا گاندھی واقعی خوشی کا اظہار کررہے تھے یا سب کی توجہ اس طرف مبذول کرارہے تھے کہ اپنی ساری صلاحیتوں کے باوجود جناح ایک مسلمان ہیں اور اس لیے ہندوستان کی رہنمائی کی دستار ان کے سر پر نہیں رکھی جاسکتی؟

بہرصورت، ہندو مسلم اتحاد کے لیے جناح مسلسل کوشاں رہے اور ان کے دل میں امید کا چراغ بدستور روشن رہا۔ جناح اور دیگر راہنماؤں کی سعی سے 1915ء میں مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کے اجلاس بمبئی میں ہوئے اور مجموعی طور پر ماحول خوشگوار رہا۔ یہ بھی طے ہوا کہ 1916ء میں بھی مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کے سالانہ اجلاس ایک ہی شہر لکھنؤ میں منعقد ہوں، البتہ سیماب صفت مولانا حسرت موہانی اور ان کے ساتھیوں نے کانگریس کے ساتھ تعاون کی مخالفت کی۔ کانگریس کے اجلاس اے، سی، موجمدار (Mozumdar) کی زیرصدارت 25 سے 28 دسمبر 1916ء تک اور مسلم لیگ کا اجلاس جناح کی صدارت میں 30 سے 31 دسمبر 1916ء تک ہوا۔ اس سے پہلے الٰہ آباد اور کلکتہ میں مسلم لیگ اور کانگریس کی ان کمیٹیوں کے مشترکہ اجلاس ہوئے جو ایک مشترکہ لائحہ عمل طے کرنے کے لیے بنی تھیں۔ اس وقت تک جناح کو بھی اس بات کا احساس ہوگیا تھا کہ مسلمان جداگانہ انتخابات کے بارے میں شدید جذبات رکھتے ہیں، چنانچہ ان کمیٹیوں نے مندرجہ ذیل سفارشات کیں:

1. مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخابات کا طریقہ اختیار کیا جائے۔
2. صوبوں کو خودمختاری دی جائے۔
3. مرکز میں مسلمانوں کی نمائندگی منتخب ہندوستانی ارکان کی ایک تہائی کے برابر ہو۔
4. صوبوں میں مسلمانوں کے لیے سیٹوں کی تقسیم یوں ہو: پنجاب میں 50 فیصد، بنگال میں 40 فیصد، بمبئی میں $33\frac{1}{3}$ فیصد، یوپی میں 30 فیصد، بہار میں 25 فیصد، مدراس میں 15 فیصد، سی پی میں 15 فیصد اور بمبئی میں کل صوبائی سیٹوں کی ایک تہائی یعنی 1/3 3 فیصد۔

ان سفارشات میں اقلیتوں کو یہ تحفظ بھی دیا گیا کہ اگر کسی فرقے کی 75 فیصد تعداد اس فرقے پر اثر انداز ہونے والے بل یا قرارداد کے خلاف ہو تو وہ بل یا قرارداد پاس نہیں ہوسکے گی۔

ان سفارشات کے مطابق پنجاب اور بنگال میں جہاں مسلمان اکثریت میں تھے انہیں اپنی آبادی کے لحاظ سے کم سیٹیں ملتیں۔ جب کہ ان صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے ان کو اپنی آبادی کے لحاظ سے زیادہ سیٹیں ملتیں۔ ان سفارشات پر ایک اہم اعتراض یہ ہے کہ پنجاب اور بنگال میں اکثریت کے باوجود ان صوبوں کی اسمبلیوں میں مسلمانوں کی اکثریت نہ رہتی، جب کہ ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کو زیادہ سیٹیں دینے کے باوجود اسمبلیوں میں ہندوؤں کی اکثریت قائم رہتی۔

1916ء میں کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اپنے سالانہ اجلاسوں میں یہ سفارشات منظور کرلیں۔ یہ تجاویز "لکھنؤ پیکٹ" یا "میثاق لکھنؤ" کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اس طرح کانگریس نے بھی مسلمانوں کے لیے جداگانہ طریق انتخاب کو قبول کرلیا، اور اس وجہ سے اسے 1919ء کے ایکٹ میں بھی قائم رکھنے پر کوئی تنازعہ نہ ہوا۔ 1906ء سے مسلمان سختی سے اس مطالبہ پر قائم تھے، اور یقیناً اس کے بغیر پاکستان ظہور میں نہ آتا۔ اس لحاظ سے میثاق لکھنؤ کی یہ شق ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ نومبر 1940ء میں جناح نے مرکزی اسمبلی

میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ 1916ء میں میثاق لکھنؤ دو الگ الگ قوموں کے اصول کی بنیاد پر منظور کیا گیا تھا۔ مزید برآں ہندو مسلم مسئلے کا ایک متفقہ حل بھی تلاش کر لیا گیا جس سے آزادی کی منزل قریب آتی محسوس ہوئی۔ جناح اس وقت مسلم لیگ اور کانگریس دونوں پر چھائے ہوئے تھے۔ اس پیکٹ کی منظوری کے لیے جناح کے رول پر کانگریس کے اجلاس میں مسز سروجنی نائیڈو نے انہیں ''ہندو مسلم اتحاد کا سفیر'' کہا۔

اس پیکٹ کی منظوری کے بعد یہ تاثر عام تھا کہ مسلم لیگ اور کانگریس ملک میں سول نافرمانی کی ایک مشترکہ تحریک چلائیں گی۔ اس خدشے کے پیش نظر اگست 1917ء میں حکومت برطانیہ کو ہندوستان میں سیاسی اصلاحات کے بارے میں ایک اہم اعلان کرنا پڑا۔ چنانچہ 20 اگست 1917ء کو ای ایس مانٹیگو (Montagu) نے جو جولائی 1917ء میں وزیر ہند مقرر ہوئے تھے۔ دارالعوام میں اعلان کیا کہ حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ ہندوستان کے نظم ونسق کے ہر شعبے میں ہندوستانیوں کو زیادہ سے زیادہ شریک ہونے کا موقع دیا جائے۔ مزید برآں حکومت خودمختاری کے اداروں کو بتدریج ترقی دی جائے تاکہ سلطنت برطانیہ کے ایک اٹوٹ انگ کے طور پر ہندوستان میں ذمہ دار حکومت قائم ہو۔ ان کا یہ اعلان ہندوستان میں اصلاحات کے ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ نومبر 1917ء میں انہوں نے ہندوستان کا دورہ بھی کیا۔ اپنے دورے میں مانٹیگو نے ہندوستان کے متعدد سیاسی رہنماؤں اور وفود سے ملاقاتیں کیں، اور ڈائری میں اپنے تاثرات قلمبند کیے۔ جناح کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''نوجوان، خوش اخلاق، دلکش شخصیت اور مدلل انداز گفتگو کے مالک۔ ان کا مطالبہ ایک ذمہ دار حکومت کا قیام تھا، اور انہیں کسی اور چیز سے مطمئن کرنا بڑا مشکل تھا، میں بری طرح تھکا ہوا تھا، اور میں نے بڑی مشکل سے ان سے پیچھا چھڑایا۔ وائسرائے چیمسفورڈ (Chelmsford) نے ان سے بحث کرنا چاہی مگر الجھ کر رہ گئے۔ جناح بہت زیرک انسان ہیں۔ یہ بہت بڑی زیادتی ہے کہ ایسا شخص خود اپنے ملک کے نظم ونسق سے بے تعلق رہے۔''

پہلی جنگ عظیم ابھی جاری تھی۔ چنانچہ اپریل 1918ء میں وائسرائے نے دہلی میں وار کانفرنس بلائی۔ اس وقت جنگ میں اتحادیوں کی کامیابی نظر آ رہی تھی۔ گاندھی نے جنگی امداد کے بارے میں حکومت کی قرارداد کی پر زور تائید کی۔ جناح نے اس کی بجائے ایک ایسی قرارداد پیش کرنا چاہی جو قومی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو، لیکن وائسرائے نے اس کی اجازت نہ دی۔ اس پر جناح نے 24 اپریل 1918ء کو وائسرائے چیمسفورڈ کو ایک تار بھیجا جس میں کہا گیا تھا:

''ہم اپنے نوجوانوں کو ان اصولوں کی خاطر لڑنے کے لیے نہیں کہہ سکتے جن کا اطلاق ان کے اپنے ملک میں نہیں ہو رہا۔ ایک محکوم نسل دوسروں کے لیے اس جذبے اور طاقت سے نہیں لڑ سکتی جس طرح ایک آزاد نسل اپنی اور دوسروں کی آزادی کے لیے لڑ سکتی ہے۔ اگر ہندوستان نے سلطنت کے دفاع کے لیے عظیم قربانیاں دینی ہیں تو یہ سلطنت کے ایک شریک کار کے طور پر ہوں نہ کہ بادشاہ کے تابع کے طور پر۔ ہندوستانیوں کو یہ احساس ہونے دیجیے کہ وہ برٹش راج کے تحت اپنی آزادی اور اپنے ساتھ آزاد اقوام کی دولت مشترکہ کی آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک خاص وقت کے اندر اندر ملک میں ایک ذمہ دار حکومت قائم ہو۔''

آپ نے دیکھا کہ جناح کسی حالت میں بھی اپنے اصولوں سے پیچھے ہٹنے والے نہیں تھے۔

(قائداعظم محمد علی جناح، از محمد سلیم مطبوعہ قومی پبلشرز، لاہور)

سیاسی شہنشاہ

لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح لڑکیوں کے ایک جلسہ میں شریک ہوئے، کالج مسلمانوں کا تھا اور لڑکیاں پردہ کرتی تھیں لیکن انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے پردہ نہ کیا۔ جلسہ سے واپسی پر یہ بات قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے بعض دوستوں سے کہی، جس پر ذیل گفتگو ہوئی:

محترمہ فاطمہ جناح نے کہا:

''لڑکیوں نے شاید اس لیے آپ سے پردہ نہیں کیا کہ آپ بوڑھے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں یہ بات ماننے کو تیار نہیں کیونکہ اس میں میری تضحیک کا ایک پہلو ہے۔''

جواب زادہ لیاقت علی خان نے کہا:

''لڑکیاں آپ کو اپنا سیاسی شہنشاہ سمجھتی ہیں، اور اپنے جذبات کے اظہار کا سب سے موزوں طریقہ یہی سمجھا کہ آپ سے پردہ نہ کریں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''ہاں، یہ بات کچھ ہوئی۔''

سیاسی فیصلہ

(دیکھئے: اسلامی مملکت)

سیاسی قوت

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خطاب میں فرمایا:

''ہم کس لیے جدوجہد کر رہے ہیں؟ ہمارا نصب العین کیا ہے؟ ہمارا مقصد تنگ نظری اور تعصب نہیں۔ ہم ایسی مملکت کا قیام نہیں چاہتے، جو تنگ نظری اور مذہبی تعصب پر قائم ہو مذہب ہم کو انتہائی محبوب ہے، مذہب کے مقابلہ میں تمام دنیاوی چیزیں ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، لیکن بعض دوسرے امور بھی ہیں جو ملی زندگی کے لیے اہم اور ناگزیر ہیں۔ مجلسی زندگی اور اقتصادی زندگی بھی قوم کے لیے ضروری ہوتی ہے، سیاسی قوت کے بغیر آپ اپنے مذہب کی بھی حفاظت نہیں کر سکتے، اور آپ کی اقتصادی زندگی کا بھی تحفظ نہیں ہوسکتا۔

ہم نے مکمل غور وفکر اور بحث و مباحثے کے بعد ایک قرارداد منظور کی ہے، ہم نے اس عالیشان اور تاریخی کنونشن میں ایک حلفیہ اعلان کیا ہے، ہم اگرچہ بہتری کی توقع رکھتے ہیں، مگر بدترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم نے ایک واضح، غیر مبہم اور پر زور اعلان کیا ہے۔ ہم نے تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ ہمارے لیے اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی باقی نہیں ہے۔

جہاں تک مسلم اقلیت کے صوبوں کا مسئلہ ہے میں بھی ایک اقلیت کے صوبہ سے تعلق رکھتا ہوں ان صوبوں کے مسلمان پاکستان کے مجاہد ہیں، اُنہوں نے پاکستان کی جانب سب کی رہبری کی ہے۔ اب اکثریت اور اقلیت کا کوئی سوال نہیں رہا۔ پاکستان کے اصول پر سب کو اتفاق ہے۔ ہاں چند مسلمان اب بھی ایسے ہیں جو ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ میں ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچانی نہیں چاہتا، اور اس میں کوئی فائدہ بھی نہیں۔ یہ لوگ تو کسی شمار میں نہیں ہیں، لیکن ان لوگوں کو اب خاموش ہو جانا چاہیے لیکن وہ خاموش نہ ہوں گے، وہ اپنی حرکات جاری رکھیں گے کیونکہ ان کا کام تو یہ ہے کہ اپنے آقاؤں کے سر سے

سر ملائیں۔ (تالیاں)
کبھی ایسے آدمیوں کا خیال نہیں کیا جاتا۔ آج صرف ہندو ہی نہیں بلکہ انگریز اور امریکی بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایسے لوگ کانگریس کے نمائشی کھلونے کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ میں اس پلیٹ فارم سے بلا خوف تردید کہتا ہوں کہ اسلامی ہند کلیتاً متحد و متفق ہے اور پاکستان ہمارا مطالبہ ہے۔
جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ میرا تعلق بھی ایک اقلیتی صوبہ سے ہے۔ سات کروڑ برادران اسلام کو اپنی مملکت قائم کر لینے دیجئے، اگر دنیا میں اقلیت والے صوبوں کے لیے کوئی تحفظ ہو سکتا ہے تو سب سے زیادہ مؤثر تحفظ قیام پاکستان ہے۔
اگرچہ موجودہ دستور میں تحفظات موجود ہیں، مگر یہ تمام محض کاغذی ہیں، ان سے مطلق کوئی فائدہ نہیں۔ اگر اکھنڈ ہندوستان قائم ہو جائے اور ہندو اس آئین کو تبدیل کرنا چاہیں تو اس وقت آپ کیا کریں گے؟ ان کو پھر کون روک سکے گا؟ اگر پانچ یا دس سال کے بعد وہ یہ کہیں کہ ہم جداگانہ طریق انتخاب کو ختم کرتے ہیں تو پھر ان کے ہاتھ کون پکڑے گا؟ وہ روز افزوں طاقتور ہوتے جائیں گے، اور آپ اکھنڈ ہندوستان میں کمزور ہوتے جائیں گے، اور تمام تحفظات یکے بعد دیگرے نیست و نابود کر دیے جائیں گے۔
ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی ساتھ اختلافات اور جھگڑے شروع ہو جائیں۔ ہمارے سامنے بہت کافی کام ہوگا۔ اسی طرح برادرانِ وطن کو اپنی مملکت میں بہت سے کام کرنے ہوں گے، لیکن وہ ہماری اقلیتوں کے ساتھ بدسلوکی شروع کر دیتے ہیں، اور ان کو ستاتے ہیں تو پاکستان ایک خاموش تماشائی نہ بنے گا۔ (نعرہ ہائے تکبیر)
اگر گلیڈ اسٹون کے زمانہ میں برطانیہ اقلیتوں کے تحفظ کے نام پر امریکہ میں مداخلت کر سکتا تھا، اور اگر ہندوستان میں ہماری اقلیتوں پر مظالم کیے گئے تو ہمارا مداخلت کرنا کیونکر حق بجانب نہ ہوگا؟
کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جب آپ اپنے اکثریت کے صوبوں میں اپنی وزارتیں تک نہیں بنا سکتے تو پاکستان کا خواہ مخواہ کیوں چرچا کیا جاتا ہے؟ میں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ یہی تو اصل وجہ ہے۔ جس کی بنا پر ہم 1935ء کے موجودہ آئین سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور اسی لیے ہم پاکستان قائم کرنا چاہتے ہیں۔
مجھے نواب صاحب ممدوٹ کا یہ جملہ سُن کر خوش ہوئی کہ وہ اصول کے لیے ہزاروں وزارتیں قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ فی الواقع وزارتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ یہ تو ذریعہ ہیں۔
ہم مسلمانوں کو خدا کے فضل سے بہت سی چیزیں حاصل ہیں۔ ہمارے پاس دماغ، فہم، ادراک، قابلیت اور ہمت موجود ہے۔ یہی وہ تمام خصوصیت ہیں جو قوموں کو حاصل کرنی ضروری ہیں، لیکن ہماری راہ میں کُچھ دشواریاں حائل ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی تمام توجہات ان کی جانب مرکوز کر لیں۔ ہم گزشتہ ڈیڑھ سو برس سے غیر ملکی اقتدار اور ہندو غلبہ کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ برطانیہ اور ہندوؤں کے اس میل نے جو ممکن ہے کہ اس سازش کا نتیجہ نہ ہو یا مخصوص حالات کے دباؤ سے پیدا ہوا ہو۔ ہماری حالت پر ضرر رساں اثر ڈالا ہے، جس سے ہماری مذکورہ صلاحیتوں کو نقصان پہنچا ہے۔

کردار کسے کہتے ہیں؟ کردار کا مطلب یہ ہے کہ عزت، خودداری، ارادہ اور عزم کی پختگی، دیانتداری ان تمام خصوصیات کا بدرجۂ اتم موجود ہونا بلندی کردار ہے۔ قوم کے اجتماعی مفاد کے لیے افراد کا اپنے آپ کو قربان کر دینے کے لیے ہمہ وقت آمادہ تیار رہنا اچھا کردار ہے۔

قومی کردار کی موجودہ کمزوری کے باوجود ہم نے حیرت ناک ترقی کی ہے۔ ہم نے اپنی نشاۃِ ثانیہ کے اس پنج سالہ دور میں معجزانہ انداز میں کامیابیاں حاصل کی ہیں، جب میں ملت کی اس محیر العقول ترقی کا خیال کرتا ہوں تو مجھ کو خواب کی سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ کتنی تیزی کے ساتھ ملت اپنے کردار کی سابقہ عظمت و رفعت تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے، مردوں، عورتوں اور بچوں سب کے بات کرنے سوچنے اور عمل کرنے کا انداز ہی مختلف ہو گیا ہے۔

مسرت کی بات یہ ہے کہ مسلمان عورتوں میں بھی تبدیلی ہو رہی ہے۔ یہ تبدیلی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ دُنیا میں کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی۔ جب تک اس قوم کے مردوں کے ساتھ عورتیں بھی دوش بدوش آگے نہ بڑھیں۔

میں آخر میں ایک مرتبہ پھر نظریہ پاکستان پر اپنے عقیدہ کا اعادہ کرتا ہو، کیا برطانیہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کر سکتا ہے؟ نہیں مسلمانوں کے مقدر کا فیصلہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ مخالفین رخنہ اندازی کر سکتے ہیں وہ ہمیں تاخیر پر مجبور کر سکتے ہیں، وہ ہمارے راستہ میں رکاوٹ بن سکتے ہیں، لیکن وہ ہمیں منزل مقصود تک پہنچنے سے روک نہیں سکتے۔ اس لیے اس تاریخی کنونشن کے برخاست ہونے پر آپ پورے یقین، مکمل اعتماد اور ہمت کے ساتھ یہاں سے اُٹھیں۔''

سیاسی ہسٹریا

(دیکھیے: اعلانِ لاہور)

سیاسی یتیم

قائداعظم محمد علی جناح نے برصغیر کے کچھ رہنماؤں سے بیزاری کا اظہار کیا۔ اس کا اندازہ ان کے تبصروں سے لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً انہوں نے الہ آباد کے مشہور و معروف بیرسٹر سر تیج بہادر سپرو کو سیاسی یتیم (پولیٹیکل آرفن) کہا۔

سیاہ بنیا

(دیکھیے: مملکت خداداد پاکستان)

سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم

قائداعظم محمد علی جناح کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا اظہار اس خط سے بھی ہوتا ہے جو انہوں نے محمد اعظم صاحب لیکچرار شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے نام تحریر فرمایا۔ اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ طالب علمی میں آپ نے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ
مالابار ہل، بمبئی
26 اگست 1944ء

جنابِ من!

آپ کا مکتوب مورخہ 17 اگست موصول ہوا، اور آپ کے حسبِ خواہش حسبِ ذیل چند الفاظ اپنی جانب سے بطور ''پیش لفظ'' ارسال کرتے ہوئے مسرت محسوس کر رہا ہوں۔

میں حقیقت میں نہایت مسرور ہوں کہ آپ کارلائل کی

کتاب ''مشاہیر اور مشاہیر پرستی'' کے ترجمہ کا دوسرا ایڈیشن شائع کر رہے ہیں۔ میں جب انگلستان میں طالب علم تھا، اس وقت میں نے کارلائل کی اور کتابوں کے ساتھ اس کتاب کا بھی مطالعہ کیا تھا، اور اس وقت سے چیلسیا کے اس مردِ عاقل کی عظمت میرے دل میں جاگزیں ہے۔ اس نے ہمارے پیغمبر ﷺ کی زندگی کے حالات اور آپ ﷺ کے کارناموں کی سچی تصویر کھینچ کر نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ ساری دنیا کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اس کتاب کے اردو ترجمہ کے دوسرے ایڈیشن کے متعلق میں آپ کے ادارے کا خیر مقدم کرتا ہوں، اور آپ کی کامیابی کا متمنی ہوں۔

آپ کی روانہ کردہ اردو ترجمہ کی ایک جلد موصول ہوئی، جس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ کا مخلص
محمد علی جناح

سیرتِ مبارکہ اور درسی کتب

22 فروری 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ 21 فروری کو مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے جو قراردادیں پیش کی تھیں ان کی منظوری دی گئی۔ کونسل نے قائداعظم محمد علی جناح کو مزید ایک سال کے لیے مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا، کیونکہ آپ کا واحد نام تھا جس کی صوبائی مسلم لیگوں نے سفارش کی تھی۔

اس اجلاس میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ درسی کتب میں شامل کرنے کے ضمن میں درج ذیل قرارداد منظور کی گئی:

"A resolution relating to references to the Holy Prophet and other Muslim saints in the basic school Text Books evoked some discussion. It was Pointed out that unreverential language was used in regard to the Prophet of Islam in some of the united provinces schools. Mr Jinnah felt that the matter, although very important, was the primary concern of the provincial Muslim leagues. They had similar difficulty in Bombay and after the Congress Government had gone out of office. The objectionable Text Books were withdrawn by the Government. The best remedy would be the have committees to scrutinise all TextBooks for denominational schools so that nothing was included in the Books by wich the religious sentiments of any community were injured. He suggested that the Provincial Muslim Leagues should examine the whole problem and bring up the Question, if necessary, before the annual session of the League at AllahAbad in April next. This Suggestion was accepted by the house and the resolution was withdrawn. The council then adjourned sine die."

سیفی ناسخ

وہ ممتاز صحافی تھے، انہوں نے اگست 1937ء میں قائداعظم محمد علی جناح کے حکم پر کمالیہ شہر سے ہفتہ وار اخبار سعادت جاری کیا جو بعد ازاں فیصل آباد اور لاہور سے روزنامہ کے طور پر شائع ہونے لگا۔ انہوں نے تحریک پاکستان میں بھی بھرپور حصہ لیا۔

(نیز دیکھئے: سعادت)

سیکولرازم اور جناح

ڈاکٹر ساجد خاکوانی اپنے مضمون ''کیا قائداعظم محمد علی جناح سیکولر تھے؟'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''بانیٔ پاکستان محمد علی جناح کے بارے عام تصور یہ پھیلایا جاتا ہے کہ وہ سیکولر اور لادین ذہن کے مالک تھے جبکہ ان کی زندگی کے متعدد واقعات اس غلط تصور اور فرضی خیال کی مکمل نفی کرتے ہیں۔ بہت اوائل اور نوجوان عمری میں جب کہ انسان کی اپنی سوچ ابھی پختہ نہیں ہوئی ہوتی اور گھریلو تربیت کا بہت سا اثر باقی ہوتا ہے۔ اس عمر میں جب قائداعظم محمد علی جناح انگلستان پہنچے اور قانون کی تعلیم کے لیے تعلیمی ادارے کے انتخاب کا مرحلہ درپیش ہوا تو انہوں نے متعدد اداروں میں سے اس ادارے کا انتخاب کیا جس کے باہر دنیا کے مشہور قانون دانوں کی فہرست میں سب سے اوپر محسن انسانیت (ﷺ) کا نام مبارک لکھا تھا۔ قانون کی تعلیم سے فارغ ہوئے لندن کے ایک ڈرامیٹک کلب میں شمولیت اختیار کر لی اور ان سے ادائیگی کا چیک بھی وصول کرلیا۔ ایک ڈرامے کی مشق کے دوران قائداعظم محمد علی جناح سے کہا گیا کہ ایک لڑکی کے چہرے پر بوسہ لیں، اس وقت ان کی عمر 19 برس تھی۔ ہندوستان کے ایک نوجوان کے لیے یہ محض ایک حسین خیالی بات تھی کہ وہ لندن جیسے شہر میں برطانوی لڑکی کا بوسہ لے لیکن قائداعظم نے محض یہ کہہ کر ڈرامے کا منظر مشق کرنے سے انکار کر دیا کہ میرے مذہب میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ ہندوستان میں اپنے والد بزرگوار محترم پونجا جناح کو خط لکھا کہ میں نے قانون کی تعلیم میں آگے بڑھنے کی بجائے ڈرامے کے میدان کا انتخاب کیا ہے اور ایک کلب میں شمولیت اختیار کر لی ہے والد نے جوابی خط میں سختی سے اس بات سے منع کیا اور حکم دیا کہ فوراً کلب سے مستعفی ہو کر قانون کی مزید تعلیم جاری کرو۔ قائداعظم نے ابھی وہ چیک بنوایا نہ تھا اور بغیر کسی پس و پیش کے یہ کہہ کر کلب والوں کو لوٹا دیا کہ یہ میرے والد کا حکم ہے اور میرے مذہب میں والدین کی نافرمانی کی گنجائش نہیں۔

قائداعظم قانون کی تعلیم کے بعد ہندوستان واپس لوٹے اور بمبئی میں وکالت کا آغاز کیا۔ بمبئی آزاد خیالی میں اس زمانے کے دوران بھی لندن سے کسی طور کم نہ تھا۔ ایک نوجوان اور خوبصورت مجوسی لڑکی قائداعظم پر فریفتہ ہوگئی ہر طرح سے مایوس ہو چکنے کے بعد جب اس نے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تو قائداعظم نے کہا مذہب کا اختلاف اس کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ مذہب تبدیل کرنے پر آمادہ ہوئی تو اٹھارہ سال کی قانونی مدت پوری ہونے تک اسے ایک سال تک انتظار کرنا پڑا۔ ایک برس بعد وہ عدالت سے مسلمان ہونے کی ڈگری لائی جب قائداعظم نے اس سے نکاح کیا۔ ہندوستان کے

حالات سے مایوس ہونے کے بعد وہ ایک بار پھر انگلستان سدھار گئے کہ اب نہ لوٹیں گے لیکن آفریں ہو علامہ محمد اقبال پر جنہوں نے خط لکھ کر انہیں واپس بلایا اور غلامی کے اس پر آشوب دور میں مسلمانوں کی قیادت کرنے کے لیے تیار کیا۔ سوال یہ ہے کہ قائداعظم اگر سیکولر اور لادین ذہن کے مالک تھے تو علامہ محمد اقبال جیسے درد رکھنے والے بنیاد پرست مسلمان کی نظر انتخاب ان پر کیوں پڑی؟ کیا علامہ محمد اقبال جیسا راسخ العقیدہ مسلمان کہ جس کا ہاتھ تاریخ کی نبض پر تھا وہ مسلمانوں کی قیادت کے لیے ایک لادین شخص کا انتخاب کرتا؟ ہرگز نہیں۔ گزشتہ مذکورہ واقعات اور تحریری شہادتیں اس امر کی قطعی نفی کرتی ہیں۔تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم کی تقاریر جہاں پاکستان کو نظریاتی اساس فراہم کرتی ہیں وہاں ان کے ذہن تک رسائی کا بھی ایک دقیع ذریعہ ہیں۔ذیل میں ان کی تقاریر سے چند اہم اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔

''کوئی شبہ نہیں کہ لوگ ہمارا مدعا پوری طرح نہیں سمجھتے، جب ہم اسلام کا ذکر کرتے ہیں تو اسلام صرف چند عقیدوں، روایتوں اور روحانی تصورات کا مجموعہ نہیں۔اسلام ہر مسلمان کے لیے ایک ضابطہ بھی ہے جو اس کی زندگی اور کردار کو سیاست اور معیشت تک کے معاملات میں انضباط عطا کرتا ہے۔'' (قائداعظم)

''قرآن مجید کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا سیاسی، معاشرتی اور معاشی، غرض یہ کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطے سے باہر ہو۔''

''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اس میں اطاعت و وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔قرآن مجید کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کر سکتے ہیں۔اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے۔''

''وہ کون سا رشتہ ہے جس میں تمام مسلمان منسلک ہو کر جسد واحد کی طرح ہو جاتے ہیں۔ وہ رشتہ خدا کی کتاب قرآن مجید ہے۔ ایک خدا اور ایک رسول (ﷺ) ایک امت۔''

''ہماری اسلامی تہذیب کو کوئی نہیں مٹا سکتا، اس اسلامی تہذیب کو جو ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ ہمارا نور ایمان زندہ ہے، ہمیشہ زندہ رہے گا۔ دشمن بے شک ہمارے اوپر ظلم کرے، ہمارے ساتھ بدترین سلوک روا رکھے لیکن ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں اور ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے اگر مرنا ہی ہے تو لڑتے لڑتے مریں گے۔''

''مسلمان ایک جھوٹے احساس سلامتی میں مبتلائے فریب رہے اور اقلیت کی اصطلاح کو تاریخی، آئینی اور قانونی سمجھا جانے لگا لیکن مسلمان کسی حیثیت سے بھی یورپی ممالک کی اصطلاح کے مطابق اقلیت نہیں ہیں بلکہ ہم اپنے نصب العین کے ساتھ بجائے خود ایک علیحدہ اور ممتاز قوم ہیں۔''

''پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان کا پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا، مسلمانوں کی قومیت کا بنیادی کلمہ توحید ہے وطن نہیں اور نہ ہی نسل۔آپ نے غور کیا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی

وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال بلکہ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے۔''

قائداعظم کے یہ فرمودات واضح طور پر یہ پتہ دیتے ہیں وہ کبھی بھی سیکولر نہیں رہے۔ زمانہ طالب علمی اور پیشہ ورانہ زندگی کے واقعات اور تحریک پاکستان کے دوران تقریروں کے اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں اسلامی تعلیمات پوری طرح راسخ تھیں۔ کیا یہ ایک تاریخی شہادت نہیں کہ غازی علم دین شہید کا مقدمہ قائداعظم نے مفت لڑا تھا جبکہ ان کا شمار ہندوستان بھر کے مہنگے وکیلوں میں ہوتا تھا۔ تحریک پاکستان کے دوران ہندو قیادت نے انگریز سے مراعات لینے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی کتاب میں نہرو کی بیوی سے تعلقات کا ذکر بھی کیا لیکن اس طرح کے ماحول میں رہنے اور طویل جنگ لڑنے کے باوجود محترمہ فاطمہ جناح کو مردوں سے ہاتھ ملانے تک کی اجازت نہ تھی حتیٰ کہ کسی نے انہیں ننگے سر بھی نہ دیکھا۔ تقسیم ہند میں اس طرح کے رویے سے مسلمانوں کا کچھ نقصان بھی ہوا لیکن قائداعظم نے یہ ثابت کیا کہ ایک سچے مسلمان کے لیے ایمان اور شرم وحیا سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہوتا۔ زیارت ریذیڈنسی میں قائداعظم نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے ان کے خدمت گار سے جب ان ایام کا احوال پوچھا گیا تو اس نے بہت ساری باتوں کا تذکرہ کیا، اس کے بقول قائداعظم باقاعدگی سے نماز ادا کرتے تھے۔ آخری نماز جو انہوں نے ادا کی، اس کا حال خدمت گار کی زبانی سنیے۔

''ظہر کی نماز کی ادائیگی کے بعد انہوں نے کہا کہ عصر کا وقت ہوتے ہی مجھے بیدار کر دینا، میں نے کہا جی اچھا، لیکن آنکھ کھلنے پر انہوں نے استفسار کیا کہ کیا ابھی عصر کا وقت نہیں ہوا؟ میں نے کہا ہو چکا ہے لیکن آپ ابھی آرام کر لیں، میں تھوڑی دیر بعد آپ کو نماز پڑھا دوں گا کیونکہ نقاہت بہت زیادہ تھی، انہوں نے فرمایا کہ نہیں اول وقت میں نماز کی ادائیگی پسندیدہ ہے پس تکیہ میری کمر کے نیچے کر دو تو میں نماز پڑھ لوں، وضو کے بعد یہ ان کی زندگی کی آخری نماز تھی، جس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔''

قائداعظم کی اولاد چونکہ اسلام سے گریزاں رہی اس لیے قائداعظم بھی ان سے گریزاں رہے اور پورا بڑھاپا کنواری بہن کے کندے پر ہاتھ رکھ کر گزار دیا۔ جب انتقال ہوا تو وصیت میں لکھ کر گئے کہ ایک حدیث نبوی ﷺ کے مطابق چونکہ مسلمان کسی کافر کا اور کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا اس لیے میرے ترکے میں سے ایک پائی بھی میری اولاد کو نہ دی جائے اور اپنی کل جائیداد جس کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں ان کے پاس اپنا ذاتی ہوائی جہاز تھا۔ ساری کی ساری نوزائیدہ اسلامی مملکت پاکستان کے نام کر گئے۔ قائداعظم اگر سیکولر اور لادین خیالات کے مالک ہوتے تو علامہ شبیر احمد عثمانی جیسے جید عالم دین ان کی نماز جنازہ کیوں پڑھاتے؟ ٹھیک ہے وہ اس طرح سے مذہبی انسان نہ تھے جس کا تصور ہمارے ہاں پایا جاتا ہے لیکن بہر حال وہ ایک راسخ العقیدہ اور پکے مسلمان تھے۔ بعض فاضل مصنفین نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انہیں سیکولر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس سے بھی قائداعظم کے پختہ ایمان کی تصدیق

ہوتی ہے کہ اگر کسی زمانے میں ان پر سیکولر خیالات کا سایہ رہا بھی ہے تو وہ اسلام اور قرآن کے مطالعہ کے بعد ان فرسودہ خیالات سے دست کش ہو کر شعوری طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہے اور ایک سچے مسلمان اور امت محمدی کے فرد کی حیثیت سے اپنے رب کے حضور پیش ہوئے۔ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہوا کرتا ہے اگر قائداعظم کی نیت ایک سیکولر ریاست بنانے کی تھی تو وہ ریاست اسلام کا قلعہ کیسے بن گئی؟

حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر میں تبلیغ و ارشاد کے لیے یہاں سے جماعتیں روانہ ہوتی ہیں۔ تین سو سال کے بعد امت کو دفاع کے میدان میں ایٹمی قوت کی خوشخبری اسی اسلامی ریاست سے میسر آئی اور مستقبل میں بھی مشرق سے مغرب تک کل مسلمانوں کی امیدیں اسی پاکستان سے وابستہ ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں پر ملوکیت کا سایہ ہو یا غلامی کی اندھیری غار، غداروں کی دغا بازیاں ہوں یا دشمن کے پالتو لوگوں کی حکمرانیوں، سازشوں کے جال ہوں یا تہذیبی و ثقافتی یلغار اس امت کی کوکھ قیادت کے میدان میں ہمیشہ سرسبز و شاداب رہی ہے، یہ آخری نبی ﷺ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ اقوام عالم کو صدیوں کے بعد کوئی قابل قدر رہنما میسر آتا ہے جسے وہ قرنوں تک یاد رکھتے ہیں، اور کتنی ہی قومیں محض اس لیے تاریخ کے صفحات میں دفن ہو گئیں کہ انہیں کوئی رہنما میسر نہ آیا جبکہ امت مسلمہ کا دامن کبھی بھی مخلص، دیندار اور جرأت مند قیادت سے خالی نہیں رہا۔"

(ماہنامہ نظریہ پاکستان اشاعت دسمبر 2013ء)

سیلف گورنمنٹ

اپریل 1933ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے عیدالاضحیٰ کے موقع پر ایک تقریب میں شرکت کی یہ تقریب سر سٹیوارٹ سنڈیمن ایم اے کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ اس تقریب سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"اب ہندوستان بہت جلد ترقی کرے گا۔ نیز یہ قرطاسِ ابیض کی تجاویز ہندوستان کو مطمئن نہیں کر سکتیں، انہیں کامل خودمختاری ملنی چاہیے۔"

صدر جلسہ نے قائداعظم محمد علی جناح کے خیالات سے اختلاف کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر برطانوی اور ہندوستانی پریس کی خاص توجہ کا مرکز بنی، اور دی ایوننگ سٹینڈرڈ (لندن) دی سٹیٹ مین (کلکتہ)، مدراس میل (مدراس) پائنیر (الہ آباد) ویسٹ افریقہ (افریقہ) اجپشین گزٹ (اسکندریہ) جیسے مقتدر اخبارات نے اس کی خبر شائع کی۔

تقریر میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"ہندوستان سماجی، اقتصادی اور سیاسی طور پر ترقی کر رہا ہے، اور ملک میں ایک نئی سیاسی زندگی ابھر رہی ہے، لیکن تاوقتیکہ ایک معقول حد تک "سیلف گورنمنٹ" نہ دی جائے، اطمینان اور امن کی امید رکھنا عبث ہے، حالات یہ صورت حال اختیار کر گئے ہیں کہ انگریزی راج یا سلطنت برطانیہ کے اندر رہتے ہوئے ہندوستانی راج میں سے ایک کو اختیار کرنے کا مسئلہ پیدا ہو چکا ہے۔"

اس تقریر نے انگلستان اور ہندوستان دونوں ممالک میں زبردست تہلکہ مچا دیا۔

سینڈھرسٹ (Sandhurst)

برکشائر میں انگلستان کا ایک چھوٹا سا قصبہ، جو وانگھم سے ساڑھے 4 میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اس کے نواح میں رائل ملٹری اکیڈمی کی خوبصورت اور دیدہ زیب عمارت ایستادہ ہے۔

1802ء میں یہ اکیڈمی قائم کی گئی تا کہ سلطنت برطانیہ کے علاوہ مقبوضہ مما لک کے دیگر بڑے فوجی افسروں اور جرنیلوں کی تربیت کا خاطر خواہ انتظام کیا جاسکے۔ کاکول اکیڈمی کو پاکستان کا سینڈھرسٹ کہا جاتا ہے۔

سینڈھرسٹ کمیٹی کی رپورٹ

قائداعظم محمد علی جناح سینڈھرسٹ کی طرز پر برصغیر میں بھی ایک فوجی تربیتی کالج قائم کرنے کے خواہش مند تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس قرارداد کی حمایت کی جو ایوان میں 18 فروری 1925ء کو مسٹر بی دفیکا تاپتی نے پیش کی اور جس کہا گیا تھا:

''ایوان گورنر جنرل سے سفارش کرے کہ ہندوستانی فوج میں کمیشن کے عہدوں کے لیے ہندوستانیوں کی تربیت کا مناسب انتظام کیا جاسکے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کمانڈر انچیف پر الزام عائد کیا:

''انہوں نے ہندوستانیوں کو فوجی تربیت دینے کے سلسلے میں نیک نیتی پر مبنی کوئی کوشش نہیں کی۔''

چنانچہ حکومت نے اس ضمن میں ایک کمیٹی قائم کی۔ قائداعظم محمد علی جناح اس کمیٹی کے بھی رکن بنے اس کمیٹی نے مارچ میں اپنا کام شروع کیا۔ اگست 1925ء تک کمیٹی نے ہندوستان بھر سے شہادتیں جمع کیں، اور ایک ذیلی کمیٹی بھی قائم کی گئی تا کہ یہ یورپ کے مما لک کا دورہ مکمل کر کے اپنی رپورٹ مرتب کرے۔ ستمبر 1925ء میں قائداعظم محمد علی جناح کمیٹی کے ارکان کے ہمراہ یورپ گئے۔ اس سفر کی تفاصیل تو سامنے نہیں آسکیں، تاہم برطانوی سوانح نگار ہیکٹر بولائتھو نے اپنی تصنیف "Jinnah Creator of Pakistan" میں اس دورے پر مختصر سی روشنی ڈالی ہے۔ رپورٹ کی تکمیل کے بعد اسے اسمبلی میں پیش کیا گیا جس کی روداد یہ ہے:

''اسمبلی کی کارروائی کے دوران 25 اگست 1927ء کو مہا سبھائی رہنما ڈاکٹر مونجے نے ایک قرار داد پیش کی کہ سینڈھرسٹ کمیٹی رپورٹ کا وہ جزو جو متفقہ علیہ ہے۔ یعنی 15 سال میں ہندوستانی فوج کے تمام افسر نصف ہندوستانی ہوجائیں گے۔ منظور کیا جائے۔ اس پر کانگریس کے رہنما سری نواس آئینگر نے ایک ترمیم پیش کی اور کہا:

''اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ہندوستان کی حفاظت کے واسطے آئندہ اسکیم بنے گی، اور اس کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے کہ ابھی تک انگریز افسروں کی بھرتی ہندوستانی رجمنٹوں میں جاری رکھنے پر زور دیا جائے۔ جس کے ملک کی رائے عامہ خلاف ہے۔ فی الحال یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سینڈھرسٹ کمیٹی کی رپورٹ منظور کر کے اس پر عمل درآمد کیا جائے۔''

اس ترمیم پر صاحب زادہ عبدالقیوم اور قائداعظم محمد علی جناح نے بڑی مدلل تقاریر کیں، کیونکہ دونوں ارکان مذکورہ کمیٹی کے رکن تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ترمیم کے جواب میں کمانڈر انچیف اور کرنل کرافورڈ کی تقریر کے پرخچے اڑا کر رکھ دیے۔

انہوں نے کمیٹی کی رپورٹ پر سیر حاصل تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''دراصل حکومت اصلاحات کے نفاذ میں بخالت سے کام لے کر عوام کو دل برداشتہ کرنا چاہتی ہے۔

جب کہ کمیٹی کی رپورٹ میں بعض سفارشات ایسی ہیں جو حکومت کے حق میں ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ایوان کے سامنے کمانڈر انچیف کی یقین دہانی کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

''اس امر پر ضروری ہے کہ فوری طور پر کمیٹی کی سفارشات کو قبول کیا جائے تا کہ عوام کسی قسم کی بدگمانی کا مزید شکار نہ ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کمانڈر انچیف سے امید ظاہر کی:

''وہ اس مسئلہ کو جلد سے جلد حل کرائیں گے اور زیادہ دیر ہندوستان کے عوام کی قسمت سے کھیلنے کا شغل جاری نہیں رکھیں گے۔''

سیونگ سرٹیفکیٹ

14 مارچ 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے قوم کے نام اپنے پیغام میں کہا:

''ہماری کفایت شعاری ایک قومی دولت ہے، اس سے ہماری مملکت کی تعمیر و ترقی میں زبردست مدد ملے گی۔ اس لیے براہ کرم روپیہ بچایئے اور سیونگ سرٹیفکیٹ خریدیے۔''

شاد محمد خان، ملک

قائداعظم محمد علی جناح 19 نومبر 1945ء کو صوبہ سرحد کے دورے پر دوسری بار تشریف لے گئے تو پشاور کے ہوائی اڈے پر جب جہاز اترا تو زینہ آنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ ملک شاد محمد خان نے قائداعظم محمد علی جناح سے کہا:

''قائداعظم اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے بازوؤں پر اٹھا کر آپ کو نیچے اتاروں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی آرزو کو پورا کیا چنانچہ ملک شاد محمد خان نے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنے بازوؤں پر اٹھا کر نیچے اتارا۔ اتنے میں زینہ بھی آ گیا لیکن قائداعظم محمد علی جناح جہاز سے اتر چکے تھے۔

شاد محمد خان 13 اکتوبر 1912ء کو پشاور میں پیدا ہوئے اسلامیہ ہائی سکول اور گھر پر تعلیم پائی تحریک خلافت اور تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ 1947ء میں پشاور میں تحریک سول نافرمانی کو کامیاب کرانے اور ریفرنڈم میں عوام کو نظریہ پاکستان سے روشناس کرانے میں بھی انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔

شادی (پہلی)

قائداعظم محمد علی جناح نے دو شادیاں کی تھیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے پہلی شادی زمانہ طالب علمی میں کی۔ شادی کے معاملے میں انہوں نے والدین کی پسند کو ترجیح دی۔ جس کے نتیجے میں ان کی منگنی پانیلی کی ایمی بائی سے ہوگئی، تاہم انہیں ایسی لڑکی سے شادی کرنے پر اعتراض تھا جسے انہوں نے شادی سے پہلے نہیں دیکھا اور نہ کبھی اس سے بات کی تھی۔ اس شادی کے لیے گوندل سے نقارے بجانے والوں کو بلایا گیا نقاروں کے علاوہ کوئی مزید ساز شامل نہیں تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے والد نے شادی پر دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ شادی کے دن قائداعظم محمد علی جناح کی عمر 16 برس تھی اور وہ پھولوں کی لمبی لمبی لڑیوں میں سر سے پاؤں تک ڈھکے ہوئے تھے۔ ان کی دلہن کی عمر اس وقت 14 برس تھی۔ گاؤں کے مولوی صاحب نے رسم نکاح ادا کی۔ قرآن پاک کی چند آیات تلاوت کی گئیں، اور دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ خاندانی روایت کے مطابق دلہن کو اپنے سسر کے سامنے آنے کے لیے ہر بار گھونگھٹ نکالنا پڑتا تھا۔ یہ بڑوں کے احترام کی علامت تھی مگر قائداعظم محمد علی جناح کے اپنے نظریات تھے۔ وہ اسے غیر ضروری رسم خیال کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے کہنے پر ان کی دلہن نے یہ خاندانی روایت ختم کر دی۔ قائداعظم محمد علی جناح کے کراچی سے لندن روانہ ہونے کے تھوڑے ہی عرصے بعد ان کی بیوی ایمی بائی کا انتقال ہو گیا۔

شادی (دوسری)

یہ 1912ء کا زمانہ تھا۔ اب قائداعظم محمد علی جناح بمبئی کے مشہور اور ممتاز وکلاء میں شمار کیے جاتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی وجہ سے بھی انہیں بمبئی کے سماجی حلقوں میں اہم مقام حاصل ہو چکا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح بمبئی کے مشہور بیرسٹر سر ڈنشاپیٹ کے یہاں آتے جاتے تھے۔ ان دنوں قائداعظم محمد علی جناح

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ کی ایک کوٹھی میں مقیم تھے۔ سرڈنشاپٹیٹ ان کے دوست تھے قائداعظم محمد علی جناح اپنے فرصت کے لمحات ان کے ہاں ہی گزارتے تھے۔ سرڈنشاپٹیٹ کی ایک بیٹی تھی جس کا نام رتی بائی تھا جس کا شمار بمبئی کی خوبصورت لڑکیوں میں ہوتا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی پہلی بیوی وفات پا چکی تھیں اس لیے دوسری شادی میں رکاوٹ نہ تھی چنانچہ 1918ء میں مس رتی بائی نے اسلام قبول کر لیا اور قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ ان کا نکاح ہوگیا وہ گیارہ سال تک قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ رہیں اور بالآخر جنوری 1929ء میں انتقال کر گئیں۔

شادی لعل، مسٹر جسٹس

1929ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح غازی علم الدین شہید کے مقدمہ کی پیروی کے لیے لاہور تشریف لائے تو قانون کے مطابق پنجاب ہائی کورٹ کے متعلقہ جج سے اجازت لینا ضروری تھا۔ چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے مسٹر جسٹس براڈوے سے اجازت طلب کی، لیکن اس نے اجازت دینے کی مخالف کی لیکن چیف جسٹس سر شادی لعل نے قائداعظم محمد علی جناح کو پیش ہونے کی اجازت دے دی۔

شادی لعل ایواڈی میں پیدا ہوئے۔ لاہور کے نامور بیرسٹر تھے۔ زیادہ شہرت اس مقدمے کی وجہ سے ہوئی جو ایک مشہور سکھ رئیس کی اہلیہ کے خلاف بہ سلسلہ الزام قتل پیش ہوا۔ ملزمہ کو اس الزام سے بری ثابت کر دیا۔ پنجاب چیف کورٹ نے ہائی کورٹ کا درجہ حاصل کیا تو سر شادی لعل اس کے چیف جسٹس بنے۔ چیف جسٹس کے منصب سے سبکدوشی کے بعد دہلی میں اقامت اختیار کر لی وہیں 27 مارچ 1945ء کو وفات پائی۔

شام و لبنان

جب شام اور لبنان نے فرانس کی استعماری حکومت کے خلاف سرگرمیوں کا آغاز کیا، اور فرانس نے اپنی ذلیل شکست اور غلامی کے دور کو فراموش کر کے شام و لبنان پر پھر تسلط جمانے کی کوشش کی تو عالمِ اسلام کی خاطر ہندوستان کی جنگ آزادی برپا کرنے والے سورما خاموش رہے، لیکن مسلم لیگ سب سے پہلے میدان میں آئی، اور قائداعظم محمد علی جناح نے نہایت بروقت اور برمحل بیانات شائع کر کے مسلمانانِ ہند کے تاثرات اور جذبات کا مظاہرہ کیا۔

شانِ مسلم

مسلمان کی شان ہے کہ وہ کامیابی و کامرانی اور سرخروئی پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنے کے لیے اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ مرکزی مجلس قانون ساز میں سوفیصد کامیابی پر قائداعظم محمد علی جناح نے پوری ملت اسلامیہ سے اپیل کی کہ وہ جمعۃ المبارک کے روز اظہارِ شکر اور یومِ مسرت منائیں۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

> ''اب بنگال سے مرکزی مجلس قانون ساز کی باقی ماندہ دو نشستوں کے انتخاب کا سرکاری طور پر اعلان کر دیا گیا ہے۔ میں ہند کے مسلمانوں کو ملک کے طول و عرض میں صدفی صد مرکزی نشستیں جیتنے کی شاندار اور بے نظیر کامیابی پر مبارک باد پیش کرتا ہوں، اس کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ بہت سے مخالف امیدوار اور بنگال میں ہر ایک خواہ وہ قابل ذکر بدبخت نام نہاد قوم پرست مسلمان ہو یا کانگریس کی جانب سے کھڑا کیا ہوا کوئی ایک امیدوار دونوں اپنی اپنی ضمانتیں ضبط کرا بیٹھے۔ اس شرمناک اور ششدر کن شکست سے

ہمارے مخالفین کو یہ احساس ہو جانا چاہیے کہ انہیں ہندو کانگریس، اس کے اخبارات اور دولت کی حمایت سے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی بیکار کوششیں ترک کر دینا چاہئیں۔ مطالبہ پاکستان کے حق میں مسلم ہند کا یہ نہایت واضح فیصلہ ہے اور یہ کانگریس ماسوائے اونچی ذات ہندوؤں کے نہ مسلمانانِ ہند کی اور نہ ہی کسی اور فرقے کی نمائندگی کرتی ہے۔

ہندو مہاسبھا جو ہندو کانگریس کی ذیلی جماعت تھی ہوا میں تحلیل ہوگئی اور اس پر سے وہ جھلی کہ وہ کانگریس مخالف جماعت ہے، اتر کر اسے بالکل ننگا کر گئی، اور بلاکسی شک وشبہ یہ ثابت ہوگیا کہ ہندو مہاسبھا ایک ہی سکے کا دوسرا رخ ہے۔ جس کا مقصد نازک مواقع پر کام آنا، اور مسلم مطالبہ کے خلاف ڈھنڈورچی کا کام دینا تھا، جبکہ صفائی سے لیپا پوتی اور مسلم لیگ کے مسلم ہند کے مطالبہ کے خلاف ہر لحاظ سے اونچی ذات کے ہندوؤں کا رویہ اختیار کرنا کانگریس کا کام تھا۔

اس بے مثال اور شاندار کامیابی پر اظہارِ مسرت کے لیے میں نے سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ کو ہدایت کی ہے کہ وہ مسلم لیگ کی تمام صوبائی، ضلعی اور ابتدائی شاخوں کے نام ہدایات جاری کر دیں کہ سارے ہند میں جمعہ 11 جنوری 1946ء کو پہلے راؤنڈ میں اپنی شاندار کامیابی پر اظہارِ تشکر اور یومِ مسرت کے طور پر منائیں۔ اس وقت عام جلسے منعقد کیے جائیں، اور ان تک اپنی کامیابی کا پیغام پہنچایا جائے، اور انہیں پابند نظم وضبط اور نہایت منظم قوم کی حیثیت سے صوبائی مجالس قانون ساز کے انتخابات کا دوسرا راؤنڈ ان کے لیے تیار کیا جائے۔ جواب ہمیں درپیش ہے تاکہ ہم اپنی مکمل کامیابی حاصل کر سکیں اور لیگ کے سرکاری امیدواروں کے حق میں اپنے ووٹ دے کر اور حمایت کر کے ہر صوبے میں (مسلم لیگ کو) بہت بھاری اکثریت دلائیں گے۔

مجھے بھروسہ ہے کہ انشاء اللہ ہم ہند کے طول وعرض میں کانگریس اور قابلِ ذکر، نام نہاد قوم پرست مسلمانوں جو ہمارے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں کے حربوں اور چالبازیوں اور طاقتور ہندو کانگریس کے اخبارات اور بے پناہ دولت اور دیگر وسائل کے باوجود، جو انہوں نے اس جنگ میں جھونکے، انتخابات کی جنگ میں ہم سرخرو ہو کر نکلیں گے۔

اب میں ہر مسلمان مرد، عورت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہر صوبے میں مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لیے اپنی پوری توانائی، بہترین اعانت، حمایت اور ووٹ مرکوز کر دے۔''

(دی ڈان، 31 دسمبر 1945ء)

شاہانہ جلوس

روز نامہ انقلاب اپنے 22 اپریل 1938ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:

''کلکتہ میں مسٹر جناح کے استقبال وجلوس کے متعلق برقی پیغامات کے ذریعہ سے جو کچھ معلوم ہوا تھا، کلکتہ کے اخباروں کی شائع کردہ تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حقیقی صورت حال کا صحیح مرقع نہ تھا۔ ''اسٹار آف انڈیا'' نے لکھا ہے کہ آج سے سولہ برس پیشتر ڈیوک آف ونڈسر جب پرنس آف ویلز کی حیثیت میں کلکتہ آئے تو اس وقت اس شہر میں استقبال کا ایک یگانہ نظارہ پیش ہوا تھا۔ مسٹر جناح کا جلوس اور استقبال شان وشکوہ میں اس سے بھی بڑھا ہوا تھا۔

جلوس چار میل لمبا تھا، صرف ہوڑہ کے پل کو عبور کرنے میں کامل ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوا، پچاس ہزار مسلمان اصل جلوس میں شریک تھے، جو مسلمان تماشائیوں کی حیثیت سے راستے کے دونوں طرف چھ چھ سات سات قطاروں میں کھڑے تھے، ان کی تعداد کا صحیح اندازہ مشکل ہے۔ آج تک کلکتہ میں کانگریس کے کسی لیڈر یا پریذیڈنٹ کا جلوس بھی اس قدر شاندار نہیں نکلا۔

مسٹر جناح پہنچے تو وزرائے حکومت اور اکابر عوام کی ایک بہت بڑی جماعت اسٹیشن پر ان کے استقبال کے لیے موجود تھی۔ پلیٹ فارم پر پہنچنے کے لیے لوگوں میں اس قدر جوش وخروش تھا کہ پلیٹ فارم کے ٹکٹ ختم ہو گئے، اور ہزاروں آدمی باہر رہ گئے۔ پلیٹ فارم پر ہجوم کا عالم یہ تھا کہ مسٹر جناح کو اپنے ڈبے سے باہر نکال کر گاڑی تک پہنچانے میں بڑی دقت پیش آئی۔ بازار شاہانہ طریق پر آراستہ تھے۔ جابجا دروازے بنے ہوئے تھے جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

''مولانا محمد علی گیٹ، مسجد شہید گنج گیٹ، سر محمد اقبال گیٹ، سر سکندر حیات گیٹ، الہلال گیٹ، مولانا حسرت موہانی گیٹ، مولانا ظفر علی خان گیٹ، شوکت علی گیٹ، بیگم محمد علی گیٹ، سر سلطان گیٹ، اورنگ زیب گیٹ، سلطان صلاح الدین گیٹ، سلطان محمود غزنوی گیٹ۔''

مچھوا بازار اسٹریٹ میں مسٹر جناح کے پہنچنے کا اعلان گولوں کے ذریعے سے کیا۔ ایک گولہ اونچا اڑایا گیا جو فضا میں جا کر پھٹ گیا۔ اس میں سے ''مسٹر جناح زندہ باد'' اور ''مسلم لیگ زندہ باد'' کے حروف بن کر نکلے۔ کلکتہ کی ساری فضا اس روز ''مسٹر جناح زندہ باد'' اور ''مسلم لیگ زندہ باد'' فضل حق زندہ باد اور اس قسم کے دوسرے نعروں سے بالکل لبریز تھی۔ حضرت اقبال کا اسلامی ترانہ رضا کاروں کے مختلف جیشوں کی زبان پر تھا۔ غرض یہ جلوس کی مختصر سی کیفیت ہے۔ ''اسٹار آف انڈیا'' نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ جس لیڈر کو عوام کی تائید وحمایت حاصل نہ ہو، اس کی حیثیت ایک ایسے سر کی ہوتی ہے جو جسم سے الگ ہو، لیکن آج کون کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان مسٹر جناح کی تائید پر نہیں ہیں؟ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلم لیگ آج مسلمانوں کی سب سے بڑی نمائندہ جماعت نہیں ہے؟''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت: 22 اپریل 1938ء)

شانتارام چالی

قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں 11 دسمبر 1918ء کو بمبئی کے شہریوں نے شانتارام چالی میں ایک جلسے کا اہتمام کیا جلسہ میں قائداعظم محمد علی جناح کی خدمات کا زبردست اعتراف کیا گیا، اور انہیں خراج تحسین پیش کیا گیا۔ لارڈ ولنگڈن، شیرف اور پولیس کی جانب داری کی نہایت سخت الفاظ میں مذمت کی گئی۔

شاہ برطانیہ

(دیکھئے: جارج پنجم، جارج ششم)

شاہ پاکستان

مصر کے شاہ فاروق نے قائداعظم محمد علی جناح کو ''شاہ پاکستان'' کہا تھا۔

شاہجہان پور

(دیکھئے: بریلی)

شاہد رزاقی

وہ ممتاز ادیب تھے۔ انہوں نے جب علامہ اقبال کے غیر مطبوعہ مضامین اور مقالات کو ترتیب دیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے یہ پیغام ارسال کیا:

''ہر بڑی تحریک کا ایک مفکر ہوتا ہے، اور اقبال ملت اسلامیہ ہند کی نشاۃ جدیدہ کے مفکر تھے، انہوں نے مسلمانوں میں اسلام کے باعظمت ماضی کی تجدید کرنے کا عزم کیا اور حوصلہ پیدا کیا، اور ان میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اقبال نے اپنی تصانیف کی شکل میں ایک لازوال دولت اور گراں قدر میراث چھوڑی ہے۔ نہ صرف مسلمانوں بلکہ دنیا کی دوسری اقوام کو بھی ایک بصیرت افروز پیغام دیا، ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اقبال کی تصانیف کو پڑھے اور ان کی تعلیمات کو ذہن نشین کرے۔ ہم سب مل کر اپنے ملی استحکام کے لیے جدوجہد کریں اور معاشی، تعلیمی، معاشرتی اور سیاسی ہر اعتبار سے تمام مسلمانوں کو متحدہ ومنظم کریں۔''

شاہد، محمد حنیف

انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح پر متعدد کتب تحریر کیں جن میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

1. پنجاب کی کہانی قائداعظم کی زبانی
2. قائداعظم پر قاتلانہ حملہ
3. ٹری بیوٹس ٹو قائداعظم (انگریزی)
4. سپیچز، سٹیٹ منٹس اینڈ رائٹنگز آف قائداعظم
5. علامہ اقبال اور قائداعظم کے سیاسی نظریات
6. رحمۃ اللعالمین قائداعظم کی نظر میں

محمد شاہد حنیف یکم جنوری 1939ء کو لاہور میں میاں عزیزالدین کے ہاں پیدا ہوئے۔ ایم اے اردو کرنے کے علاوہ لائبریری سائنس میں ڈپلومہ حاصل کیا، نیز فرانسیسی زبان میں سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔

ابتدا میں پنجاب پبلک لائبریری میں ملازمت کی۔ پھر ریاض سعودی عرب چلے گئے اور وہاں کی لائبریری میں ملازمت اختیار کی۔

شاہراہِ قائداعظم (لاہور)

یہ لاہور کی مشہور سڑک ہے۔ پہلے اس کا نام مال روڈ تھا۔ لیکن 17 اپریل 1951ء کو میونسپل کارپوریشن لاہور نے جہاں شہر کی کئی سڑکوں کے نام تبدیل کیے وہاں مال روڈ کا نام بھی بدل کر اس کا نیا نام ''شاہراہ قائداعظم'' رکھا۔

شاہراہِ قائداعظم پر بڑے بڑے اداروں کے دفاتر اور عمارات ہیں، جن میں میونسپل کارپوریشن، پنجاب یونیورسٹی، عجائب گھر، اسلامی مینار، الفلاح بلڈنگ، شاہ دین بلڈنگ، اسمبلی ہال، واپڈا ہاؤس، ہوٹل پرل کانٹی نینٹل اور گورنر ہاؤس قابلِ ذکر واقع ہیں۔

شاہراہ محمد علی جناح

6 جنوری 1977ء کو عمان میونسپل کونسل نے جبل عمان میں واقع عمان اسٹریٹ کا نام شاہراہ محمد علی جناح رکھا۔ سڑک کے نام کی تختی کی تنصیب کی رسم عمان کے میئر نے انجام دی۔ اس تقریب میں عمان کے اعلیٰ افسروں اور اردن میں مقیم پاکستانیوں نے شرکت کی۔ اس سے قبل 26 دسمبر کو پاکستانی سفیر عبدالقیوم نے شاہ حسین کو تمغہ قائداعظم پیش کیا۔

بیگم شائستہ اکرام اللہ

ولادت 1915

تحریکِ پاکستان کی رہنما کلکتہ میں پیدا ہوئیں۔ مشیرِ وزیرِ ہندحسان سہروردی کی صاحبزادی اور حسین شہید سہروردی کی بہن تھیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ انگلستان سے 1945ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انہیں ادب سے گہرا لگاؤ تھا۔ ان کی انگریزی کتاب ''پردہ سے پارلیمان تک'' یورپ میں شائع ہوئی۔ جب وہ ملک واپس لوٹیں تو تحریکِ پاکستان سے وابستہ ہو گئیں۔ 1945ء میں آپ نے مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لینا شروع کیا۔ آپ آل انڈیا مسلم گرلز سٹوڈنٹس فیڈریشن کی ناظم مقرر ہوئیں۔ اس فیڈریشن کی طالبات نے سول نافرمانی کی تحریک میں تاریخی خدمات سرانجام دیں۔ 1946ء میں آپ بنگال لیجسلیٹو اسمبلی میں عورتوں کی مخصوص نشست سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئیں۔ بعدازاں پاکستان کی مجلسِ دستور ساز کے لیے مشرقی پاکستان سے منتخب ہوئیں۔ 1948ء میں انہیں مراکش میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا گیا۔ آپ عرب دنیا میں بے حد مقبول تھیں۔ آپ کی چھوٹی صاحبزادی کی شادی اردن کے ولی عہد شہزادہ حسن سے ہوئی۔ اس سے پاکستان کے اردن کے ساتھ روابط میں اضافہ ہوا۔ آپ ایک مخلص قومی رہنما تھیں۔

شاہنواز، سرمیاں

قائداعظم محمد علی جناح نے 20 مارچ 1947ء کو انتخابی طریق کار پر غور کرنے کے لیے ہندوستان بھر کے تمیں سربرآوردہ اور مختلف الخیال مسلمان رہنماؤں کی دہلی کے ویسٹرن ہوٹل میں جو کانفرنس طلب کی اس میں میاں شاہنواز بھی شریک تھے۔ مئی 1930ء میں سائمن کمیشن کی رپورٹ شائع ہوئی تو قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ انہوں نے بھی بحث میں حصہ لیا۔ گول میز کانفرنس میں بھی قائداعظم محمد علی جناح کا ساتھ دیا۔

شاہنواز ممدوٹ، سر

وہ صوبائی مسلم لیگ کے صدر اور پنجاب کے ممتاز رہنما تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح جب لاہور تشریف لاتے تو ان کے ہاں قیام فرماتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے 29 ستمبر 1937ء کو پنجاب کے مسلم طلباء کو جو پیغام دیا اس میں انہوں نے کہا تھا:

''مسلم قوم کی امیدیں تو جوانوں سے وابستہ ہیں قومی حیات کے لیے تنظیم بڑی ضروری ہے۔''

اس پیغام میں انہوں نے کہا تھا:

''میں خوش ہوں کہ آپ کو (طلباء) پنجاب کے زعما کرام مثلاً ڈاکٹر سر محمد اقبال، مولانا ظفر علی خان، ملک برکت علی اور سر محمد شاہ نواز ممدوٹ کی طرف سے کامل تعاون اور حمایت حاصل ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 1938ء میں نواب شاہنواز ممدوٹ کی وساطت سے ملتان کے شہری حلقوں کو بذریعہ تاریہ پیغام بھیجا:

''وہ مسلم لیگ کے امیدوار شیخ محمد امین کو ووٹ دے کر لیگ کے وقار کا علم بلند رکھیں جو ہندوستان بھر میں تنہا مسلمانوں کے حقوق کے لیے مصروف جہاد ہے۔ گمراہ احراری اپنی سرگرمیوں سے نہ صرف مسلمانوں کے بہترین مفاد کو خطرے میں ڈال رہے ہیں بلکہ ملک کے لیے بھی ان کا وجود مضر رساں ہے انہیں شکست فاش دو۔''

جناب سر شاہنواز ممدوٹ نے 29 اپریل 1942ء کو لاہور میں انتقال کیا۔

شاہ ولی اللہ، مارشل

قائداعظم محمد علی جناح نے 1935ء میں ان کی اقتدا میں بمبئی کی اس مشہور گراؤنڈ میں نماز عید الفطر ادا کی جو بعد میں کرکٹ کا میدان بنی۔ مارشل شاہ ولی اللہ نے افغانستان سے بچہ سقہ کو نکالنے اور افغانستان کے سابق شاہ ظاہر شاہ کے والد نادر شاہ کو افغانستان میں حکومت بنانے کی دعوت دی۔

شائستہ اکرام اللہ، بیگم

وہ تحریک پاکستان کی رہنما تھیں اور قائداعظم محمد علی جناح کی معتقد تھیں۔ قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی ملاقات 1941ء میں اپنے والد کے ہمراہ ہوئی۔ وہ لکھتی ہیں:

''ہم ساڑھے 9 بجے صبح قائداعظم سے ملنے پہنچ گئے تھے، وہ ناشتے کی میز پر تھے۔ قائداعظم ہمیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ آگے بڑھ کر میرے ابا سے ہاتھ ملایا اور ہمیں ایک کمرے میں بٹھا دیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ میرے والد سے گفتگو کرنے لگے۔ کبھی کبھی میں بھی اس گفتگو میں حصہ لیتی۔ مجھے تعجب اور خوشی اس بات کی تھی کہ قائداعظم نے میری موجودگی کا برا نہیں منایا۔ گفتگو اتنی دلچسپ تھی کہ مجھے یہ خیال بھی نہ رہا کہ میں کس عظیم انسان کے سامنے موجود ہوں۔''

شائستہ 1912ء میں کلکتہ میں پیدا ہوئیں۔ مشیر وزیر ہند (انگلستان) حسان سہروردی کی صاحب زادی۔ ایم اے پی ایچ ڈی کے کرنے کے بعد تعلیم یافتہ خواتین میں بڑا نام پیدا کیا۔ 1932ء میں اکرام اللہ سے شادی کی جو دیگر عہدوں کے علاوہ مختلف ممالک میں منصب سفارت پر مامور رہے۔ ان کی بیٹی شہزادی ثروت کی شادی اردن کے ولی عہد حسن بن طلال سے ہوئی۔ ان کے نکاح نامے پر گواہ کے طور پر ایوب خاں اور شاہ حسین نے دستخط کیے۔

1935ء میں بیگم شائستہ اکرام اللہ نے مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لینا شروع کیا۔ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں رکن تھیں۔ 1948ء میں پاکستانی وفد کی رکن کی حیثیت سے اقوام متحدہ گئیں۔ 1954ء میں دوبارہ اقوام متحدہ میں گئیں۔ 1961ء میں بنیادی جمہوریتوں کی رکن منتخب ہوئیں۔ 1962ء میں ان کے شوہر کا لندن میں انتقال ہوا۔ اکتوبر 1964ء میں انہیں مراکش میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا گیا۔ انہوں نے اپنی کوششوں سے مراکش کی سو فیصد آبادی کی پاکستان کے لیے حمایت حاصل کی۔

شبیر احمد عثمانی، علامہ

1945ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے کھل کر مسلم لیگ کی حمایت کی اور قائداعظم محمد علی جناح کا بے جگری سے ساتھ دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے قیام پاکستان پر کراچی میں پاکستان کا جھنڈا لہرانے کا فریضہ انہیں سونپا تھا۔

وہ مولانا فضل الرحمان کے ہاں 1885ء میں بجنور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر حضرت مولانا محمود الحسن (اسیر مالٹا) کی شاگردی اختیاری کی۔ 1927ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ 1928 تا 1943ء کا زمانہ ڈابھیل ضلع گجرات کاٹھیاواڑ میں بطور مدرس گزارا۔ آخری دور میں دارالعلوم دیوبند کے وائس چانسلر مقرر ہوئے ناخوشگوار واقعات کی وجہ سے گوشہ نشین ہوئے اور اسی دور میں سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ 1919ء میں جمعیۃ العلماء ہند کے قیام پر اس کی ورکنگ کمیٹی اور مجلس منتظمہ کے رکن چنے گئے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی ہمراہی میں 1920ء میں ہندوستان کا دورہ کیا۔ 1920ء میں شیخ الہند کی طرف سے علی گڑھ میں خطبہ پڑھا جو ایک مشہور سیاسی شاہکار ہے۔ تحریک پاکستان کے دنوں میں قائداعظم محمد علی جناح کا بھرپور ساتھ دیا اور اپنوں کو چھوڑ کر تکالیف بھی اٹھائیں۔ علمائے دیوبند نے انہیں بہت پریشان کیا کیونکہ یہ حضرات نظریۂ پاکستان کے یکسر خلاف تھے، ان کا نظریہ تھا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ علامہ اقبال نے اس کا بُطلان کیا اور حسین احمد مدنی کے خلاف اپنی مشہور زمانہ رباعی لکھی۔ لیکن علمائے دیوبند کے رویہ پر مبنی ملت اسلامیہ کے چراغ کو گل نہیں ہونے دیا یہاں تک کہ پاکستان کو بنا کر چھوڑا۔

جب صوبہ سرحد میں ریفرنڈم پاکستان کے حق میں ہوا تو علامہ شبیر احمد عثمانی قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کے لیے دہلی گئے اور انہیں صوبہ سرحد میں ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی کامیابی پر مبارک باد دی۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

> "اس مبارک باد کے مستحق آپ ہیں۔ میں خواہ سیاست دان سہی لیکن آپ نے بر وقت مدد کر کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی۔"

انہوں نے بغداد الجدید (بہاولپور) میں 13 دسمبر 1949ء کو 11 بج کر 4 منٹ پر وفات ہوئی۔ 13 دسمبر 1973ء کو پاکستان کی تاریخ میں سرکاری طور پر ان کی برسی منائی گئی اور خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی
1949 - 1885

آپ ممتاز عالم دین، ماہر علم تفسیر واحادیث اور مفسر قرآن تھے۔ آپ نے جمعیت العلماء اسلام کی بنیاد رکھی۔ یہ جماعت مسلم لیگ کی حامی تھی۔ آپ پورے برصغیر کے دینی حلقوں میں موثر اور فعال شخصیت تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپ نے اپنی ایمان فروز اور ولولہ انگیز تحریر وتقریر سے برصغیر کے مسلمانوں کو تحریک پاکستان کے لیے متحرک کیا اور مذہب وسیاست دونوں کی روشنی میں مسلم لیگ کی حمایت کے لیے دلائل دیے۔ آپ نے 1946ء کے تاریخی انتخابات میں میں مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لیے طوفانی دورے کیے۔ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کو کامیاب بنانے کے لیے آپ نے علمائے کرام کے ہمراہ صوبہ بھر کے دورے کیے۔

شبیر احمد عثمانی بنام قائداعظم

محترم المقام عالی جناب قائداعظم مسٹر محمد علی جناح صاحب!

سلام مسنون! میں ابھی لاہور کانفرنس سے واپس آیا ہوں یہاں آ کر معلوم ہوا کہ میرٹھ کے کسی حلقہ سے جناب خان صاحب رشید احمد صاحب یو پی پارلیمنٹری بورڈ کے انتخاب میں نہیں آئے، حالانکہ مجھ کو یقین تھا کہ وہ غالباً بلا مقابلہ نامزد ہوں گے۔ خان صاحب کے حالات جناب پر مخفی نہیں وہ نہایت مخلص کارکن لیگ کے جان و مال کے حامی اور ہر دلعزیز ہیں۔ خدا جانے کیا اسباب ہوئے کہ آپ نے نامزد نہیں کیا۔ صحیح اور معقول انتخاب ہی مسلم لیگ کو کامیاب بنا سکتا ہے۔ میں جناب کی خدمت میں پرزور اور مخلصانہ سفارش کرتا ہوں کہ جو اپیل انہوں نے دائر کی اسے منظور فرمایا جائے۔ یہ میری زبردست خواہش ہے، اور انشا اللہ اسی صورت میں کامیابی کی مکمل امید ہے۔ مجھے پوری توقع ہے کہ میری اس سفارش کو آپ مسترد نہ فرمائیں گے۔

والسلام

شبیر احمد عثمانی از دیو بند

شبیر علی تھانوی

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ پٹنہ 1938ء کو کامیاب بنانے کے لیے مولانا اشرف علی تھانوی نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں مولانا ظفر احمد انصاری، مولانا عبدالغفور پھولپوری۔ مولانا عبدالجبار، مولانا معظم حسین مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری کی قیادت میں جو وفد بھیجا اس میں مولانا شبیر علی تھانوی بھی شامل تھے۔ 12 فروری 1939ء کو دہلی میں مولانا شبیر علی تھانوی کی قیادت میں علماء کے ایک وفد نے قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی اور سیاست و مذہب کے موضوع پر بات چیت کی۔

شخصیت پرستی

24 دسمبر 1945ء کو ای وارڈ ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کے چند کارکن قائداعظم محمد علی جناح کے دولت خانہ پر ایک جلسے میں شرکت کی دعوت دینے گئے، اس میں سے ایک شخص نے جوشِ عقیدت سے مجبور ہو کر قائداعظم محمد علی جناح کے ہاتھ چوم لیے۔ یہ حرکت دیکھ کر آپ نے فرمایا:

> ''لوگوں کو چاہیے کہ مجھے معمولی آدمی تصور کریں پیرو مرشد نہ سمجھیں۔ اس طرح لوگوں میں غلط اور تباہ کن طریقہ پر سر جھکانے کی عادت پڑ جاتی ہے، جسے عرفِ عام میں شخصیت پرستی کہتے ہیں، اور یہ مرض نقصان دہ اور مضرت رساں ہے اور اسلام میں ناروا اور ناجائز ہے۔''

شروانی، مولانا حبیب الرحمٰن خان حسرت

وہ علی گڑھ کے رئیس تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح جب بھی علی گڑھ تشریف لے جاتے تو ان کے ہاں قیام فرماتے۔

وہ 5 جنوری 1867ء کو بھیکم پور (علی گڑھ) میں پیدا ہوئے۔ قدیم و جدید تعلیم کا مجموعہ تھے۔ فارسی، عربی کی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ عربی کی بلند پایہ کتب مولانا مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی کے درس میں پڑھیں۔ انگریزی تعلیم میٹرک تک آگرہ سکول میں پائی۔ شیخ حسین یمنی عرب مقیم بھوپال سے سند حدیث لی۔ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے بھی فیض پایا۔

مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے دست حق پر بیعت کی۔ 1904ء میں الندوہ کے مدیر ہوئے۔ دارالمصنفین ندوہ کے تیسرے صدر رہے۔ شعر و شاعری کا ذوق بھی طبیعت میں موجود تھا حسرت تخلص کرتے تھے۔ اردو میں امیر مینائی سے اور فارسی میں شبلی نعمانی سے مشورہ لیتے۔ دولت آصفیہ حیدر آباد

دکن میں صدر امور مذہبی تھے۔ 1905ء میں انجمن ترقی اردو کے صدر مقرر ہوئے۔ 1924ء میں حج کیا۔ حکیم اجمل خان اور قائداعظم محمد علی جناح سے گہرے تعلقات تھے۔

بہت سی تعلیمی انجمنوں سے وابستہ رہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن میں وائس چانسلر کے عہدے پر فائز رہے۔ شمس العلماء کے خطاب کی کوششیں ہو رہی تھیں لیکن انہوں نے اسے رکوا دیا تاہم صفدر یار جنگ کے خطاب کو قبول کرلیا۔

11 اگست 1950ء کو اس جہانِ فانی سے وفات پائی۔

شدھی اور سنگٹھن (تحاریک)

1922ء میں انتہاپسند ہندوؤں نے شدھی اور سنگٹھن جیسی تحاریک شروع کر کے برصغیر میں فرقہ وارانہ تعصبات کو ہوا دی، اور مذہبی تعصبات میں شدت پیدا کی، اور یوں فسادات کے شعلے پھوٹ پڑے، ہر طرف افراتفری اور سراسیمگی پھیل چکی تھی، اس کے باوجود مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد اور باہمی مفاہمت کی خاطر سرگرمِ عمل رہا۔

ہندوستان کے سیاسی حالات و واقعات کے پیشِ نظر قائداعظم محمد علی جناح نے یہ رائے پیش کی:

> ''ہندوستان میں مسلمان اور ہندو اس وقت تک تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتے، جب تک فرقہ وارانہ تعصبات کا خاتمہ نہ کیا جائے، اور وہ ایک دوسرے کے قریب نہ آ جائیں۔''

یہی سبب تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح کو ہندو مسلم اتحاد کا سفیر تصور کیا جاتا تھا۔

شریعت بل

16 ستمبر 1937ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے شملہ میں لیجسلیٹو اسمبلی میں پیش ہونے والے شریعت بل پر تقریر کی۔

شریف الدین پیرزادہ

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے سیکرٹری رہے۔ وہ یہ اہم ذمہ داری وہ اعزازی طور پر 1941ء سے 1944ء تک ادا کرتے رہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی نگرانی میں کام کرنے سے انہیں قانون کے شعبے میں بھی مدد ملی۔

شریف المجاہد

انہیں قائداعظم محمد علی جناح پر لکھی کتاب پر 1981ء میں صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ قائداعظم اکیڈمی کے ڈائریکٹر رہے۔ پروفیسر شریف المجاہد نے تاریخ، صحافت اور اسلامیات میں مدراس یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کی جبکہ کمیونی کیشنز کے شعبہ میں سیراکیوز یونیورسٹی سے سند پائی۔ 1945ء میں انہوں نے اپنی صحافت کا آغاز تحریک پاکستان اور مسلمانوں کی بیداری پر مضامین لکھنے سے کیا، پھر کراچی میں سول اینڈ ملٹری گزٹ کے ادارتی شعبے سے منسلک ہو گئے۔ بعد میں مانٹریال اسٹار اور دیگر کئی پاکستانی و غیر ملکی اخبارات و جرائد کے نمائندہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ 1955ء میں جامعہ کراچی سے وابستگی اختیار کی اور اس کے شعبہ صحافت کا آغاز کیا۔ یہ سلسلہ 1972ء کے آخر تک قائم رہا۔ اس دوران آپ نے براڈلے یونیورسٹی اور بفیلو کی اسٹیٹ آف نیو یارک میں بحیثیت وزیٹنگ ایشین پروفیسر جنوبی ایشیا کے موضوع پر لیکچر دیے۔ 1972ء میں وفاقی وزارت تعلیم نے پروفیسر شریف المجاہد کو قائداعظم اکیڈمی کی بنیاد رکھنے پر مامور کیا۔

شریف رپورٹ

1939ء میں پیرپور اور فضل الحق رپورٹ کی طرز پر ایک

اور رپورٹ بہار کی صوبائی مسلم لیگ نے پٹنہ کے ایس ایم شریف کی سرکردگی میں مرتب کی اور شائع کی، جو صرف بہار میں وقوع پذیر ہونے والے مظالم تک محدود تھی۔ اس لیے اس میں دوسری رپورٹوں کے مقابلہ میں واقعات زیادہ تفاصیل کے ساتھ جمع کیے گئے۔ قریباً 90 المناک مثالوں سے کانگریسی راج کے تحت ہونے والے ظلم وستم کو اجاگر کیا گیا۔ پٹنہ ہائی کورٹ کے ایک سینئر وکیل خورشید حسنین نے مطالعہ کے بعد سفارش کی:

''کانگریس ہائی کمان کو یہ رپورٹ ضرور پڑھنی چاہیے، تاکہ ان کے درست یا غلط ہونے کی تحقیقات کرائی جاسکے۔''

جب اقلیتوں پر ایذا رسانی اور اس کے ساتھ ساتھ انگریز افسروں کی سردمہری حد سے بڑھنے لگی تو قائداعظم محمد علی جناح اپنے نام نہاد انگریز اتحادیوں سے مایوسی کا اظہار کرنے لگے۔ ان کا قیاس تھا:

''شاید اوائل 1939ء میں لارڈ برابدرن کی وفات کے بعد دہلی میں ان کا کوئی سرگرم حامی نہیں رہا۔''

شریفانہ برتاؤ

قائداعظم محمد علی جناح نے 15 اگست 1947ء کو پاکستان کے محکمہ نشریات کی رسم افتتاح پر دورانِ تقریر کہا:

''پاکستان کی آزاد اور خودمختار مملکت وجود میں آ گئی ہے، اور مسلمان قوم کی وہ آرزو پوری ہوگئی ہے، جس کے لیے اس نے مسلسل تگ و دو کی تھی، اور لاتعداد قربانیاں دی تھیں۔ اس نئی مملکت کے وجود میں آنے کے بعد ہماری ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ ہمیں اب یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم مختلف خصوصیات رکھتے ہوئے بھی ایک ہی قوم ہیں۔ ہم میں ذات پات کی کوئی تفریق نہیں، ہم ایک دوسرے سے مل کر خلوص اور امن کے ساتھ رہ سکتے ہیں، اور ملک کی خوشحالی کے لیے متعدد جدوجہد کرنے کے اہل ہیں۔ ہم اپنے قول اور نظریات پر پابندی سے عمل کریں گے، اور دکھا دیں گے کہ اقلیتوں کے ساتھ کیسا شریفانہ برتاؤ کیا جاتا ہے۔''

شطرنج کی بساط

قائداعظم محمد علی جناح نے کانگریس کی سازش کو بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا:

''کانگریسی رہنماؤں کو اس کا علم ہے کہ ان کا ہدف کیا ہے۔ انہیں سات صوبوں میں اکثریت حاصل ہے، اور وہاں کانگریس کی حکومتیں قائم ہیں۔ صرف چار صوبے باقی رہ گئے ہیں۔ کانگریسی رہنماؤں کی حریص نظریں ان صوبوں پر لگی ہوئی ہیں۔ وقتاً فوقتاً وہ اعلان کرتے رہتے ہیں کہ ان صوبوں میں غیر کانگریسی حکومتیں متزلزل ہیں، اور آخری دموں پر ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں۔ کانگریسی رہنما یہ سمجھتے ہیں کہ ان صوبوں میں وزارتیں بہت زیادہ مستحکم نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان صوبوں میں جہاں بھی ان سے ہو سکے کانگریسی وزارت قائم کر دی جائے۔ شمال مغربی سرحدی صوبے کے بعض دوستوں سے میری بات ہوئی ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اس صوبے میں ہم مذہبوں، بھولے بھالے پٹھانوں کو بتایا گیا ہے کہ کانگریس عوام کی بھلائی چاہتی ہے۔ مسلم لیگ سامراج کی حامی ہے، اور سامراج کی دوست ہے میں کہتا ہوں مسلم لیگ پر سامراج کی دوستی کے الزام سے بڑا جھوٹ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیا میں نے کبھی بھی

مجلسِ قانون ساز کے اندر اور مجلس قانون ساز کے باہر کسی ایک موقع پر سامراج کی حمایت کی ہے۔ مجھے سامراج کا ساتھی ثابت کرنے کا تو ذکر ہی کیا؟
(آوازیں:نہیں نہیں)
مجھے یقین ہے کہ اگر کبھی مسلمانوں میں چند لوگ ایسے تھے جنہوں نے ماضی میں یہ سوچا کہ برطانوی سامراج کے ساتھ دوستی کے ذریعہ ان کی مقصد براری ہوسکتی ہے تو اب تو ان کی بھی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مسلم لیگ کسی کی بھی دوست نہیں ہوگی، لیکن اگر مسلمانوں کے مفاد میں ضرورت پیش آ جائے تو وہ شیطان سے بھی دوستی کرلے گی۔'' (ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس موقع پر کسی مکمل سکوت نے پورے پنڈال کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے)
قائداعظم نے ایک لمحہ کے لیے توقف کیا اور پھر سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:
''یہ بات نہیں ہے کہ ہمیں سامراجیت سے انس ہے، لیکن سیاست میں بھی کھیل ایسے ہی کھیلنا پڑتا ہے، جیسے شطرنج کی بساط پر کھیلا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں اور مسلم لیگ کا صرف ایک دوست ہے اور وہ ہے مسلم قوم، اور مدد کے لیے بھی وہ ایک اور صرف ایک ہی کی طرف دیکھتے ہیں اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات۔'' (نعرہ ہائے تحسین)

شعبہ پبلسٹی مسلم لیگ

(دیکھئے: دیویاں)

شعیب قریشی

وہ مولانا محمد علی جوہر کے داماد تھے اور پاکستان بننے سے پہلے ریاست بھوپال کے وزیر اوقاف رہے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے اس وقت ملاقات کی جب وہ قانونی پیشہ ترک چکے تھے۔ وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
''میں تقریباً اٹھارہ لاکھ روپے کی مالیت کے ایک تعلیمی وقف کا مقدمہ عدالت میں دائر کرنا چاہتا تھا اور یہ درخواست لے کر قائداعظم کے پاس دہلی گیا کہ وہ اس مقدمہ کی پیروی کریں ابھی میں درخواست زبان پر بھی نہ لایا تھا کہ میری موجودگی میں قائداعظم نے ایک تار بھجوایا جس میں انہوں نے ایک پرانے سندھی موکل کے ایک بڑے مقدمے کو وکالت ترک کے عذر پر لینے سے انکار کر دیا۔ موکل نے قائداعظم کو بہت بڑی فیس کی پیش کش کی تھی جس کی ایک تہائی فیس بھی میں پیش نہ کرسکتا تھا اس کے باوجود میں نے قائداعظم سے درخواست کی۔ قائداعظم نے اپنے سندھی موکل کے معاملہ کا حوالہ دے کر مقدمہ لینے سے معذوری ظاہر کی۔ اس پر میں نے کہا کہ سندھی موکل کا مقدمہ پرائیویٹ حیثیت رکھتا تھا، اور یہ ایک تعلیمی وقف کا معاملہ ہے جس کی کامیابی سے بکثرت مسلمان تعلیم کی نعمت حاصل کرسکیں گے۔ جب قائداعظم نے یہ دلیل سنی تو باوجود اپنی مصروفیت کے میری درخواست قبول کرلی۔''

(بحوالہ تاریخ پاکستان کے بڑے لوگ از ثروت صولت)

شفیع، سر محمد

وہ مخلوط انتخاب کے حامی تھے لیکن قائداعظم محمد علی جناح جداگانہ انتخاب کے، اسی بنا پر دونوں لیڈروں کے مابین اختلاف پیدا ہوگیا اور انہوں نے شفیع لیگ بنالی۔
سر محمد شفیع 1869ء میں باغبانپورہ لاہور میں پیدا ہوئے میاں فیملی کے چشم و چراغ تھے اور علامہ اقبال کے دوست تھے۔ انہوں

نے لاہور اور انگلستان میں تعلیم پائی۔ قانون کی تعلیم کے بعد لاہور ہائی کورٹ میں پریکٹس کرنے لگے۔1906ء میں جو وفد شملہ بھیجا گیا اور جس نے وائسرائے سے ملاقات کی، اس میں وہ بھی شامل تھے۔1909ء سے 1919ء تک امپریل لیجسلیٹو کونسل اور پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے رکن رہے۔1913ء میں لکھنؤ میں منعقدہ آل انڈیا مسلم لیگ کے چھٹے سالانہ اجلاس کی صدارت کی 1927ء میں جب مسلم لیگ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تو وہ اس کے صدر منتخب ہوئے اور 3 دسمبر 1927ء کو انہی کی صدارت میں شفیع لیگ کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔

1930ء، 1931ء کی گول میز کانفرنس منعقدہ لندن میں شمولیت اختیار کی۔

جنوری 1932ء میں انتقال کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے سر محمد شفیع کی وفات پر کہا:

''ہندوستان نے امن کی ایک زبردست طاقت کھودی ہے سر میاں محمد شفیع موجودہ نازک حالت میں حکومت اور عوام دونوں کے لیے بے حد امداد کا باعث ہوئے گول میز کانفرنس کے دوران میں میں نے ان کو ایک نہایت فیاض دل اور محبِ وطن پایا۔ وہ مسلمانوں کے لیے جائز تحفظات کی زبردست خواہش رکھتے ہوئے امن اور تصفیہ کے لیے سخت تندہی سے کام کرتے تھے۔''

شکارپور

اگست 1927ء میں مولانا محمد علی جوہر نے قائداعظم محمد علی جناح کو دہلی سے ایک تار میں درخواست کی:

''واجب الاحترام پیشوایان مذاہب کی توہین کے انسداد کے سلسلے میں دہلی میں منعقدہ کانفرنس میں شرکت فرمائیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس کے جواب میں لکھا:

''مجھے افسوس ہے کہ میں 15 اگست کو دہلی حاضر نہیں ہوسکتا میں شکارپور ہوتا ہوا شملہ جارہا ہوں۔''

لیکن کتابوں کی ورق گردانی سے یہ پتہ نہیں چل سکا کہ قائداعظم محمد علی جناح کب شکارپور گئے۔

تقسیم سے قبل یہ شہر نہ صرف کاروباری اعتبار سے بلکہ آبادی کے لحاظ سے بھی ایک بڑا شہر تھا۔ تعلیمی معیار، بلند پایہ درسگاہوں، ہنرمندی، بنکاری اور ثقافت کے لحاظ سے اسے صوبہ سندھ میں تیسری پوزیشن حاصل تھی۔1843ء سے 1883 تک چالیس سال تک آج کل کی سکھر ڈویژن پر مشتمل اراضی پر اپر سندھ کے پانچ اضلاع ایک اضلاع ہوا کرتے تھے جن کا ہیڈ کوارٹرز شکارپور تھا شاہی بازار دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ آبادی ڈیڑھ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔

شگفتہ مزاجی

قائداعظم محمد علی جناح کے مزاج کی شگفتگی کے شاہدین ان کے گھر والے، دوست احباب، سیاسی رفقا، پرائیویٹ سیکرٹری، صحافی اور ان کے ذاتی ملازمین ہی ہوسکتے ہیں۔ یہی وہ لوگ تھے جنھیں قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے شب و روز میں وقتاً فوقتاً شرکت کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ انہیں ذاتی طور پر اپنے قائداعظم محمد علی جناح کو دیکھنے اور پرکھنے کا فخر نصیب ہوا تھا۔ بلاشبہ انہی کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنے قائد کی مزاج شناسی کے دعویدار ہوں۔ ایسے بہت سے خوش نصیب لوگوں نے مختلف مواقع پر اپنے قائداعظم کی خوش مزاجی اور خوش طبعی کو خراج تحسین پیش کیا۔ ظاہر ہے تاریخ ان کی پر خلوص اور ذاتی مشاہدے پر مبنی آراء کو کبھی نظرانداز نہیں کرسکتی۔

یہ سب قائداعظم محمد علی جناح کے معاصرین تھے اور یہ سب ہی اس بات کے گواہ ہیں کہ مختلف مواقع پر قائداعظم محمد علی جناح

کی حسِ مزاح نہایت تیز اور بھرپور ہوتی، وہ معمولی باتوں سے لطیف نکتے اخذ کرتے، خود بھی لطف اندوز ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی محظوظ فرماتے، یہ اور بات ہے کہ وہ اس کا بہت کم اور ایک محدود مجلسی زندگی میں اظہار کرتے۔

ان کی زندگی کے مختلف واقعات اور ان کے رفقاء اور عقیدت مندوں کے بیانات سے ظاہر ہے کہ ظاہری رکھ رکھاؤ، منظم عادات اور منضبط معمولات کے انتظام کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت میں شگفتہ مزاجی کا دلکش اور لطیف پہلو بھی موجود ہے۔

قائداعظم کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کہتی ہیں:

''قائداعظم اپنی گھریلو زندگی میں ایک ہشاش بشاش انسان تھے۔ انہیں بے شمار لطیفے یاد تھے، ہنسانے پر آتے تو پہروں ہنساتے رہتے، اگرچہ لوگ انہیں ایک مضبوط اور سخت دل آدمی سمجھتے، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت ہی نرم دل تھے اور کسی کو بھی دکھی دیکھتے تو پریشان ہو جاتے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے سیاسی رفیق اور وکیل شریف الدین پیرزادہ کہتے ہیں:

''قائداعظم کی طبیعت بڑی شگفتہ تھی۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے پرائیویٹ سیکرٹری فرخ امین کا کہنا ہے:

''قائداعظم کی شخصیت جس کی خصوصیت سے لوگ عام طور پر ناواقف ہیں۔ وہ ان کی لطافتِ مزاح ہے، کبھی کبھی وہ ہمیں کھانے کی میز پر مزے مزے کے لطیفے سناتے اور قہقہے لگاتے۔''

قائداعظم کے ایک اور پرائیویٹ سیکرٹری مطلوب الحسن سید کہتے ہیں:

''ایک دوست کی حیثیت سے قائداعظم بے حد شگفتہ اور پرلطف تھے، بلکہ سچ پوچھئے تو ان کی زندگی کا ایک لمحہ بھی شگفتگی اور مزاح سے خالی نہ تھا۔ اپنے مخصوص بے تکلف حلقوں میں قائداعظم کا چلن عموماً بے تکلفانہ ہوتا تھا۔ ایک شکل یہ تھی کہ ان کے قیمتی مشاغل اس بات کی اجازت ہی نہ دیتے تھے کہ وہ اپنے قریبی دوستوں کو بھی کچھ وقت دے سکیں۔ ان کی قومی زندگی اور اس زندگی کی شدید ذمہ داریوں نے باقی ساری چیزوں پر اس درجہ غلبہ پالیا تھا کہ ان کی زندگی کا بہت کم وقت ان کا اپنا رہ گیا تھا، اور ذمہ داریوں کی اس مصروف زندگی میں کھانے یا چائے کے وقت اپنے گرد و پیش بیٹھنے والوں سے تبسم آمیز گفتگو کے وہ ایک جملے، بس یہی ان کی زندگی کا تفریحی سرمایہ تھا۔''

قائداعظم بہت بڑے منطقی تھے۔ ان کی معمولی باتیں بھی استدلال سے خالی نہ ہوتی تھیں، اور بے تکلفی کی گفتگو میں بھی ادائے بیان کے سلیقہ سے غافل نہ ہوتے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح کے دوست اور سیاسی رفیق مرزا ابو الحسن اصفہانی کہتے ہیں:

''جذبات کے لیے ان کے پاس زیادہ تر کوئی وقت نہ تھا، وہ ضرورت سے زیادہ حقیقت پسند انسان معلوم ہوتے تھے۔ ان کی طبیعت ایسی نہ تھی کہ ہر شخص سے دوستی کر لیں یا بہت سے لوگوں سے محبت کر سکیں۔ فطرتاً ان کا میلان کم آمیزی کی جانب تھا، اگرچہ اپنی زندگی کے آخری مراحل میں وہ اس معاملے میں خاصے بدل گئے تھے۔''

''بحیثیت مجموعی وہ ایک سنجیدہ دل و دماغ کے انسان تھے، اور ان میں کوئی چھچھوراپن نہیں تھا، تاہم موزوں اور مناسب وقت پر وہ کسی مذاق کی بات سے لطف اندوز بھی ہو لیتے تھے، اور دوسروں کے ساتھ ہنستے

تھے، بعض اوقات کھانے کی میز پر وہ دلچسپ کہانیاں اور لطیفے سنایا کرتے تھے۔ جن سے حاضرین بہت محظوظ ہوتے تھے، لیکن زیادہ دفعہ ایسا نہیں ہوتا تھا۔''

قائداعظم کے سیاسی رفیق قاضی محمد عیسیٰ کہتے ہیں:

''میرے قائد نے بہت شگفتہ طبیعت پائی تھی۔''

قائداعظم کے اے ڈی سی سید محی الدین کا کہنا ہے:

''قائداعظم اعلیٰ درجہ کے خوش گفتار تھے۔ مجھے دسترخوان پر اکثر ان کی رفاقت کا اعزاز حاصل ہوا۔ تاریخ کے ماخذات اور ان کی مجلسی، اجتماعی اور عوامی رابطوں سے متعلق واقعات کا دلچسپ بیان جس میں سنجیدہ ظرافت شامل ہوتی تھی۔ ان کے مخصوص اندازِ بیان سے جانِ ضیافت بن جاتا تھا۔ وہ کسی بھی واقعہ کو غیر معمولی ذہانت وفراست کے ساتھ ایسے پُروقار انداز میں پیش کیا کرتے تھے کہ کھانے کی میز پر موجود تمام حضرات ہمہ تن گوش ہوکر رہ جاتے تھے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے آخری اے ڈی سی لیفٹیننٹ مظہر احمد کہتے ہیں:

''قائداعظم بڑے بذلہ سنج تھے، اور کسی سے نہ چوکتے تھے۔''

زیارت میں نہ تو جھلسا دینے والی گرمی تھی اور نہ گورنر جنرل ہاؤس کے ضابطے، یہاں گورنر جنرل محض قائداعظم تھے اور قائداعظم تعطیلات میں مصروف ایک عام شخص، نشست کے کمرے میں لطیفے اور کہانیاں ہوتیں، مباحثوں کی محفلیں گرم ہوتیں اور اے ڈی سی بات چیت میں شریک ہوتے۔

قائداعظم محمد علی جناح کے ڈرائیور محمد حنیف آزاد کہتے ہیں:

'' میں نے صرف ایک شخص نواب بہادر یار جنگ دیکھا، جس کے ساتھ صاحب ہمجولی کی طرح باتیں کرتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بچپن کے ساتھی ہیں۔ جب آپس میں باتیں کرتے تو کتنی مرتبہ قیدوبند سے آزاد قہقہوں کی آواز سنائی دیتی۔ دوسرے سربرآوردہ اراکین سے صاحب بالکل دفتری انداز میں پیش آتے، وہ بے تکلفی کہاں جو بہادر یار جنگ کے نصیب میں تھی۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے سیاسی رفیق اور صحافی الطاف حسین کہتے ہیں:

'' قائداعظم اپنے پہلو میں ایک درد مند دل رکھتے تھے۔ بہت سے لوگوں کو خشک اور سخت گیر معلوم ہوتے تھے یا اکثر منطقی دلائل دے کر یہ تاثر پیدا کر دیا کرتے تھے کہ ان کا خون سرد ہوگیا ہے۔''

مشہور صحافی حمید نظامی کہتے ہیں:

'' قائداعظم اپنے متعلق نہ صرف مذاق برداشت ہی کر لیتے تھے، بلکہ اس سے محظوظ بھی ہوتے تھے۔''

حمید نظامی مزید کہتے ہیں:

'' قائداعظم کے متعلق عام طور پر یہ مشہور ہے کہ وہ بڑی روکھی طبیعت کے مالک تھے اور مزاح یا مذاق کو پسند نہ فرماتے تھے، مگر اس شہرت کو حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں، ان کی طبیعت میں ظرافت سے لطف اندوز ہونے کا مادہ عام سیاست دانوں کی نسبت زیادہ تھا، ان کی حاضر دماغی اور حاضر جوابی معمہ تھی، اگرچہ ان کی زندگی بے حد مصروف اور بڑی خشک تھی، مگر اس کے باوجود قائداعظم اچھے مذاق سے ہمیشہ لطف اندوز ہوئے اور اس کی داد دی۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی سیاسی رفیق اور مداح بیگم غلام حسین ہدایت اللہ کہتی ہیں:

'' اعلیٰ ظرفی کی خصوصیات اور زندہ دلی اور خوش طبعی کے لمحات نے قائداعظم کی پوری زندگی کو سہارا دیا۔''

قائداعظم کے ذاتی دوست اے، بی اکرم کہتے ہیں:
''قائداعظم کی شخصیت بڑی میٹھی شخصیت تھی۔ خوش مذاق تھے، خوش باش تھے، اور خوش مزاجی کے تو کیا ہی کہنے۔''
سیاسی رہنما میاں ممتاز دولتانہ کہتے ہیں:
''قائداعظم کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بڑے سخت قسم کے آدمی تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑے خوش مذاق اور بڑے فری اور ایزی طریقے کے شخص تھے۔ نہ صرف فرینک بلکہ دوستوں اور بچوں سے محبت کرنے والے، حالانکہ میں ان دنوں چھوٹا تھا۔ انہوں نے کئی گھنٹے میرے ساتھ صرف کیے باتیں کرتے رہے۔ شفقت کے ساتھ جیسے بچوں کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ پلے فل موڈ۔''
''وہ عوام کے ساتھ بڑی شفقت اور پیار اور محبت کے ساتھ پیش آتے، نجی محفلوں میں بڑے خوشگوار موڈ میں ہوتے، لطیفے وغیرہ سناتے اور محفل لوٹ لیتے، ایک دفعہ وہ ہمارے ہاں مدعو تھے، سیاسی شخصیات بیگمات سمیت موجود تھیں۔ سب خوش گپیوں میں مشغول تھے، قائداعظم ہمیں لطیف، مختلف واقعات، اشعار اور مختلف کتابوں سے اقتباسات بڑی دیر تک سناتے رہے، یہ محفل تقریباً چھ گھنٹے میں زیادہ عرصہ تک جاری رہی، لیکن مجھے بخوبی یاد ہے کہ انہوں نے کوئی سیاسی بات کی نہ کوئی سیاسی مشورہ کیا، کیونکہ انہوں نے تمام کاموں کو ان کے خانوں میں بانٹ رکھا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کس وقت کیا کہنا ہے۔ اس نجی محفل میں تمام تر گفتگو ذاتی نوعیت کی تھی۔''
خاتون رہنما اور قائداعظم کی سیاسی رفیق بیگم شائستہ اکرام اللہ کہتی ہیں:
''بہت کم مسکراتے تھے، لیکن جب مسکراتے تو یوں دکھائی پڑتا جیسے ان کا سارا چہرہ روشن ہو گیا ہو، کھل اٹھا ہو۔''

شمالی سرحدی صوبہ (خیبر پختونخواہ)

قائداعظم محمد علی جناح نے متعدد مقامات پر صوبہ سرحد اور اس کے جیالوں کی بڑی تعریف کی ہے ذیل میں چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔
١ صوبہ سرحد کا بہبود مجھے اپنی جان سے بھی پیارا ہے
٢ میں کسی طرح صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی تکلیفوں اور قربانیوں کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا خصوصاً آزادی کے حصول میں سرحدی خواتین نے جو حصہ لیا ہے وہ بے حد قابل ستائش ہے۔
٣ پاکستان کے حصول میں سرحدی قبائل نے جو جوش و خروش سے حصہ لیا ہے وہ قابل قدر ہے۔
(قائداعظم اور صوبہ سرحد از محمد شفیع صابر)
قائداعظم نے 1926ء میں اس کی ترقی و ترویج کے لیے آواز اٹھائی اکتوبر 1936ء میں وہ پہلی بار صوبہ سرحد کے دورے پر تشریف لے گئے، 1945ء میں انہیں دوبارہ صوبہ سرحد میں جانے کا موقع ملا۔ اس بار انہوں نے نشتر آباد میں خاں بہادر محمد حسن خاں کے ہاں قیام کیا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پھر صوبہ سرحد گئے اور مخصوص مقامات پر جلسوں سے خطاب فرمایا۔

شمس الحسن، سید

11 مارچ 1934ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے جناب شمس الحسن کو ہدایت کی:
''آپ مجھے مسلم لیگ کے متعلقہ تمام دستاویزات جن میں قرارداد دہلی اور قرارداد ہاوڑہ اور آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قراردادیں بھی شامل ہیں فی الفور بھجوا دیں۔''

سید شمس الحسن آل انڈیا مسلم لیگ کے آفس سیکرٹری تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی پہلی ملاقات 1913ء میں ہوئی۔ قیام پاکستان کے بعد اکتوبر 1947ء میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے لاہور میں ملاقات کی۔

سید شمس الحسن 1885ء میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کرنے کے بعد عملی زندگی میں قدم رکھا۔ 1909ء میں جب مسلم لیگ نے ادارہ روزگار ایمپلائمنٹ بیورو قائم کیا تو وہ مسلم لیگ کے سیکرٹری وزیر حسن کے دفتر سے منسلک ہو گئے۔ 1914ء میں آفس سیکرٹری بنا دیے گئے۔ وہ 1985ء تک مسلم لیگ سے وابستہ رہے حتیٰ کہ مارشل لاء نافذ ہو گیا اور اس وقت کی حکومت نے دیگر سیاسی جماعتوں کے ہمراہ مسلم لیگ کا ریکارڈ بھی سر بمہر کر دیا۔

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے اس قدر قریب تھے کہ قیام پاکستان سے چند روز قبل قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں دہلی میں اپنی رہائش گاہ پر بلوایا اور اپنے ذاتی خطوط، مسلم لیگ کا ریکارڈ اور دیگر دستاویزات ان کے حوالے کیں جن کی تعداد تقریباً دس ہزار ہے۔ انہوں نے اسے نہایت سلیقے سے 98 جلدوں میں مرتب کیا ہے۔ یہی جلدیں شمس الحسن کلکشن کہلاتی ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح جن دنوں لندن میں مقیم تھے آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک مشترکہ اجلاس (عبدالعزیز گروپ اور حافظ ہدایت اللہ گروپ) دہلی میں منعقد ہوا اس میں قائداعظم محمد علی جناح کو مسلم لیگ کا متفقہ طور پر صدر منتخب کر لیا گیا۔ اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح کو جب قرار داد بھجوائی گئی تو انہوں نے 11 مارچ 1934ء کو سید شمس الحسن کو ہدایت کی کہ تمام متعلقہ دستاویزات بشمول دہلی اور ہاوڑہ اجلاسوں کی قرار دادیں اور آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قرار دادیں ان کو فی الفور بھجوا دیں۔

وہ مسلم لیگ کے سرکاری ترجمان بھی تھے انہیں روزنامہ ڈان اور منشور کے ناشر ہونے کا شرف بھی حاصل رہا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بار فرمایا:

''مسلم لیگ کیا ہے، شمس الحسن اور ان کا ٹائپ رائٹر۔''

انہوں نے نومبر 1981ء میں انتہائی کسمپرسی کی حالت میں کراچی میں انتقال کیا۔

شمس الحسن کے نام قائداعظم کا خط

بمبئی 14 دسمبر 1929ء

ڈیئر مسٹر شمس الحسن!

مجھے 4 دسمبر کا آپ کا لکھا ہوا خط ملا۔ مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو مسلم لیگ کے معاملات میں کوئی توجہ نہیں دیتے۔ میرا خیال ہے اگر وہ اپنا کام نہ کر سکیں تو انہیں مستعفی ہو جانا چاہیے۔ اس ضمن میں آپ ان سے ملیں اور حتی المقدور ان کی مدد کریں۔ جہاں تک مسلم لیگ کے مستقبل کا تعلق ہے میرا خیال ہے اس وقت آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی ضرورت نہیں۔ میں غالباً 20 جنوری یا اس سے قبل دہلی میں ہوں گا، اور ہم اس وقت بیٹھ کر غور کریں گے کہ ہمیں کون سے اقدامات کرنے چاہئیں۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

شملہ

یکم جون 1918ء میں گورنر لارڈ ولنگڈن کی زیر صدارت وار کونسل کا جو اجلاس منعقد ہوا اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا:

''ہم اپنے ملک کے دفاع کے لیے بے چین ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ حکومت سپاہیوں کی بھرتی چاہتی ہے اور ہم قومی فوج کا قیام چاہتے ہیں۔''

لارڈ ولنگڈن نے کہا:

''اگر مقرر کو حکومت پر کوئی اعتراض ہے تو وہ اس کی شکایت دہلی یا شملہ جا کر کرے کیونکہ میں ان معاملات کو براہ راست حل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔''

1927ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے اسمبلی کے سیشن میں شملہ میں شرکت کی اس موقع پر بھی انہوں نے دفاعی معاملات کو زیر موضوع بنایا۔ مئی 1929ء میں جب مسٹر ریمزے میکڈانلڈ برطانیہ کے وزیراعظم بنے تو وائسرائے ہند لارڈ اروِن نے وائسرائے محل شملہ میں ایک ضیافت کا اہتمام کیا جس میں قائداعظم محمد علی جناح نے بھی شرکت فرمائی۔

7 جولائی 1930ء کو شملہ میں اسمبلی کے سیشن میں قائداعظم محمد علی جناح نے شرکت کی قائداعظم محمد علی جناح نے سائمن کمیشن کی بحث میں حصہ لیا۔ 31 اگست 1934ء کو شملہ میں پھر اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح نے اس میں شرکت کی۔

23 اگست 1937ء کو شملہ میں اسمبلی کا جو اجلاس منعقد ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس میں شریعت بل پر بحث میں حصہ لیا اور تقریر کی۔ 7 اکتوبر تک قائداعظم محمد علی جناح شملہ میں ہی مقیم رہے۔

8 اگست 1938ء کو شملہ میں مرکزی اسمبلی اجلاس شروع ہوا تو 9 اگست کو اسمبلی میں فوج کے اخراجات میں اضافے سے متعلق تحریک التواء پیش ہوئی تو قائداعظم محمد علی جناح نے اس کے خلاف تقریر کی۔ 23 اگست کو قانون فوجداری میں ترمیم کا مسودہ پیش ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح نے اس پر بھی تقریر کی، 30 اگست 1939ء کے اسمبلی اجلاس میں لوکو موٹر کمپنی کی رپورٹ پیش ہوئی تو قائداعظم محمد علی جناح نے ٹیکنیکل رپورٹ قرار دیا اور کہا:

''اس پر 15 ستمبر تک بحث ملتوی کی جائے۔''

31 اگست کو قائداعظم محمد علی جناح نے خلع کے مسئلہ پر بحث میں حصہ لیا جون 1940ء میں شملہ میں تھے وہاں ان کی خط و کتابت لارڈ لنلتھگو سے جاری رہی۔

24 جون 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے 21 مندوبین کے ہمراہ وائسرائے سے ملاقات کی، وائسرائے نے ڈیڑھ گھنٹہ تک بات چیت کی۔ بات چیت میں اقلیتوں اور ایگزیکٹو کونسل میں مسلمان ارکان کی نمائندگی کے سوال پر غور رہا۔

25 جون 1945ء کو شملہ کانفرنس سے لارڈ ویول نے خطاب کیا۔ یہ کانفرنس 29 جون تک جاری رہنے کے بعد 14 جولائی تک کے لیے ملتوی ہوگئی، 8 جولائی کو قائداعظم محمد علی جناح نے پھر وائسرائے سے شملہ میں ملاقات کی، اور ابوالکلام آزاد کے مقابلے میں یہ موقف اختیار کیا کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے قائداعظم محمد علی جناح نے 9 جولائی کو مسلم لیگ کے ایک جلسہ عام میں مسلمانوں کو اس امر کا یقین دلایا:

''ان کے مفاد کے خلاف کوئی تجویز قبول نہیں کی جائے گی۔''

11 جولائی 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح پھر وائسرائے لارڈ ویول سے ملے 14 جولائی کانفرنس ناکام ہوگئی اسی شام انہوں نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اگر ہم لارڈ ویول کے منصوبے کو مان لیتے تو گویا یہ اپنے ہی قتل نامہ پر دستخط کرنے کے برابر تھا۔''

5 مئی 1945ء کو شملہ کانفرنس ہوئی۔ 22 مئی 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے بیان میں کابینہ مشن کی ہندوستان میں قیام کے دوران کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا:

''16 مئی کو کینٹ مشن نے جو بیان جاری کیا وہ بے روح ہے اور اس میں کئی جگہ خلاء موجود ہے مجھے افسوس

ہے کہ مشن نے مکمل خودمختار مملکت پاکستان کے مطالبہ کو رد کیا ہے ہم اب بھی اس پر یقین رکھتے ہیں کہ مکمل خودمختار مملکت پاکستان کا قیام ہی ہندوستان کے آئینی مسئلہ کا واحد حل ہے۔''

شملہ بھارت کا مشہور شہر ہے، اسے بمبئی کراچی، لاہور، کوئٹہ اور دیگر بڑے شہروں کی طرح قائداعظم محمد علی جناح کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا ہے، یہ زیریں ہمالیہ میں ایک سطح مرتفع ہے جو 6600 سے لے کر 8000 فٹ تک بلند ہے۔ یہ تفریح گاہ ہے اور 1867ء سے 1947ء تک ہندوستان کا گرمائی صدر مقام بھی رہا۔ انگریزی عہد میں یہی صوبہ پنجاب کا گرمائی صدر مقام تھا۔ 1814-1916 کی گورکھا جنگ کے بعد اسے فوجی دستوں کے لیے آرام اور سکون کی جگہ قرار دیا گیا۔ 1927ء میں گورنر جنرل لارڈ ایمرسٹ نے موسم گرما کا بیشتر وقت یہیں گزارا اس شہر کو قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے ساتھیوں کی میزبانی کا شرف حاصل رہا۔

3 جولائی 1972ء کو یہیں پاکستان اور بھارت کے مابین معاہدہ شملہ طے پایا تھا۔

شملہ کانفرنس ❶

کرپس مشن کی ناکامی کے بعد لارڈ ویول کو 1942ء میں ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا گیا وہ اس سے قبل ہندوستان کا کمانڈر انچیف بھی رہ چکا تھا، اس کے تقرر کا مقصد فوج اور انتظامیہ کو قریب لانا اور ہندو مسلم سیاسی تناؤ کو ختم کر کے جنگی نقطۂ نظر سے ملکی وحدت کو برقرار رکھنا تھا۔

مارچ 1945ء میں لارڈ ویول حکومت برطانیہ کے بلانے پر انگلستان گیا اور اسے ہندوستان کی تازہ سیاسی صورت حال سے آگاہ کیا۔ اسی اثناء میں مئی 1945ء کو جرمنی نے ہتھیار ڈالے تو یورپ میں جنگ ختم ہوگئی۔ اس کے بعد ہندوستان کے سیاسی مسائل کا حل تلاش کرنا اور بھی ضروری ہوگیا تھا کیونکہ یہ بات واضح تھی کہ اب ہنگامی حالات کا بہانہ نہیں چلے گا لہٰذا حکومت کے لیے لازم تھا کہ وہ جنگ کے دوران کیے ہوئے وعدوں کو جلد از جلد پورا کرے۔

14 جون 1945ء کو ایل ایس ایمرے سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان نے برطانوی دارالعوام میں ایک اعلان میں مندرجہ تجاویز پیش کیں۔

❶ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کو از سر نو منظم کیا جائے گا، اس میں اہم سیاسی جماعتوں کو نمائندگی حاصل ہوگی۔ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو مساوی نمائندگی دی جائے گی۔

❷ کمانڈر انچیف کے علاوہ ایگزیکٹو کونسل کے تمام ارکان ہندوستانی ہوں گے، اس کو رکن جنگ کی حیثیت حاصل ہوگی اور جب تک دفاع حکومت برطانیہ کی ذمہ داری ہے یہ نظام رائج رہے گا۔

❸ امور خارجہ کا شعبہ (سوائے قبائلی علاقے اور سرحدیں) جو کہ تا حال وائسرائے کے ذمہ تھا۔ اب جہاں تک برطانوی مفادات کا تعلق ہے کسی ہندوستانی کے سپرد ہوگا۔

❹ اس ایگزیکٹو کونسل کی تشکیل حکومت خود اختیاری کی طرف پہلا قدم ہے، اس کے ارکان کا انتخاب گورنر جنرل سیاسی قائدین کے مشورے سے کرے گا، تاہم ان کی تقرری کی توثیق ملک معظم کی حکومت سے لی جائے گی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وائسرائے ہندوستان کے اہم سیاسی راہنماؤں کی کانفرنس بلائے گا اگر یہ مقصد حاصل ہوگیا تو اس کا خاطر خواہ اثر صوبوں پر بھی ہوگا، جن صوبوں میں گورنر راج نافذ ہے وہاں نمائندوں پر مشتمل حکومت قائم کی جائے گی جس میں تمام فرقہ وارانہ فضا خوشگوار رہے، اور وزراء اپنی ذمہ داریوں سے بطریق احسن عہدہ برآ ہوسکیں۔

❺ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل موجود دستوری ڈھانچہ کے

اندر کام کرے گی۔

◆ گورنر کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اپنی کونسل کا فیصلہ مسترد کر دے گا، مگر وہ بلاوجہ اس اختیار کو استعمال نہیں کرے گا۔

◆ وائسرائے کی وساطت سے تاج برطانیہ اور ہندوستان کی شاہی ریاستوں کے تعلقات حسب سابق قائم رہیں گے۔

لارڈ ویول اڑھائی ماہ کے قیام کے بعد اپنے منصوبے کی برطانوی کابینہ سے منظوری لے کر واپس آیا، اور اس نے 25 جون 1945ء کو شملہ میں ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں کی کانفرنس طلب کرنے کا فیصلہ کیا۔

کانگریس، مسلم لیگ اور چند دیگر جماعتوں کے نمائندوں کے علاوہ صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کو اس کانفرنس میں مدعو کیا گیا۔ 21 سیاسی رہنماؤں کو دعوت دی گئی، قائداعظم محمد علی جناح نے ان تجاویز کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی میں غور کرنے کے لیے وائسرائے سے دو ہفتے کا التوا چاہا لیکن وہ نہ مانا۔ اگرچہ یہ تجاویز بھی مسلمانوں کے لیے کرپس تجاویز سے مختلف نہ تھیں کیونکہ ان میں تصور پاکستان کو نظرانداز کر دیا گیا تھا، لیکن قائداعظم محمد علی جناح اس خیال سے شمولیت پر رضامند ہو گئے کہ شاید کوئی ایسی صورت نکل آئے اور وائسرائے پر یہ بات واضح ہو جائے کہ مسلمان ہندوستان تقسیم کروا کے اور پاکستان بنوا کے دم لیں گے۔ ایگزیکٹو کونسل میں مسلم نمائندگی کے حق کے بارے میں مسلم لیگ اور کانگریس میں اختلاف ہو گیا جس کی وجہ سے بات چیت تعطل کا شکار ہو گئی۔ اس تعطل کو دور کرنے کے لیے مسلم لیگ اور کانگریس میں سمجھوتے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح اور مسٹر پنتھ کے درمیان گفتگو ہوئی۔ جب اس گفتگو میں بھی ناکامی ہوئی تو 29 جون 1945ء کو وائسرائے نے تعطل دور کرنے کے لیے یہ تجویز پیش کی:

> ''تمام سیاسی جماعتیں ایسے افراد کی فہرستیں تیار کریں جنہیں وہ ایگزیکٹو کونسل کے لیے نامزد کرنا چاہتی ہیں۔''

کانگریس نے اصرار کیا:

> ''وہ ہندوستان کی قومی جماعت ہے لہٰذا مسلمانوں کی نمائندگی کا حق بھی اسے حاصل ہے۔''

مگر مسلم لیگ نے تسلیم نہ کیا اور اس نے اس سلسلے میں یہ مطالبہ کیا کہ سابق لارڈ لنلتھگو کی اگست 1940ء والی پیش کش کے طریقے کو اختیار کیا جائے مسلم لیگ نے مزید دو مطالبات کیے۔

① مسلمان نمائندوں کی نامزدگی کا حق صرف مسلمانوں کو حاصل کرنا چاہیے۔

② اگرچہ وائسرائے نے وعدہ کیا ہے اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے ویٹو کو استعمال کیا جا سکتا ہے، مگر مسلم لیگ کی رائے میں عبوری حکومت کو صحیح طور پر چلانے کے لیے کوئی اور موثر تحفظ ہونا چاہیے۔

اس سلسلے میں لارڈ ویول نے جب نفی میں جواب دیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے بذریعہ خط اطلاع دی:

> ''مسلم لیگ فہرست روانہ کر کے اپنے بنیادی اصولوں کو ترک نہیں کرنا چاہتی۔''

4 جولائی 1945ء کو وائسرائے نے کانفرنس کی باقاعدہ ناکامی کا اعلان کیا قائداعظم محمد علی جناح نے اس ناکامی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

> ''ویول پلان کے آخری جائزہ اور تجزیے میں ہم نے کیا محسوس کہ وہ محض ایک جال اور پھندا تھا۔ وہاں ایک اتحاد قائم تھا جس میں یہ سب تھے گاندھی، ہندو، کانگریسی۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کے لیے قومی خودمختاری قائم ہو۔ دوسرے جغرافیائی وحدت کے منبع لارڈ ویول اور گلینسی اور خضر حیات تھے، جو اس کے درپے ہیں کہ پنجاب کے مسلمانوں میں افتراق پیدا کریں۔ لارڈ ویول نے جو

تجویز پیش کی اگر ہم اس پر متفق ہو جاتے تو موت کی سزا کے حکم پر خود دستخط کرنے کے مترادف ہوتا۔''

(بشکریہ لاہور میوزیم)

شملہ کانفرنس ❷

1945ء میں اگرچہ یورپ میں جرمنی اور اس کی حلیف طاقتیں جنگ ہار رہی تھیں لیکن جاپان کی فوجی طاقت ابھی قائم تھی۔ برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کو اس خیال نے پریشان کر رکھا تھا کہ اگر جاپان کا فوجی دباؤ بڑھ گیا تو ہندوستانی عوام کا ردعمل کیا ہوگا۔ اس لیے امریکہ بھی برطانیہ پر دباؤ ڈال رہا تھا کہ وہ ہندوستان کے مسئلے کو حل کرے۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ ہندوستانیوں کے تعاون کی صورت میں جاپان کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اس سلسلے میں وائسرائے ہند لارڈ ویول نے وزیراعظم برطانیہ ونسٹن چرچل کو لکھا:

''اگر ہندوستان پر طاقت کے زور پر حکومت نہیں کرنی تو پھر دماغ کی بجائے دل سے حکمرانی کی جائے، ترقی کے لیے ہمیں خطرات مول لینے اور ناکامی کے لیے تیار رہنا پڑے گا۔ فیاضانہ اور مخلصانہ اقدامات اگر ناکام بھی ہوں تو ان سے اچھائی کا پہلو نکل آتا ہے۔''

ابھی ویول اور حکومت برطانیہ میں خط و کتابت اور بات چیت ہو رہی تھی کہ 7 مئی 1945ء کو جرمنی نے ہتھیار ڈال دیے لیکن جنگ ابھی جاری تھی اور جاپان ایک مضبوط دشمن تھا۔ چنانچہ ہندوستانی عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لیے لارڈ ویول نے 14 جون 1945ء کو حکومت برطانیہ کی اجازت سے ریڈیو سے ایک تقریر نشر کی، اور ہندوستانی رہنماؤں کو مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں۔ ان تجاویز کا مقصد مسلمانوں اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے درمیان پیریٹی یعنی مساوات کے اصول پر مرکز میں عبوری حکومت قائم کرنا تھا تاکہ جنگ میں ہندوستان کے عوام کا مکمل تعاون حاصل ہو سکے۔

❶ جاپان سے جنگ کرنے اور بعد از جنگ اقتصادی ترقی کا منصوبہ بنانے کے لیے موجودہ آئین کی حدود کے اندر وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کو از سرِ نو تشکیل دیا جائے گا۔ گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف کے علاوہ کونسل کے سب ارکان ہندوستانی سیاسی رہنما ہوں گے۔

❷ کونسل میں مسلمانوں اور اونچی ذات کے ہندوؤں کو برابر نمائندگی دی جائے گی۔ (یعنی مسلمانوں اور اونچی ذات کے ہندوؤں کے درمیان پیریٹی کا اصول تسلیم کر لیا گیا۔)

❸ پارٹی لیڈروں، صوبائی وزرائے اعلیٰ اور جن صوبوں میں گورنر راج ہے وہاں کے سابق وزرائے اعلیٰ کی ایک کانفرنس بلائی جائے گی۔ اس کانفرنس میں پیش کردہ ناموں میں سے وائسرائے کونسل کے ارکان کا انتخاب کرے گا۔

❹ مرکز میں تعاون سے یہ ممکن ہو جائے گا کہ صوبوں میں بڑی بڑی جماعتوں کی مخلوط ذمہ دار حکومتیں قائم کی جا سکیں۔

یہ سب تجاویز برطانوی ہندوستان تک محدود ہوں گی اور ہندوستانی ریاستوں پر اثر انداز نہیں ہوں گی۔ نیز یہ ایک عبوری کارروائی ہوگی جس سے مستقل دستوری حل کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑے گی۔

لارڈ ویول نے کہا:

''اگر یہ کانفرنس کامیاب ہو گئی تو امید ہے کہ صوبوں میں مخلوط حکومتیں بن جائیں گی۔''

وائسرائے نے اعلان کیا:

''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کے دوران کانگریس کے گرفتار شدہ صدر اور ورکنگ کمیٹی کے ارکان کی رہائی کا حکم جاری کر دیا گیا ہے۔''

اس نے ان تجاویز پر غور کرنے کے لیے 25 جون 1945ء کو شملہ میں مختلف ہندوستانی رہنماؤں کی ایک کانفرنس

سر میاں محمد شفیع

1932 - 1869

ممتاز مسلم رہنما سر میاں محمد شفیع لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے بانی رکن تھے آپ انڈین نیشنل کانگریس کے شدید مخالف اور جداگانہ انتخاب کے زبردست محرک تھے۔ 1927ء میں آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ 1931ء میں دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔ آپ ساری زندگی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے سرگرم عمل رہے۔

بلائی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ صدر کانگریس ابوالکلام آزاد کو اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت نہ دی گئی (کیونکہ انگریز حکومت بجا طور پر یہ سمجھتی تھی کہ کانگریس پارٹی کے اصل لیڈر یعنی ہندو قوم کے حقیقی رہنما گاندھی تھے۔) لیکن گاندھی کے لکھنے پر کہ میں کانگریس کی نمائندگی نہیں کر سکتا، اس کانفرنس کے لیے کانگریس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد کو مدعو کیا جائے، وائسرائے نے کانفرنس میں شرکت کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد کو دعوت دی۔

وائسرائے کی تجاویز پر تبصرہ کرتے ہوئے گاندھی نے کہا:

"ان میں واضح طور پر ہندوستان کی مکمل آزادی کی نشان دہی نہیں کی گئی۔ نیز ان میں مسلمانوں اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کو برابر کی نمائندگی دی گئی ہے جس کا مقصد کانگریس کو اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی نمائندہ جماعت ظاہر کرنا ہے۔"

انہوں نے کہا:

"ہندوؤں اور مسلمانوں میں تو نہیں، البتہ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان پیریٹی یعنی مساوات ممکن ہو سکتی ہے۔"

جب کانفرنس سے ایک دن پہلے 24 جون 1945ء کو گاندھی نے شملہ میں لارڈ ویول سے اپنی پہلی ملاقات کی تو وہ حسب معمول مبہم تھے لیکن مجموعی طور پر انہوں نے تجاویز کو خوش آمدید کہا۔ گاندھی نے یہ بھی کہا:

"اگرچہ میں صلاح و مشورے کے لیے شملہ میں موجود رہوں گا لیکن میں کانفرنس میں شریک نہ ہونے کو ترجیح نہیں دوں گا۔"

24 جون 1945ء کو مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی یوپی کے سابق وزیراعلیٰ گوبندھ ولبھ پنت کے ہمراہ لارڈ ویول سے ملاقات کی اور کہا:

"کانگریس اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مساوات کے مسئلے پر نہیں جھگڑے گی لیکن وہ اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتی کہ ایک فرقہ وارانہ تنظیم ہی سارے مسلمانوں کو چنے۔"

گویا مولانا ابوالکلام آزاد مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔

اسی دن قائداعظم محمد علی جناح نے لارڈ ویول سے ملاقات کی اور اس موقع پر دو مطالبات پیش کیے: ایک یہ کہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے سب مسلمان ارکان مسلم لیگ ہی کی طرف سے نامزد کردہ ہوں کیونکہ گزشتہ دو برس کے ضمنی انتخابات میں سیاسی پارٹیوں میں سے ہمیشہ مسلم لیگ کے امیدوار ہی کامیاب ہوئے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہی ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ دوسرے یہ کہ ایگزیکٹو کونسل کی غیر مسلم اکثریت کے نامنصفانہ فیصلوں کے خلاف مسلمانوں کے مفادات کی حفاظت کے لیے ضمانت مہیا کی جائے۔ مثلاً اگر مسلمان ارکان کی اکثریت کسی اقدام کی مخالفت کرے تو اسے کالعدم سمجھا جائے۔ یہ اس لیے کہ وائسرائے کی تجاویز کے مطابق تشکیل شدہ ایگزیکٹو کونسل میں مسلمان ہمیشہ اقلیت میں ہوں گے: چھوٹی اقلیتیں ہندوؤں کے ساتھ ووٹ دیں گی۔ انہوں نے یہ امید بھی ظاہر کی کہ مسلمانوں کو اہم وزارتوں میں مناسب حصہ ملے گا۔

اس سے پہلے 23 جون 1945ء کو پنجاب کے گورنر گلینسی (Glaney) اور وزیراعلیٰ خضر حیات وائسرائے لارڈ ویول کو ملے تھے۔ گلینسی نے کہا:

"اگر ایگزیکٹو کونسل میں کسی یونینسٹ مسلمان کو سیٹ نہ ملی تو پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کی وزارت ٹوٹ جائے گی۔"

خضر بہت پریشان تھے۔ انہوں نے پنجاب کی انگریز

حکومت سے وفاداری کا ذکر کیا۔ انہوں نے وائسرائے سے کہا:

''پنجاب کا مسلمان 1919ء سے ایگزیکٹو کونسل میں رہا ہے۔ نیز کانگریس اور مسلم لیگ سے آپ کا رویہ تعاون کرنے والوں کے منہ پر طمانچہ ہے۔''

25 جون 1945ء کو کانفرنس کا آغاز ہوا اور وہ تقریباً تین ہفتے جاری رہی۔ وائسرائے کی افتتاحی تقریر کے بعد سیاسی رہنماؤں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تقریر میں کہا:

''اگرچہ موجودہ تجاویز صرف عبوری انتظام کے طور پر تھیں لیکن کانگریس کسی ایسے فیصلے میں شریک نہیں ہو گی جس میں اس کے قومی کردار کی نفی ہو اور اسے ایک فرقہ وارانہ تنظیم کی سطح پر لایا جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں تجاویز کے حوالے سے کہا:

''اگر کھلے الفاظ میں پاکستان کا مطالبہ تسلیم کر لیا جائے تو ہم برابری کی سطح پر تعاون کے لیے تیار ہیں۔''

وائسرائے نے کانفرنس کے دوران بتایا:

''محکمہ جنگ کے سوا جو کمانڈر انچیف کی نگرانی میں ہو گا، عبوری حکومت کے تمام محکمے ہندوستانیوں کے سپرد ہوں گے۔''

کانگریس اور یونینسٹ پارٹی دونوں مسلم نشستوں میں سے اپنے اپنے حصے کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ کانگریس اور اس کی حلیف جماعتوں نے ناموں کی فہرستیں بھی وائسرائے کو بھیج دیں، اور اس پر بھی راضی ہو گئیں کہ آخری انتخاب کے بارے میں وائسرائے کا فیصلہ حتمی ہوگا، لیکن قائداعظم محمد علی جناح اپنی بات پر قائم رہے اور انہوں نے اس وقت تک ناموں کی فہرست دینے سے انکار کیا جب تک کہ انہیں اپنے دونوں مطالبات مانے جانے کے بارے میں یقین دہانی نہ کرا دی جائے۔ وائسرائے لارڈ ویول اس کے لیے تیار نہ تھے۔

8 جولائی 1945ء کی شام لارڈ ویول کی قائداعظم محمد علی جناح سے ڈیڑھ گھنٹے ملاقات رہی۔ لارڈ ویول لکھتے ہیں:

''جناح شدید اعصابی تناؤ میں تھے۔ انہوں نے مجھے کئی دفعہ کہا کہ اب اس سے زیادہ آگے جانا میرے لیے ممکن نہیں۔ آپ لیگ کو تباہ نہ کریں۔ جناح سخت پریشانی میں ہیں لیکن یہ حالت زیادہ تر ان کے اپنے غرور اور ضد کی وجہ سے ہوئی ہے۔ جناح کو خدشہ ہے کہ انہیں کانفرنس کی ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا لیکن اس کے باوجود وہ تمام مسلمانوں کا نمائندہ ہونے کے دعوے سے ذرہ بھر پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔''

11 جولائی 1945ء کو حکومت برطانیہ کے کہنے پر لارڈ ویول نے قائداعظم محمد علی جناح سے پھر بات کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''مسلم لیگ کے تعاون کے لیے ضروری ہے کہ پانچوں مسلم ارکان مسلم لیگ میں سے ہوں۔ نیز کونسل میں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی ضمانت کے طور پر اور گورنر جنرل کے ویٹو کے اختیارات کو تقویت دینے کے لیے ضروری ہے کہ جس تجویز کی بھی مسلمان ممبر مخالفت کریں، وہ مثلاً صرف 2/3 اکثریت ہی سے منظور ہو۔''

وائسرائے اس یقین دہانی کے لیے تیار نہ تھے اور مسلم لیگ کے لیے اس کے بغیر تعاون کرنا ممکن نہ تھا۔ آخر میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے کہا:

''میں اپنی ایگزیکٹو کونسل میں مسلم لیگ کے چار ارکان شامل کرنے کو تیار ہوں لیکن پانچویں جگہ کسی غیر لیگی پنجابی مسلمان کو دی جائے گی۔''

وائسرائے نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان مسلمانوں کے نام بھی بتا دیے جن کا انہوں نے انتخاب کیا تھا اور کہا:

''اگر آپ ان کی جگہ اور لیگیوں کا انتخاب کرنا چاہیں تو میں ان کی تجاویز پر غور کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

انہوں نے یہ بھی کہا:

''اگر جناح خود ایگزیکٹو کونسل میں آجائیں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔''

وائسرائے نے کہا:

''میں نے ابھی تک کانگریس سے مشورہ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ اسے یہ انتظام منظور نہ ہو۔''

لیکن قائداعظم محمد علی جناح اپنے مطالبات پر قائم رہے اور اس طرح یہ انٹرویو ختم ہوگیا۔

اس کے ایک گھنٹے بعد گاندھی بھی لارڈ ویول سے ملے۔ لارڈ ویول نے انہیں بتایا:

''کانفرنس ناکام ہوگئی ہے۔''

گاندھی نے اس خبر کو بہت سکون سے سنا لیکن کہنے لگے:

''جلد یا بدیر حکومت برطانیہ کو ہندوؤں اور مسلمانوں میں سے کسی ایک کے نقطہ نظر کو قبول کرنا پڑے گا کیونکہ وہ آپس میں سمجھوتے کے لیے تیار نہیں۔''

شملہ کانفرنس ناکام ہوگئی کیونکہ کانگریس اور یونینسٹ پارٹی کے سر خضر حیات خاں ٹوانہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ماننے پر راضی نہ تھے، اور وائسرائے مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی ضمانت دینے کو تیار نہ تھا۔ یاد رہے کہ کانگریس مسلمانوں کی بھی نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ کرتی تھی حالانکہ 37-1936ء کے انتخابات میں اسے مسلمانوں کی 492 سیٹوں میں سے صرف 26 پر کامیابی حاصل ہوئی تھی، اور گزشتہ دو برس کے ضمنی انتخابات میں مسلم سیٹوں پر اس کا یا یونینسٹ پارٹی کا ایک امیدوار بھی کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ 46-1945ء کے انتخابات نے بھی بعد میں یہ ثابت کر دیا کہ کانگریس اور یونینسٹ پارٹی دونوں پر مسلمانوں کو کوئی اعتماد نہ تھا۔

14 جولائی 1945ء کو لارڈ ویول نے کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کر دیا۔ لارڈ ویول نے کانفرنس سے اپنے اختتامی خطاب میں کہا:

''جب میں نے صلاح مشورے کے بعد ایک حل جناح کے سامنے رکھا، تو انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ اسے قبول نہیں کر سکتی۔ انہوں نے یہ بات اتنے عزم سے کہی کہ میں نے محسوس کیا کہ مذاکرات جاری رکھنا بے سود ہوگا۔''

ویول نے ناکامی کی ذمہ داری خود قبول کر لی۔ انہوں نے کہا:

''کانفرنس بلانے کی تجویز خود میں نے دی تھی۔ اس لیے اگر یہ کامیاب ہو جاتی تو اس کا کریڈٹ بھی مجھے ہی ملتا۔ بہرصورت، فی الحال جاپان کے خلاف جنگ اور ہندوستان کے نظم و نسق کی ذمہ داری موجودہ حکومت ہی کو اٹھانی پڑے گی۔''

14 جولائی 1945ء ہی کو قائداعظم محمد علی جناح نے پریس کانفرنس کے ذریعے مسلم لیگ کے موقف کی وضاحت کر دی۔ انہوں نے کہا:

''اگر ہم یہ انتظام قبول کر لیتے تو پاکستان کا مسئلہ غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی ہو جاتا کیونکہ انگریزوں کی معروف حکمت عملی اور لارڈ ویول کے متحدہ ہندوستان کی طرف واضح میلان کے پیش نظر کانگریس اس عارضی انتظام کو ایک غیر محدود مدت تک قائم رکھنے کا کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر لیتی عملی طور پر حکومت میں شامل تمام اقلیتیں ہمیشہ ہمارے خلاف ووٹ دیتیں، ان کا مقصد اور نظریہ ایک ہے اور وہ ہے متحدہ ہندوستان،

نسلی اور ثقافتی طور پر یہ اقلیتیں ہندو سوسائٹی کے بہت قریب ہیں۔''

دراصل اگر قائداعظم محمد علی جناح کے مطالبات مان لیے جاتے تو پھر عبوری حکومت میں مسلمانوں کے مفاد کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس طرح قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ناقابل تسخیر عزم سے انگریزوں اور ہندوؤں کے گٹھ جوڑ کو ناکام بنا دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی حکمت عملی سے ان کے وقار میں بے حد اضافہ ہوا۔

شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد ڈاکٹر سید محمود نے جو کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے، انہوں نے بنارس سے ایک بیان جاری کر کے ابوالکلام آزاد کو کانفرنس کی ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ ان کے مطابق:

''کانگریس ورکنگ کمیٹی مسلم لیگ کے مطالبات ماننے پر تیار ہو گئی تھی لیکن آزاد کے اصرار پر کانگریس نے اپنی رائے بدل لی اور مسلم لیگ کے مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔''

''شملہ کانفرنس میں کانگریس نے مسلمانوں اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے درمیان پیریٹی پر جھگڑا نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کانگریس اس خیال میں تھی کہ ایک دفعہ وہ وائسرائے کی بااختیار ایگزیکٹو کونسل پر قبضہ کر لے تو پھر سارے معاملات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لے گی۔ بعد میں کانگریس اس طے شدہ اصول سے بھی مکر گئی۔

وی پی مینن، جو سر ایون جنکنز (Evan Jenkins) کے ساتھ اس کانفرنس کے سرکاری سطح پر ایک سیکرٹری تھے، لکھتے ہیں:

''جناح سے بات چیت کی ناکامی کے بعد جب لارڈ ویول نے ہمیں بتایا کہ اب بات کو آگے نہیں بڑھایا جائے گا تو مجھے انتہائی مایوسی ہوئی۔ میں وائسرائے سے مسلسل کہہ رہا تھا کہ جناح کا یہ دعویٰ کہ مسلم لیگ ہی ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی نمائندہ ہے قابل تسلیم نہیں۔ ہم یونینسٹ پارٹی کو نظرانداز نہیں کر سکتے کیونکہ وہی پنجاب کی نمائندگی کرتی ہے۔ اگر ہم نے جناح کا دعویٰ مان لیا تو گویا ہم نے پاکستان کو تسلیم کر لیا۔ ہمیں مسلم لیگ سے مصالحت کے بغیر ہی اپنی تجاویز کو آگے بڑھانا چاہئے لیکن وائسرائے نے کہا کہ اب بات ختم ہو چکی ہے۔''

لیجئے، مینن جو اس کانفرنس کے سرکاری سطح پر سیکرٹری بھی ہیں، خود ہی تسلیم کرتے ہیں کہ میں مسلم لیگ کے خلاف وائسرائے کے کان مسلسل بھر رہا تھا۔

مینن یہ بھی لکھتے ہیں:

''کانفرنس کی ناکامی کے اعلان سے پہلے میں سیسل ہوٹل (Cecil Hotel) جا رہا تھا کہ کونسل آف اسٹیٹس میں مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر حسین امام نے مجھے روک کر کانفرنس کی صورت حال پر پریشانی کا اظہار کیا اور مجھے کہا کہ اس مسئلے کے حل کے لیے آپ لیاقت علی خاں سے ضرور ملیں۔ انہوں نے مجھے تاثر دیا کہ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے ارکان میں وائسرائے کی پیش کش کو مسترد کرنے کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ حسین امام نے یہ بھی بتایا کہ وائسرائے کو یہ خبر نہیں کہ ان کی اپنی ہی ایگزیکٹو کونسل کا ایک رکن جناح کو یہ مشورہ دے رہا ہے کہ وہ اپنی بات پر مضبوطی سے قائم رہیں۔''

مینن کہتے ہیں:

''میں نے سیسل ہوٹل پہنچ کر لیاقت علی خاں کو ٹیلی فون کیا تو وہ مجھ سے ملاقات کے لیے فوراً راضی ہو

گئے۔ ملاقات پر انہوں نے مجھے تاثر دیا کہ مسلمانوں کے لیے سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ان کے مفادات کے تحفظ کے لیے وائسرائے کی ویٹو پاور ناکافی ہے۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ دونوں طرف خیر سگالی کے جذبات ہوں تو اس نکتہ پر دونوں جماعتوں کے لیے قابل قبول فارمولا بنایا جا سکتا ہے۔ لیاقت علی کہنے لگے کہ وہ جناح سے مشورے کے بعد اگلے دن مجھے ان کے ردعمل سے آگاہ کریں گے۔ اس کے بعد وہ مجھے نہیں ملے۔''

کانفرنس کی ناکامی پر راجگو پال اچاریہ نے ایک بیان میں کہا:

''اگر ہمیں پہلے ہی معلوم ہوتا کہ اس کانفرنس کا واحد مقصد جناح کی رضا حاصل کرنا ہے، اور اس کے بغیر کانفرنس ناکام ہو جائے گی تو کانگریس لارڈ ویول کو شروع ہی میں بتا دیتی کہ یہ محض توانائی کا ضیاع ہے۔''

شملہ کانفرنس میں کئی مسلم لیگی زعماء کا خیال تھا کہ اگر ہم نے تجاویز منظور نہ کیں تو مسلم عوام میں ہماری ساکھ بگڑ جائے گی لیکن صورت حال ان کی توقع کے خلاف نکلی۔ مسلم عوام نے قائداعظم کے مضبوط موقف، ان کی سیاسی سوجھ بوجھ اور ناقابل تسخیر عزم کو بے حد سراہا۔ شملہ کانفرنس سے قائداعظم کی واپسی پر مختلف ریلوے اسٹیشنوں پر ہزاروں مسلمانوں نے فلک شگاف نعروں سے ان کا استقبال کیا۔ کانفرنس کے بعد یوپی کے مسلم لیگی رہنما چودھری خلیق الزماں نے ایک خط میں قائداعظم کو لکھا:

''آپ کی اور آپ کے زیر ہدایت مجلس عاملہ کی اختیار کردہ حکمت عملی کا جو ردعمل مسلمان عوام پر ہوا ہے، وہ واقعی حیرت انگیز ہے۔ واپسی پر ہم لوگوں نے ایک جلسہ عام منعقد کیا جس میں ہر خیال کے ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی۔ جس جوش و خروش سے شملہ کانفرنس میں مسلم لیگ کے رویے پر تحسین و آفرین کی گئی، اس سے نہ صرف میری بلکہ سر ناظم الدین کی بھی آنکھیں کھل گئیں جنہوں نے اپنے دو روزہ قیام لکھنؤ کے دوران میں ایک جلسے سے خطاب کیا۔ آپ نے ایک مرتبہ پھر ہمیں خطرناک لغزش سے بچا لیا ہے، اور مسلم سیاست کے جہاز کو تند اور طوفانی موسم میں سے صاف نکال کر ایک محفوظ لنگر گاہ میں پہنچا دیا ہے۔ آپ کے عزم مصمم اور زبردست معاملہ فہمی نے صورت حال کو بگڑنے سے بچا لیا ہے۔ جب مجھے اپنا شک وشبہ کا رویہ اور آپ کا غیر متزلزل عزم یاد آتا ہے تو ان دونوں کا تضاد اتنا نمایاں ہو جاتا ہے کہ بے ساختہ آپ کی رہنمائی کی صلاحیت کی تعریف کرنا پڑتی ہے۔''

شملہ کانفرنس میں ابوالکلام آزاد کے رویہ پر اپنی ناراضگی اور غم وغصہ کے اظہار کے لیے مسلمانوں نے ان کی کلکتہ واپسی پر سارے راستے میں ریلوے سٹیشنوں پر ان کے خلاف مظاہرے کیے۔ مزید برآں کلکتہ کے مسلمانوں نے عید کی نماز کے لیے ان کی جگہ کوئی دوسرا امام چن لیا۔

شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد لارڈ ویول نے وزیر ہند ایمری کے نام ایک خط میں قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا:

''وہ ایک تنگ نظر اور مغرور انسان ہیں...... گاندھی کی طرح طبعاً ان میں دوسرے فریق سے دوستانہ تعاون کی صلاحیت ہی نہیں۔''

جی ہاں! جو آدمی وائسرائے سے برابری کی سطح پر بات کرتا ہے اور صرف لحاظ اور مروت کی وجہ سے اپنی رائے بدلنے اور اپنی قوم کے حقوق سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں، وہ

ان کی نظر میں ان ہی خصوصیات کا حامل ہوگا۔

شملہ کانفرنس کی ناکامی پر وزیر ہند ایمری نے ویول کو لکھا:

''اس کانفرنس سے کانگریس کے رہنماؤں کو ایک دفعہ پھر پتہ چل گیا ہے کہ ان کی تمناؤں کے پورا ہونے کے راستے میں رکاوٹ آپ اور میں نہیں بلکہ مسلم لیگ ہے۔ انہیں یا تو پاکستان کا مطالبہ تسلیم کرنا ہوگا یا جناح کے مقابلے پر مسلم عوام کی حمایت حاصل کرنا ہو گی۔ سدھائے ہوئے کانگریسی مسلمانوں کے چہرے ان کی کچھ مدد نہیں کر سکتے۔''

ملک فیروز خاں نون، جو اس وقت وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں دفاع کے رکن تھے، قائداعظم محمد علی جناح کو اندرونی حالات و واقعات سے باخبر رکھتے اور اس طرح مسلمانوں کے موقف کی اعانت کرتے رہے۔

مسلم لیگ کے بغیر وائسرائے نے بات آگے نہیں بڑھائی کیونکہ جنگ کے دنوں میں برطانوی حکومت تقریباً 10 کروڑ مسلم عوام اور لاکھوں مسلم فوجیوں کی ناراضی کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

اس کانفرنس کے نتیجے میں قائداعظم محمد علی جناح کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوا اور سب کو مسلم لیگ کی اہمیت کا احساس ہو گیا۔ (قائداعظم محمد علی جناح، از محمد سلیم مطبوعہ قومی پبلشرز لاہور)

شوبوائے

(دیکھئے: ابوالکلام آزاد)

شوکت پنجاب

قائداعظم محمد علی جناح نے سیالکوٹ کے جلسہ عام میں سردار شوکت حیات خاں کو شوکت پنجاب کا خطاب دیا تھا۔

شوکت علی اور قائداعظم

قائداعظم محمد علی جناح نے مولانا شوکت علی مرحوم کی ملی خدمات پر خراجِ عقیدت ادا کرتے ہوئے فرمایا:

''وہ جس راستے کو اپنے خیال میں صحیح سمجھتے اس پر گامزن ہو جاتے اور ان کے پائے ثبات میں یکسر تنزلزل نہ ہوتا تھا۔ وہ سچے اور ایمان والے تھے۔ انہوں نے آخر وقت تک ''بشرط استواری'' اسلام سے وفا کی، کوئی لالچ ان کو اپنے راستے سے ایک انچ بھی نہیں ہٹا سکتی تھی۔ ان کا طریقِ عمل صحیح ہو یا غلط، لیکن جب انہیں ایک دفعہ یقین ہو جاتا تھا کہ یہ راستہ اسلام کی ناموری کا ہے تو پھر وہ بلا خوف و تامّل اس پر چل پڑتے تھے۔

ماہ اپریل 1936ء میں جب مسلم لیگ کی تجدید ہوئی تو مولانا شوکت علی نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ مسلم لیگ کے ذریعے سے مسلمانوں کی خدمت کریں گے، اور انہوں نے آخر وقت تک لیگ کا ساتھ دیا۔ اپریل 1936ء سے مجھے ایک باوفا رفیق ملا تھا ہر چند کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن میں مایوس نہیں ہوں کہ ابھی تو کام کا آغاز ہوا ہے، یہ کام بہر صورت جاری رہے گا خواہ کتنی ہی طویل مدت کیوں نہ ہو۔ میں ہر زن و مرد سے خواہش کرتا ہوں کہ وہ اس صورت حال کو سمجھیں جو انہیں درپیش ہے اور محض چلتے ہوئے فقروں اور نعروں میں نہ بہہ جائیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوؤں اور مسلمانوں کا موازنہ کرتے ہوئے بتایا:

''مجھے روزانہ ہر طبقہ و خیال کے اشخاص سے سابقہ پڑتا ہے۔ مجھے ہندوؤں اور مسلمانوں کی وجاہت میں

ایک بین فرق معلوم ہوتا ہے۔ جہاں مسلمانوں کا روشن خیال طبقہ بے سر و پا تخیلات رکھتا ہے اور چلتے ہوئے فقروں میں بہہ جاتا ہے، وہاں مرد و عورت، بلکہ ان میں بعض غیر تعلیم یافتہ بھی جو مجھ سے ملتے ہیں مسلمانوں میلوں آگے ہیں۔

میں ہندوؤں کی برائی نہیں چاہتا، مجھے مسرت ہے کہ ہندو زیادہ مستعد اور تیار ہیں۔ مجھے ہندوؤں سے کوئی بغض و عداوت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ مسلمان کئی لحاظ سے ہندوؤں سے پیچھے ہیں۔ وہ تعداد میں کم ہیں، اگر چہ میں تسلیم نہیں کرتا کہ کسی قوم کے اعداد و شمار ہی اس کی طاقت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔''

پھر آپ نے مسلمانوں کی حالت زار کو اجمالی طور پر اس طرح بیان کیا:

''مسلمان اقتصادی حیثیت سے دیوالیہ، معاشی اعتبار سے صفر اور تعلیمی لحاظ سے تا حال مبتدی ہیں۔ اگر مسلمان اپنا صحیح مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر انہیں اس کی اہلیت پیدا کرنی چاہیے۔ ان مسائل کی پیچیدگیوں کو سمجھنا اور ان کی تحقیق کرنا چاہیے جو انہیں درپیش ہیں۔ یہ استدلال صحیح نہیں ہے چونکہ مسلمانوں نے عہد رفتہ میں صدیوں اس ملک پر حکومت کی ہے۔ اس لیے اب بھی انہیں حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ ایسی باتوں سے لطف اندوز ہونے میں کوئی فائدہ نہیں۔ آج جس چیز کی ضرورت ہے وہ جفاکشی، انتھک کوشش، ذمہ داری اور شعور فرائض ہے۔

دولت برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتی ہے، اور گاندھی جی مُسلم ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے کہ ہم دونوں کو اپنے پر حکومت نہ کرنے دیں گے۔ خواہ دونوں متفق ہو کر یا تنہا کوشش کر دیکھیں۔ ساری دنیا مان چکی ہے اور حکومت برطانیہ بھی فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے یہ تسلیم کر چکی ہے کہ مسلم لیگ ہی مسلم ہندوستان کا جائز و واحد نمائندہ ادارہ ہے لیکن تا حال سیوگاؤں میں روشنی طلوع نہیں ہوئی اور ابھی تک مسٹر گاندھی اندھیرے میں ٹٹول رہے ہیں۔''

مسلم لیگ کے معمولی ذرائع کی تشریح کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''اورنگ زیب روڈ پر میرا مکان خانگی حیثیت سے قابل رشک ہی سہی لیکن فوج کا دفتر کہاں ہے، میری ساری کائنات ایک اٹیچی کیس، ایک ٹائپ رائٹر اور ایک ذاتی مددگار پر مشتمل ہے۔ میں مشکلات کا غلط اندازہ کرنے کے خلاف ہوں، لیکن اس کے ساتھ ہی میں شکست خوردہ ذہنیت بھی نہیں رکھتا۔ مجھے مسلمانوں پر کامل یقین ہے۔

ان تمام دشواریوں کے باوجود میرا ایقان ہے کہ مسلمان کسی دوسرے فرقہ کی نسبت ''بہتر سیاسی دماغ'' رکھتے ہیں، ادراک سیاسی مسلمانوں کے خون میں ملا ہوا اور ان کی رگوں اور شریانوں میں دوڑ رہا ہے اور اسلام کی باقی ماندہ عظمت ان کے دلوں میں دھڑک رہی ہے۔ مسلم لیگ نے انہیں ایک پرچم، ایک لائحہ عمل اور ایک حکمت عملی دی ہے، اب مسلمان اپنی تنظیم کو وسیع اور استوار کریں جب میں محسوس کروں گا کہ جو فیصلہ کرنا چاہتا ہوں، اس پر صرف چند لوگ ہی نہیں بلکہ سارے مسلمان بحیثیت مجموعی لبیک کہنے کو تیار ہیں تو پھر بڑی خوشی سے آگے بڑھنے کا حکم دوں گا۔

''میں کامل اتفاق آرا'' پر مصر نہیں ہوں کیونکہ ایسا ہونا

کسی قوم میں ممکن نہیں ہے میں بہرصورت اپنی قوم کی اکثریت کی باشعور اور ٹھوس حمایت چاہتا ہوں۔ اگر یہ حاصل ہوئی تو پھر میں بندوق کی گولیوں کے سامنے بھی کھڑا ہونے پر تیار ہوں لیکن آگے بڑھنے سے پہلے اس پر مطمئن ہونا چاہتا ہوں۔''

مولانا شوکت علی قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھی تھے، دسمبر 1924ء میں بمبئی میں مسلم لیگ کا جو سالانہ اجلاس منعقد ہوا اس میں مولانا شوکت علی نے یہ تجویز پیش کی:

''صوبہ سرحد میں مکمل اصلاحات نافذ کی جائیں اور مختلف مسلم لیگ سیاسی ادارے باہمی مشورے وگفت وشنید کے ذریعہ ایک مشترکہ لائحہ عمل تیار کریں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مولانا شوکت علی کی اس تجویز کی حمایت کی دسمبر 1927ء میں کلکتہ میں جناح لیگ کا جو اجلاس منعقد ہوا، اس میں بھی مولانا شوکت علی نے شرکت کی۔ 1927ء سے قائداعظم محمد علی جناح کی ان سے پھر ملاقات ہوئی، اور اس میں مسلم کانفرنس میں مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح کی عدم شرکت کی بحث ہوئی۔

6 جون 1936ء کو برکت علی اسلامیہ ہال میں مسلم لیگ کونسل اور مرکزی پارلیمانی بورڈ کا اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی زیرصدارت منعقد ہوا اس میں بھی مولانا شوکت علی نے شرکت فرمائی۔

1938ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح کی صاحب زادی دینا جناح نے ایک پارسی نیول واڈیا سے شادی طے کر لی تو یہ شادی قائداعظم محمد علی جناح کو بہت ناگوار گزری۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس وقت یہ کام مولانا شوکت علی کے سپرد کیا کہ وہ دینا کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائیں اور اسے اس ارادے سے باز رکھیں۔ 26 دسمبر 1938ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مولانا شوکت علی کی وفات پر مسلم لیگ کے اجلاس میں اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا:

''مولانا شوکت علی جلیل القدر انسان تھے، اور اپنے نصب العین کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کے لئے تیار رہتے تھے، وہ میرے رفیق کار اور ذاتی دوست تھے جو راستہ مرحوم نے اختیار کیا تھا آخر تک اس پر گامزن رہے تھے، اور نہایت سرگرمی اور جوش سے مسلم لیگ کے مقاصد کی حمایت کرتے رہے مولانا کا انتقال میر ذاتی نہیں بلکہ مسلم قوم کا نقصان ہے اور ہندوستان بھر میں ان کا ماتم ہو رہا ہے۔''

مولانا شوکت علی 10 مارچ 1883ء کو عبدالعلی خاں کے ہاں رام پور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ وہ مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی تھے۔ ان کی والدہ آبادی بیگم تحریک خلافت کے دنوں میں بی اماں کے لقب سے مشہور تھیں۔ دونوں بھائیوں کی تعلیم انہی کے زیرنگرانی ہوئی۔ تعلیم کے بعد مولانا شوکت علی ملازم ہوگئے اور سترہ سال کی خدمت کے بعد مستعفی ہوکر انجمن خدام کعبہ کی بنیاد رکھی۔

پہلی عالمی جنگ میں مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ مہرولی، پھر چھندواڑے بعدازاں بیتول میں نظربند رہے۔ 1919ء میں رہا ہوکر تحریک خلافت کا آغاز کیا۔ ستمبر 1921ء میں کراچی میں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں کو فوجی خدمت سے الگ رہنے کی قرارداد کی تائید کی۔ کانگریس سے اختلاف ہوا گر تحریک خلافت سے وقف رہے، پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔ آخر میں قائداعظم محمد علی جناح سے متاثر ہوکر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔

دہلی میں حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کیا اور جامع مسجد کے سامنے سرمد کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔

شہاب الدین، خواجہ

قائداعظم محمد علی جناح کی خواجہ شہاب الدین سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ پارلیمانی بورڈ کے قیام کے سلسلے میں 1939ء میں کلکتہ گئے۔ اس ملاقات کے بعد بھی کئی ملاقاتیں ہوئیں تقسیم ہند سے پہلے جولائی 1947ء میں پھر ملاقات ہوئی۔

پاکستان کے قیام کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر لیاقت علی خاں نے جو پہلی کابینہ بنائی اس میں خواجہ شہاب الدین نے بطور وزیر صحت شمولیت اختیار کی 24 مارچ 1965ء تا 25 مارچ 1969ء مرکزی وزیر اطلاعات ونشریات کا قلمدان سنبھالا۔ انہوں نے 9 فروری 1977ء کو وفات پائی۔

شہادت کی موت

اکتوبر 1947ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے یونیورسٹی گراؤنڈ لاہور میں ایک بہت بڑے جلسہ سے خطاب کیا، محترمہ فاطمہ جناح کہتی ہیں:

''یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے ان کی زبان سے موت کی باتیں سنیں، وہ کہہ رہے تھے۔''

''موت سے خوفزدہ نہ ہوں، ہمارا مذہب یہ سکھاتا ہے کہ ہم ہمیشہ موت کو یاد رکھیں، اگر پاکستان یا اسلام خطرے میں ہوتو ہمیں موت کا دلیری سے مقابلہ کرنا چاہیے، صحیح مقصد کے لیے شہادت کی موت سے بڑھ کر مسلمان کے لیے اور کوئی ذریعہ نجات نہیں۔''

شہباز، روزنامہ

یہ مشہور اخبار تھا اس اخبار نے اپنی اشاعت 25 مارچ 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی لاہور میں آمد پر ایک تاریخی مقالے میں لکھا:

''اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے 230 سال بعد قائداعظم محمد علی جناح نے اسلامیانِ ہند کی نشاۃ ثانیہ کا بیڑہ اٹھایا ہے، اور انشاء اللہ قوم کو منزل مراد تک پہنچائیں گے۔''

یہ روزنامہ 1939ء میں مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش نے جاری کیا ان کے ذرائع محدود تھے، اس لیے انہیں کامیابی نہ ہوئی چنانچہ مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش نے اسے یونینسٹ پارٹی کے سیکرٹری سید امجد علی شاہ کے ہاتھ فروخت کردیا۔

شہر بانو حبیب مرچنٹ

یہ قائداعظم محمد علی جناح کی بھانجی تھیں۔ یہ ان کی دوسری ہمشیرہ مریم بائی کے بطن سے تھیں۔ وہ دسمبر 1967ء میں محترمہ فاطمہ جناح کی وفات کے بعد بمبئی سے کراچی آئیں اور اپنے صاحبزادے اور ممتاز ایڈووکیٹ لیاقت ایچ مرچنٹ کے ساتھ کراچی میں مقیم ہوئیں۔

شہری آزادی

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک موقع پر فرمایا:

''میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، جو جارحانہ کارروائی یا جرائم کی ہمت افزائی کرتے ہیں، لیکن یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے آئین وضوابط کا بغور مطالعہ کیا ہے، اور یہ محسوس کیا ہے کہ آئین میں سب سے زیادہ اہم شہری کی آزادی ہے۔ اس بات پر میرا پختہ ایمان ہے کہ حکومت بغیر مقدمہ چلائے، اور بغیر جرم ثابت کیے ایک منٹ کے لیے بھی کسی انسان کی آزادی کو ختم نہیں کرسکتی۔''

شہید باغ لکھنؤ

یہ مہاراجا محمود آباد کا باغ تھا۔ اس باغ میں قائداعظم محمد علی جناح 1914ء میں مسلم لیگ کے جلسے کی صدارت کے لیے تشریف لائے۔ اسی جلسے میں قائداعظم محمد علی جناح کی ملاقات چودھری خلیق الزمان سے ہوئی۔

شہید گنج مسجد اور قائداعظم کی تقریر

مسجد شہید گنج کے مسئلہ پر قائداعظم محمد علی جناح نے 17 اپریل 1938ء کو کلکتہ کے ہنگامہ خیز اجلاس کے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

''ہندوستان کے مختلف حصوں کا دورہ کرنے کے موقع پر مجھے اس بات سے بے حد خوشی ہوئی کہ مسلمانوں میں ایک عام سیاسی بے چینی پیدا ہو گئی ہے، اور ہر شخص مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے آجانے کے لیے بے قرار اور جذبۂ شوق سے سرشار ہے۔

لوگوں پر جو ظلم بے جا کیا جا رہا تھا، اس سے کسی حد تک ہم نے انہیں خلاصی دی ہے، اپنی جدوجہد میں عورتوں کو بھی شریک کار بنانے کے لیے ہم کوشش کر رہے ہیں، اور بہت سے مقامات پر میں نے عورتوں کو جلسوں میں نمایاں حصہ لیتے ہوئے پایا، چھ ماہ سے کم مدت کے اندر اندر ہم لوگوں نے مسلمانوں کو اس طرح خواب غفلت سے بیدار کر کے ان کی تنظیم کی ہے کہ اس کامیابی کو دیکھ کر ہمارے مخالفین متحیر ہیں، اب مسلمانوں کو اپنی طاقت کا احساس ہو گیا ہے، اور آج وہ متحد ہو کر اُٹھ کھڑے ہوں تو دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو انہیں مغلوب کر دے، لیگ کا سالانہ اجلاس جو لکھنؤ میں اکتوبر 1937ء کو منعقد ہوا تھا، اسے گزرے صرف چھ ماہ کا عرصہ ہو رہا ہے، لیگ کی تاریخ میں گذشتہ اجلاس بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے، بغیر مبالغہ میں کہتا ہوں کہ لکھنؤ کے اجلاس نے آل انڈیا مسلم لیگ میں ایک نئی زندگی اور نئی روح پُھونک دی ہے۔

لکھنؤ کا جوش و خروش ہنوز لوگوں میں باقی ہے، اور دن بدن لیگ کی طاقت بڑھتی جارہی ہے۔ لکھنؤ کے اجلاس سے قبل لیگ کے جھنڈے کے نیچے مسلمان جوق در جوق لاکھوں کی تعداد میں آ گئے ہیں اور آرہے ہیں، ہم لوگوں کے نئی جمہوری آئین کے مطابق بارہ صُوبوں میں سے دس صوبوں میں صوبائی لیگیں قائم ہو چکی ہیں اور ڈسٹرکٹ اور پرائمری شاخیں بھی قائم کی جا چکی ہیں۔ آج میں فخر کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ہر محب وطن مسلمان مسلم لیگ کے حلقے میں آ گیا ہے، ہر مسلمان کے گھر میں لیگ کا چرچا ہے۔ اگر ہم لوگوں میں یہی جوش و خروش قائم رہا تو بغیر کسی شک و شبہ کے آل انڈیا مسلم لیگ کی طاقت اتنی مستحکم ہو جائے گی کہ اس کا مقابلہ کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے 18 فروری کی تاریخ یوم شہید گنج منانے کے لیے مقرر کی تھی، سارے ہندوستان میں جلسے منعقد ہوئے اور لیگ کے دفتر میں جو رپورٹیں آئی ہیں، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لیگ کی آواز ملک کے دور دراز گوشوں میں بھی پہنچی۔ ہر چھوٹے اور بڑے شہر کے علاوہ چند دیہاتوں میں بھی لیگ کی اس قرارداد پر عمل کیا گیا۔

ہندوستان کے سارے مسلمانوں کی نظر اس وقت شہید گنج کی مسجد کی طرف لگی ہے، اور ہر شخص کے

مولانا شوکت علی

1938 - 1872

تحریک آزادی کے مجاہد مولانا شوکت علی مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی تھے آپ نے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی آزادی، تحریک خلافت اور پان اسلام ازم کی تحریک اور تحریک ہجرت میں بھرپور حصہ لیا۔ 1913ء میں آپ نے انجمن خدام کعبہ بنائی۔ 1931ء میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کے خصوصی اجلاس منعقدہ دہلی کی صدارت کی۔ 1936ء کے انتخابات میں آپ نے قائداعظمؒ کی قیادت میں مسلم لیگی امیدواروں کی انتخابی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا 1938ء میں آپ کی وفات پر قائداعظمؒ نے آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا شوکت علی ایک عظیم انسان تھے۔

دماغ میں یہی خیال موجزن ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان کے جذبات اور احساسات بالکل صحیح درست اور حقیقی ہیں، اور مسجد کو منہدم کر کے ان کے مذہبی جذبات میں بہت بڑی ٹھیس لگائی گئی ہے۔ سکھ جیسے معزز فرقہ کی اس ناروا حرکت سے ہمیں افسوس اور صدمہ پہنچا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرا یہ خیال ہے کہ دونوں جماعتوں کے چند افراد نے اس معاملے کو اور بھی زیادہ طول دے دیا، اگر ہر دو فریق کے دلوں میں اخلاقی عہد و پیمان کا احساس ہو جائے اور وہ اپنی اپنی ناروا حرکتوں سے منہ موڑ لیں تو یہ مسئلہ ابھی فوراً حل ہو جائے، آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے اس کے متعلق جو قرارداد منظور کی ہے اسے میں اس اجلاس میں موجودہ مندوبین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

قرارداد حسب ذیل ہے:

''شہید گنج کے مسئلہ سے متعلق وزیراعظم پنجاب نے اپنے اعلان کے ذریعہ یقین دلایا ہے کہ اگر مسلم اراکین کی اکثریت کو ان پر اعتماد نہ ہو تو وہ وزارت سے مستعفی ہو جائیں گے، کونسل اس بات کی تعریف کرتی ہے کہ سر سکندر حیات خان اور ان کی حکومت کو اس معاملہ میں کافی دلچسپی ہے، اور اس مسئلہ کی نازک صورت ان کے ذہن نشین ہو گئی ہے، اور اس مسئلہ کو منصفانہ طور سے حل کرنے کے لیے کوشش کرنے کا جو اعلان اُنہوں نے کیا ہے وہ کونسل کے خیال میں بہت ہی بہتر صورت ہے۔ بہتر ہوتا کہ ہر دو فریق آپس میں تصفیہ کر لیتے اور اگر بدنصیبی سے آپس میں سمجھوتہ نہ ہوا تو یہ ملک کے لیے بہت ہی منحوس اور مضر ثابت ہوگا، اور اس صورت میں کونسل حکومت پنجاب کے اس فیصلہ سے اتفاق رکھتی ہے، جس کی رو سے اُس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اپنے اختیارات کے مطابق وہ کوئی بھی آئینی کارروائی کرنے سے حتی الامکان باز نہ آئے گی، اور اس کے متعلق آخری فیصلہ کے لیے پالیسی وطرز عمل کے قرار دینے کا اختیار چونکہ آل انڈیا مسلم لیگ کو حاصل ہے، اس لیے کونسل اس ایثار میں اس معاملہ کو حل کرنے کے لیے ہر قسم کی امداد بہم پہنچانے کے لیے ہمیشہ تیار رہے۔''

خواتین وحضرات! اب شہید گنج کے متعلق جائز پالیسی و پروگرام و آئندہ طرز عمل کو قرار دینے و مرتب کرنے کی ذمہ داری آپ لوگوں پر ہے، گیارہ صوبائی مجالس مقننہ میں سے سات کے اندر مسلم لیگ جماعت نے اپنا سکہ جما لیا ہے، ان سات صوبائی اسمبلیوں کے مسلم اراکین کی زیادہ تر تعداد کا تعلق مسلم لیگ کی جماعت سے ہے، اور دن بدن لیگ پارٹی کی رکنیت میں اضافہ ہو رہا ہے، چند صوبوں کے لیجسلیٹو اسمبلی کے ضمنی انتخابات کے مقابلہ میں مسلم لیگ کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی، لیگ کی کونسل نے مسلمانوں کی اقتصادی تعلیمی و اخلاقی اصلاح کے لیے ایک پروگرام تیار کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی ہے، کمیٹی کی رپورٹ کا انتظار نہایت دلچسپی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

صوبہ متحدہ و چند دیگر صوبجات میں جو فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ہیں اس پر ہم نہایت ہی غم و افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ اِن صوبوں کے کانگریسی وزراء اعلانیہ طور پر ان فسادات کی ساری ذمہ داری مسلم لیگ پر ڈال رہی ہیں، حکومت کے ایک وزیر کی زبان

سے اس قسم کے بے بنیاد بیانات کا نکلنا کتنا قابلِ افسوس ہے۔ مسلم لیگ کو بدنام کرنے کے لیے طرح طرح کے پروپیگنڈے کیے جارہے ہیں، لیکن باوجود اس کے اگر خداوند پاک کو یہ منظور ہوگا تو مسلم لیگ روز بروز دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی جائے گی، چند مہینے قبل تک مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ ان کا کوئی مرکز نہ تھا لیکن اب کسی شخص کی مجال نہیں ہے کہ وہ ان پر انگلی اُٹھا سکے، مسلمانوں کو اس کا احساس ہو گیا ہے کہ اُن کی نجات کا راز مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے منظم ہو جانے میں ہے۔ چند صوبوں میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں عائد کی جارہی ہیں، اور ان کے ساتھ بے جا سلوک اور بے انصافی برتی جارہی ہے، ان لوگوں کے اور خصوصاً آل انڈیا مسلم لیگ کے اراکین اور کارکنوں نے مرکزی دفتر میں صوبائی حکومت کے خلاف بے انتہا شکایتیں ارسال کی ہیں، لہٰذا اس کے متعلق تحقیقات کر کے حسب قاعدہ ضروری کارروائی کو انجام دے کر اس کی رپورٹ مرتب کرنے کے لیے کونسل نے راجہ صاحب محمد مہدی صاحب کی صدارت میں ایک خاص کمیٹی مقرر کی ہے، اور کونسل نے صدر کی حیثیت سے مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ جماعت قائم کرنے کا مجھے مکمل اختیار عطا کیا ہے۔

اس قرارداد کے مطابق دونوں ہاؤس کے مرکزی واضعانِ قوانین میں مسلم لیگ پارٹی قائم کی جا چکی ہے، مرکزی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں لیگ پارٹی اپنے فرائض کی انجام دہی شروع کر دے گی۔

ہری پور میں صدر کانگریس اور دیگر چند کانگریسی لیڈروں نے ہندو مسلم مسئلہ کو حل کرنے کے لیے خواہش ظاہر کی ہے، اور اس کے مطابق مسٹر گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو نے مجھ سے خط و کتابت کی ہے، اور ہنوز سلسلہ خط و کتابت جاری ہے۔ میں نے ان خطوط کا جواب بھی انہیں ارسال کر دیا ہے، لیکن باوجود اس کے کانگریس مسلم لیگ کو خاص طور سے ختم کر دینے کے لیے کسی کوشش سے باز نہیں آرہی ہے، کانگریس کا منشا یہ ہے کہ اولاً فرقہ وارانہ عطیہ (کمیونل ایوارڈ) کو مٹایا جائے دوسرے جداگانہ انتخابات نہ ہونے چاہئیں، تیسرے کسی جماعت کے لیے نشستیں مقررہ مخصوص نہ کی جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان نہ تو مجلس واضعان قوانین میں نظر آئیں گے، اور نہ میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈ میں، مثال کے طور پر صوبہ بہار کے نئے انتخابات پر غور کیجیے۔ زبان، مذہب اور تہذیب وغیرہ اساسی حقوق سے متعلق کانگریس نے اپنی قرارداد کے ذریعہ جو اعلان کیا ہے وہ محض کاغذی تجویز ہے، کانگریس نے وزارت کے مسند پر جلوہ افروز ہوتے ہی باوجود سخت مخالفت کے مجلس مقننہ میں بندے ماترم کا ترانہ جاری کیا۔ ہندی کو لازمی زبان قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔ اُردو کو مٹانے کا یہ پہلا زینہ ہے، علاوہ ازیں صدی میں سنسکرت اَدب و ہند و فلسفہ و خیالات شامل کر کے مسلم بچوں کو گمراہ کیا جارہا ہے۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی آزادی میں بھی مداخلت شروع کر دی گئی ہے، کانگریس کا برابر یہ دستور رہا کہ کہنے کو وہ بہت کچھ کہا کرتی ہے، لیکن کرتی کچھ اور ہی ہے۔

کانگریس سراسر ہندو جماعت ہے، مسلمانوں نے ایک سے زیادہ بار کانگریس کو یہ جتا دیا ہے کہ اُن کی

آئندہ تقدیر اور قسمت کا دار و مدار حکومت اور ملک کے انتظام میں اُن کی سیاسی حقوق کے حصول وقومی زندگی میں واجب حصہ حاصل ہونے پر ہے اور اس کے لیے وہ اس وقت تک برسرِ پیکار رہیں گے، جب تک ہندو راج کا خواب و خیال کانگریس کے دل و دماغ سے بالکل مفقود نہ ہو جائے گا۔ ''جب تک مسلمانوں کے قالب میں روح رہے گی کانگریس کا غلام بننا ہرگز ہرگز گوارا نہیں کریں گے۔،، مسلم لیگ کانگریس یا دیگر ایسی جماعتوں کے ساتھ مساوات کا دعویٰ کرتی ہے، مسلم لیگ کی یہ جدوجہد صرف مسلمانوں ہی کے لیے مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس کا دسترخوان ہر فرقہ کے لیے عام طور سے بچھا ہوا ہے، اور وہ ہر فرقہ کے حقوق کے تحفظ کو اپنا فرض اوّلین سمجھتی ہے۔ کانگریس کا موجودہ طرزِ عمل اور پالیسی بہت غلط ہے۔ یہ لوگ اس خیال میں پھولے نہیں سما رہے ہیں کہ چند صوبوں پر ان لوگوں کا مکمل قبضہ ہو گیا ہے، اور ساتویں صوبے میں یعنی سرحد میں بھی بہت حد تک انہی کی شنوائی اور اثر ہے اور ڈنکے کی چوٹ وہ اعلان کرتے ہیں، اور نیز ان کا یہ خیال ہے کہ بہت ہی جلد بقیہ چار صوبے بھی کانگریس ہائی کمان کے فاتح اعظم کے قدموں پر آ گریں گے۔

ہمیں بہت سے مصائب اور تکالیف کے دَور سے گزرنا ہے، ہمارے دُشمن ہماری ہستی کو فنا کرنے کے لیے حتی الامکان کوئی دقیقہ نہ اُٹھا چھوڑیں گے، وہ ہم پر مظالم کے پہاڑ توڑیں گے، ہمیں قتل کریں گے، لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ ان تکالیف کے متحمل ہونے کے بعد ہم اور بھی زیادہ مضبوط اور قوی ثابت ہوں گے۔،،

شہید گنج مسجد کا قضیہ اور ثالثی

28 اور 29 جون 1935ء کو لنڈا بازار لاہور میں ایک سکھ مزدور میلا سنگھ نے لاہور کی ایک مسجد کو گرانا شروع کر دیا، اور اس دوران خود مسجد کی دیوار کے نیچے آ کر ہلاک ہو گیا۔ دوسرے روز مسلمانوں نے مسجد کی شہادت کی خبر سنی تو وہ مسجد کی طرف دوڑتے چلے گئے، حالانکہ گوردوارہ پربندھک کمیٹی کے پروگرام میں مسجد کا انہدام شامل نہ تھا۔ یکم جولائی 1935ء لاہور میں میاں عبدالعزیز مالواڈہ ایڈووکیٹ کی قیام گاہ پر مولانا ظفر علی خان کی دعوت پر ایک اجلاس منعقد ہوا اس اجلاس میں چودھری افضل حق، مولانا مظہر الحق، میاں امیر الدین، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر محمد عالم نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے ایک اجلاس بلایا اور ایک وفد تشکیل دیا۔ اس اجلاس میں انجمن تحفظ مسجد شہید گنج کا قیام عمل میں لایا گیا۔ تاہم حکومت نے بھی مسجد شہید گنج کے انہدام سے سکھوں کو روکنے کے لیے عارضی انتظام کر دیے۔

مسلمانوں نے اس مسجد کے حصول کے لیے 1852ء میں انگریزی عدالت میں مقدمہ بھی دائر کیا، لیکن ناکام رہے 1882ء میں مسلمانان لاہور نے اسے واگزار کرانے کی ایک اور ناکام کوشش کی، پھر انجمن اسلامیہ پنجاب نے ایک درخواست گزاری۔ 8 جولائی 1935ء کو رات کو سرکاری کرین نے ملٹری اور پولیس کے تعاون سے مسجد کے تمام نشانات مٹا دیے، تاہم مسلمانوں کا جوش وخروش کم نہ ہوا، اور لاہور کی فضا بہت ہی مکدر ہو گئی کیونکہ تحریک کے متعدد رہنماؤں کو 15 جولائی 1935ء کی رات کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔

مسلمان رہنماؤں کی گرفتاریوں کے خلاف ہنگامے شروع ہو گئے جس کے نتیجے میں یکم اگست 1935ء کو تیرہ مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ پنجاب کے حالات جب زیادہ بگڑ گئے تو

قائداعظم محمد علی جناح 22 فروری 1936ء کو لاہور آئے اس موقع پر انہوں نے فرمایا:

''میں لاہور میں پوری امید لے کر آیا ہوں کہ مختلف قوموں کے لیڈر شہید گنج کے مسئلے میں سمجھوتہ کرانے میں میری مدد کریں گے۔ ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ شہید گنج سے زیادہ اہم معاملات ہمارے سامنے ہیں جسے ہم سب کو مل کر حل کرنا ہے۔''

دوسرے دن انہوں نے گورنر پنجاب سے ملاقات کی گورنر پنجاب نے کہا:

''اگر سول نافرمانی بند کر دی جائے اور مسلمان مسجد کی بازیابی کے لیے آئینی طریق سے جدوجہد کریں تو میں تمام قیدی رہا کرنے کو تیار ہوں۔''

بالآخر قائداعظم محمد علی جناح کی گورنر سے بات چیت کے نتیجے میں تمام قیدی رہا کر دیے گئے۔ زمیندار، احسان اور سیاست کی ضمانتیں واپس کر دی گئیں اور سنسر بھی اٹھا لیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح سکھ لیڈروں سے بھی ملے اور انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا:

''جذبہ مصالحت اور ہم وطنی کا خیال کر کے مسلمانوں کے ساتھ کوئی معقول سمجھوتہ کر لیں۔ ملکی مفاد کے پیش نظر فرقہ وارانہ کشیدگی نہ سکھوں کے لیے مفید ہے اور نہ مسلمانوں کے لیے۔''

سکھ لیڈروں نے قائداعظم محمد علی جناح کا احترام کیا، اور وہ انہیں اپنے ساتھ شہید گنج دکھانے کے لیے لے گئے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے دو ہفتے تک لاہور میں قیام کیا۔ انہوں نے لاہور سے روانگی سے قبل ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے کہا تھا:

''میں دیکھتا ہوں کہ صورت حال میں ایک نمایاں تغیر پیدا ہوا ہے، اور فضا سازگار ہو گئی ہے۔ سکھ اور مسلم قائدین کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جانبین ایک قابل قبول مفاہمت کے لیے ان کے درمیان یکجہتی اور محبت کا رشتہ استوار ہو جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر انجمن مصالحت قضیہ شہید گنج بھی تشکیل دی اور اس انجمن کی رکنیت کے لیے نام بھی پیش کیے۔

شہید گنج مصالحتی کمیٹی

1936ء میں قائداعظم محمد علی جناح مسئلہ شہید گنج کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے اور 7 مارچ کو دہلی روانہ ہونے سے قبل انہوں نے درج ذیل احباب پر مشتمل شہید گنج کمیٹی قائم کی۔

1. علامہ اقبال
2. میاں عبدالعزیز بارایٹ لاء
3. راجہ نریندر ناتھ
4. پنڈت نانک چند
5. سردار بہادر بوٹا سنگھ
6. سردار جل سنگھ
7. سردار سمپورن سنگھ
8. خان بہادر میاں احمد یار خان دولتانہ
9. مولانا عبدالقادر قصوری

شیخ عبداللہ اور جناح

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 23 جون 1944ء میں لکھتا ہے:

''شیخ محمد عبداللہ (کشمیر) نے سری نگر میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح کے خلاف بہت زہر اگلا، اور کہا کہ کئی لاکھ جناح بھی کشمیر میں آ کر یہاں کی مقامی سیاست کو نہیں بدل سکتے۔ جب ہم سیاسیات کشمیر کو بیرونی اثرات سے پاک رکھنا چاہتے ہیں تو مسٹر

جناح کیوں برطانوی ہند کی سیاسیات کے جراثیم کو یہاں لا رہے ہیں؟
شیر کشمیر کی دھاڑ کا سبب یہ ہے کہ مسٹر جناح نے خود کشمیر پہنچ کر وہاں کے سیاسی حالات کا مطالعہ کیا تو مسلم کانفرنس ہی کی پالیسی پر صاد کیا، اور نیشنل کانفرنس کے مسلک کو پسند نہیں فرمایا، تمام مسلمانانِ ہند اور پنجاب کے تمام مقامی اخبارات سب کے سب مسلم کانفرنس کی پالیسی کے حامی ہیں، اور شیخ صاحب کے طور طریقوں کو مسلمانانِ کشمیر کے لیے مضر سمجھتے ہیں، بلکہ اعداد و واقعات سے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ پالیسی مسلمانوں کو کافی مضرت پہنچا چکی ہے۔
باقی رہا شیخ صاحب کا یہ کہنا کہ وہ بیرونی اثرات سے کشمیر کو پاک رکھنا چاہتے ہیں تو وہ خود مسلم کانفرنس میں تھے، اور حکومت کشمیر سے ان کا تصادم ہوا تھا تو کیا انہوں نے مسلمانانِ پنجاب کی امداد کے طلب و حصول میں کوئی تامل کیا تھا؟ پھر گاندھی اور جواہر لعل نہرو کے زیر اثر انہوں نے اسلامی سیاسیات کو ترک کر کے کشمیری بندوقوں کی معیت میں ایک نیشنل کانفرنس کھڑی کی، اور کانگریس کے حصول کی حمایت اور مسلم لیگ کے خلاف بدزبانی کا آغاز کیا۔ کیا یہ بیرونی اثرات سے پاک رہنے کی کوشش تھی؟
اس کے علاوہ مسٹر جناح تو سیاسیات کشمیر میں کسی قسم کی مداخلت کے روادار ہی نہیں تھے۔ وہ تو اپنے متعدد بیانات میں صاف کہہ چکے ہیں کہ یہاں کے مسلمان جس نظام کو مناسب سمجھیں شوق سے چلائیں کیونکہ آل انڈیا مسلم لیگ ہندوستانی ریاستوں کے مسلمانوں کو اپنے ضبط میں لانے کے خواہش مند نہیں ہے، پھر خدا جانے شیخ عبداللہ صاحب نے خوامخواہ قائداعظم پر برسنے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت: 23 جون 1944ء)

شیرِ بنگال اور میمنہ

قراردادِ لاہور پر بحث کے دوران قائداعظم محمد علی جناح تقریر کر رہے تھے کہ باہر بہت شور بلند ہوا، قائداعظم محمد علی جناح لمحہ بھر کے لیے رکے اور پوچھا:

''کیسا شور ہے؟''

ایک شخص اٹھ کر باہر گیا اور واپس آ کر اطلاع دی:

''شیر بنگال آئے ہیں۔''

تب مولوی فضل الحق جھومتے ہوئے پنڈال میں داخل ہوئے، قائداعظم محمد علی جناح نے دیکھتے ہی مسکرا کر فرمایا:

''جب شیر آئے تو میمنہ کو بیٹھ جانا چاہیے۔''

اور پھر کرسی پر بیٹھ گئے۔ جب فضل الحق کو جگہ مل گئی تو قائداعظم محمد علی جناح یہ کہتے ہوئے پھر کھڑے ہو گئے:

''اب شیر کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے، اس لیے میمنہ پھر باہر نکل آیا ہے۔''

اس پر شرکائے مجلس ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ گئے۔

شیر سرحد

(دیکھئے: عبدالقیوم خان)

شیرف آف بمبئی

(دیکھئے: شانتارام چالی)

شیریں جناح

جناح ٹرسٹ کراچی کی صدر تھیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کی ہمشیرہ محترمہ شیریں جناح اپنی بہن محترمہ فاطمہ جناح کی وفات کے بعد 1967ء میں بھارت کے شہر پونا سے ہجرت کر

کے پاکستان تشریف لائی تھیں۔ وہ شیریں جناح ٹرسٹ کی صدر تھیں اور فلیگ سٹاف ہاؤس کی فروخت کی مخالف تھیں۔ اس سے قبل وہ قائداعظم محمد علی جناح کے چہلم پر 1948ء میں اور پھر 1950ء میں پاکستان آئیں۔

شیریں جناح 1880ء میں بمبئی میں پیدا ہوئی تھیں۔ ان کا ایک ہی بیٹا اکبر جعفر تھا جس کا مئی 1979ء میں طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ شیریں جناح نے اپنا مرمہتہ پیلس کراچی گرلز میڈیکل کالج کے قیام کے لیے بطور عطیہ دے دیا تھا، اور اپنی وصیت میں اپنی املاک کا چوتھا حصہ شیریں جناح ٹرسٹ کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ ٹرسٹ کے ارکان میں عبادت یار خان ایڈووکیٹ مسٹر اے کے بروہی جسٹس ظہور الحق اور ڈاکٹر علوی شامل ہے۔

1976ء میں شیریں جناح نے لندن میں قائداعظم فاؤنڈیشن کے قیام کی تجویز پیش کی تھی یہ فاؤنڈیشن مارچ 1981ء میں قائم کی گئی اور قائداعظم محمد علی جناح کے محقق رضوان احمد اس کے سیکرٹری بنے۔

قائداعظم کی ہمشیرہ شیریں جناح نے 24 دسمبر 1973ء کو قائداعظم کی 97 ویں سالگرہ کے موقع پر کراچی میں قوم کے نام ان خیالات کا اظہار کیا:

''ہر سال قائداعظم کا یوم ولادت بڑے جوش وخروش سے منایا جاتا ہے اس موقع پر میں سمجھتی ہوں کہ قائد اعظم نے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے جو کام کیا اور انہوں نے جو کامیابیاں حاصل کیں انہیں سمجھنے کے لیے آج پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ پاکستان کے قیام کا محرک کیا تھا آج پوری طرح واضح ہو چکا ہے، اور پاکستان کے دشمن بھی کھل کر سامنے آگئے ہیں۔ اگرچہ قائداعظم نے اپنی زندگی میں جو کچھ کیا شائع شدہ حالت میں موجود ہے لیکن جس پس منظر میں انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ان پر پوری طرح روشنی نہیں ڈالی گئی اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ موجودہ نسل اس وقت کے حالات سے آشنا نہیں ہے اس لیے ان لوگوں پر ہر طرح لازم آتا ہے کہ اس پس منظر اور ان حالات کی وضاحت کریں جن میں قائداعظم نے اپنے خیالات وافکار کا اظہار کیا اور قوم کو قیمتی مشورے دیے۔''

شیریں جناح کا انتقال 2 دسمبر 1980ء بروز منگل 23 محرم الحرام 1401ھ کو کراچی میں ہوا، اور ان کی وصیت کے مطابق انہیں مزار عبداللہ غازی کے احاطہ میں سپرد کیا گیا۔ نماز جنازہ مولانا شیخ غلام حسین نے پڑھائی۔

شیریں وہاب

وہ تحریک پاکستان کی ممتاز رہنما تھیں۔ انہوں نے صوبہ سرحد میں خواتین مسلم لیگ کی بنیاد رکھی جسے قائداعظم محمد علی جناح نے بے حد سراہا۔

شیریں وہاب 23 مارچ 1919ء کو پشاور میں خاں بہادر قاضی میر احمد خاں کے ہاں پیدا ہوئیں۔ والدین نے نام انجم آرا رکھا، لیکن بعد ازاں شیریں وہاب کے نام سے مشہور ہوئیں۔ انہوں نے کوئین میری کالج لاہور میں تعلیم پائی۔ انہیں اردو، انگریزی اور پشتو پر دسترس حاصل تھی۔

اپریل 1934ء میں پشاور کے مشہور وکیل قاضی عبدالوہاب سے ان کی شادی ہوئی۔ صوبہ سرحد کے گورنر کی اہلیہ کے کہنے پر گرل گائیڈ تحریک میں کام شروع کیا۔ دوسری جنگ عظیم میں دو گھنٹے روزانہ گورنمنٹ ہاؤس جا کر محاذ جنگ میں زخمی سپاہیوں کے لیے پٹیاں اور امدادی سامان بھجواتیں۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد صوبہ سرحد میں ''آل انڈیا وومن ایسوسی ایشن'' کی شاخ قائم کی۔ تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ صوبہ سرحد

میں خواتین مسلم لیگ کی بنیاد پڑی تو وہ اس کی جنرل سیکرٹری بنیں۔ انہوں نے خواتین کو مسلم لیگ کا رکن بنانے کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔

وہ پشاور میں گھر گھر جا کر عورتوں کو مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح کا پیغام پہنچاتیں۔ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کے دوران خواتین کے احتجاجی جلسوں کا انتظام کرایا۔

قیام پاکستان کے بعد خواتین مسلم لیگ کی جگہ اپواء کی تحریک میں کراچی کانفرنس میں پشاور کی عورتوں کی نمائندگی کی۔ چنانچہ واپس پشاور آ کر اپواء کی تحریک کا آغاز کیا اور 9 سال تک اس کی جنرل سیکرٹری رہیں۔

1970ء کے عام انتخابات میں صوبہ سرحد سے قومی اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں۔

ان کی وفات 12 اگست 1983ء کو پشاور میں ہوئی۔

شیعہ سنی مسئلہ

قائداعظم محمد علی جناح فرقہ وارانہ مسئلوں سے بہت پرے تھے۔ انہوں نے متعدد بار شیعہ سنی مسئلے کی وضاحت کی۔ آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کے صدر سید علی ظہیر کے ایک مکتوب مورخہ 25 جولائی 1944ء کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"مجھے یقین ہے کہ شیعوں کی اکثریت مسلم لیگ کے ساتھ ہے، اور ان میں سے کچھ لوگ جو غلط فہمی کی بناء پر مسلم لیگ سے باہر ہیں۔ وہ میرے خیال میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار نہ کر کے غیر دانشمندی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ مسلم لیگ انصاف اور مساوات پر یقین رکھتی ہے، اور ہمیشہ ان بنیادی اصولوں پر قائم رہے گی اور شیعوں کو یہ سوچنے کی قطعی ضرورت نہیں کہ ان کے ساتھ مسلم لیگ میں اچھا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانان ہند کے درمیان کسی قسم کی تفریق پیدا کرنا مسلم موقف کے حق میں مضرت رساں ہوگا، اور مجھے اس کا کوئی جائز موقع ومحل بھی نظر نہیں آتا۔"

شیعہ کانفرنس لکھنؤ کے سیکرٹری کے نام ایک ٹیلی گرام بمورخہ 13 اکتوبر 1945ء میں بھی قائداعظم محمد علی جناح نے انہی خیالات کا اظہار کیا۔

شیفرڈ ہوٹل

یہ ہوٹل مصر کے شہر قاہرہ میں واقع ہے۔ جب قائداعظم محمد علی جناح 1946ء میں لندن سے واپس آئے تو انہوں نے قاہرہ میں مصر کے وزیراعظم نقراشی پاشا نے شیفرڈ ہوٹل میں ملاقات کی اس ہوٹل میں قیام کا انتظام عرب لیگ نے کیا تھا۔

شیکسپیئر

قائداعظم محمد علی جناح نے 1940ء میں یوم اقبال کے دوسرے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"شعراء اقوام میں جان پیدا کرتے ہیں۔"

انہوں نے اس موقع پر ملٹن، شیلے، بائرن اور کارلائل کے ساتھ شیکسپیئر کا نام بھی لیا، اور کہا:

"ان حضرات نے قوم کی بے حد خدمت کی ہے، لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے۔ اقبال نے سب سے زیادہ خدمت کی ہے۔

کارلائل نے شیکسپیئر کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے ایک انگریز کا ذکر کیا کہ جب اسے شیکسپیئر اور دولت برطانیہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا

تو اس نے کہا کہ میں شیکسپیئر کو کسی قیمت پر نہ دوں گا۔
گو میرے پاس سلطنت نہیں لیکن اگر سلطنت مل جائے اور اقبال اور سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی نوبت آئی تو میں اقبال کو منتخب کروں گا۔''

شیکسپیئر کا شمار عظیم ترین انگریز شاعروں اور ڈرامہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ شیکسپیئر 1546ء میں لندن میں پیدا ہوئے۔ لارڈ چیمبرلین کے مصاحبوں کے گروہ میں شامل رہے۔ علاوہ گلوب تھیٹر میں بھی حصہ ڈالا۔ ڈرامے بھی لکھے جن کی تعداد ناقدین کے مطابق 38 ہے۔ ابتداء میں فرانس بیکن کو اور بعد ازاں ارل آف آکسفورڈ کو ان کے ڈراموں کا مصنف قرار دیا گیا تھا۔

شیکسپیئر کا انتقال 1616ء میں ہوا۔

شیکسپیئر ڈرامیٹک کلب

قائداعظم محمد علی جناح حصولِ تعلیم کے لیے لندن میں مقیم تھے، جب انہوں نے لندن میں بیرسٹری کی تعلیم مکمل کر لی تو وہ کچھ عرصہ لندن میں مقیم رہے۔ اس دوران انہوں نے شیکسپیئر ڈرامیٹک کلب کی نہ صرف رکنیت اختیار کی بلکہ ایک ڈرامے میں رومیوں کا کردار بھی ادا کیا۔

1946ء میں یہ بات انہوں نے لندن میں مقیم کراچی کے روزنامہ ڈان کے نمائندے ذکریا نسیم کو بتائی۔

شیلانگ

یہ بھارت کے صوبہ آسام کا شہر ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح 4 مارچ 1946ء کو آسام کے شہر میں تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے اس دن کی مصروفیات یہ تھیں:

صبح سر محمد سعداللہ اور عبدالمتین چودھری قائداعظم محمد علی جناح سے ملے پھر صوبے کے بہت سے کھاسی لیڈر ملنے آئے جو خاصا عرصہ ساتھ رہے۔ خان بہادر سعید الرحمٰن اور خان بہادر عطاء الرحمٰن بھی ملنے آئے۔ ملاقاتیوں کے ایک ہجوم سے جو گورنر ہاؤس میں موجود تھا ملاقات کی۔ دوپہر کو گورنر آسام سے ملاقات کی۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے استقبالیہ دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے سپاسنامے کا جواب دیا۔ سبز مسجد کے میدان میں خواتین کے جلسے سے خطاب کیا پولو گراؤنڈ میں منعقدہ ایک جلسہ عام میں تقریر فرمائی اس اجتماع میں ہندو اور قبائلی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ جلسہ کے بعد قائداعظم محمد علی جناح بذریعہ کار شیلانگ سے گوہاٹی روانہ ہو گئے۔

شیو

قائداعظم محمد علی جناح شیو کے لیے بلیڈ استعمال نہیں کرتے تھے۔ ان کے پاس شیونگ بکس میں سات استرے رکھے رہتے تھے۔ اس طرح ہر استرے سے شیو بنوانے کی باری ایک ہفتہ کے بعد ایک روز آتی تھی۔ جس کے لیے وہ مخصوص تھا۔ یہ بات محمد یوسف مورو نامی ہیر ڈریسر نے اپنی وفات سے قبل کراچی کے ایک رزنامہ کو بتائی تھی۔ محمد یوسف مورو کو قیامِ پاکستان کے وقت سے پہلے لے کر قائداعظم محمد علی جناح کے گورنر جنرل بننے تک ان کی شیو بنانے اور بال کاٹنے کا اعزاز حاصل رہا ہے۔ اس بات کی تائید ان کے ایک دوسرے ہیر ڈریسر محمد صدیق جگو نے بھی کی۔ ان دونوں ہیئر ڈریسر صاحبان نے متفقہ طور پر کہا:

''قائداعظم وقت کی پابندی کے معاملہ میں بہت سخت تھے۔ اگر مقررہ وقت سے پانچ منٹ بھی دیر ہو جاتی تو وہ شیو بنوانے سے انکار کر دیتے تھے۔ وہ نفاست پسندی کے بھی قائل تھے۔ قائداعظم کی شیو بناتے وقت وہ چار تولیے استعمال کرتے تھے۔ ان میں سے ایک سے وہ خود اپنے ہاتھ صاف کرتے دوسرے سے

ریزر صاف کیا جاتا۔ تیسرا تولیہ شیو کے وقت قائد اعظم استعمال کرتے تھے جب کہ چوتھے تولیہ سے ان کا چہرہ صاف کیا جاتا تھا۔ شیو کے دوران استعمال ہونے والے تولیے فوراً ہی دھلنے کے لیے دے دیے جاتے تھے۔''

محمد یوسف مورو قیام پاکستان کے بعد کراچی میں فرقہ ورانہ فسادات کی خبریں روزانہ قائداعظم محمد علی جناح کو سناتے۔ ایک روز قائداعظم محمد علی جناح نے موثر لہجے میں فرمایا:

''مسلمان پاکستان چاہتے تھے اور بن گیا۔ وہ اب اور کیا چاہتے ہیں؟ فساد کر کے انہوں نے پاکستان کے دامن کو داغدار کر دیا ہے۔''

انہیں ہر ماہ قائداعظم محمد علی جناح 35 روپے اپنی جیب سے ادا کرتے تھے۔ جب کہ محمد صدیق جگو نے بتایا:

''قائد اعظم کوئٹہ سے کراچی جانے لگے تو ان کے اے ڈی سی نے بل دینے کو کہا جب میں نے معاوضہ لینے سے انکار کر دیا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ قائد اعظم کا حکم ہے اس پر میں نے ایسے ہی کچھ رقم بنا دی جو مجھے فوراً ادا کر دی گئی۔''

محمد صدیق جگو نے بتایا:

''جب لوگوں کو پتہ چلا تھا کہ میں قائد اعظم کی شیو بناتا ہوں تو وہ میرے ہاتھ چومتے تھے۔''

(جنگ لاہور، 7 جون 1985ء)

صاحب بصیرت سیاستدان

قائداعظم محمد علی جناح ان صاحب بصیرت سیاستدانوں میں سے تھے، جنہیں اپنے سیاسی نظریات کو عوام وخواص کے دلوں میں اتار کر انہیں تحریک کا رنگ عطا کر دینے کا جوہر خاص ودیعت تھا۔ ایک سچے مسلمان کی طرح آپ ایک عرصہ تک اس بات کے لیے کوشاں رہے کہ ہندوستان میں آباد دونوں قومیں بڑی قوموں مسلمان اور ہندو) میں حقیقی وحدت و یگانگت پیدا ہو جائے، اکثریت (ہندو قوم) مسلمانوں کا حق پہچاننے اور اسے خندہ پیشانی سے ادا کرنے کے لیے تیار ہو جائے، اس لگن میں قائداعظم محمد علی جناح کئی مرتبہ اتنے آگے نکل گئے کہ آپ کو اپنوں کے طعن و تشنیع کے نشتر بھی برداشت کرنا پڑے، لیکن جب آپ کا خلوص ہندو قوم کے فطری تعصب اور مسلمانوں کے معاملہ میں جبلی بغض کا رخ نہ موڑ سکا، اور آپ نے دیکھا کہ انگریز اور ہندو دونوں نے مل کر برصغیر کے مسلمانوں کے مستقبل پر خط تنسخ کھینچنے کا تہیہ کر لیا ہے، تو آپ نے ایک ماہر نفسیات کی طرح مسلمانوں کی صد ہا سال کی محرومیوں اور جراحتوں کا رخ ان دونوں اقوام کی طرف موڑ کر مسلمانان برصغیر کو اتحاد کی لڑی میں پرو کر بنیان مرصوص بنا دیا، آپ نے فرمایا:

> ''ہم بحث و تمحیص کرتے کرتے تھک گئے ہیں، اب کسی سے استعانت کرنا بے سود ہے، دنیا میں کوئی ایسی عدالت نہیں جس سے ہم استعانت کر سکیں، ہماری آخری عدالت ملت اسلامیہ ہے، اور ہم اس کے فیصلہ کی پابندی کریں گے۔''

صادق الخیری

جنوری 1940ء میں قائداعظم محمد علی جناح جب عربک کالج دہلی میں مسلم لیگ کے جلسے میں شرکت کرنے کے لیے تشریف لائے تو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے اپنی البم پر سعدی خیری (بھتیجے) کے توسط سے آٹوگراف لیا۔ یہ آٹوگراف انگریزی میں تھا۔

صادق الخیری 11 مئی 1915ء کو دہلی میں پیدا ہوئے، انہوں نے 1937ء میں ایم اے کیا، اور شعبہ اشتہارات میں ملازمت اختیار کر لی۔ اس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

26 جنوری 1989ء کو دل کا دورہ پڑنے سے 74 سال کی عمر میں کراچی میں انتقال کیا۔

صادق محمد خان عباسی، امیر

تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما تھے، اور ریاست بہاولپور کے امیر بھی تھے، انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو 1930ء میں اپنی ریاست کا قانونی مشیر مقرر کیا تھا۔ اسی زمانے سے ان کے اور قائداعظم محمد علی جناح کے دوستانہ تعلقات استوار ہو گئے انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے مشورے سے ریاست کے وزیراعلیٰ سر سکندر حیات خان کو فوری طور پر برطرف کر کے ریاست سے نکل جانے کا حکم دیا۔ وہ قائداعظم محمد علی جناح کی بے حد عزت کرتے تھے اور ان کے ہر حکم پر لبیک کہنے کو ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ انہوں نے متعدد بار قائداعظم محمد علی

جناح سے ریاستی امور کے بارے میں بات چیت کی۔

ان کا شمار قائداعظم محمد علی جناح کے دوستوں میں ہوتا تھا ان کی دوستی کا آغاز اس وقت ہوا جب چولستان کے بنجر علاقے کو آباد کرنے کے لیے دریائے ستلج سے نہریں نکالنے کی سکیم منظور کی تو کروڑوں روپوں کی ضرورت تھی۔ اس سکیم کے لیے گورنمنٹ ہند سے قرضہ کی درخواست کی گئی اور قرضہ کی شرائط طے کرنے کے لیے ماہر قانون کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح کو مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد دونوں رہنماؤں کے مابین تعلقات اس حد تک استوار ہوئے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے سر صادق خان کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا اظہار کیا لیکن نواب بہاول پور نے معذرت چاہی۔

قائداعظم محمد علی جناح جب بھی کراچی تشریف لاتے تو ان کا قیام ہمیشہ بہاول پور ہاؤس ملیر میں ہوتا۔ نواب محمد صادق عباسی قائداعظم محمد علی جناح کا اتنا احترام کرتے تھے کہ 7 اگست 1947ء کو جب قائداعظم محمد علی جناح کراچی پہنچے تو ان کی آمد سے پہلے نواب بہاول پور نے بیرون ملک سے اپنے وزیراعظم کو اور بہاول پور کے سٹیٹ کمانڈنگ جنرل مارڈن کو بذریعہ کیبل حکم بھجوایا:

''قائداعظم نئی وجود میں آنے والی مملکت کے سربراہ ہونے والے ہیں۔ گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالنے کے بعد چار روز پہلے جونہی وہ ملیر کراچی تشریف لائیں تو بہاول پور کی فرسٹ انفنٹری بٹالین کوٹھی کے گیٹ پر قائداعظم محمد علی جناح کو گارڈ آف آنر پیش کرے اور سربراہ مملکت کے مطابق ان کا استقبال کیا جائے۔''

وہ 29 ستمبر 1904ء کو بروز جمعۃ المبارک بہاول پور میں پیدا ہوئے۔ تین سال کی عمر میں والد کے ہمراہ حج پر گئے والد 15 فروری 1907ء کو وطن واپس آتے ہوئے راستے میں لندن کے مقام پر رحلت کر گئے۔ محمد صادق عباسی نے تعلیم کا آغاز 15 ستمبر 1910ء سے کیا، کچھ عرصہ کے لیے تعلیم حاصل کرنے انگلستان چلے گئے اور 1915ء سے 1921ء تک ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم پائی 10 مارچ 1924ء کو وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ نے ان کی رسم تاجپوشی ادا کی۔

1924ء میں فوج کی تعداد 178 اور آمدنی 42 لاکھ روپے تھی، ان کی ذاتی دلچسپی سے فوج کی تعداد دو ہزار اور آمدنی تین کروڑ ہو گئی۔ 1935ء میں چار سو افراد کے ہمراہ حج کیا۔ قیام پاکستان کے وقت نواب محمد صادق عباسی لندن میں تھے اور اکتوبر میں وطن واپس آئے اور انہوں نے ریاست کا ادغام مغربی پاکستان میں کیا 24 مئی 1966ء کو لندن میں انتقال کیا اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

صادق وامین کے نقشِ قدم پر

جناب یحیٰی بختیار نے ایک موقع پر قائداعظم محمد علی جناح کو جب وہ کوئٹہ میں مقیم تھے، ان کی ایسی تصاویر دکھائیں جو انہوں نے کھینچی تھیں تو قائداعظم محمد علی جناح نے ان سے مزید تصویریں کھینچنے کی فرمائش کی۔

یحیٰی بختیار نے کہا:

''قائداعظم! میں تو کوئی اچھا فوٹو گرافر نہیں ہوں، ثبوت اس کا یہ ہے کہ میں نے آپ کی تصویریں کھینچی تھیں، اور انہیں اسٹرائیڈ ویکلی آف انڈیا اور ڈان کی اشاعت کے لیے بھیجی تھیں۔ اسٹرائیڈ ویکلی نے تو انہیں نا قابلِ اشاعت قرار دے کر مجھے واپس بھیج دیں، لیکن ڈان نے ان کی رسید تک بھیجنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے یحیٰی بختیار کا عذر مسترد کر دیا۔ دوسرے روز یحیٰی بختیار اپنا کیمرہ اور فلش لے کر قائداعظم محمد علی جناح کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ اس وقت قائداعظم محمد علی

جناح حضور پرنور رسول اکرم ﷺ کی احادیث پر مشتمل ایک کتاب جس کا ٹائٹل "الحدیث" تھا۔ مطالعہ فرما رہے تھے۔ یحییٰ بختیار یہ چاہتے تھے کہ قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر ایسے زاویے سے لیں کہ کتاب کا ٹائٹل بھی فوکس میں آجائے، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے تصویر کھنچوانے سے پہلے کتاب علیحدہ رکھ دی اور یحییٰ بختیار کے اصرار پر فرمایا:

"میں ایک مقدس کتاب کو اس قسم کی پبلسٹی کا موضوع بنانا پسند نہیں کرتا۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر فرمایا:

"سیاست میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے پیغمبر اسلام ﷺ کے نقش قدم کو عرب میں ایک لحظہ یہودیوں اور عیسائیوں کی مخالفت اور دوسری طرف اپنے ہم قوم کی دشمنی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اسی طرح مجھے بھی برعظیم میں ایک طرف عیسائی حاکموں اور یہود صفت ہندوؤں اور دوسری طرف اپنوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، لیکن جس طرح نبی کریم ﷺ نے اپنی بے پناہ دیانتداری سے عرب کے یہودیوں اور عیسائیوں اور دوسری طرف قریش کے مقابلے پر کامیابی حاصل کی تھی۔ اسی طرح میں ایک طرف کانگریس اور انگریز کے گٹھ جوڑ اور دوسری طرف اپنوں کی ریشہ دوانیوں کے خلاف کامیاب ہوں گا، اور اس کامیابی کی کنجی نبی اکرم ﷺ کی بتائی ہوئی دیانتداری ہے۔"

صاف گوئی

ایک پارسی جج ڈینشا نے ایک دفعہ جبکہ اس کا اپنا وکیل بیٹا جہانگیر اور قائداعظم محمد علی جناح اس کی عدالت میں کسی مقدمے کی پیروی کر رہے تھے۔ دونوں کو ذرا دیر سے آنے پر بغیر نام لیے اچھے وکیل کے فرائض پر ایک مختصر سی تقریر کر دی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے فوراً کہا:

"جناب والا! مہربانی فرما کر اپنا یہ وعظ صرف اپنے بیٹے جہانگیر ہی کے لیے محدود رکھئے، کیونکہ دیر سے آنے کا باعث بھی وہی ہوا ہے، کسی ایسے آدمی کو اپنی تقریر کا مخاطب مت کیجئے جو پچھلے پچیس سال سے وکالت کر رہا ہے، اور کبھی عدالتوں میں دیر سے نہیں پہنچا۔"

جج قائداعظم محمد علی جناح کی اس جرأت اور بے باکی پر فق ہوگیا دیگر حاضرین اس صاف گوئی پر مسکرا کر رہ گئے۔

صحرائی، غلام غوث

قائداعظم محمد علی جناح 1936ء میں جب صوبہ سرحد کے دورے پر تشریف لے گئے تو ان کی حفاظت کے لیے رضا کاروں کا جو دستہ تعینات کیا گیا تھا اس میں غلام غوث صحرائی شامل تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی اپیل پر ہی انہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی تھی۔ وہ یکم جنوری 1905ء کو طورو (مردان) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام امیر اللہ خان تھا جو سرحد کے مشہور مجاہد بڈے صاحب کے معتقد تھے۔ غلام غوث صحرائی نے ابتدائی تعلیم گاؤں کی مسجد میں حاصل کی پھر حضرت بڈے کی خدمت میں مدعو رہے۔ روحانی تربیت کی تکمیل کے بعد تحریک خلافت میں حصہ لیا۔ قلم کو ذریعہ جہاد بنایا۔ پشاور کے متعدد اخبارات کے مدیر رہے۔ ان میں ہفت روزہ منزل سرحد، آزاد سرحد، احرار سرحد، رتخنے آواز اور پیغام سرحد شامل تھے۔ پشاور سے ایک روزنامہ ہمارا پاکستان جاری کیا۔ 1930ء میں انگریزوں کے خلاف شہادت کے الزام میں قلعہ بالا حصار پشاور اور اٹک میں قید رہے۔ ایک سال قید کاٹنے کے بعد دہلی چلے گئے جہاں کانگریس نیشنل گارڈ کے سالار بنا دیے گئے۔ ان

کے خلاف وہاں بھی مقدمات قائم کیے گئے اور وہاں بھی قید کاٹی۔

1933ء میں پشاور چلے آئے۔ وہاں بھی غازی عبدالرشید کی اعانت کے جرم میں انہوں نے ایک سال قید سخت کاٹی اور یہ عرصہ ہری پور جیل میں گزارا۔

فروری 1947ء میں تحریک پاکستان کی جدوجہد کے دوران کانگریس وزارت نے گرفتار کرلیا۔ 3 جون 1947ء کو رہا ہوئے۔ سرحد میں ریفرنڈم میں قلمی جہاد کرتے ہوئے کانگریس کی سازشوں کو ناکام بنایا۔

صدر (آل انڈیا مسلم لیگ)

دہلی میں مسلم لیگ دوگروہوں عبدالعزیز گروپ اور خان بہادر حافظ ہدایت اللہ گروپ میں بٹی ہوئی تھی۔ مسلم لیگ کے ممتاز راہنماؤں کی شب و روز کی مساعی سے دونوں گروپوں کا مشترکہ اجلاس 4 مارچ 1934ء کو ہوا اور متفقہ طور پر قائداعظم محمد علی جناح کو مسلم لیگ کا صدر اور حافظ ہدایت اللہ کو اعزازی سیکرٹری منتخب کرلیا گیا۔ پھر اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح ہمیشہ اس کے صدر منتخب ہوتے رہے۔

صدر اولمپک ایسوسی ایشن

قائداعظم محمد علی جناح 13 دسمبر 1947ء کو پاکستان اولمپک ایسوسی ایشن کے پہلے صدر مقرر ہوئے۔

صدر (دستور ساز اسمبلی)

10 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس جوگندر ناتھ منڈل کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اگلے روز یعنی 11 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو دستور ساز اسمبلی نے صدر منتخب کرلیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے صدارتی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر ہم مملکت پاکستان کو خوشحال بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اس ملک کے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے ایک جگہ پر جمع ہونا چاہئے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:

''مجھے اس خود مختار اسمبلی کا پہلا صدر منتخب کر کے جو عزت ایوان نے بخشی ہے میں اس پر شکر گزار ہوں۔ میں ان ارکان کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے میری خدمات کو سراہا، اور میری کارکردگی کا ذکر کیا۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے تعاون اور امداد سے ہم اس دستور ساز اسمبلی کو دنیا کے لیے ایک مثال بنادیں گے۔ اس اسمبلی کو دو اہم کام کرنے ہیں۔ پہلا کام یہ ہے کہ پاکستان کے لیے آئندہ کا نظام حکومت تیار کیا جائے۔ اور دوسرا فرض پاکستان کی آزادی اور خود مختار وفاقی مجلس قانون ساز کی حیثیت سے کام کرنا ہے۔ ہمیں پاکستان کی وفاقی مجلس قانون ساز کا عارضی نظام حکومت مرتب کرنے میں اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کرنی ہیں، نہ صرف ہم بلکہ تمام دنیا اس منفرد اور بے نظیر انقلاب پر حیران ہے۔ جس کے نتیجہ میں اس براعظم میں دو آزاد خود مختار حکومتیں ہورہی ہیں۔ اس عظیم خطے کو جہاں قسم قسم کے لوگ آباد ہیں۔ ایک بے مثال اور قابل عمل پلان کے تحت تقسیم کردیا گیا ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ پُرامن طریقے سے عمل میں آیا ہے۔ اس اسمبلی کی کارکردگی کے بارے میں میں نے کوئی سوچی سمجھی رائے قائم نہیں کی، مگر میں دو ایک باتیں اس ضمن میں کہہ سکتا ہوں۔ میں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ اب آپ ایک خود مختار قانون ساز مجلس کے ارکان

ہیں۔اس طرح آپ پر بڑی نازک ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔حکومت کا پہلا فرض نظم وضبط قائم رکھنا ہے تا کہ لوگوں کے جان و مال،عزت اور مذہبی عقائد کا تحفظ ہو سکے۔اس وقت دو بڑی لعنتیں مسلط ہیں،ان میں رشوت اور بے ایمانی بھی شامل ہیں۔ہمیں ان کے فولادی پنجے کو توڑنا ہے مجھے امید ہے کہ آپ جلد ہی اسمبلی میں ایسے فیصلے کریں گے جن کے ذریعے ان لعنتوں کو جلد از جلد ختم کیا جاسکے گا۔چور بازاری اور منافع خوری بھی ایسی ہی لعنتیں ہیں جو عوام کے لیے سخت مصیبت کا باعث بنتی ہیں۔جن سے حکومت کا کام بھی مشکل ہو جاتا ہے۔آپ کو اس عفریت سے بھی جنگ کرنا ہے۔اس زمانے میں جب کہ خوراک اور ضروری اشیاء کی کمی ہے، یہ چیزیں معاشرتی جرم ہیں، چور بازاری کرنے والوں کو سخت ترین سزا ملنی چاہئے، کیونکہ اس سے کنٹرول کا سارا نظام اور سامان خوراک کی تقسیم درہم برہم ہو جاتی ہے۔دوسری چیز جو میری روح کو تکلیف پہنچاتی ہے وہ ہے بے ایمانی اور رشوت خوری، میں اس بات کو صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کسی قسم کی رشوت یا بے ایمانی کو برداشت نہیں کرسکتا۔نہ کسی اثر کو قبول کروں گا جو براہ راست یا گھما پھرا کر مجھ پر ڈالا جائے۔

مجھے معلوم ہے کہ ہم میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ہندوستان کی تقسیم سے متفق نہیں ہیں، اور بنگال و پنجاب کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہیں،لیکن اب جب کہ سب کچھ ہو چکا ہے اور اسے قبول کر لیا گیا ہے،تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پر ایمانداری کے ساتھ قائم رہیں اور اس معاہدہ پر عمل کریں۔ میں ان جذبات سے بھی واقف ہوں جو دونوں فرقوں میں ایک دوسرے کے بارے میں پائے جاتے ہیں،لیکن سوال یہ ہے کہ جو کچھ ہوا کیا اس کے سوا کوئی اور صورت قابل عمل تھی؟تقسیم تو لازمی امر تھا اسے تو ہونا ہی تھا۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں طرف ایسے افراد ہو سکتے ہیں جو اس سے متفق نہ ہوں۔ جو اسے پسند نہ کرتے ہوں مگر میرے خیال میں کوئی اور حل اس مسئلے کا ممکن ہی نہ تھا۔ مجھے یقین ہے کہ جب تاریخ اپنا فیصلہ دے گی تو حقائق کی بنا پر وہ فیصلہ یہی ہوگا کہ ہندوستان کے آئینی مسئلے کا واحد حل یہی تھا۔متحدہ ہندوستان کا تصور کبھی چل نہیں سکتا تھا۔میرے خیال میں اس پر اصرار تباہ کن ہوتا،لیکن اس تقسیم سے اقلیتوں کا سوال خارج نہیں کیا جاسکتا۔ چاہے وہ ایک حکومت کی اقلیتیں ہو یا دوسری کی۔

پاکستان میں تمام اقلیتوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ان کو جائز حد تک زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے گی۔ میں پاکستان کی اقلیتوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تم نے تعاون کے جذبے سے کام لیا۔ ماضی کو فراموش کر دیا۔تنازعات اور باہمی اختلاف کو بھلا دیا تو تم میں سے ہر ایک چاہے وہ کسی رنگ، ذات یا عقیدے سے متعلق ہو اور اس کا تعلق کسی فرقے سے ہی کیوں نہ ہو۔اول وآخر اس ریاست کا باشندہ ہوگا۔تمہارے حقوق،مراعات اور ذمہ داریاں مشترک ہوں گی اور تم ان سب میں برابر کے حصے دار ہوگے۔

اگر ہمیں پاکستان کی اس عظیم الشان ریاست کو خوشحال بنانا ہے تو ہمیں اپنی تمام تر توجہ لوگوں کی فلاح و بہبود کی جانب مبذول کرنا چاہئے۔ خصوصاً عوام اور غریب لوگوں کی جانب۔ اگر آپ نے تعاون اور

اشتراک کے جذبے سے کام کیا تو تھوڑے ہی عرصے میں اکثریت اور اقلیت، صوبہ پرستی اور فرقہ بندی اور تعصبات کی زنجیریں ٹوٹ جائیں گی۔ ہندوستان کی آزادی کے راستے میں اصل رکاوٹ یہی تھی اگر یہ نہ ہوتیں تو ہم کبھی کے آزاد ہوگئے ہوتے۔ اگر یہ آلائشیں نہ ہوتیں تو چالیس کروڑ افراد کو کوئی زیادہ دیر تک غلام نہ رکھ سکتا تھا۔

یورپ خود کو مہذب کہتا ہے، لیکن وہاں پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک خوب لڑتے رہے۔ آج بھی وہاں بعض ریاستوں میں پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک خوب لڑتے ہیں۔ وہاں کی ریاستوں میں آج بھی مذہبی افتراق موجود ہے، مگر ہماری ریاست کسی تمیز کے بغیر قائم ہورہی ہے۔ یہاں ایک فرقے یا دوسرے فرقے میں کوئی تمیز نہ ہوگی۔ یہاں ذات اور عقیدوں میں کوئی تمیز نہ ہوگی۔ ہم اس بنیادی اصول کے تحت کام شروع کررہے ہیں کہ ہم ایک ریاست کے باشندے اور مساوی باشندے ہیں۔

آپ آزاد ہیں، آپ اس لیے آزاد ہیں کہ اپنے مندروں میں جائیں۔ آپ آزاد ہیں کہ اپنی مسجدوں میں جائیں یا پاکستان کی حدود میں اپنی کسی بھی عبادت گاہ میں جائیں۔ آپ کا تعلق کسی مذہب، کسی عقیدے یا کسی ذات سے ہو اس کا مملکت کے مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں یہ بات بطور نصب العین اپنے سامنے رکھنی چاہیے، اور آپ یہ دیکھیں گے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندو ہندو نہ رہے گا اور مسلمان مسلمان نہ رہے گا۔ مذہبی مفہوم میں نہیں کیونکہ یہ ہر شخص کا ذاتی عقیدہ ہے، بلکہ سیاسی مفہوم میں اس ملک کے ایک شہری کی حیثیت سے۔''

صدر مرکزی پارلیمانی بورڈ

(دیکھیے: مرکزی پارلیمانی بورڈ)

صدر ہوم رول لیگ

قائداعظم محمد علی جناح ابتداء میں اس جماعت کے رکن بنے لیکن جب اس کی بانی مسز اینی بیسنٹ کو گرفتار کرلیا گیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے ہوم رول لیگ کی صدارت کے فرائض بھی انجام دیے۔ 1920ء میں قائداعظم محمد علی جناح اس وجہ سے مستعفی ہوگئے کہ اس کی بانی مسز اینی بیسنٹ پر گاندھی کے افکار نے اثرات ڈال دیے تھے، اور وہ مکمل طور پر ان کے دام فریب میں پھنس چکی تھیں، حالانکہ انہوں نے مسز اینی بیسنٹ کی نظر بندی پر 1917ء میں حکومت ہند سے شدید احتجاج بھی کیا تھا۔

صد سالہ تقریبات

یکم جنوری 1976ء سے پورے ملک میں قائداعظم محمد علی جناح کی صد سالہ تقریبات کا آغاز ہوا۔ اس ضمن میں وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے مزار قائداعظم پر حاضری دی اور پورے فوجی اعزاز کے ساتھ پھولوں کی چادر چڑھائی اور فاتحہ خوانی کی۔ ذوالفقار علی بھٹو جو اس صد سالہ تقریبات کے چیئرمین تھے، ان کا گورنر سندھ بیگم رعنا لیاقت علی خان، وزیراعلیٰ سندھ غلام مصطفیٰ جتوئی، وفاقی وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ، وفاقی وزراء ممتاز علی بھٹو، رفیع رضا، یوسف خٹک، مولانا کوثر نیازی اور وزرائے مملکت میر افضل خان، سید قائم علی شاہ، مسٹر عبدالستار گبول، یحییٰ بختیار اٹارنی جنرل، صوبائی وزراء اور اعلیٰ فوجی حکام نے استقبال کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے

سید حسین امام

1985 - 1897

سیاسی زندگی کا آغاز تحریک خلافت میں حصہ لینے سے کیا۔ 1930ء میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے کونسل آف سٹیٹس کے رکن بنے۔ 1937ء میں پھر منتخب ہوئے۔ 1942ء کے انتخابات کے دوران آپ مسلم لیگ مرکزی پارلیمانی بورڈ کے رکن تھے اور اس حیثیت سے کئی اہم فیصلے کیے۔ وہ خود بھی مجلسِ قانون ساز کے رکن منتخب ہوئے اور جب عبوری حکومت میں مسلم لیگ نے شرکت کی تو قائداعظمؒ نے انہیں کونسل آف سٹیٹ کا صدر نامزد کیا۔ آپ نوجوانوں میں بڑے مقبول تھے۔ 1944ء میں لاہور میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس کی صدارت کی۔ پاکستان بنا تو قائداعظمؒ نے انہیں کچھ عرصہ ہندوستان میں ٹھہر جانے کی ہدایت کی تاکہ وہ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے آئینی جدوجہد کر سکیں۔ اکتوبر 1951ء میں پاکستان آ گئے۔ ابتداء میں مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں حصہ لیا مگر بعد میں سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی۔ 1976ء میں قائداعظمؒ کا صد سالہ جشن ولادت منانے کے سلسلے میں جو کمیٹی قائم کی گئی آپ اس کے رکن تھے۔

مزار پر تینوں افواج کے دستے بھی موجود تھے۔ جونہی وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو گاڑی سے اترے، بگل بجا کر ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ پاک فضائیہ کے ایک دستے نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔

وزیراعظم کریم کلر کی پیپلز پارٹی کی وردی میں ملبوس تھے۔ انہوں نے مزار کے اندر ہونے والے تعمیری کام کا معائنہ کیا۔ وزیراعظم 25 منٹ قائداعظم محمد علی جناح کے مزار پر رہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ 27 دسمبر 1975ء کو وفاقی حکومت کی طرف سے عبدالحفیظ پیرزادہ نے سال 1976ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے سال کے طور پر منانے کا اعلان کیا تھا۔

پنجاب کے وزیراعلیٰ صادق حسین قریشی نے لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح کی صد سالہ تقریبات کا آغاز کیا اور کہا:

''قائداعظم کے اصولوں پر عمل کر کے ہی ملک و قوم کو سربلند کر سکتے ہیں۔''

یہ اسلامی مہینے کے مطابق 28 ذوالحجہ 1395ء ہجری بروز جمعرات کی تاریخ تھی۔

26 اگست 1975ء کو وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح کی سویں سالگرہ کی تقریبات کا انتظام کرنے والی قومی کمیٹی کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''پاکستان کے سیاسی ارتقاء اور موجودہ حالات کے پیش نظر بانی پاکستان کی سالگرہ کے جشن کی زبردست اہمیت ہے۔ قائداعظم سے وفاداری نبھانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان اصولوں سے وفاداری نبھائیں جن کا درس انہوں نے اپنی زندگی میں دیا۔''

اس اجلاس میں قائداعظم اکیڈمی اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے قیام کا بھی فیصلہ کیا گیا نیز پاکستان اور بیرون ملک یونیورسٹیوں میں قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق خاص تدریسی اور تحقیقی شعبے کھولنے کا بھی اعلان کیا گیا۔

6 نومبر 1975ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی صد سالہ یوم ولادت منانے کے سلسلے میں ایگزیکٹو کمیٹی کا ایک اجلاس وفاقی وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں چند اہم فیصلے کیے گئے جن میں قائداعظم اکیڈمی کا قیام، اسلام آباد یونیورسٹی کا نام قائداعظم یونیورسٹی رکھنے، سیمینار منعقد کرانے اور بین الاقوامی کانگریس بلانے کا اہتمام شامل تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی یاد میں ایوارڈ قائم کرنے اور ان کی سوانح عمری تین جلدوں میں لکھنے کا بھی اعلان ہوا۔

کمیٹی کے ارکان کے نام یہ ہیں:

چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو وزیراعظم پاکستان، وائس چیئرمین عبدالحفیظ پیرزادہ وفاقی وزیر تعلیم، اراکین کے نام یہ تھے:

1. مولانا کوثر نیازی، وزیر مذہبی و اقلیتی امور
2. یوسف خٹک، وزیر قدرتی وسائل
3. ملک محمد جعفر، وزیر مملکت برائے ثقافتی امور و صوبائی رابطہ
4. خان حبیب اللہ خان، چیئرمین سینٹ
5. صاحبزادہ فاروق علی خان، سپیکر قومی اسمبلی
6. خان عبدالقیوم خان، وزیر داخلہ
7. وزیر مملکت برائے تعلیم
8. یحییٰ بختیار، اٹارنی جنرل آف پاکستان
9. اے کے بروہی
10. قاضی محمد عیسیٰ
11. زیڈ اے سلہری
12. کے ایچ خورشید
13. بریگیڈیئر این اے حسین
14. احمد ای ایچ جعفر
15. حسین امام
16. شمس الحسن

- ۱۷ جی الانا
- ۱۸ حبیب ابراہیم رحمت اللہ
- ۱۹ ڈاکٹر رضی واسطی
- ۲۰ پروفیسر شریف المجاہد
- ۲۱ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید
- ۲۲ مولانا حامد علی خان
- ۲۳ ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ
- ۲۴ قدرت اللہ شہاب
- ۲۵ وزیراعلیٰ پنجاب
- ۲۶ وزیراعلیٰ سندھ
- ۲۷ وزیراعلیٰ سرحد
- ۲۸ وزیراعلیٰ و گورنر بلوچستان
- ۲۹ صدر آزاد جموں و کشمیر
- ۳۰ یوسف بچ، معاون خصوصی وزیراعظم برائے اطلاعات
- ۳۱ پیر علی محمد راشدی، مشیر وزارت اطلاعات
- ۳۲ جناب محمود علی
- ۳۳ راجا تری دیورائے
- ۳۴ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ
- ۳۵ سردار شوکت حیات خان
- ۳۶ سیکرٹری تعلیمات
- ۳۷ کیبنٹ سیکرٹری
- ۳۸ سیکرٹری اطلاعات
- ۳۹ فیض احمد فیض
- ۴۰ پروفیسر کے کے عزیز
- ۴۱ جملہ وائس چانسلر صاحبان
- ۴۲ محترمہ شیریں بائی
- ۴۳ سید شریف الدین پیرزادہ
- ۴۴ ایم اے ایچ اصفہانی

صدیق علی خان، نواب

وہ تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما تھے۔نواب ہونے کے باوجود قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں ایک ادنیٰ سپاہی کی حیثیت سے پاکستان کے قیام کے لیے بے پناہ خدمات انجام دیں۔نواب زادہ لیاقت علی خان کے سیکرٹری کی حیثیت سے بھی ان کے کردار کوفراموش نہیں کیا جاسکتا۔

نواب صدیق علی خان 1903ء میں ناگپور میں نواب غلام محی الدین کے ہاں پیدا ہوئے۔انہوں نے ناگپور میں ہی تعلیم پائی۔1929ء میں انجمن ہائی سکول ناگپور کی مجلس منتظمہ کے معتمد عمومی منتخب ہوئے اور نواب صدیق علی خان نے یہیں سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔1935ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے، اور اسی سال نیشنل گارڈ کے سالار اعلیٰ مقرر کیے گئے۔1936ء میں آسٹریلوی پارلیمنٹ کے ایک تاریخی اجلاس میں ہندوستان کی نمائندگی کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ پاکستان کی تحریک میں بھی دیگر مسلمان زعماء کی طرح بھرپور حصہ لیا۔آزادی کے بعد پاکستان آگئے اور کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ پاکستان کے پہلے وزیراعظم نواب زادہ لیاقت علی خان کے پولیٹیکل سیکرٹری بھی رہے۔1951ء میں جب لیاقت علی خان کوراولپنڈی میں شہید کیا گیا تو انہوں نے سب سے پہلے آگے بڑھ کر انہیں سنبھالا اور چھتیس گھنٹے تک مرحوم کی لاش کے ساتھ رہے۔

خواجہ ناظم الدین، محمد علی بوگرہ اور حسین شہید سہروردی کے بھی سیکرٹری رہے۔1958ء تا 1961ء ایتھوپیا میں پاکستان کے سفیر کے فرائض انجام دیے۔نواب صدیق علی خان نے افریقہ میں اپنے قیام کے دوران کینیا میں مسلم لیگ قائم کی۔ مسلمانوں کے باہمی اختلاف کوختم کرایا۔آل مشرقی افریقہ کانفرنس منعقد کی۔

نواب صدیق علی خان

1974 - 1900

تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما نواب صدیق علی خان ناگپور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے سیاست کا آغاز میونسپل کمیٹی سے کیا آپ ناگپور میونسپل کمیٹی کے رکن بنے اور بعد میں ضلع کونسل اور لوکل بورڈ کے ممبر بھی منتخب ہوئے۔ آپ نے ہندوؤں کی بعض مذہبی تحریکوں کے مقابلے میں اسلام کی تبلیغ و ترویج میں اہم اور پرجوش حصہ لیا۔ نواب صدیق علی خان 1935ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ قائداعظمؒ پر قاتلانہ حملے کے بعد مسلم لیگ کی اعلیٰ کمان کی حفاظت اور مسلم لیگ کے انتظامی امور کی نگرانی کی خاطر رضا کار تنظیم مسلم نیشنل گارڈ بنائی گئی تو اس تنظیم کی سربراہی نواب صدیق علی خان کو سونپی گئی۔ 1946ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ وزیراعظم لیاقت علی خان کے پولیٹیکل سیکرٹری رہے۔ نواب صدیق علی خان خواجہ ناظم الدین' محمد علی بوگرہ اور حسین شہید سہروردی کے بھی سیکرٹری رہے۔ وہ 1958ء تا 1961ء کینیا' سوڈان' سیلون اور ایتھوپیا میں پاکستان کے سفیر بھی رہے۔ انگریز حکومت نے انہیں خان بہادر کا خطاب دیا تھا لیکن انہوں نے یہ خطاب واپس کر دیا تھا۔ تحریک پاکستان کے حوالے سے نواب صدیق علی خان نے اپنی یادداشتوں پر مبنی ایک کتاب ''بے تیغ سپاہی'' بھی لکھی۔

9 جنوری 1974ء کو کراچی میں انتقال کیا۔

صدیقی، عبدالرحمٰن

وہ رکن مرکزی لیجسلیٹو کونسل تھے۔ 1946ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے گلف نیوز کے نمائندے کو بتایا:

''مسلم ممالک کے ساتھ صدیقی صاحب کے گہرے روابط ہیں۔''

عبدالرحمٰن صدیقی 1913ء میں بمبئی میں پیدا ہوئے۔ تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پائی۔ اوائل عمر ہی سے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کر دیا، اور اس سلسلے میں مولانا محمد علی جوہر سے منسلک ہوئے۔ عبدالرحمٰن صدیقی ہلال احمر کے وفد کے ساتھ ترکی بھی گئے۔ ترکی سے واپسی پر مشرق وسطیٰ کے ممالک کا دورہ کیا واپسی پر ہندوستان میں تحریک خلافت سے وابستہ ہوئے، اور بعد میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ مسلم لیگ میں آنے کے بعد کلکتہ سے مارننگ نیوز جاری کیا، اور خود ہی اس کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ نے کامریڈ میں بھی کام کیا۔

ملک فیروز خان نون جب رخصت پر گئے تو انہیں مشرقی پاکستان کا عارضی گورنر مقرر کیا گیا۔ اپنے گورنری کے مختصر سے دور میں انہوں نے صوبہ میں انجمن ہلال احمر قائم کی۔ نواب حمیداللہ خان والئی بھوپال ان کی بہت قدر کرتے تھے۔ برسوں کلکتہ میں بھی رہے۔ غالباً اسی لیے حکومت پاکستان نے انہیں مشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ وہاں سے کراچی واپسی پر ذیابیطس میں مبتلا ہو گئے اور اس عارضے کے باعث 26 مئی 1953ء کو کراچی کے جناح سنٹرل ہسپتال میں انتقال کیا۔

صراطِ مستقیم

(دیکھئے: مملکتِ خداداد پاکستان)

صرف پاکستان

قائداعظم محمد علی جناح نے غیر ملکی اخبار نویسوں کے مختلف سوالوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''عارضی حکومت کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ کسی انتظامی فیصلہ یا رواج سے ہندوستان کے آئندہ دستوری مسائل و حقائق پر اثر اندازی کرے یا انہیں ختم کرنا چاہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''عارضی حکومت نے ہمارے مطالبہ پاکستان کے خلاف بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی قدم اُٹھایا تو ہم اس کی ضرور مزاحمت کریں گے، ممکن ہے کہ برطانیہ میں لیبر حکومت کی نیت بُری نہ ہو، لیکن وہ شدید غلطیوں کی مرتکب ہوئی اور اب بھی فاش غلطی کر رہی ہے۔ لیبر حکومت گم کردہ راہ ہے، اور خوابوں کی دنیا میں زندگی گزار رہی ہے۔ ہندوستان کا موجودہ انتظام مجھے قطعاً پسند نہیں اور اُسے ہم پر جبراً مسلط کر دیا گیا ہے۔ عارضی حکومت میں مسلم لیگی ارکان نظم و نسق میں مدد کریں گے، لیکن اُن کی حیثیت مفاد اسلامی کے پاسبانوں کی ہے۔

مسئلہ ہند کا واحد حل یہ ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، اور ان کے دستور و کانسٹی ٹیونٹ اسمبلیاں علیحدہ علیحدہ مرتب کریں، جب تک ایک قوم دوسری قوم پر حکمرانی کے خیال خام سے باز نہ آئے گی، موجودہ کش مکش جاری رہے گی، لیکن ہندوستان کے تقسیم ہوتے ہی یہ جھگڑے فساد ختم ہو جائیں گے۔ اقلیتوں کی حیثیت سے پُرسکون طریقہ پر آباد ہو جائیں گے، اور دونوں بڑی قوموں

کے درمیان کوئی تنازعہ باقی نہ رہے گا؟ اس وقت ہمارے سامنے یہی سوال باقی رہ جائے گا کہ اقلیتوں کے حقوق و مفاد کا تحفظ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ ہمیں حیوان نہیں سمجھتے ہیں تو یاد رکھئے کہ مسلمان اپنی اقلیتوں کے ساتھ بہترین فیاضانہ سلوک روا رکھیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مختلف سوالات کے جواب میں فرمایا:

''جب میں پاکستان کا مطالبہ کرتا ہوں تو آپ یہ نہ سمجھئے یہ میں صرف مسلمانوں کے حق کے لیے لڑ رہا ہوں۔ میری یہ جنگ ہندوستان کی مکمل آزادی کے لیے ہے، کیونکہ صرف تقسیم ہند ہی کے ذریعہ ہندو مسلمان دونوں قلیل ترین مدت میں آزادی حاصل کر سکتے ہیں، پان اسلام ازم کا نظریہ اب فرسودہ ہو چکا ہے۔ دوسرے خواہ کچھ بھی کہیں لیکن میری قطعی رائے یہ ہی ہے کہ مشترکہ مفاد اور حق ہمسائیگی کی بنا پر ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات دوستانہ رہیں گے، خطرات کے موقعوں پر دونوں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، اور مشترکہ دشمن کے سامنے سینہ سپر ہوں گے۔ اس وقت ہم ایسی موثر پالیسی پر عمل کریں گے جو امریکہ سے زیادہ ٹھوس ہوگی۔''

ایک غیر ملکی اخبار نویس نے سوال کیا:

''اگر 6 ماہ یا ایک سال کے اندر تقسیم ہند کے سوال پر کانگریس اور مسلم لیگ میں مفاہمت نہ ہوئی تو اس کا انجام کیا ہوگا؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''وہی جو اس وقت ہو رہا ہے، اور جو کچھ آپ اپنی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔''

موجودہ فسادات کی بابت قائداعظم محمد علی جناح نے ارشاد فرمایا:

''خاص کر بہار کے خونیں ڈرامہ سے ہمیں حتی الامکان آبادی کے تبادلہ کے سوال پر سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا۔''

ایک اخبار نویس نے سوال کیا

''موجودہ عارضی حکومت کی کامیابی کے امکانات کس حد تک ہیں؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''یہ جواب بہت تفصیل طلب ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''موجودہ عارضی حکومت نہ کابینہ ہے نہ کولیشن بلکہ گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل ہے جو 1919ء کے انڈیا ایکٹ کے مطابق عالم وجود میں آئی ہے۔ جہاں تک میں کانسٹی ٹیوشن کو سمجھ سکا ہوں، کولیشن یا مخلوط حکومت صرف اس صورت میں قائم ہو سکتی ہے، جب کوئی آزاد پارلیمنٹ متحد سیاسی پارٹیوں پر مشتمل ہو، اور وہ پارٹیاں اپنے نقطۂ نظر کے مطابق قوم کے لیے کوئی خطرہ لاحق ہو تو تمام پارٹیاں قوم اور قومی مفاد کی حفاظت کے لیے متحد ہو جائیں ایسی کولیشن گورنمنٹ میں ذمہ داری یقیناً مشترکہ ہوتی ہے اور جب تک خطرہ رفع نہ ہو جائے کولیشن پارٹیاں باہمی اتحاد سے کام کرتی ہیں۔

غیر ملکی پریس میں پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو ہندوستان کے وزیراعظم ہیں، اور عارضی حکومت جس کی حقیقت واضح کر چکا۔ نہرو گورنمنٹ ہے۔ پنڈت نہرو کو وائس پریذیڈنٹ بھی ظاہر کیا جاتا ہے، حالانکہ حکومت ہند کے وائس

پریذیڈنٹ مقرر ہوتے چلے آئے ہیں، موجودہ کانسٹی ٹیوشن کی رو سے وائسرائے کی عدم موجودگی میں ایگزیکٹو کونسل کے جلسوں کی صدارت کرے۔''

صرف قائداعظم

محمد آصف بھلی اپنے کالم ''صرف قائداعظم ہی ناممکن کو ممکن بنا سکتے تھے'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''یوں تو پاکستان میں کسی نہ کسی حوالے سے اور کسی نہ کسی انداز میں پورا سال ہی قائد اعظم کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے لیکن 25دسمبر 1876ء کو پیدا ہونے والے محمد علی جناح بھی برصغیر کے مسلمانوں کے لیے مسیحا ثابت ہوئے۔ قائد اعظم کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ پاکستان کا قیام ہے۔ قائداعظم نے جس خلوص اور دیانت سے مسلمانوں کی قیادت کی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد اسلامی ریاست کے قیام کے عظیم نصب العین کے لیے جس طرح انہوں نے اپنا جان و مال اور آرام و آسائش سب کچھ حصول پاکستان کے لیے وقف کر دیا اس کی مثالیں دنیا کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں۔ ہندوؤں کے رہنما گاندھی نے پاکستان کو گائے ماتا کے دو ٹکڑے کرنے کے مترادف قرار دیا تھا۔ ہندو گائے کو پوجتے ہیں۔ متحدہ ہندوستان کو گاندھی نے گائے ماتا سے تشبیہہ دے کر مسلمانوں کو دراصل خبر دار کرنے کی کوشش کی کہ ہندو قوم اپنی گائے ماتا کو تقسیم نہیں ہونے دے گی۔ ہندوؤں کے ایک اور لیڈر پنڈت نہرو نے پاکستان کو مجذوب کی بڑ اور مجنونانہ بات قرار دیا، لیکن قائداعظم کے عزم و عمل اور روح آزادی کی بے پناہ طاقت نے سات سال کی قلیل مدت میں ایک ناممکن کو قیام پاکستان کی شکل میں ممکن بنایا، اور شاعر مشرق علامہ اقبال کے خواب کو حقیقت میں بدل کر رکھ دیا۔ نئی نسل کو یہ بات بار بار بتانے کی ضرورت ہے کہ ہندوستان کو تقسیم کر کے مسلمانوں کے لیے ایک الگ مملکت کی بنیاد کس نظریے پر رکھی گئی۔ 23 مارچ 1940ء تحریک پاکستان میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ لاہور میں منٹو پارک (جہاں اب مینار پاکستان تعمیر ہے) کے میدان میں قائداعظم نے دوقومی نظریے کی مختصر مگر جامع انداز میں تشریح یوں فرمائی تھی:

''ہندوؤں اور مسلمانوں کا مذہب الگ، ان کا طرز معاشرت الگ، راسم و رواج الگ، تہذیب و تمدن اور ثقافت الگ، ان کا ادب اور تاریخی روایات الگ، نہ ہی وہ آپس میں شادی بیاہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی اکٹھے کھانا کھا سکتے ہیں۔ دراصل ہندو اور مسلمان دو الگ الگ متضاد تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں خیالات و تصورات کا بڑا گہرا فرق پایا جاتا ہے۔ دونوں قومیں تاریخ کے دو مختلف ذرائع سے فیضان حاصل کرتی ہیں اور اکثر ایسا بھی ہے کہ ایک قوم کا فاتح دوسری قوم کا صریح دشمن ہے۔ قوم کی ہر تعریف کے لحاظ سے مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ لہٰذا ان کی علیحدہ قومی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے لیے ایک الگ آزاد اور خودمختاری کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے لیے ایک الگ آزاد اور خودمختار ریاست قائم کی جائے۔''

قائداعظم کے نزدیک قیام پاکستان کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمان قوم ایک آزاد مملکت میں اپنی روایات کے مطابق اپنے معاملات کو حل کرنے میں

ہندوؤں کی غالب اکثریت کی مداخلت سے محفوظ ہوں گے، اور وہ مسلمان ریاست میں ایک اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں مکمل طور پر آزاد ہوں گے۔ متحدہ ہندوستان میں کسی حد تک ہمیں اپنی اجتماعی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارنے کے مواقع قطعاً میسر نہیں تھے۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

علامہ اقبال نے برصغیر میں مسلمانوں کے لیے ایک آزاد اسلامی ریاست کا مطالبہ صرف اس وجہ سے کیا تھا کہ ہندوستان میں اسلام بطور نظام حیات آزاد نہیں تھا۔ مسلمان اسلامی قوانین کے مطابق اپنی اجتماعی زندگی بسر نہیں کرتے تھے۔ عدل و انصاف اور مساوات پر مبنی ایک ایسا معاشرہ جو تمام مسلمانوں کے لیے معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کا یکساں ضامن ہو، وہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہی قائم کیا جاسکتا تھا اسلام میں دین و ریاست کے الگ ہونے کا تصور ہوتا تو علامہ اقبال کبھی بھی مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ ریاست کا مطالبہ نہ کرتے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام میں مسلمانوں کی زندگی کو سیاست اور مذہب کے الگ الگ قانون میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اسلام میں سیکولرازم کی گنجائش نہیں۔ اسلام میں سیکولرازم کی گنجائش ہوتی تو متحدہ ہندوستان کبھی تقسیم نہ ہوتا، اور نہ ہی پاکستان معرض وجود میں آتا۔ علامہ اقبال نے تصور پاکستان تو 1930ء میں دیا مگر 1937ء میں انہوں نے مسلمانان برصغیر کی رہنمائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس وقت ہندوستان میں صرف ایک ہی مسلمان لیڈر ہے جو آنے والے دور میں مسلمانوں کی کشتی کو طوفان سے محفوظ کر سکتا ہے۔ قائداعظم نے بھی تحریک پاکستان (جو مسلمانوں کے لیے زندگی اور موت کا معرکہ تھی) میں مسلمانوں کی قیادت کا حق ادا کر دیا اور 1940ء سے لے کر 1947ء تک قائداعظم نے حصول پاکستان کے لیے نا قابل فراموش کردار ادا کر کے علامہ اقبال کی یہ پیش گوئی سچ ثابت کر دی کہ قومی جدوجہد کے راستے میں نہ تو کوئی قائداعظم کو خرید سکتا ہے اور نہ ہی کوئی قائداعظم کو جھکا سکتا ہے۔''

(اشاعت روزنامہ نوائے وقت، 25 دسمبر 2013ء)

صفدر، آغا محمد

1924ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح لاہور تشریف لائے تو انہیں استقبالہ دینے کے سلسلے میں جو کمیٹی قائم کی گئی تھی اس کا سپرنٹنڈنٹ آغا محمد صفدر کو منتخب کیا گیا۔

آغا محمد صفدر نہ صرف پنجاب خلافت کمیٹی کے سیکرٹری بلکہ صوبہ کی کانگریس کمیٹی کے بھی صدر رہے۔

آغا محمد صفدر 9 جون 1885ء کو پیدا ہوئے انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور لاء کالج لاہور سے تعلیم مکمل کی۔ تحریک خلافت اور نیشنل کانگریس کے سرکردہ رہنما تھے۔ 1924ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح لاہور تشریف لائے تو وہ مجلس استقبالیہ کے صدر تھے۔

آغا محمد صفدر نے 29 نومبر 1935ء کو انتقال کیا۔

صلاح الدین خاں

وہ تحریک پاکستان کے ممتاز رکن تھے، نیز جالندھر سٹی مسلم لیگ کے جوائنٹ سیکرٹری اور متعدد کتب کے مصنف بھی تھے۔ نومبر 1942ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح جالندھر تشریف

لائے تو وہ استقبالیہ کمیٹی کے رکن تھے۔ قائداعظم جب کپور تھلہ تشریف لے گئے تو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے سلسلے میں منعقدہ تقریب میں بھی شرکت کی۔

صلاح الدین خان جالندھر میں پیدا ہوئے اور قانون کی تعلیم حاصل کی۔ اس دوران انہوں نے پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن جالندھر کے قیام کے لیے اہم خدمات بھی انجام دیں۔ قیام پاکستان سے قبل تحریک پاکستان کے سلسلے میں جالندھر میں جو گرفتاریاں ہوئیں ان کے ضمن میں بلا معاوضہ وکیل صفائی کے طور پر اہم خدمات انجام دیں۔ کالج کے زمانہ میں کرکٹ کے بہترین کھلاڑی تھے۔ یونیورسٹی کرکٹ ٹیم کے کپتان بھی تھے۔ پاکستان کے سلسلے میں ان کے مضامین مختلف اخبارات کی زینت بنتے رہے۔ 23 مارچ 1940ء میں قرار داد پاکستان کے سلسلے میں منعقدہ اجلاس میں مندوب کی حیثیت سے شرکت کرنے کے لیے جالندھر سے لاہور آئے۔ 1946ء کی سول نافرمانی کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور اس پاداش میں پندرہ دن تک گورداسپور جیل میں رہے۔

صلاح الدین، میاں

میاں امیر الدین کے صاحب زادے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں ان کی مستقل مزاجی اور دانش مندی کی بنا پر اپنا باڈی گارڈ مقرر کیا۔ اس حیثیت سے انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی جان کی حفاظت کے لیے اہم کردار کیا۔ میاں صلاح الدین 1921ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ 1940ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کی تعلیم کے بعد فوج میں کمیشن حاصل کیا، لیکن خاندانی روایات آڑے آئیں اور ملازمت ترک کر کے اپنے والد کے ہمراہ قیام پاکستان کی جدوجہد میں شریک ہوگئے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان میں مستقل مزاجی کا عنصر پایا تھا، لہٰذا انہوں نے میاں صلاح الدین کو اپنا باڈی گارڈ مقرر کیا جب تقسیم ہند کے وقت پنجاب میں ہندو مسلم فسادات زوروں پر تھے تو انہیں لاہور میں مسلم لیگ نیشنل گارڈ کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ ازاں بعد انہوں نے کشمیر کی جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ وہاں سے واپسی پر تنظیم شہری دفاع میں وارڈن کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں میاں صلاح الدین نے وطن کے دفاع کے لیے ہر قسم کی قربانی پیش کی۔ 1962ء تا 1964ء اور مارچ 1977ء کے عام انتخابات میں لاہور سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوتے رہے۔ موخر الذکر انتخاب میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر حصہ لیا تھا۔

جوہر آباد میں صلی ٹیکسٹائل ملز بھی قائم کی۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں پنجاب کے وزیر مواصلات کا قلمدان ان کے پاس تھا۔ 1985ء میں قومی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لیا، مگر اپنے قریبی حریف حافظ سلمان بٹ سے ہار گئے۔ 1986ء میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے انہیں مصر میں پاکستان کے سفیر کی حیثیت سے نامزدگی کے احکامات دیے تو انہوں نے یہ عہدہ قبول نہ کیا۔

ان کے بیٹے میاں یوسف صلاح الدین نومبر 1988ء کے انتخابات میں صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ان کا تعلق پاکستان پیپلز پارٹی سے ہے۔

صنعتی و تعلیمی ادارے

27 مارچ 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے میمن چیمبر آف کامرس سے خطاب کے دوران کہا:

''میں مسلمانوں کے تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی ترقیوں کے لیے بہت سے منصوبوں پر غور کر رہا ہوں، میرے خیال میں مسلم تاجروں کی بہتری کا سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں کہ وہ ہر ممکن طریقے سے

اقتصادی تنظیم پیدا کریں۔ مسلمانوں کو ٹاٹا جیسی مہم جو یانہ اور جرأت آمیز صنعتوں کی ہمسری کرنی چاہیے اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے صنعتی اور تعلیمی ادارے کھولنے چاہئیں۔ ہمیں اپنی قوم کو منظم کرنا ہوگا۔''

صنوبر شاہ خان

وہ 1918ء سے قیام پاکستان تک کونسل چیمبر دہلی کے آفیسرز ٹفن روم کے کیٹرر کنفیکشنرز رہے۔ قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی ملاقات اسی روز ہوئی جب قائداعظم محمد علی جناح پہلی بار اسمبلی میں تشریف لائے۔ اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح آخر وقت تک ان پر مہربان رہے، اور ان کے ساتھ ہمیشہ شفقت کے ساتھ پیش آتے رہے۔ مسلم لیگ کی تمام پارٹیاں صنوبر شاہ کی نگرانی میں ہوتی تھیں۔ قیام پاکستان کو ان سے جو انس تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کہیں بھی ہوتے لیکن ہر سال ان کے بچوں کو عید ضرور بھیجتے۔

قائداعظم کے خط کا ترجمہ:

10 اورنگ زیب روڈ

نیو دہلی

22 اکتوبر 1941ء

پیارے مسٹر صنوبر خان!

براہِ کرم مجھے عید مبارک کے موقع پر آپ کے بچوں کے لیے یہ چیک بھیجنے کی اجازت دیں۔

تمہیں عید مبارک ہو۔

ایم، اے، جناح

صنوبر خاں کیٹرر

کونسل چیمبرز نئی دہلی

ترجمہ: مالا بار ہل

بمبئی

23 جنوری 1939ء

پیارے مسٹر صنوبر خان!

مجھے تمہارا خط ملا اور یہ سن کر بڑا دکھ ہوا کہ خاکروب اچھا سلوک نہیں کر رہا ہے۔

مجھے امید ہے کہ شاید اس ماہ کے آخر یا فروری کے آغاز میں جلد ہی دہلی پہنچوں گا۔ ہم تمہیں اپنی روانگی سے قبل تار بھیجیں گے۔

تمہارا مخلص

محمد علی جناح

مسٹر صنوبر خان

کیٹر لیجسلیٹو اسمبلی

نئی دہلی

صوبائیت ایک لعنت

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''صوبائیت ایک لعنت ہے، ایک بیماری ہے، میں اس سے مسلمانوں کو نجات دلانا چاہتا ہوں، کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اپنے عزم کے ساتھ متحد ہو کر نہ چلے۔ ہم سب پاکستانی ہیں، اور مملکت کے لیے ہم سب کو مل کر کام کرنا ہے۔ قربانیاں دینی ہیں، اور وقت پڑے تو جان بھی دینا ہے۔''

صوبائی تعصب

بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے متعدد مقامات پر اپنی تقاریر میں صوبائیت کو لعنت قرار دیا تھا وہ پاکستانیوں کو تعصب سے پاک رکھنا چاہتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کا

خیال تھا کہ اگر صوبائیت کو ہوا دی گئی تو پاکستان قائم نہ رہ سکے گا۔ مشرقی پاکستان کی پاکستان سے علیحدگی کا سبب بھی صوبائی تعصب تھا۔ اب سندھ میں جس قسم کے حالات رونما ہو رہے ہیں وہ بھی صوبائی تعصب کا نتیجہ ہیں۔ یہاں صرف ان کی تقاریر کے دو حوالے دیے جا رہے ہیں۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح جب قیام پاکستان کے بعد دوسری مرتبہ جون 1948ء میں کوئٹہ تشریف لے گئے تو انہوں نے 16 جون 1948ء کو کوئٹہ میں میونسپلٹی کی جانب سے منعقدہ ایک تقریب میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

❶ ''ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے شہر سے محبت کرے۔ اور اس کی بہبود کے لیے کوشاں رہے، لیکن یہ بات نہ بھولنی چاہئے کہ شہر یا صوبہ پوری مملکت کا ایک حصہ ہوتا ہے، لہٰذا ہر شخص کو اپنے ملک اور قوم کی بہبود کو اولین اہمیت دینی چاہیے۔

میرے لیے یہ انتہائی تکلیف دہ بات ہے کہ صوبہ پرستی کی لعنت پاکستان کے کسی حصے میں پائی جائے۔ پاکستان کو اس سے چھٹکارا ملنا چاہئے۔ ہم سب پاکستانی ہیں ہم میں سے کوئی شخص بھی پنجابی، بلوچی، سندھی یا بنگالی نہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو پاکستانی کی حیثیت سے ہی سوچنا ہے۔ محسوس کرنا ہے اور عمل کرنا ہے، اور سب کو پاکستانی ہونے پر ہی فخر کرنا چاہئے۔ ہر شخص کو اپنے وطن سے محبت اور اس کی خوشحالی کے لیے کوشش کرنی چاہئے لیکن ان کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنے ملک سے اور بھی زیادہ محبت کرے، اور اس کی فلاح و بہبود کے لیے اور بھی کوشش کرے کسی خاص جگہ سے انس یا تعلق رکھنا بھی ایک ہی معنی رکھتا ہے، مگر ایک جزو کی حیثیت اسی وقت باقی رہتی ہے جب تک وہ کل کے ساتھ ہے کل سے ہٹ کر اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔

یہ حقیقت ہے کہ لوگ بھول میں پڑ جاتے ہیں اور مقامی، صوبائی، فرقہ وارانہ فائدوں کو زیادہ دیکھتے ہیں اور قومی مفاد سے بے پرواہی برتتے ہیں۔ یہ پرانے نظام کی یادگار ہے۔ جب آپ کو صرف صوبائی خود مختاری ملی تھی اور آپ مقامی معاملات کی حد تک برطانوی حاکمیت سے بے پرواہ تھے لیکن اب جبکہ آپ کی اپنی مرکزی حکومت ہے اور وہ بااختیار ہے، پرانے انداز میں سوچتے رہنا محض نادانی ہے۔ صوبائی تعصب ایک لعنت ہے۔ اس طرح شیعہ و سنی وغیرہ کے سلسلے میں فرقہ پرستی بھی۔

میری برابر یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو جائے۔ میں نے اس سلسلے میں جو کچھ کیا ایک خادم اسلام کی حیثیت سے کیا اور اپنا فرض ادا کیا۔

قدرتی طور پر اس بات سے مجھے سخت تکلیف پہنچتی ہے جب میں بعض پاکستانیوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ صوبائی تعصب کی لعنت میں مبتلا ہیں۔ یہ لعنت تو پاکستان سے دور ہی رہنی چاہئے۔ پاکستان جو حال ہی میں بنا ہے، اور اندرونی اور بیرونی مشکلات میں مبتلا ہے ایسے نازک وقت میں صوبائی، مقامی یا کسی ذاتی غرض کے لیے ملکی مفادات کو بھول جانا خودکشی کے مترادف ہوگا۔ سندھی، بنگالی، پٹھان، پنجابی یا بلوچی کی بجائے ہم سب پاکستانی ہیں اور ہمارے لیے یہی کافی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح اپریل 1948ء میں جب صوبہ سرحد تشریف لے گئے تو 12 اپریل 1948ء کو انہوں نے اسلامیہ کالج پشاور کے طلبا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

❷ '' آپ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اپنے صوبے سے محبت کرنے اور اپنے ملک سے محبت

کرنے کے معانی اور ان دونوں کے تقاضے الگ الگ ہیں۔ ہمارے فرائض جو ہم پر پوری مملکت کی طرف سے عائد ہوتے ہیں، وہ ہمیں صوبائیت سے آگے لے جاتے ہیں۔ ان کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی نظر اور اپنے خیالات اور وطن دوستی کے تصور میں وسعت پیدا کریں۔ ملک کی خدمت کا اگر یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی ذات اور صوبائی اغراض کو وسیع تر مقاصد میں ضم کر دیں، اسی میں سب کی بھلائی اور سب کا فائدہ ہے۔ سب سے پہلے ہم پر اپنے ملک کی خدمت کرنا فرض ہے۔ اس کے بعد صوبے، پھر اپنے ضلعے، قصبے یا گاؤں اور سب سے آخر میں خود اپنی۔ یہ نہ بھولیے کہ ہم ایک ایسی مملکت کی تعمیر کر رہے ہیں جسے پوری دنیائے اسلام کی قسمت بننا ہے، لہٰذا ہماری نظر وسیع ہونی چاہیے۔ ایسی وسیع کہ وہ صوبائی حد بندی، محدود قوم پرستی اور نسلی تعصبات سے بالاتر ہو۔
ہمیں اس وطن دوستی کو فروغ دینا چاہیے، جو ہمیں ایک متحد اور طاقتور قوم کے سانچے میں ڈھال سکے صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے ہم اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ مقاصد جن کے لیے لاکھوں مسلمانوں نے اپنا سب کچھ کھویا اور اپنی جانیں قربان کیں۔''

صوبائی خودمختاری

قائداعظم محمد علی جناح نے سندھ اور بلوچستان کی صوبائی خودمختاری کا ہمیشہ مطالبہ کیا تھا۔
(دیکھئے: چودہ نکات)

صوفیائے کرام اور پاکستان

صوفیائے عظام کے تاثرات و تلقینات کے دفتر بے پایاں میں سے چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ اخلاف کرام، ان اسلاف عظام کے جانشین ہیں، جنھوں نے اس کفر کدہ ہند میں اپنی روحانیت کی روشنی سے اجالا کیا، جن کے ہاتھ تلوار و سناں سے نیزہ و خنجر سے تیر و تبر سے خالی تھے، لیکن جن کے چہرہ پر نورانیت کا جلال برس رہا تھا۔ جن کی آنکھوں میں روحانیت کا نور چمک رہا تھا۔ جنگی زندگی عیش و تنعم کی، دبدبہ و طنطنہ کی، جاہ و جلال شہریاری کی زندگی نہیں تھی جو چٹائی پر بیٹھتے اور زمین پر سوتے تھے جو نان جویں پر بسر کرتے تھے، جو دست و بازو کی قوت سے لوگوں کے سر نہیں جھکاتے تھے۔ صداقت و حقانیت کے بل بوتے پر منکروں اور کافروں، مشرکوں اور سرکشوں کے دل تسخیر کر لیتے تھے جو سیم و زر کو کنکر سمجھتے تھے۔ جو حب دنیا سے نفوز اور بیگانہ تھے آج وہ نہیں ہیں، لیکن ان کے جانشین اور سجادہ نشین موجود ہیں۔ آیئے دیکھیں وہ مسلم لیگ کے بارے میں مسلم لیگ کے قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں مسلم لیگ کے نصب العین پاکستان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کیا ارشاد کرتے ہیں؟

سجادہ نشین مانکی شریف کا اعلان

19، اکتوبر 1945ء کو جب صوبہ سرحد اور پنجاب کے پیروں، سجادہ نشینوں، صوفیوں اور روحانی پیشواؤں کا ایک اہم اجتماع پشاور میں ہوا، اس جلسہ میں ایک تجویز منظور ہوئی جس میں مسلم لیگ سے وفاداری اور مسٹر جناح کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا گیا۔
سجادہ نشین صاحب مانکی شریف نے اس اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:
''اس وقت مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی سخت ضرورت ہے۔ ہر مسلمان کو حصول پاکستان کے لیے پوری جدوجہد کرنی چاہیے۔ جہاں وہ عزت اور آزادی سے

رہ سکیں گے۔ حصول پاکستان کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا کہ ہر مسلمان مسلم لیگ میں شریک ہو کیونکہ صرف مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو صرف اسلام اور مسلمانوں کی سر بلندی اور آزادی کے لیے کوشاں ہے۔''

سجادہ نشین درگاہ خواجہ غریب نواز

شیخ المشائخ حضرت دیوان سید آل رسول صاحب نبیرہ و سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نور اللہ مرقدہ، علالت کے سبب علمائے اسلام کانفرنس کلکتہ میں بہ نفس نفیس شریک نہیں ہوسکے لیکن آپ نے غازی محی الدین صاحب اجمیری کو خاص طور پر اپنا نمائندہ بنا کر حسب ذیل پیام بھیجا جو وہاں پڑھ کر سنایا گیا:

''اس وقت ہندوستان میں سب سے زیادہ ضروری اور ہم سب کی توجہ کے قابل یہ مسئلہ ہے کہ مسلم لیگ کی واحد نمائندگی کے دعوے میں ہم پورے اتر جائیں، اور قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کی قیادت قائم و برقرار رہ جائے۔ اغیار اور معاندین اسلام ہماری اس واحد نمائندگی اور قیادت کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑا دینا چاہتے ہیں۔ ہم کو بڑے استقلال و پامردی کے ساتھ اس دعوے کو ثابت کرنا ہے، اور اس قیادت کے قیام و بقا کے لیے کام کرنا ہے۔ میں اپنے سلسلہ کی خانقاہوں کے سجادگان سے اپنے جد امجد حضرت خواجہ غریب نواز کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی گدیوں کو چھوڑ کر اس نازک وقت میں اسلام کی خدمت کے لیے نکل پڑیں، اور مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کے لیے کمر باندھ کر میدان میں اتر جائیں۔''

سجادہ نشین نظامی کا بیان

مشہور صاحب طریقت بزرگ، خواجہ حسن نظامی صاحب کا ایک طویل بیان 21 نومبر 1945ء کے روزناموں میں شائع ہوا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

''حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے سجادہ نشین پیر غلام محی الدین صاحب نے اپنے سب مریدوں کو حکم دے دیا ہے کہ وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں اور چونکہ نواب خضر حیات خان صاحب ان کے مرید ہیں اس واسطے یقین ہے کہ نواب صاحب بھی آخر کار مسلم لیگ کے ساتھ ہو جائیں گے۔''

کانگریسی جمعیت العلماء سے بہت زیادہ مولوی صاحبان کلکتہ کی بڑی جمعیت العلماء میں ہیں، اور وہ سب مسلم لیگ کے ساتھ ہیں، اور انہوں نے سب مسلمانوں کو فتوے دے دیا ہے کہ وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں جو مسلمان بڑی جمعیت العلماء کے فتویٰ کے خلاف کرے گا گنہگار ہوگا۔

اگرچہ میں عالم اور مشائخ میں سے نہیں ہوں لیکن اپنی چشتی برادری اور نظامی برادری کے مسلمانوں کی طرف سے وائسرائے کو تار دے چکا ہوں کہ ہم سب مسلم لیگ کے ساتھ ہیں، اور اب بھی میں اسی رائے پر قائم ہوں لہٰذا میری چشتی برادری کے مسلمان ممبر اور میرے سب مرید اور نظامیہ خاندان کے سب متوسل مسلم لیگ کا ساتھ دیں گے۔''

متولی درگاہ بو علی قلندرؒ کا ارشاد

20 جنوری 1946ء کو حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر قدس سرہ کی درگاہ کے متولی اور سجادہ نشین عبدالرشید نے پانی پت سے حسب ذیل بیان شائع فرمایا:

''اس وقت مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے، اور پاکستان مسلمانان ہند کا بہترین نصب العین ہے۔''

اس کے بعد موصوف نے درگاہ کے متوسلین اور معتقدین سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ صرف مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں۔

پیر سید جماعت علی شاہؒ کا فرمان

جمعیۃ علمائے اسلام کانفرنس پنجاب کے ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے الحاج پیر سید جماعت علی شاہؒ محدث علی پوری نے فرمایا:-

''حکومت اور کانگریس دونوں کان کھول کر سن لیں، کہ اب مسلمان بیدار ہو چکے ہیں، انہوں نے اپنی منزل مقصود متعین کر لی ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ان کے مطالبہ پاکستان کو ٹال نہیں سکتی، بعض دین فروش نام نہاد لیڈر مسٹر جناح کو برملا گالیاں دیتے ہیں لیکن انہوں نے آج تک کسی کو برا نہیں کہا، یہ ان کے سچے رہنما ہونے کا بڑا ثبوت ہے خاکساروں نے مجھے قتل کی دھمکیاں دی ہیں۔ میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں سید ہوں۔ سید موت سے کبھی نہیں ڈرتا۔''

اس کے بعد موصوف نے اپنے مریدوں اور حلقہ بگوشوں سے ارشاد فرمایا کہ وہ صرف مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں۔

مذکورہ حقائق سے کیا یہ اندازہ نہیں ہو جاتا کہ صوفیان کرام، اور صلحائے عظام کی بہت بڑی اکثریت اور مطالبہ پاکستان کی حامی ہے۔

(قائداعظم اور ان کا عہد، از رئیس احمد جعفری)

صوم وصلوٰۃ کے تارک

''اسلام خالص عمل ہی عمل ہے'' یہ ہے وہ فلسفہ جس کا اظہار قائداعظم محمد علی جناح نے ''یومِ عید الفطر'' کے مبارک اور پرمسرت موقع پر فرمایا۔

13 نومبر 1939ء کو ''یومِ عید'' کے موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے ''فلسفہ عبادت'' کے عنوان سے ایک تقریر نشر فرمائی تھی، جس نے ایک عالم کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ فلسفہ عبادت سے متعلق آپ کی یہ تفسیر و تشریح حق آگاہی اور تعلیمات کے گہرے مطالعہ کا ماحصل ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

''رمضان المبارک کا ضبط صوم وصلوٰۃ آج خداوند تعالیٰ کے حضور قلب کے لازوال عجز و انکسار کے ساتھ اختتام کو پہنچ رہا ہے، لیکن اسے کمزور قلب کا عجز و انکسار ہرگز نہ ہونا چاہئے۔ جو ایسا کریں گے وہ خدا اور رسول ﷺ کے مجرم و نافرمان ہیں، کیونکہ تمام مذاہب میں یہ ایک حقیقت موجود ہے، جو اگرچہ بظاہر صحیح معلوم نہیں ہوتی، مگر ہے درست کہ عاجز و متواضع ہی قوی و طاقت ور ہوں گے، اور یہ حقیقت مذہب اسلام میں خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہے۔

آپ سب جانتے ہیں کہ اسلام خالص عمل ہی عمل ہے، ہم میں عمل کی ضروری طاقت پیدا کرنے کے لیے ہمارے پیغمبر اسلام ﷺ نے عمل کی تلقین فرمائی تو آپ ﷺ کے پیش نظر اس مجرد آدمی کی تنہا زندگی نہیں تھی جو صرف اپنے ہی لیے ریاضت کرتا ہے، اور صرف حقوق اللہ ہی پر یقین رکھتا ہے۔''

ضابطہ کی پابندی

قائداعظم محمد علی جناح نظم وضبط کے بڑے پابند تھے، اور وہ نہ خود ضابطوں کو توڑتے تھے اور نہ ہی کسی کو اس بات کی اجازت دیتے تھے۔ یہاں صرف ضابطے کی پابندی سے متعلق ان کے صرف دو واقعات درج کیے جارہے ہیں تاکہ نوجوان نسل کو اس غیر معمولی اصول سے آگاہی ہو سکے۔

◆ علی گڑھ میں 1946ء میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا اس جلسہ کی صدارت نوجوان طالب علم محمد نعمان ایم اے نے کی۔ دیگر مقررین کے بعد جب قائداعظم محمد علی جناح تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو صدر جلسہ نے قائداعظم محمد علی جناح کو تقریر کرنے سے روک دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح فوراً بیٹھ گئے، اور جب قائداعظم محمد علی جناح سے دوبارہ تقریر کرنے کے لیے کہا تو قائداعظم محمد علی جناح کھڑے ہوئے جلسہ ختم ہونے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے مسٹر نعمان سے پوچھا:

''تم نے یہ کیا حرکت کی۔''

تو اس نے کہا:

''میں نے مجمع پر رعب بٹھانے کے لیے ایسا کیا تھا۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''تم نے میرا نظم وضبط دیکھا تم کو بھی ایسے ہی نظم و ضبط سے کام لینا چاہیے۔''

اگر اس وقت قائداعظم محمد علی جناح کی جگہ کوئی اور لیڈر ہوتا تو وہ اپنی توہین سمجھ کر فوراً جلسہ گاہ سے چلا جاتا جس سے جلسہ درہم برہم ہو جاتا۔

ضابطے کی پابندی کا ایک اور واقعہ بھی سنیے:

◆ ''1937ء میں کلکتہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا خطبہ ہو رہا تھا۔ یہاں بھی ایک تقریری مقابلہ تھا۔ پاکستان کے سابق چیف جسٹس انوار الحق جو ان دنوں طالب علم تھے ایک اچھے مقرر تھے۔ انہوں نے بھی اس مقابلے میں حصہ لیا۔ مقابلے میں آسام کی ایک خوبصورت نوجوان لڑکی جس کی والدہ انگریز تھی مقابلے میں شرکت کے لیے آئی ہوئی تھی۔ جب مقابلہ شروع ہوا تو جناب انوار الحق اور حمید نظامی اگلی نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس لڑکی نے تقریر پڑھنی شروع کر دی اس کا تلفظ اچھا تھا تقریر لکھی ہوئی تھی تمام پنڈال تالیاں بجا کر اس کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔ حمید نظامی نے انوار الحق سے کہا:

''اب تمہیں انعام نہیں مل سکتا تمہیں چاہیے کہ کھڑے ہو کر صاحب صدر کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کراؤ کہ انعامی مقابلوں میں تقریر پڑھی نہیں جاسکتی۔''

انوار الحق کھڑے ہوئے اور ابھی انہوں نے کچھ نہ کہا تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح نے کڑک دار آواز میں کہا:

''بیٹھ جاؤ۔''

انوار الحق نے ہمت کر کے قائداعظم کو مخاطب کر کے کہا:

''جناب میں ایک پوائنٹ آف آرڈر پر بات کرنا چاہتا ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''ہاں بولو کیا چاہتے ہو؟''

انوار الحق نے کہا:

"یہ انعامی تقریری مقابلہ ہے۔ محترمہ لکھی ہوئی تقریر پڑھ رہی ہیں جو خلاف ضابطہ ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے دائیں جانب اس لڑکی کی طرف دیکھا اس لڑکی کے ہاتھ سے کاغذ گر گئے، اور وہ روتی ہوئی ڈائس سے نیچے اتر آئی، اور اس طرح جناب انوار الحق کو پہلا انعام مل گیا۔ اس واقعہ کے بتانے کا مطلب یہ تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح کوئی بھی کام خلاف ضابطہ نہ کرتے تھے۔

ضبطِ نفس

ایک روز قائداعظم محمد علی جناح اپنی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک خاتون کا ذکر کرنے لگے، جو بار باران کے پاس آ کر انہیں پارلیمنٹری بورڈ قائم کرنے سے منع کرتی تھی اور کہتی تھی:

"پنجاب میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کوئی اور امیدوار کامیاب نہیں ہوسکتا۔"

پیر تاج الدین بھی اس محفل میں شریک تھے۔ پیر تاج الدین قائداعظم محمد علی جناح کے پرانے ساتھی اور رفیق تھے۔ برسوں پنجاب میں مسلم لیگ کے سیکرٹری رہ چکے تھے۔ ان کی شمشیرِ زبان کی روانی کے سامنے کوئی مصلحت نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح پیر کی رنگِ طبیعت سے خوب واقف تھے۔

جب قائداعظم محمد علی جناح اس خاتون کا ذکر کر چکے تو پیر تاج الدین نے بے تکلفی سے فرمایا:

"مسٹر جناح! اس خاتون نے آپ سے میل ملاقات بڑھالی ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ اس کے ناز ونخرہ کا شکار ہو کر نہ رہ جائیں۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے انگریزی میں جو جواب دیا، اس کا مفہوم اردو میں شعر من وعن ادا کیا جا سکتا ہے۔

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

ضمیر

قائداعظم محمد علی جناح بڑے صاف گو اور اصول پرست تھے۔ اس اعتبار سے وہ باضمیر بھی تھے قائداعظم محمد علی جناح نے پوری زندگی میں کوئی ایسی بات نہیں کی جو ان کے ضمیر کے خلاف جاتی ہو۔

12 فروری 1948ء کو سبی میں سرکاری ملازمین سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دنیا میں آپ کے ضمیر سے بڑھ کر کوئی شے نہیں ہے، جب آپ اپنے خدا کے حضور پیش ہوں تو آپ خود اعتمادی سے کہہ سکیں کہ مجھ پر جو فرائض عائد تھے وہ میں نے کامل ایمانداری، خلوص اور وفاداری سے ادا کر دیے ہیں، مجھے یقین ہے کہ آپ یہ جذبہ اپنے میں پیدا کریں گے، اور اس کے مطابق زندگی کے ہر کام کو انجام دیں گے۔"

ضمیر کی ضَو

خالد احمد کی ایک نظم جو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے لکھی۔ نظم یہ ہے:

میرے نگارِ سخن، اے مرے نگارِ وطن
وہ تیرا قائد اعظم وہ تیری خاک کا نم
وہ میرا رنگ تمنا وہ میرا رنگ نوا
وہ جس کے قلب پہ اترا صحیفہ امروز
مرے ضمیر کی لَو تھا مرے ضمیر کی ضَو
وہ میرا قائداعظم وہ میری آنکھ کا نم
مرے نگارِ وطن اے مرے نگارِ وطن

ضیاء الاسلام

وہ انجمن اسلام بمبئی کے سیکرٹری اور تحریک پاکستان کے رہنما تھے، قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں بہترین کارکن قرار دیا تھا۔ وہ لاہور میں پیدا ہوئے انہوں نے یہیں تعلیم مکمل کی۔ 1939ء میں مسجد وزیر خاں میں ابتدائی (پرائمری) مسلم لیگ کی بنیاد پڑی تو وہ اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ قائداعظم محمد علی جناح کا پیغام عوام تک پہنچانے کے لیے لائبریری قائم کی۔ 1942ء میں انہیں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں بہترین کارکن قرار دیا گیا۔ 1944ء، 1945ء اور 1947ء میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر منتخب ہوئے۔ 1946-45ء کے انتخابات میں بھرپور حصہ لیا خضر وزارت کے دوران میں عدم تعاون کی تحریک میں حصہ لیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد مشرقی پنجاب سے جو مسلمان ہجرت کر کے یہاں آتے ان کی بہبود اور آبادکاری کے لیے کام کیا۔ 1987ء میں حکومت پنجاب نے ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل دیا۔

ضیاء الحق، جنرل محمد

صدر جنرل محمد ضیاء الحق کو قائداعظم محمد علی جناح سے بڑی عقیدت تھی اس کا اظہار انہوں نے اپنی سینکڑوں تقاریر میں کیا ہے۔ مثلاً یکم ستمبر 1985ء کو سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی کے صد سالہ یوم تاسیس کے سلسلے میں خطاب کرتے ہوئے جنرل محمد ضیاء الحق نے کہا:

''میں قائداعظم کی اس ابتدائی درسگاہ میں کھڑا یوں محسوس کر رہا ہوں کہ میں قائداعظم کے حضور کھڑا ہوں، اور وہ اپنی بارعب شخصیت کے ساتھ اپنی انگشت شہادت ہماری طرف اٹھائے مجھ سے، آپ سے اور پاکستان کے دوسرے نو کروڑ عوام سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا ہم نے پاکستان اسی مقصد کے لیے بنایا تھا جس کی طرف آج کل ہمارا رخ ہے؟ کیا یہی ہماری منزل تھی جس کی طرف ہم آج کل لڑھک رہے ہیں؟ کیا یہی وہ خواب تھے جن کی تعبیر کے لیے مسلمانانِ ہند نے جنگِ آزادی لڑی تھی۔''

محمد ضیاء الحق 1924ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مئی 1935ء میں فوج میں کمیشن حاصل کیا۔ 19 برس تک مختلف انسٹرکشن سٹاف اور کمان کی پوسٹ پر تعینات رہے۔ 1962ء میں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی پائی اور کوئٹہ کے کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کے انسٹرکٹر مقرر ہوئے۔

1959ء اور 1963ء میں انہوں نے بالترتیب آرمرڈ آفیسرز ایڈوانس کورس اور کمانڈ اینڈ جنرل سٹاف آفیسرز کورسز میں شرکت کی۔ اردن کی شاہی افواج میں خدمات انجام دیں۔ شاہ اردن نے انہیں ''کوکب استقلال'' کا اعزاز دیا دوسری جنگ عظیم میں برما، ملائیشیا اور انڈونیشیا میں جنگی کارروائیوں میں حصہ لیا۔ 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔

1960ء سے 1968ء تک کے درمیانی عرصہ میں ایک کیولری رجمنٹ کی قیادت کی۔ مئی 1969ء میں آرمرڈ ڈویژن کا کرنل سٹاف اور پھر بریگیڈیئر بنا دیے گئے۔ 1973ء میں میجر جنرل اور پھر لیفٹیننٹ کے عہدے پر ترقی دے کر کور کمانڈر بنایا گیا۔ یکم مارچ 1976ء کو جنرل بنے اور چیف آف آرمی سٹاف کا عہدہ سنبھالا۔

5 جولائی 1977ء کو اس وقت ملک کی باگ ڈور سنبھالی، جب ملک بھر میں خانہ جنگی کا دور دورہ تھا اور بھائی بھائی کا گلہ کاٹ رہا تھا۔ انہوں نے ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد عوام
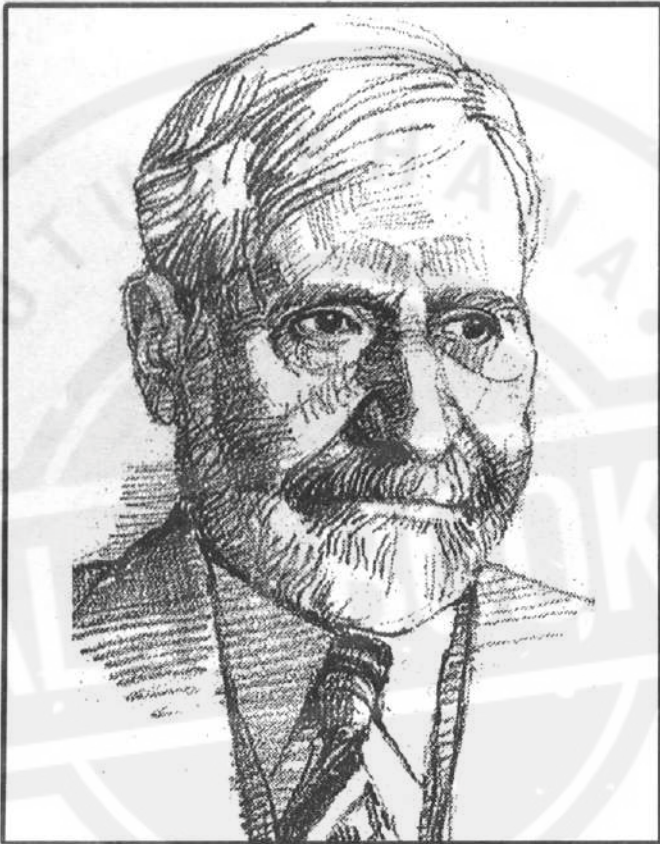
ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد

1947 - 1877

آپ مسلم لیگ کے بانی رکن تھے۔ ماہر تعلیم اور ریاضی دان تھے تحریک پاکستان کے زمانے میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر تھے اس ادارے کی ترقی اور طلبہ کی بہبود کے لیے آپ نے بے مثال اقدامات کیے۔ 1938ء میں مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور قائداعظمؒ کی فرمائش پر مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے سیکرٹری بنے۔ آپ کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طالبعلموں کو تحریک پاکستان میں حصہ لینے کے لیے متحرک کیا۔

کی فلاح و بہبود کے لیے متعدد اقدامات کرنے کا اعلان کیا۔

ان کے عہد میں پاکستان میں افغان مہاجرین 33 لاکھ کی تعداد میں داخل ہوئے۔ بھارت کی سازش ہے۔ پیپلز پارٹی نے سندھ میں صوبائی تعصب کو ابھارا جس کی وجہ سے اندرون سندھ امن و امان کی صورت حال خراب ہوگئی۔

19 دسمبر 1984ء کو انہوں نے ریفرنڈم کرایا اور 5 سال کے لیے صدر منتخب ہوئے۔ فروری 1985ء میں عام انتخابات منعقد کر کے ملک میں سول حکومت قائم کی لیکن مئی 1988ء میں اسے برطرف کر دیا۔

17 اگست 1988ء کو ایک سازش کے نتیجہ میں بہاولپور میں سی 130 طیارے کے حادثے میں تیس دیگر ساتھیوں کے ساتھ جاں بحق ہو گئے۔ ان کا مزار فیصل مسجد اسلام آباد میں واقع ہے۔

ضیاء الحق، میاں

تحریکِ پاکستان کے کارکن اور سٹی گوجرانوالہ مسلم لیگ کے صدر تھے۔ اخبارات کے ذریعے جب اہلِ گوجرانوالہ کو پتہ چلا کہ 8 مئی 1944ء کو قائداعظم محمد علی جناح کشمیر جاتے ہوئے گوجرانوالہ سے گزریں گے، چنانچہ عوام کے دلوں میں یہ اشتیاق پیدا ہوا کہ وہ قریب سے قائداعظم کی ایک جھلک دیکھیں اور ان کا خطاب سنیں۔ چنانچہ سٹی مسلم لیگ کا ہنگامی اجلاس بلایا گیا، اور میاں ضیاء الحق سے درخواست کی گئی:

> ''آپ قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں حاضر ہو کرانہیں اسلامیانِ گوجرانوالہ کے جذبات سے آگاہ کریں اور ان سے دورانِ سفر مختصر عرصہ کے لیے اہلِ گوجرانوالہ سے خطاب کرنے کی استدعا کریں۔''

چنانچہ میاں ضیاء الحق لاہور آئے اور انہوں نے مسلم لیگی رہنما خان افتخار حسین ممدوٹ کی قیام گاہ پر قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں حاضری دی اور انہیں مسلمانانِ گوجرانوالہ کے جذبات سے آگاہ کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے چند منٹوں تک میاں ضیاء الحق سے مشفقانہ انداز میں بحث کی لیکن ان کے پیہم اصرار پر رضامندی کا اظہار کر دیا، اور پھر اپنے پروگرام کے بارے میں فرمایا:

> ''میں 8 مئی 1944ء کو صبح دس بجے سری نگر آنے کے لیے اپنی ہمشیرہ کے ہمراہ بذریعہ کار لاہور سے روانہ ہوں گا۔''

چنانچہ میاں ضیاء الحق نے گوجرانوالہ آ کر قائداعظم محمد علی جناح کی آمد کے سلسلے میں تمام انتظامات مکمل کیے۔ انہوں نے شہریوں کے مشورے سے ایک ہزار روپے بصورت ہار قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ کیا اور پھر فوری طور پر ایک ہزار روپے کے نوٹوں کا ہار مہیا کر دیا گیا۔

قائداعظم محمد علی جناح حسبِ وعدہ گوجرانوالہ تشریف لے آئے اور جلسہ سے خطاب فرمایا۔ جلسہ کے آغاز پر میاں ضیاء الحق نے قائداعظم محمد علی جناح کی آمد پر مختصر الفاظ میں ان کا خیر مقدم کیا اور اہلِ گوجرانوالہ کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کیا۔

جولائی 1944ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح سری نگر سے واپس آئے تو میاں ضیاء الحق نے پھر ان کا استقبال کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر میاں ضیاء الحق کو اپنا چغہ بھی دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح 1944ء میں جب کشمیر تشریف لے گئے تو راستے میں گوجرانوالہ میں میاں ضیاء الحق کو جلسے کی صدارت کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جموں پہنچ کر میاں ضیاء الحق کے بارے میں کہا:

> ''میں میاں صاحب جیسے محنتی اور انتھک کارکن چاہتا ہوں۔''

میاں ضیاء الحق نے خضر وزارت کے خلاف تحریک سول

نافرمانی میں بھرپور حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔تحریکِ پاکستان کے ایام میں نوائے وقت اور زمیندار اخبار کی ایجنسیاں حاصل کیں تا کہ مسلمانوں تک مسلم لیگ کی خبریں بآسانی پہنچائی جا سکیں جمعہ کے روز اخبارات مساجد میں مفت تقسیم کرتے تھے۔ گوجرانوالہ میں مسلم لیگ کا کوئی دفتر نہیں تھا۔ وہاں دفتر قائم کیا۔ برصغیر کی آزادی کی تحریکوں میں دامے، درمے اور سخنے حصہ لیا اسی بنا پر انہیں بابائے شہر کا لقب دیا گیا۔ 1988ء میں حکومت پنجاب نے ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل دے کر ان کی بھرپور خدمات کا اعتراف کیا۔

ضیاء الدین احمد، ڈاکٹر

وہ قائداعظم محمد علی جناح کا بے حد احترام کرتے تھے اور انہوں نے 1938ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی خواہش پر نوتنظیم شدہ مرکزی مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے سیکرٹری کا عہدہ سنبھالا، اور وائس چانسلر کے عہدے کو خیرباد کہہ دیا۔

ضیاء الدین احمد 1877ء میں مروت میں پیدا ہوئے۔ 1889ء میں بغرض تعلیم علی گڑھ گئے۔ 1895ء میں علی گڑھ کالج سے ایم اے آنرز کی ڈگری لی، اور ساٹھ روپے ماہوار پر اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا، اور 1897ء میں ایم اے کیمبرج یونیورسٹی کے ٹرینٹی کالج میں 1901ء میں داخلہ مل گیا وہاں سے ایم اے کرنے کے بعد سر آئزک نیوٹن سکالر شپ کا امتحان پاس کیا۔ جرمنی بھی گئے، اور 1905ء میں وہاں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ ایک سال تک پیرس اور قاہرہ کی یونیورسٹیوں کا مطالعاتی دورہ کیا۔ 1906ء میں واپس آ کر تدریسی فرائض سنبھال لیے۔ 31 دسمبر 1906ء کو مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ 1919ء میں علی گڑھ ایم اے او کالج کا پہلا مسلمان پرنسپل مقرر کیا گیا، پھر یہ کالج یونیورسٹی بن گیا تو وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی خواہش پر ملازمت ترک کر دی، اور ملٹری ٹریننگ کا ادارہ قائم کیا۔ 23 دسمبر 1947ء کو لندن میں انتقال کیا۔ وفات کے بعد میت وطن لانے کا فیصلہ ہوا چنانچہ تکفین کے بعد تابوت ہندوستان بھیج دیا گیا۔ 2 فروری 1928ء کو میت سرسید مرحوم کے مدفن کے قریب دفن کی گئی جہاں پہلے جسٹس محمود، نواب محسن الملک، سید زین العابدین اور سید راس مسعود کے مزارات بن چکے تھے۔

ضیاء الدین احمد قائداعظم خط و کتابت

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

23 اپریل 1942ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح!

اس یونیورسٹی کے کورٹ نے اپنی پچھلی میٹنگ میں جو 12 اپریل 1942ء کو ہوئی مجھے اس بات کا اختیار دیا کہ میں آپ کو کسی تاریخ پر جسے آپ مناسب سمجھیں ڈاکٹر آف لاز کی اعزازی ڈگری دینے کے لیے ضروری اقدامات کروں۔ کیا آپ مجھے مہربانی کر کے یہ بتائیں گے کہ اس کے لیے آپ کو کون سا وقت موزوں ہو گا تا کہ میں ضروری اقدامات کر سکوں۔

آپ کا مخلص

ضیاء الدین احمد

مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ 30

ستمبر 1942ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح!

مجھے افسوس ہے کہ مجھے آپ کو دہلی میں ملنے کا موقع نہ ملا۔ آپ پہلے ہفتے مصروف تھے۔ میں آپ کے گھر دوبارہ گیا لیکن آپ مصروف تھے، اور میں چار دنوں کے دوران بیمار رہا اور تو

اور مجھے خاکسار کے مسئلے پر 102 ٹمپریچر کے ساتھ تقریر کرنا پڑی، اور اس ضمن میں متعدد نکات تھے جن کے بارے میں آپ سے تبادلۂ خیالات کرنا چاہتا تھا۔

میں نے آپ کو 23 اپریل 1942ء کو بھی خط لکھا فوری حوالے کے لیے جس کی ایک نقل لف ہے۔ میں آپ سے ذاتی طور پر درخوست کرتا ہوں کہ آپ مجھے ایگزیکٹو کونسل کی آئندہ میٹنگ سے پہلے جواب دیں۔

ہمیں خصوصی کانووکیشن منعقد کرنے کے لیے کچھ نوٹس درکار ہیں۔ آپ مجھے براہِ نوازش بتلائیں کہ آپ کے لیے کون سا وقت موزوں ہوگا۔

آپ کا مخلص

ضیاءالدین احمد

10 اورنگ زیب روڈ

نئی دہلی

4 اکتوبر 1942ء

ڈیئر ڈاکٹر سر ضیاءالدین!

مجھے آپ کا 30 ستمبر 1942ء کا خط ملا، اور میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی کورٹ کا مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے ڈاکٹر آف لاز کی اعزازی ڈگری دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں کورٹ کے اس فیصلے پر اس کے جذبے کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا مجھے یہ کہتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ میں مسٹر جناح کے نام سے زندہ اور مسٹر جناح کے نام سے ہی مرنا چاہتا ہوں۔ میں کسی اعزاز کے خلاف ہوں اور میں زیادہ خوشی محسوس کروں گا کہ میرے نام کے ساتھ کوئی القاب نہ ہو۔ اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ کورٹ میرے جذبات اور احساسات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرے گی، مجھے اس بات کا مکمل احساس ہے کہ اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں ہوسکتا کہ جسے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی کورٹ نے مجھے دینے کا فیصلہ کیا۔

آپ کا مخلص

محمد علی جناح

مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ

3 دسمبر 1942ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح!

میں نے آپ کا 4 اکتوبر 1942ء کا خط ایگزیکٹو کونسل کے سامنے رکھا۔ کونسل نے متفقہ طور پر مجھے کہا کہ میں دوبارہ آپ سے درخواست کروں کہ آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔ آپ کا اعزاز کو قبول نہ کرنا بڑی مایوسی کا باعث ہوگا۔ انعام یافتگان کی فہرست میں آپ کے نام کی شمولیت یونیورسٹی کے لیے بڑا اعزاز ہوگا۔

آپ کا مخلص

ضیاءالدین

6 جنوری 1943ء

ڈیئر مسٹر ضیاءالدین!

آپ کے 3 دسمبر 1942ء کے خط کا شکریہ، جیسا کہ آپ نے ایگزیکٹو کونسل کی طرف سے مجھے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست کی ہے۔ میں نے اس پر دوبارہ غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میں ان کی خواہشات کے خلاف دوبارہ اتنا بڑا اعزاز حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوں جسے کونسل نے مجھے دینا تجویز کیا ہے۔ یہ نہیں کہ میں اس کے پیچھے جو احساسات ہیں ان کی قدر نہیں کرتا لیکن بہت سی وجوہات ہیں، اور مجھے بڑی ہچکچاہٹ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حقیقت میں اتنی بڑی درخواست قبول کرلوں۔

مجھے یہ اعزاز دینے کے فیصلہ کرنے پر ایگزیکٹو کونسل کو میرا شکریے کا پیغام پہنچادیے۔

مجھے امید ہے کہ کونسل مجھے غلط نہ سمجھے گی کہ میں نے اس

قدر کیوں نارضامندی کا اظہار کیا ہے۔

آپ کا مخلص
ایم اے جناح

ضیاء الدین، میاں

وہ صوبہ سرحد کے ممتاز رہنما تھے۔ انہوں نے 1938ء میں کلکتہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی اس ملاقات میں وہ مسلم لیگ کے رکن بنے۔

میاں ضیاء الدین 30 جولائی 1901ء کو سرخ ڈھیری (صوابی) میں پیدا ہوئے 1918ء میں میٹرک کیا۔ 1920ء میں اسلامیہ کالج پشاور سے ایف اے کا امتحان پاس کر کے انگلستان چلے گئے جہاں سے انہوں نے 1923ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ 1926ء میں سرکاری وکیل مقرر ہوئے، اور 1931ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ 1937ء کے انتخابات میں کانگریسی امیدوار کامدار خاں کے مقابلے میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ ستمبر 1937ء میں ایبٹ آباد میں صاحب زادہ عبدالقیوم خاں کی وزارت کے خلاف کانگریس کی طرف سے ڈاکٹر خاں صاحب نے عدم اعتماد کی تحریک پیش کی جس کے نتیجے میں سرحد میں صاحب زادہ عبدالقیوم کی وزارت کا خاتمہ ہوگیا۔

جنوری 1938ء میں مسلم لیگ سرحد کی تنظیم نو ہوئی تو مسلم لیگ کے نائب صدر منتخب ہوئے۔ 1948ء تک سیکرٹری سرحد مسلم لیگ کے عہدے پر فائز رہے۔ 1949ء میں اقوامِ متحدہ میں جو وفد بھیجا گیا اس کے رکن تھے۔ 1952ء میں جاپان میں پاکستان کے سفیر مقرر ہوئے۔ 1953ء میں انہیں انجمن اقوامِ متحدہ سوڈان کمیشن کا چیئرمین مقرر کیا۔

1953ء تا 1956ء سوڈان میں پاکستان کے سفیر اور بعد ازاں 1956ء سے 1959ء بھارت میں پاکستان کے ہائی کمشنر رہے۔ 1956ء میں ہلال پاکستان کا خطاب ملا۔ 1959ء سے 1961ء تک جرمنی میں بھی سفارتی خدمات انجام دینے کے بعد سبکدوش ہوگئے۔

ط

طالب حسین جعفری، مولانا

تحریکِ پاکستان کے ممتاز رکن تھے۔ طالب حسین جعفری نے تحریکِ پاکستان کے دوران قائداعظم محمد علی جناح کا پیغام جالندھر کے دور دراز علاقوں میں پہنچایا۔ وہ 1915ء میں حسین پور جالندھر میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے چند علماء سے فلسفہ دین کے ساتھ ساتھ فن خطابت کے اسرار و رموز سے بھی آگاہی حاصل کی۔ تکمیل دین کے بعد اسلام کی تبلیغ شروع کر دی تقسیم ہند سے قبل انہوں نے کامیاب تبلیغی دورے کیے، اور اپنے علاقے میں پوری تندہی اور سرگرمی کے ساتھ مسلم لیگ کی اعانت کی جلسوں کا انعقاد، جلوسوں کی تنظیم اور عوام میں مسلم لیگ کی اعانت کی۔ انہوں نے جلسوں کا انعقاد، جلوسوں کی تنظیم اور عوام میں مسلم لیگ کے پروگرام کی اشاعت کو اپنا فریضہ بنا لیا۔ لکھنؤ ایجی ٹیشن کے دوران کانگریس کے خلاف محاذ کی بڑی کامیابی سے قیادت کی اور قید بھی کاٹی۔

طالب حسین جعفری نے 1953ء میں تحریکِ ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور ختمِ نبوت کے موضوع پر تقاریر کیں۔ 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں شہری دفاع کے سلسلے میں مختلف فرائض انجام دیے۔ فروری 1975ء میں تبلیغی دورے کے سلسلے میں حیدر آباد گئے کہ وہیں یکم مارچ 1975ء کو دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ 2 مارچ کو اپنے رہائشی قصبے پیر محل میں دفن ہوئے۔

طاہر سیف الدین

وہ داؤدی بوہرہ فرقہ کے رہنما تھے، اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے چانسلر تھے، قائداعظم محمد علی جناح سیاسی معاملات میں ان سے مشاورت کرتے تھے۔ ان کا پورا نام سیدنا ابو محمد طاہر سیف الدین تھا وہ 4 اگست 1888ء کو بمقام سورت بمبئی میں پیدا ہوئے، والد سیدنا ابوالطیب محمد برہان الدین نے جو بوہرہ فرقہ کے 49 ویں داعی تھے ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ 17 سال کی عمر میں سیف الدین کا لقب ملا، اپنے چچا سیدنا ابوالفضل عبداللہ کے انتقال پر بوہرہ جماعت کے سربراہ بنے۔ 1920ء میں اپنے چچا کے نائب مقرر ہوئے۔

طفیل ہوشیار پوری

طفیل ہوشیار پوری نے قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے فوراً بعد ان الفاظ میں قائداعظم محمد علی جناح کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔ عنوان ہے: ''یہ وقت نہ تھا''

اے قائداعظم پاکستان سے جانے کا یہ وقت نہ تھا
فردوس کے دامن میں راحت فرمانے کا یہ وقت نہ تھا
حالات کا رخ کس جانب ہے حالات کی رو کیا کہتی ہے
کیا اس الجھی ہوئی گتھی کو سلجھانے کا یہ وقت نہ تھا؟
منجدھار سے ملت کی کشتی تم ساحل تک تو لے آئے
ساحل پر کشتی چھوڑ کے تنہا جانے کا یہ وقت نہ تھا
دانستہ یا نادانستہ کچھ بھول ہوئی تھی یا ہم سے
ٹھکرا کے چلے ہو جس کے عوض ٹھکرانے کا یہ وقت نہ تھا

دنیا کی نظر ششدر ششدر برہم برہم شیرازہ دل
اے دستِ قضا ایسا صدمہ پہنچانے کا یہ وقت نہ تھا
یہ وقت کے بہتے دریا کی موجوں نے کیوں چپ سادھی ہے
کیا حشر کوئی اٹھے گا حشر اٹھانے کا یہ وقت نہ تھا
ناشاد مسلماں کے دل کو ماحول کے جلتے دامن میں
یہ دکھ سہنے کی تاب نہ تھی یہ غم کھانے کا وقت نہ تھا
احساسِ وفا شرمندہ ہے احساسِ عقیدت نادم ہے
ہم ساتھ تمہارے ہی جاتے مر جانے کا یہ وقت نہ تھا
ظاہر ظاہر باطن باطن یکساں یکساں پیہم پیہم
خوں گشتہ دلوں کی پلکوں پر لہرانے کا یہ وقت نہ تھا
ہر آہ مچلتا شعلہ ہے ہر اشک دہکتا انگارہ
ملت کو درد جدائی سے تڑپانے کا یہ وقت نہ تھا
کجلائی ہوئی غمناک فضا پر سناٹا سا چھایا ہے
اے موت عدم کا افسانہ دہرانے کا یہ وقت نہ تھا
یاد آتا ہے رہ رہ کے ہمیں ایثار ترا اخلاص تیرا
یہ دولت قوم کے ہاتھوں سے چھن جانے کا یہ وقت نہ تھا
ناساز ہوائے عالم کا رخ پل میں پلٹ کر رکھ دیتے
دھیاں اس کی طرف اک پل کے لیے بھی لانے کا یہ وقت نہ تھا
زندہ جذبوں زندہ ارمانوں میں جو کروٹ لیتا ہے
اس خون کو ہم گرما دیتے گرمانے کا یہ وقت نہ تھا
رہ اٹی ہوئی ہے کانٹوں سے ہر سمت اندھیرا چھایا ہے
منزل پہ امیرِ منزل کے سو جانے کا یہ وقت نہ تھا

طفیل ہوشیارپوری 14 جولائی 1914ء کو ہوشیار پور میں میاں رحمت علی کے ہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے منشی فاضل کیا اور پھر صحافت کے پیشے سے منسلک ہوگئے۔ شاعری کی ابتداء لڑکپن میں کی۔ اردو اور پنجابی میں شعر کہے۔

طلائی سکے

قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کے موقع پر سٹیٹ بنک آف پاکستان نے 25 دسمبر 1976ء سے اپنے دفاتر کے ذریعے پانچ سو روپے کے سونے کے اور ایک سو روپے کے چاندی کے سکے جاری کیے۔ یہ سکے محدود تعداد میں جاری ہوئے۔ پانچ سو روپے کے سونے کے اور ایک سو روپے کے چاندی کے سکے گول تھے اور ان کا حجم بالترتیب 19 ملی میٹر تھا۔ سونے کے سکے کا وزن 50ء4 گرام اور چاندی کے سکے کا وزن 44ء20 گرام تھا۔

طلباء

فروری 1943ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے اسلامیہ کالج بمبئی کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"ہندو اور مسلمان آپس میں اتفاق کر لیں اور اتفاق کی شکل یہ ہے کہ مسلمانوں کا مطالبہ مان لیا جائے حکومت برطانیہ کہتی ہے کہ ہم ہر اختیار دینے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ کوئی متفقہ مطالبہ پیش ہو۔
موجودہ تعطل کے ازالے کے لیے حکومت کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس تعطل کو ہندوؤں کی حق شناسی ایک لمحہ میں دور کر سکتی ہے۔ وہ مسلمانوں کا مطالبہ آج مان لیں تعطل دور ہو سکتا ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناح کو طلبا بہت عزیز تھے، اور وہ انہیں تحریکِ پاکستان کی بنیاد سمجھتے تھے اسی بنا پر انہیں معمار پاکستان بھی کہا کرتے تھے قائداعظم محمد علی جناح چاہتے تھے کہ مسلمان طلباء زندگی کے ہر شعبے پر چھا جائیں۔ اسی بنا پر انہوں نے طلباء کو اپنی تنظیم قائم کرنے کا مشورہ دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے مشورے سے 1937ء میں یہ تنظیم معرضِ وجود میں آئی، اور

اس کا نام آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن رکھا گیا اس کے صدر راجا صاحب محمود آباد تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس تنظیم کو مسلم لیگ سے الگ تھلگ رکھا تا کہ ان میں خود اعتمادی پیدا ہو، اور طلباء کا یہ گروپ مسلم لیگ پر ایک پریشر گروپ کی حیثیت سے کام کرتا رہے۔ اسی لیے قائداعظم محمد علی جناح نے 1937ء میں کلکتہ میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی پہلی کانفرنس میں فرمایا تھا:

''آپ مسلم لیگ کا ایک ذیلی ادارہ نہیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلم لیگ کے ساتھ آپ کا تعاون جاری رہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس تنظیم کی سرپرستی بھی فرمائی۔

1945ء میں ایک موقع ایسا آیا کہ جب قائداعظم محمد علی جناح نے لیاقت علی خاں کو علی گڑھ بھیجا کہ بھئی یہ ملت اسلامیہ کی موت و زیست کا معاملہ ہے اگر وہ الیکشن ہار گئے تو صدیوں کے لیے غلامی میں گرفتار رہیں گے۔ اس لیے طلباء سے فرمایا:

''آپ میدان عمل میں نکل آئیں اگر آپ لوگوں نے ایک سال کا نقصان بھی اٹھایا تو کوئی بات نہیں یہ غلامی کے مقابلے میں کمتر درجے کی بات ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح جب علی گڑھ تشریف لائے تو ان کی گاڑی کو طلباء کھینچ کر لائے تھے۔ 1946-45ء کے انتخابات میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلباء نے جو کردار ادا کیا وہ سب کے سامنے ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح اسی بنا پر علی گڑھ یونیورسٹی کو مسلم لیگ کا اسلحہ خانہ کہتے تھے۔ اس یونیورسٹی کے علاوہ دیگر یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلباء نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ جن میں اسلامیہ کالج پشاور، ایڈورڈز کالج پشاور، اسلامیہ کالج لاہور اور سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اس سے قبل بھی قائداعظم محمد علی جناح نے متعدد مقامات پر طلبا سے خطاب کیا۔ 1913ء میں لندن میں بھی ہندوستانی طلباء کی تنظیم سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''آپ اس طرح تعلیم حاصل کیجیے کہ جب آپ ہندوستان واپس جائیں تو اس ملک کی خدمت بہتر سے بہتر طریقے سے کرسکیں۔''

1920ء میں ناگپور میں سیشن کے موقع پر بھی قائداعظم محمد علی جناح نے گاندھی سے کہا تھا:

''آپ میرے ملک کے نوجوانوں کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔ آپ اسکولوں اور کالجوں کا بائیکاٹ کرا کے انہیں سڑکوں پر لانا چاہتے ہیں تو آخر آپ کا مقصد کیا ہے۔ اس سے ملک کی تباہی اور تخریب کا کام تو لیا جاسکتا ہے لیکن کوئی تعمیری صورت سامنے نہیں آسکتی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے نومبر 1940ء کو مسلم اسٹوڈنٹس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''آج پاکستان میں ہماری وہ منزلِ مقصود ہے، جس کے لیے ہم برسرِ جنگ ہیں، اگر ضرورت پڑی تو اس کے لیے جانوں کی بازی بھی لگا دیں گے۔ اسے سودے بازی کا معاملہ نہ سمجھئے، میں نوجوانانِ ملت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس کے لیے کمریں کس لیں اور منزل مقصود تک پہنچنے کی صلاحیتوں کو اجاگر کریں، ہماری امیدیں ملت کے نوجوانوں سے وابستہ ہیں۔''

1941ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے حیدرآباد دکن کا دورہ کیا، اس موقع پر بعض نوجوان طلباء کے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے کہا:

س: مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

ج: جب میں انگریزی زبان میں مذہب کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور قوم کے محاورے کے مطابق لامحالہ میرا

ذہن خدا اور بندے کے باہمی تعلق اور روابط کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، لیکن میں بخوبی جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مفید مفہوم باتصور نہیں ہے، میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملا نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے، البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانینِ اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں، زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی، غرض یہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو، قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور سیاسی طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لیے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لیے حسنِ سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر تصور ناممکن ہے۔

س: اس سلسلے میں اشتراکی حکومت وغیرہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج: اشتراکیت، بالشویکیت یا دیگر اس قسم کے سیاسی اور معاشی مسلک دراصل اسلام اور اس کے نظامِ سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سارا رابطہ اور تناسب و توازن نہیں پایا جاتا۔

س: ترکی حکومت تو ایک سیکولر اسٹیٹ ہے، کیا اس سے اسلامی حکومت مختلف ہے؟ آپ کا اس باب میں کیا خیال ہے؟

ج: ترکی حکومت پر میرے خیال میں مادی حکومت (سیکولر اسٹیٹ) کی سیاسی اصطلاح اپنے پورے مفہوم میں منطبق نہیں ہوئی، اب رہا اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز سو یہ بالکل واضح ہے۔ اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے، جس کے لیے تعمیل کا مرکز

قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں، اسلام میں اصلاً کسی بادشاہ کی حکومت ہے نہ کسی پارلیمان کی نہ کسی اور شخص کی یا ادارے کی۔ قرآن حکیم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے، اور حکمرانی کے لیے (آپ جس نوعیت کی بھی چاہتے ہوں) بہرحال آپ کو علاقہ اور سلطنت کی ضرورت ہے۔

س: وہ سلطنت ہمیں ہندوؤں سے کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟

ج: مسلم لیگ، اس کی تنظیم، اس کی جدوجہد، اس کا رخ اس کی راہ، سب اس سوال کے جواب ہیں۔

س: جب آپ اسلامی اصولوں کے نصب العین اور طریق کار دونوں میں بہترین اور بدترین حکومت کا یقین رکھتے ہیں اور اجمالاً یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو خودمختار علاقے اس لیے مطلوب ہیں کہ وہاں اپنے مذہبی میلانات اور تصوراتِ زندگی کو بلا روک ٹوک بروئے کار اور روبہ ترقی لاسکیں تو پھر اس میں کون سا امر مانع ہے کہ مسلم لیگ زیادہ تفصیل اور توضیح کے ساتھ اپنی جدوجہد کی مذہبی تعبیر و تشریح کر دے؟

س: (وقت یہ ہے کہ) جب اس جدوجہد کو مذہب سے تعبیر کیجیے تو ہمارے علماء کی ایک جماعت بغیر اس بات کو سمجھنے کے کام کی نوعیت، تقسیم عمل اور اس کے اصل حدود کیا ہیں، ان امور کو صرف چند مولویوں کا اجارہ خیال کر لیتی ہے اور (اپنے حلقہ سے باہر) اہلیت و مستعدی کے باوجود مجھ پر یا آپ میں (یعنی کسی اور میں) اس خدمت کے سرانجام دینے کی کوئی صورت نہیں دیکھتی، حالانکہ اس منصب کی بجا آوری کے لیے جن اجتہادی صلاحیتوں کی

ضرورت ہے انہیں میں مولوی صاحبان میں (الا ماشاء اللہ) نہیں پاتا (اور پھر مشکل اندر مشکل یہ کہ) وہ اس مشن کی تکمیل میں دوسروں کی صلاحیتوں سے کام لینے کا سلیقہ بھی نہیں رکھتے۔''

7 مارچ 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''یاد رکھیے کہ آج جو کچھ بروئے کار لایا جا رہا ہے، کل اس کی باگ ڈور تمہیں سنبھالنی ہوگی، اس لیے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کر لیا ہے یا کیا آپ اپنے آپ کو منظم کر چکے ہیں؟ اور کیا آپ میں اپنی ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی صلاحیتیں بیدار ہو چکی ہیں، جو آپ پر عائد ہونے والی ہیں؟ اگر نہیں تو پھر آگے بڑھیے اور اب کر لیجیے۔ یہی موقع اس کے لیے مناسب ہے اور میں آپ کی کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے نومبر 1942ء میں مسلم سٹوڈنٹس کانفرنس جالندھر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''جب تک آپ طالب علم ہیں آپ اپنی کوششوں کو محض تیاری تک محدود رکھیں اور عملی سیاست میں حصہ نہ لیں۔ آپ پر لازم ہے کہ طلبائے ہند کو منظم کریں اور ان کی ایک مستحکم اور مضبوط جماعت بنائیں تا کہ مسلمانانِ ہند کے حقوق کی کامل حفاظت ہو۔ آپ کو چاہیے کہ مسلمانانِ ہند کے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور تعلیمی نشوونما اور ترقی کے لیے لائحہ عمل بنائیں، اور اسے عملی جامہ پہنائیں آپ کا یہ بھی فرض ہے کہ اسلامی تہذیب کو ہر دلعزیز بنانے میں کوشاں رہیں، اور اس امر کی حوصلہ افزائی کریں کہ ہندوستان کے مختلف فرقوں میں باہمی خیر طلبی اور ایک دوسرے کے حق میں نیک نیتی پیدا ہو، اور وہ ایک دوسرے کے حال سے اچھی طرح آگاہ ہوں اور سمجھ لیں کہ ہمارے بھائیوں کی ضروریات اور خواہشیں کیا ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمان طلباء اور عام طور پر مسلمانوں میں عظیم الشان بیداری پیدا ہوگئی ہے ترقی کی ضرورت کا احساس موجود ہے جوش وخروش ہے۔''

مئی 1944ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن سیالکوٹ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں تمہاری طرح اب جوان نہیں، لیکن تمہارے پرشباب جذبات اور جوش وخروش نے مجھے ضرور جوان بنا دیا ہے۔ یہ تمہاری گزشتہ سات سالہ انتھک مساعی کا نتیجہ ہے کہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ میرے ہاتھ اب کافی مضبوط ہو گئے ہیں، اور آج ہم یہ دعویٰ کرنے کے مجاز ہیں کہ ہم میں کوئی فرقہ نہیں۔ اب ایک متحدہ قوم ہیں، اور ایک بھی ایسا مسلمان نہیں جو ہمارے نصب العین سے بے خبر ہو اور تو اور ایک ایک بچہ بھی یہ جان گیا ہے کہ ایک مسلمان کا مقصدِ حیات صرف پاکستان ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم یونیورسٹی یونین کے نوجوانوں کے نام اپنے پیغام میں کہا:

''مسلم لیگ ہندوستان کی کامل آزادی کی طالب ہے۔ ایسی آزادی جو کسی ایک فرقہ کے لیے نہیں بلکہ ان سب قوموں کے لیے ہو، جو اس برصغیر میں آباد ہیں، مسلم لیگ داعی ہے ایک آزاد وخودمختار اسلامی ریاست کی، اور اسلام ہر مسلمان سے توقع کرتا ہے کہ اس کے لیے اپنا فرض ادا کرے۔ تاریخ کے اس نازک دور میں وہ مقام اور منصب حاصل کرنے کے لیے جو مسلمانوں کی روایات اور ماضی کے ورثہ کے

شایانِ شان ہو جس قدر بھی عظیم قربانیاں کی جائیں کم ہیں، اور بالخصوص اس وقت جب ہولناک جنگ اور خطرناک ترین صورتِ حال درپیش ہے۔ جس سے یقیناً نظامِ عالم بدل جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے مسلم نوجوان جن پر قومی ذمہ داریوں کا بار پڑنے والا ہے نو کروڑ اسلامیانِ ہند کے مستقبل کی تعمیر میں مدد کرنے سے قاصر نہیں رہیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 26 ستمبر 1947ء کو ولیکا ٹیکسٹائل ملز کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا:

''آپ تعلیم پر پورا دھیان دیں اپنے آپ کو عمل کے لیے تیار کریں۔ یہ آپ کا پہلا فریضہ ہے کہ آپ کی تعلیم کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ آپ دورِ حاضر کی سیاست کا مطالعہ کریں یہ دیکھیں کہ دنیا کے گرد کیا ہو رہا ہے۔ ہماری قوم کے لیے تعلیم زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دنیا اتنی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے، اگر آپ نے اپنے آپ کو تعلیم یافتہ نہ بنایا تو نہ صرف یہ کہ آپ پیچھے رہ جائیں گے بلکہ خدانخواستہ بالکل ختم ہو جائیں گے۔

تعلیم کی اشاعت کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اس مقصد کی خاطر جتنی بھی مصیبتیں جھیلی جائیں کم ہیں۔''

30 اکتوبر 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں پاکستان کے ہر باشندے اور بالخصوص اپنے نوجوانوں کو یہ بات اچھی طرح بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ خدمت، ہمت اور برداشت کے سچے جذبے کا مظاہرہ کریں، ایسی شریفانہ اور بلند مثالیں قائم کریں کہ آپ کے ہم عصر اور آنے والی نسلیں آپ کی تقلید کریں۔''

31 اکتوبر 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے وفد سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''پاکستان کو اپنے نوجوانوں، بالخصوص طلباء پر بڑا فخر ہے، جو آزمائش اور ضرورت کے وقت ہمیشہ صف اول میں رہتے ہیں۔''

30 جون 1944ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ضلع جالندھر کے ایک طالب کے نام خط میں فرمایا:

''مجھے خوشی ہے کہ آپ سیاسی معاملات میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ خصوصاً پنجاب کے حالات میں، مگر میں آپ کو سختی سے تنبیہ کرتا ہوں کہ آپ اپنی تعلیم سے بے اعتنائی نہ برتیں، جیسا کہ میں نے اکثر اپنی تقریروں میں کہا ہے۔ آپ طالب علمی کے زمانے میں اپنی تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ یہ زمانہ آپ کے علم حاصل کرنے کا ہے، اور اس کام میں آپ کو سخت محنت کرنی چاہیے۔ آپ کی تعلیمی زندگی کے یہ چند سال اگر ضائع ہو گئے تو پھر کبھی واپس نہیں آئیں گے۔

ہمیں اپنی قومی زندگی کے مختلف شعبوں کی تعمیر کرنی ہے، لیکن آپ جیسے نوجوانوں کو سمجھنا چاہیے کہ ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمائی جا سکتی۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ آپ بدلتے ہوئے حالات میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ سیاسی حالات کا مطالعہ کرنا بھی آپ کی تعلیم کا ایک حصہ ہے۔''

طلبا اور تعلیم (قائداعظم نے کیا سوچا اور کیا کیا)

یہ کتابچہ ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ نے مرتب کیا اور قائداعظم اکیڈمی کراچی نے 1976ء میں اسے زیورِ طباعت سے آراستہ

قائداعظم محمد علی جناحؒ کسی گہری سوچ میں

کیا۔اس کا دوسرا ایڈیشن 1982ء میں منظرِ عام پر آیا۔

یہ کتاب نوجوان نسل کے قومی شعور کی پختگی اور رہنمائی کے سلسلے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ کتاب دیگر بڑی بڑی کتب سے کہیں بہتر انداز میں لکھی گئی ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے اس وقت کے تعلیمی ماحول کا بھی پتہ چلتا ہے جو قائداعظم محمد علی جناح کے دور میں مختلف تعلیمی اداروں میں تھا۔

طلباء سے لگاؤ

قائداعظم محمد علی جناح طلباء کو معمارِ پاکستان کہتے رہے، سمجھتے رہے اور انہیں اسی لقب سے پکارتے رہے اور قائداعظم محمد علی جناح کو طلباء سے ایک خاص انسیت اور محبت تھی، وہ طلباء کو تحریکِ پاکستان کی بنیاد سمجھتے رہے اسے جسے خام مال کہنا چاہیے وہ کہتے تھے:

''ہمارے طلباء کو فوج میں بھرتی ہونا چاہیے جو بعد میں اچھے جنرل بنیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح طلباء سے کتنا قرب رکھنا چاہتے تھے یہ بھی تاریخی حقیقت ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح جب بھی علی گڑھ تشریف لائے تو ریلوے اسٹیشن سے یونیورسٹی تک طلباء ہی ان کی گاڑی کو کھینچ کر لے جاتے تھے۔

کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ کوئی طالب علم قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں حاضر ہوا اور پرچی پر اس نے لکھ دیا کہ وہ طالب علم ہے تو قائداعظم محمد علی جناح فوراً اسے بلوا لیتے اس طرح نوجوان ان سے قریب تر ہوتے چلے گئے۔ 25 دسمبر 1985ء کو جنگ فورم لاہور میں ڈاکٹر ساجد امجد نے یہ واقعہ اس طرح سنایا:

''ایک واقعہ مجھے یاد آ رہا ہے۔ مسلم اسٹوڈنٹس کے ایک جنرل سیکرٹری تھے انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے ان کی نقل اتاری نہ صرف یہ کہ قائداعظم محمد علی جناح اس نقل سے محظوظ ہوئے بلکہ اپنا چشمہ اور ٹوپی ان کو دے دی کہ آئندہ اس کو پہن کر نقل اتاریں تاکہ اصل سے اور قریب تر ہو جائے، یہ بے تکلفی نوجوان طلباء کے ساتھ رہی بعد میں اس نے بڑا اثر پیدا کیا۔''

طلباء سے محبت

قائداعظم محمد علی جناح کو طلباء اور نوجوانوں سے بے حد محبت تھی۔ لڑکے ہوں یا لڑکیاں جب بھی یہ لوگ قائداعظم محمد علی جناح سے ملنے آتے۔ وہ خوشی خوشی ان سے ملتے، اور نہایت مشفقانہ انداز میں ان کے ہر سوال کا جواب دیتے، اور انہیں سیاست کے بارے میں بہت کچھ بتاتے، وہ ان سے باتیں کرتے ہوئے الجھتے نہیں تھے۔ پاکستان کے بارے میں ہر سوال کا جواب نہایت واضح انداز میں دیتے۔ جب تک طلباء ان کا مؤقف صحیح طور پر سمجھ نہ لیتے تھے، قائداعظم محمد علی جناح ان سے باتیں کرتے رہتے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح طلباء کے ذاتی مسائل میں بے حد دلچسپی لیتے تھے۔ وہ ان کی تعلیمی ضروریات اور مسائل کے بارے میں بھی سوالات کرتے، اور نہایت ہمدردی سے ان کی ہر بات سنتے تھے، یہاں تک پوچھتے تھے کہ ان کے والدین کیا کرتے ہیں، کہاں رہتے ہیں، اور ان کے مالی حالات کیسے ہیں؟ یہ ان کی عام عادت تھی۔ پھر وہ کوشش کرتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح ان مشکلات کو دور کریں۔

طلباء، علماء اور سیاست دانوں کی فوج

قائداعظم محمد علی جناح نے جہاں سیاسی میدان میں دشمنوں

پر برتری حاصل کی تھی وہاں دفاعی میدان میں بھی انہیں نمایاں کامیابی ہوئی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس ضمن میں 50 ہزار طلباء کی فوج ظفر موج تیار کر رکھی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی فوج کا یہ حصہ ان مخلص ترین جاں نثاروں پر مشتمل تھا جو ہر لمحہ حصولِ پاکستان کے لیے مر مٹنے کو تیار رہتے تھے۔

میسرہ

جمعیت علمائے اسلام کے سپرد تھا۔ جس میں علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ ابن حسن جارچوی اور ہندوستان کے ہر صوبے کے چند علمائے کرام تحریک کا علم سنبھالے ہوئے تھے۔ ان میں ہر مکتب فکر کے علماء شامل تھے۔

میمنہ

یہ مسلم لیگ کے حوالے تھا جس میں نواب اسماعیل خاں نواب زادہ لیاقت علی خاں، نواب بہادر یار جنگ، مولانا حسرت موہانی، راجہ صاحب محمود آباد، خواجہ ناظم الدین، حسین شہید سہروردی، مرزا ابوالحسن اصفہانی، سردار عبدالرب نشتر، سردار اورنگ زیب، قاضی عیسیٰ، میر جعفر خاں جمالی، حاجی عبداللہ ہارون، غلام حسین ہدایت اللہ، پیر الٰہی بخش، آئی آئی چندریگر، نواب افتخار حسین ممدوٹ، میاں بشیر احمد، میاں امیر الدین، میاں افتخار الدین، میاں ممتاز دولتانہ، چودھری خلیق الزمان، مولانا ظفر علی خاں، حسین امام، بیرسٹر عبدالعزیز، محمد ایوب کھوڑو، عبدالمتین چودھری اور بے شمار مشتاقانِ قائد سینہ سپر تھے۔

قلب

اس میں خود قائداعظم محمد علی جناح تھے، جو آفتابِ سیاست بنے ہوئے تھے۔ ان کی پشت پر دس کروڑ اسلامیانِ ہند دیوانہ وار ان کے پیچھے چل رہے تھے، اور ان کے گرد مسلم لیگ نیشنل گارڈز کے جاں باز سپاہی جو پوری ملت اسلامیہ اور قائداعظم محمد علی جناح کی حفاظت کے لیے آہنی حصار بنے ہوئے تھے۔ ان کی قیادت نواب صدیق علی خاں کر رہے تھے، اور ان سب کی مجموعی قوت قائداعظم محمد علی جناح کے سینے میں سمٹ آئی تھی۔

طلباء ناگپور سے خطاب

قائداعظم محمد علی جناح اپنی سالگرہ کے موقع پر مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کرنے کے لیے ناگپور پہنچے۔ 26 دسمبر 1941ء کو نوجوانوں کے پر جوش اجتماع سے خطاب کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ناگپور میں آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے پانچویں سالانہ اجلاس میں صدارتی خطاب میں کانگریس اور ہندو مہاسبھا کے درپے، مسلمانوں اور مسلم لیگ کے بارے میں ان کی مخاصمانہ پالیسی پر نکتہ چینی کی، اور مسلمانوں کو متحد و مستحکم رہنے کی تلقین کی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے طلبائے ناگپور سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''میرے نوجوان دوستو! آج آپ اپنی حالت کا مقابلہ صرف تین سال پہلے کی پوزیشن سے کریں۔ پانچ سال پہلے ہماری حالت ناگفتہ بہ تھی۔ دس برس پہلے آپ بالکل مردہ تھے، اب مسلم لیگ نے آپ کو ایک نصب العین دے دیا ہے، جو ہماری رائے میں آپ کی رہنمائی اس موعودہ وطن کی طرف کرے گی، جہاں ہم اپنا پاکستان قائم کریں گے۔ لوگوں کو جیسے وہ چاہیں باتیں کرتے رہیں، بلاشبہ جو سب سے آخر میں مسکراتا ہے، سب سے اچھا مسکراتا ہے۔''

طلوعِ صبح

یہ 42-1943ء کی بات ہے:

قائداعظم محمد علی جناح کی پوزیشن جنگ عظیم دوم کے بقیہ

سالوں کے دوران خاصی مضبوط رہی، وہ مطالبہ کرتے رہے:

''مسلم لیگ کو گورنمنٹ کی ہر کونسل میں کانگریس کے برابر نمائندگی دی جائے، اور مستقبل کے لیے سمجھوتہ کے فارمولا، میں مسلمانوں کے مطالبہ کو تسلیم کیا جائے۔''

چونکہ کانگریس نے پہلے سے زیادہ مخالفانہ اور عدم تعاون کا رویہ اپنا لیا تھا۔ اس لیے نہ صرف حکومت ہند بلکہ حکومت برطانیہ کو ہندوستان پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لیے مسلمان سپاہیوں اور مسلم لیگی لیڈروں پر پہلے سے زیادہ انحصار کرنا پڑا۔ اس طرح قائداعظم محمد علی جناح کی عظمت لندن کے ساتھ ساتھ دہلی اور شملہ میں بھی نئی بلندیوں کو چھونے لگی۔

جناح اور انگریز ہم آہنگی

وائٹ ہال میں قائداعظم محمد علی جناح کے سیاسی انداز و اطوار کو بھی غلط نہیں سمجھا گیا۔ ایمرے نے ایک رپورٹ میں وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کو لکھا:

''میں نہیں سمجھتا کہ جناح کانگریس سے کم قوم پرست نظر آنا چاہتے ہیں۔ اس لیے وہ موجودہ آئین کے تحت آنا پسند نہیں کریں گے۔''

ان دنوں سر سٹیفورڈ کرپس ہندوستان میں آئندہ کے لیے ممکنہ اصلاحات پر کام کر رہا تھا۔ ایمرے نے مزید لکھا:

''اگر وہ رضامند ہو تو میرا خیال ہے آپ اسے بعض سیٹیں دے دیں، تاکہ اس کے آدمی امید کر کے برابر ہو جائیں، اور ایک یا دو نئے ہندو شامل کر لیں، لیکن پھر بھی آپ کی موجودہ انتظامی کونسل میں اکثریت قائم رہنی چاہیے، یا آپ دونوں جماعتوں میں سے سیاسی لیڈروں کو کونسل میں لینے کے خیال کو بالکل ترک کر دیں، میرے خیال میں مسلم لیگ پھر بھی سرکاری طور پر مخالف رہے گی، تاہم عملی طور پر پاکستان کے امکان کی یقینی رعایت کے پیش نظر، جو ہم نے ممکن بنا دی ہے پہلے سے زیادہ تعاون کرے گی۔''

طورخم

قائداعظم محمد علی جناح پہلی مرتبہ طورخم 22 اکتوبر 1936ء کو تشریف لے گئے۔ 9 سال کے بعد 23 نومبر 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے پھر طورخم کا دورہ کیا قیامِ پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے 14 اپریل 1948ء کو طورخم کی سیاحت کی۔

قائداعظم محمد علی جناح جب پہلی بار طورخم گئے تو انہوں نے سرحد کے پھاٹک کے اندر جا کر افغان سپاہی سے ہاتھ ملایا افغان سپاہی جو وہاں پہرے پر متعین تھے، انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ کالا خاں، عبدالعزیز خوش باش، پیر بخش خاں ایڈووکیٹ، محمد یونس خاں، ملک خدا بخش، آغا لعل بادشاہ، حاجی غلام غوث صحرائی اور پہلوان حافظ فضل محمود بھی تھے۔ طورخم کی سیر کے بعد ملک سیدا خاں اور ملک مراد خاں قائداعظم محمد علی جناح کو اپنے حجرے میں لے گئے۔ لنڈی کوتل کے عوام نے سالم دنبے ذبح کر کے سرخ کیے، اور بڑی پرتکلف دعوت دی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے آفریدیوں کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا۔

طوسی، خواجہ محمد شریف

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے سیکرٹری تھے اور تحریکِ پاکستان کے ممتاز کارکن بھی۔ 11 دسمبر 1922ء کو ان کی قائداعظم محمد علی جناح سے پہلی ملاقات ہوئی، خواجہ محمد شریف طوسی 5 جولائی 1900ء کو امرتسر میں خواجہ عبدالرحمٰن طوسی کے ہاں پیدا ہوئے، والدہ کا نام بیگم جان تھا۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی

سے بی اے بی ٹی کی سند حاصل کی۔

محمد شریف طوسی نومبر 1942ء سے مئی 1943ء تک قائداعظم محمد علی جناح کے سیکرٹری رہے۔ انہیں یہ فخر بھی حاصل ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے بغیر کسی ذاتی تعارف کے ان کے ایسٹرن ٹائمز اور دیگر اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین سے متاثر ہو کر ان کے مضامین اپنی کتب India's Problems her future con stiuation میں شامل کیے، اور ان کو اپنے پاس بلوا کر ان کے مضامین کے مجموعوں کی دو کتابیں Pakistan of Muslim India (پاکستان اور ہندوستانی مسلمان) اور National conflict in India (ہندوستان میں قومیت کا بحران) تحریر کرائیں، اور ان پر اپنے ہاتھوں سے دیباچے لکھے اور گاندھی اور دیگر نامور ہستیوں کو پیش کیں ان کی تیسری کتاب Muslim League and Pakistan Movement (مسلم لیگ اور تحریکِ پاکستان) بھی قائداعظم محمد علی جناح کے فرمان کے مطابق 1943ء میں لکھی، لیکن اس کا مسودہ قائداعظم محمد علی جناح کے پاس پڑا رہا جنہیں اس کام کا موقع ہی نہ ملا۔ بالآخر 14 اگست 1975ء کو اس مسودے کی ایک فوٹو کاپی انہیں مل گئی جسے مزید اضافے کے ساتھ نیشنل بک فاؤنڈیشن نے 1976ء میں شائع کیا۔ اس کے ساتھ ہی خواجہ محمد شریف طوسی نے نومبر 1922ء سے مئی 1943ء تک اپنی یادداشتوں پر مشتمل ایک کتاب بعنوان My Raminiscences and Quaid-e-Azam لکھی جس کا اردو ترجمہ خواجہ محمد شریف طوسی کے صاحبزادے انجینئر ہارون رشید طوسی نے بعنوان ''قائداعظم کے ساتھ چھ مہینے'' کیا خواجہ محمد شریف طوسی کا انتقال 28 اپریل 1983ء کو پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس کے قریب ٹریفک کے حادثے میں ہوا۔

طوطی شاہ

طوطی شاہ زیارت ریذیڈنسی کا محافظ تھا۔ طوطی شاہ اس وقت بھی موجود تھا جب قائداعظم محمد علی جناح نے زیارت ریذیڈنسی میں اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے تھے، ریذیڈنسی کی عمارت کی حفاظت کا کام اس کے خاندان کے سپرد انگریزوں کے دور سے چلا آ رہا ہے۔ وہ قائداعظم محمد علی جناحؒ کے لیے عقیدت کے طور پر بابا کا لفظ استعمال کرتا تھا۔

طیب جی، بیگم حاتم بھائی

قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی ملاقات اپنے والد مرحوم سر اکبر حیدری کے توسط سے حیدرآباد دکن میں ہوئی تھی، شادی کے بعد وہ بمبئی چلی گئیں تو وہاں بھی انہیں اپنے شوہر کے ہمراہ قائداعظم محمد علی جناح سے بارہا ملنے کا موقع ملا۔ وہ قائداعظم محمد علی جناح کو چچا کہا کرتی تھیں لیکن جب 39-1940ء میں عوام نے انہیں قائداعظم کہنا شروع کیا تو وہ بھی قائداعظم کہنے لگیں۔

قیامِ پاکستان سے پہلے کراچی آ گئیں اور پھر وہیں رہیں۔

ظ

ظرافت (کا عنصر)

جن لوگوں نے قائداعظم محمد علی جناحؒ کو قریب سے دیکھا ہے، وہ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ ان کی زندگی ان کی قومی اور سیاسی شخصیت میں جذب ہو کر رہ گئی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کو بہت کم موقع ملتا تھا کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ سے بات کر سکیں، چہ جائیکہ ان کے کاموں میں دخل دیں۔

''قائداعظم'' جناح ہر وقت ہمہ تن مسلمانوں کے سیاسی مسائل کا حل اور قومی مستقبل کی تعمیر میں مصروف رہتے تھے، حتیٰ کہ ان کی طبیعت ظرافت کے عنصر سے بھی خالی نہیں تھی۔

1948ء میں جب لندن سے واپس آتے ہوئے ان کا جہاز لیبیا کے ائیر پورٹ الآدم پر اترا تو مزاحاً فرمانے لگے:

''اب مجھے لیبیا کا سیاح کہلوانے کا حق حاصل ہو گیا ہے۔''

اس طرح ایک بار مختلف ممالک کے کسٹم کے محکموں کے متعلق تذکرہ کر رہے تھے کہ آپ کو ایک پرانا واقعہ یاد آ گیا، کہنے لگے:

''ایک دفعہ میں فرانسیسی کسٹم آفیسر کے سامنے اپنے اسباب کی تفصیل پیش کر رہا تھا، اس میں کچھ سگریٹوں کے ڈبے تھے۔ کسٹم آفیسر نے کہا:

''ان سگریٹوں پر آپ کو محصول دینا ہو گا اور ساتھ ہی ایک معقول رقم بھی بتا دی، جو سگریٹوں کی قیمت سے کچھ کم نہ تھی، میں نے بہت کہا کہ یہ سگریٹ خود میرے پینے کے ہیں، مگر وہ نہ مانا، اس پر میں نے دیکھتے ہی دیکھتے سگریٹ کے ڈبے اس کے ہاتھ سے لے کر جنگلے کے باہر پھینک دیے اور کہا:

''اب میرے پاس نہ تو سگریٹ ہیں، اور نہ مجھ سے کوئی ڈیوٹی وصول کی جا سکتی ہے۔''

اگر آپ کو شوق ہے تو ڈبے خود اٹھا لایئے اور سگریٹ پی جایئے۔''

کسٹم آفیسر حیران رہ گیا، پھر جتنی بحث اس نے کی، وہ بے سود تھی، خدا جانے اس نے سگریٹ کے ڈبے اٹھائے یا نہیں۔''

ظفر احمد عثمانی، مولانا

مولانا ظفر احمد عثمانی نے 1938ء میں اجلاس پٹنہ میں قائداعظم محمد علی جناح سے مولانا اشرف علی تھانوی کے خصوصی نمائندے کی حیثیت سے ملاقات کی، ازاں بعد انہوں نے سلہٹ کے ریفرنڈم میں اہم کردار ادا کیا۔

مولانا ظفر علی عثمانی دیوبند میں شیخ لطیف احمد عثمانی کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی، پھر مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں تھانہ بھون چلے گئے اور عربی اور فارسی کی تعلیم مولانا عبداللہ گنگوہی اور مولانا اشرف علی تھانوی سے حاصل کی۔ وہاں سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کا قصد کیا جہاں انہیں مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد مظاہر العلوم میں استاد حدیث مقرر ہوئے۔ مولانا خلیل احمد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مولانا انور شاہ کشمیری مولانا محمد یحییٰ خان کاندھلوی سے بھی

فیض یاب ہوئے۔ سات سال مدرسہ مظاہر اسلام میں رہنے کے بعد تھانہ بھون جا کر اعلاء السنن کے نام سے بیس ضخیم جلدیں علم حدیث القرآن پر عربی زبان میں تصنیف کیں۔ علاوہ ازیں احکام اور امداد الاحکام جیسی کتب بھی لکھیں۔ انہوں نے مولانا اشرف علی تھانوی کی نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ 1945ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور پاکستان کے حق میں تقریریں کیں۔ قائداعظم کی خواہش پر 14 اگست 1948ء ہی مشرقی پاکستان میں آزادی کا پرچم لہرایا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی درخواست پر سلہٹ کے ریفرنڈم میں اہم خدمات انجام دیں ان کا انتقال 8 دسمبر 1974ء کو ہوا۔ ان کی نمازِ جنازہ مولانا محمد شفیع نے پڑھائی۔

ظفر الحسن، سید ڈاکٹر

مارچ 1940ء کے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح نے جو خطبہ پڑھا، وہ ڈاکٹر سید ظفر الحسن کا تحریر کردہ تھا اس میں انہوں نے دوقومی نظریہ پر کھل کر بحث کی تھی۔

سید ظفر الحسن 14 فروری 1879ء کو سیالکوٹ میں سید دیوان محمد کے ہاں پیدا ہوئے، انہوں نے علی گڑھ سے ایم اے فلسفہ کا امتحان پاس کیا۔

1901ء میں اسپونزر پر ایک مقالہ لکھ کر علامہ اقبال کی خدمت میں بھیجا۔ علامہ اقبال کی سفارش پر جرمنی گئے اور وہاں عینیت اور حقیقت کے عنوان سے مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ ہندوستان آ کر علی گڑھ یونیورسٹی سے شعبہ فلسفہ میں خدمات انجام دیں۔ انہوں نے پاکستان علی گڑھ اسکیم بھی مرتب کی۔ پیر سید جماعت علی شاہ کے دست اقدس پر بیعت کی۔ 1947ء کے بعد پاکستان آ گئے اور 19 جون 1949ء کو راولپنڈی میں انتقال کیا اور میانی صاحب لاہور میں دفن ہوئے۔

ظفر اللہ خان، چودھری

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے قیام پاکستان کے موقع پر انہیں مسئلہ فلسطین پر پاکستان کی نمائندگی کے لیے وفد کا قائد نامزد کر کے اقوام متحدہ میں بھیجا مسئلہ فلسطین پر انہوں نے مدلل تقاریر کر کے عرب ممالک کے عوام کے دلوں میں پاکستان کے لیے ایک مقام پیدا کیا۔

چودھری ظفر اللہ خان پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ تھے جنہوں نے قائداعظم محمد علی جناحؒ کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کی اور غیر مسلم سفیروں کے ساتھ جنازہ کے وقت گراؤنڈ کے ایک طرف بیٹھے رہے۔ جب ان سے مولانا محمد اسحاق مانسہروی نے دریافت کیا:

''جنازہ کے موقع پر موجود ہوتے ہوئے بھی آپ نے جنازہ میں کیوں شرکت نہیں کی۔''

تو انہوں نے جواب دیا:

''مولانا آپ مجھے مسلمان حکومت کا ایک کافر ملازم یا ایک کافر حکومت کا مسلمان ملازم خیال کر لیں۔''

ظفر عباس، سردار

انہوں نے تحریک حصول پاکستان میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔ اس بنا پر قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں سرٹیفکیٹ اور ایک تلوار اعزاز کے طور پر دی۔

سر ظفر عباس 13 دسمبر 1928ء کو رجوعہ سیداں (چنیوٹ) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اسلامیہ ہائی سکول جھنگ سے میٹرک اور اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ 1945ء تا 1948ء، تک مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری رہے۔ حصولِ پاکستان کے سلسلے میں بھی انہوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آباد

کاری کے سلسلے میں اہم کردار کیا۔ 1957ء میں ایل ایل بی کیا۔ 1962ء اور 1965ء کے قومی اسمبلی کے ضمنی انتخاب میں حصہ لے کر کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے رد قادیانیت کے لیے ربوہ کی سرحدوں کے ساتھ چمن عباس کے نام سے ایک گاؤں آباد کیا۔

ظفر علی خان، مولانا

آپ ممتاز صحافی، شاعر اور تحریک پاکستان کے کارکن اور قائداعظم محمد علی جناح کے معتمد ساتھیوں میں سے تھے۔ 21 مارچ 1937ء کو شاہی مسجد لاہور میں خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے ان کے بارے میں کہا تھا:

''مجھے اپنے صوبے سے ظفر علی خاں جیسے دو چار بہادر آدمی دے دیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پھر مسلمانوں کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔''

مولانا ظفر علی خان کی ملاقات 1945ء میں قائداعظم محمد علی جناح سے پشاور میں محمد حسن خاں کے ہاں ہوئی۔

مولانا ظفر علی خان 1873ء میں کوٹ مہرتھ (وزیرآباد) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مڈل کا امتحان مشن ہائی سکول وزیرآباد سے پاس کیا۔ میٹرک پٹیالہ کالج سے پاس کرنے کے بعد ایم اے علی گڑھ کالج سے پاس کیا۔ یہیں ان کی ملاقات علامہ شبلی نعمانی اور پروفیسر آرنلڈ جیسے شہرہ آفاق اساتذہ سے ہوئی، پھر علامہ شبلی نعمانی کی وساطت سے نواب محسن الملک کے سیکرٹری بنے۔ مئی 1911ء میں لاہور سے ہفت روزہ زمیندار کا اجراء کیا۔ اکتوبر 1911ء میں یہ روزنامہ بن گیا۔ وہ اپنے اخبار کے ذریعے انگریز حکمرانوں کو ہدف تنقید بناتے تھے۔ جس کی وجہ سے انگریز حکومت ان کے سخت خلاف ہوئی اور اس پاداش میں انہیں سزا بھگتنا پڑی۔ اسی جدوجہد کی وجہ سے بابائے صحافت کہلائے۔ 27 نومبر 1956ء کو انتقال کیا۔

ظفر علی خان بنام قائداعظم

میکلوڈ روڈ لاہور

23 نومبر 1943ء

ڈیئر مسٹر جناح!

جیسا کہ میں نے آپ کو اگلے دن بتایا تھا روزنامہ زمیندار نے بنگال کے قحط زدہ باشندوں کی امداد کے لیے ایک فنڈ شروع کیا ہے اور اس سلسلہ میں ایک ہزار روپے قبل ازیں فراہم کیے جا چکے ہیں، اب اس کی دوسری قسط کے طور پر مزید ایک ہزار روپے کا چیک آپ کی خدمت میں ارسال کیا جا رہا ہے، تا کہ آپ اسے مسلم ایوان تجارت تک پہنچا دیں۔

آپ اس کی رسید کے طور پر چند حروف لکھ دیں تو مشکور ہوں گا۔

آپ کا مخلص

ظفر علی خان

(بحوالہ مکاتیب ظفر علی خان، از زاہد منیر عامر)

لاہور

7 مئی 1937ء

ڈیئر مسٹر جناح!

کانگریس نے انتخابات میں چھ صوبوں میں کامیابی حاصل کرنے کے فوراً بعد اچانک یہ فیصلہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے حلقوں میں دراڑیں ڈال دی جائیں اور ہندوستان بھر میں ایک مہم چلا کر مسلم عوام کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیا جائے۔

کانگریس کے اس فیصلے سے مجھ جیسے اشخاص کے دلوں میں شدید اضطراب پیدا ہو گیا ہے، جو آپ کے ساتھ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ کانگریس جیسی ہندو اکثریت کی حامل جماعت میں اپنی الگ اور آزاد حیثیت کو ضم کر دینا ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک انتہا درجے کا سیاسی المیہ ہوگا۔

بدقسمتی سے جمعیت العلماء ہند اور مجلس احرار کے کانگریس کی طرف جھکاؤ نے پنڈت جواہر لال نہرو اور ان کے حاشیہ برداروں کے ہاتھ مضبوط کر دیے ہیں، جو انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ مسلمانوں میں کانگریس کے حق میں پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ نیز اس مقصد کے لیے کثیر رقوم بھی مختص کی گئی ہیں، لہٰذا اب وقت آ گیا ہے کہ مستقبل کے اس عظیم خطرے سے نمٹنے کے لیے مسلمانوں کی ایک متحدہ فوجی جمعیت اور ایک متحدہ محاذ قائم کیا جائے۔ ہمارے ذہین طبقے کی ایک پرجوش جماعت نے جن کے ساتھ میں نے اس مسئلہ پر گزشتہ چار ہفتوں کے دوران گفتگو کی ہے مجھے صاف طور پر بتایا ہے کہ اگر ہمارے پاس اپنا پلیٹ فارم ہو جہاں سے ہم مکمل آزادی کا نعرہ بلند کر سکیں تو ہمیں کانگریس میں شامل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی، اور میرے خیال میں وہ اس میں بالکل حق بجانب ہیں۔

ڈاکٹر اقبال اور ملک برکت علی بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ اسی لیے پنجاب مسلم لیگ نے اپنی مرکزی تنظیم کو یہ سفارش کی ہے کہ مسلم لیگ کا نصب العین ہندوستان کے لیے مکمل آزادی کا حصول ہونا چاہیے۔ ایک جمہوری لیگ جس کی رکنیت فیس چار آنے ہو اور جو عوام سے قریبی رابطے کی حامل ہو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

ہزاروں نوجوان اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے کو تیار ہوں گے اور ایک ایسی زبردست طاقت فراہم کریں گے جس سے اس کا ہمہ جہتی احترام ابھرے گا، اور پھر پنڈت جواہر لعل نہرو کو یہ اعلان کرنے سے پہلے کئی بار سوچنا پڑے گا کہ ہندوستان میں صرف دو ہی طاقتیں ہیں جو اہمیت کی حامل ہیں۔ (انگریز اور کانگریس)۔ میں اولین فرصت میں آپ سے ان تمام امور پر بحث کرنے کا خواہش مند ہوں، اور میں یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ مجھے کب اور کہاں ملاقات کا موقع فراہم کر سکتے ہیں، چاہتا ہوں کہ آپ اس ماہ کسی وقت لاہور کا ایک طوفانی دورہ کریں، جہاں ڈاکٹر اقبال کے مشورہ سے اس گھمبیر مسئلہ پر غور کرنے کی سہولت حاصل ہو گی۔ مجھے آپ کو یہ یاد دہانی کرانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ پنجاب بالآخر سیاسیات ہند کا مرکزی نقطہ ہے۔

آپ کا مخلص

ظفر علی خان

44 میکلوڈ روڈ لاہور 6 مئی 1937ء

ظفر علی خان، محمد عالم بنام قائداعظم

مسلمانان پنجاب کو مسلم لیگ میں تفرقہ اندازی کرنے والے لوگوں کے بے ہودہ افعال پر سخت افسوس ہے۔ مسلمانان پنجاب کے ذمہ دار نمائندوں کی رائے جن میں مولانا عبدالقادر قصوری، چودھری افضل حق، شیخ حسام الدین، رانا فیروز الدین اور لیگ کے بہت سے ارکان شامل ہیں۔ مقاطع کی حامی ہے اور یہ سب لوگ لاہور کے مٹھی بھر رجعت پسندوں کی حرکات پر متعجب ہیں۔ ہم مسلمانان پنجاب کی جانب سے اظہار خیال کر رہے ہیں۔ مسلمانان پنجاب کی غالب اکثریت ہمارے ساتھ ہے۔

ظفر علی خان

محمد عالم

لاہور

ستمبر 1927ء

ظفر علی راجا

انہوں نے ''قائداعظم اور خواتین'' کے عنوان سے ایک مربوط کتاب لکھی۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو ایک عرصہ سے اس امر کا متقاضی تھا کہ اس پر قلم اٹھایا جائے۔ ظفر علی راجا نے اس تاریخی فریضے کو احسن طریقے سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا،

ورنہ آج تک ہمارے معزز مصنفین کے رشحاتِ قلم میں اس موضوع کا نقشہ کہیں نظر نہیں آتا۔

ظفر علی راجا ایک فرد نہیں بلکہ ایک انجمن ہیں، ادیبوں میں ادیب، شاعروں میں شاعر، کالم نگاروں میں کالم نگار، اول درجہ کے مزاح نگار اور بلند پایہ قانون دان ہیں۔

ظفر علی راجا متفرق میدانوں میں بیک وقت مصروف عمل ہیں۔ پیشہ وکالت سے منسلک ہیں، نقد ونظر اور طنز ومزاح میں منفرد اسلوب رکھتے ہیں۔ ماہنامہ اسلامک جرنل کے چیف ایڈیٹر کی حیثیت میں انہوں نے دنیا بھر کی اعلیٰ عدالتوں میں قانونِ اسلام پر مبنی فیصلوں کی تدوین کی ہے۔ انٹرنیشنل جج منٹس کے زیرِعنوان ان کا یہ منفرد کام 16 جلدوں میں شائع ہو چکا ہے ان کے چار شعری مجموعے (۱) عریاں مکان (۲) قطعہ کاریاں (۳) رقص تمنا (۴) گوری خواب خیال منظر عام پر آچکے ہیں۔ اس کے علاوہ کالموں کا انتخاب ''زاویہ ظفر'' پُرتجسس کہانیاں ''ڈیڑھ انگلی کا اشارہ'' بھی قارئین سے سندِ پسندیدگی حاصل کر چکی ہیں، علامہ اقبال کی وکالتی زندگی پر ان کی تحقیقی کتاب ''قانون دان اقبال'' کو فرزندِ اقبال جسٹس جاوید اقبال نے اقبالیات میں ایک اَن چھوا اضافہ قرار دیا ہے۔ پاکستان ٹیلی وژن سے ڈیڑھ سو سے زائد پروگراموں میں بطور میزبان اور مہمان جبکہ ریڈیو پاکستان لاہور میں بھی بے شمار قانونی پروگراموں میں بطور ماہرِ قانون اور کمپیئر شرکت کر چکے ہیں، متعدد ممالک کی سیاحت کے علاوہ ملکی اور بین الاقوامی ایوارڈ بھی ان کے اعزازات میں شامل ہیں۔ قائداعظم کے افکار اور شخصیت ان کا دل پسند موضوع ہے۔

ظہور الحسن درس، علامہ

سندھ صوبائی مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے رکن اور قائد اعظم کے معتقد تھے۔

(دیکھئے: درس ظہور الحسن)

ظہور الدین میاں

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے پریس فوٹو گرافر تھے انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے حکم پر متعدد تصاویر بنائیں۔ جن میں سندھ اسمبلی ہال کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح کی بحیثیت گورنر جنرل پاکستان پہلی پاکستان اسمبلی سے خطاب، کوئٹہ میں جون 1948ء میں پارسیوں کے وفد سے ملاقات، مارچ 1948ء میں چٹا گانگ سرکٹ ہاؤس میں چٹا گانگ ہل ٹریکس کے چیف سے ملاقات۔ پولیس پریڈ ڈھاکہ سے خطاب وغیرہ شامل ہیں۔

ظہور عالم شہید

(دیکھئے: شہید ظہور عالم)

ظہور، تنویر ظہور

(دیکھئے: قائداعظم)

ظہیر السلام فاروقی

یہ تحریک پاکستان کے راہنما تھے۔ 1929ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے جب چودہ نکات کا اعلان کیا تو انہوں نے کرنال میں ممتاز مسلمانوں کی ایک ضلعی کانفرنس کا اہتمام کیا، اور چودہ نکات کی حمایت میں ایک قرارداد قائداعظم محمد علی جناح کو ارسال کی، 1937ء میں پنجاب مسلم لیگ آرگنائزنگ کمیٹی اور انبالہ ڈویژن کا آرگنائزر بنایا گیا۔ مسلم لیگ کی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے 1939ء میں سیٹھ عبداللہ ہارون نے جو کمیٹی بنائی وہ اس کے رکن تھے۔ 1939ء میں پٹنہ میں آل انڈیا مسلم لیگ ڈیلیگیٹس کمیٹی کے جوائنٹ سیکرٹری مقرر ہوئے۔ 1940ء میں لاہور ریلوے اسٹیشن پر انتظامات

کے لیے قائم کی جانے والی کمیٹی کے رکن تھے۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے عنوان سے ایک کتابچہ بھی لکھا جس میں انہوں نے مسلم لیگ کے مقاصد اور کانگریس سے اختلافات کی نشاندہی کی۔

ظہیرالسلام فاروقی نے کم عمری میں انگریزوں کے خلاف تحریک چلائی اور قید بھی کاٹی۔

1988ء میں تحریک پاکستان گولڈ میڈل حاصل کیا۔

ظہیر نیاز بیگی

وہ تحریک پاکستان کے ممتاز کارکن اور قائداعظم محمد علی جناح کے معتقد تھے۔ ظہیر نیاز بیگی لاہور میں 1909ء میں پیدا ہوئے اور میٹرک تک تعلیم حاصل کی، لیکن تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا، پھر طبیہ کالج میں داخلہ لیا۔ آخری سال میں پہنچے تو قومی سیاست میں حصہ لینے کی پاداش میں نظر بند کر دیے گئے۔ پھر 1928ء میں پولیس میں ملازمت اختیار کر لی۔ 1929ء میں علامہ اقبال کی صدارت میں مسٹر بیکر کے خلاف جو جلسہ ہوا اس میں ایک نظم پڑھنے کی وجہ سے پولیس نے انہیں پنڈال سے نکال دیا۔ ابتدا میں احرار میں شمولیت اختیار کی پھر 1940ء میں جب لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ دو سال بعد آل انڈیا مسلم لیگ کی جنرل کونسل کے رکن بنے۔

قائداعظم محمد علی جناح کے ہمراہ تحریک پاکستان کے ایام میں لاہور، دہلی، سیالکوٹ، الہ آباد، فیصل آباد اور دیگر مختلف شہروں کا دورہ کیا۔

1929ء میں انہوں نے موچی دروازہ لاہور میں علامہ اقبال کی صدارت میں ہونے والے ایک جلسہ میں ایک نظم پڑھی اور داد پائی۔ 1942ء میں الہ آباد کے جلسہ میں نغمہ، پاکستان کے عنوان سے اپنی نظم پڑھی۔ دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ کنونشن میں ''بھٹکا ہوا راہی'' کے عنوان سے جب قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں انہوں نے نظم پڑھی تو اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ 1944ء میں نواب ممدوٹ نے انہیں شاعر پاکستان کا خطاب دیا۔

قیام پاکستان کے بعد نظام اسلام پارٹی میں شمولیت اختیار کی، پھر جمہوری پارٹی میں آ گئے۔

1968ء میں صدر پاکستان محمد ایوب خان کے سرگودھا کے جلسہ میں نظم پڑھی۔ 1970ء کے عام انتخابات میں تحصیل فیروز والہ سے قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا لیکن ناکام رہے۔

جناب ظہیر نیاز بیگی نے یوم قائداعظم پر یہ نظم لکھی۔

دن منایا جا رہا ہے اس عظیم انسان کا
دوستو جو بانی ہے اس ملک پاکستان کا
دور حاضر کا مجاہد مرد حق عالی مقام
جس کی حکمت نے بدل ڈالا زمانے کا نظام
توڑ ڈالا جس نے مغرب کے خداؤں کا فسوں
جس کے ہاتھوں سے ہوئے باطل کے پرچم سرنگوں
جس نے غیروں سے دلائی اپنی ملت کو نجات
جس نے اک تازہ دیا ہم سب کو پیغام حیات
ہم یہ اس کا دن محبت سے مناتے جائیں گے
کیا مگر اپنا بھی منصب سوچنے پائیں گے ہم
قصہ آزادی کا آئے سال دہرایا گیا
سچ کہو قائد کے مسلک کو بھی اپنایا گیا

انسائیکلوپیڈیا

جہانِ قائدؒ

تالیف

علامہ عبدالستار عاصم